إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

یہ تو تمام جہاں والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔ (سورۂ ص: ۸۷)

تفسیر

ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ

حافظ جلال الدین القاسمی

جلد اول

ناشر

مجمع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ

حیدرآباد الهند

Scanned by CamScanner

Mohammadia Library
Book No.
Jamiat Ahlehadees, A

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

یہ تو تمام جہاں والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔ (سورۂ ص: ۸۷)

تفسیر

ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِین

حافظ جلال الدین القاسمی

جلد اوّل

ناشر

مُجمع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ

حیدر آباد الھند

Library
No.
Jamiat A...

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : ذکر للعالمین (جلد اول)

مؤلف : حافظ جلال الدین القاسمی

اشاعت اول : مئی 2018ء - رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

تعداد : 3000

ہدیہ : ₹ 850/- (مکمل سیٹ/تین جلد)

ناشر

مجمع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ حیدرآباد الهند

MUJAMMA BILQIS LIL BUHOOSIL ISLAMIAH
HYDERABAD (INDIA)

ملنے کے پتے

MUJAMMA BILQIS LIL BUHOOSIL ISLAMIAH
H. S. Residency, 9-4-134/a/5/23/1/a, Vali Colony,
Near Habeeb Masjid, Tolichowki,
Hyderabad, Telengana - 500 008 (INDIA)
Contact: **9963146652 / 9177919827** Email: **mbilqis.bi@gmail.com**

JAMIATUN NISWAN AS SALAFIA
#7-29, Thondawada (V), Chandragiri (M), Tirupati, Chittoor (Dist)
Andhra Pradesh, India - 517505. **www.jans.co.in. Email: jnastpt@gmail.com**
*Contact: **9346761142 / 9346761143 / 9550554230***

ACCOUNT DETAILS

MASJID-E-BILQIS EDUCATIONAL AND WELFARE TRUST
A/c: 295411100000140 IFSC: ANDB0002954
BANK: **ANDHRA BANK**, SEVEN TOMBS BRANCH
HYDERABAD :500008. TELANGANA

Scanned by CamScanner

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

Scanned by CamScanner

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا
اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

(سورہ ص:٢٩)

یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی
طرف نازل کی تا کہ یہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں
اور عقل رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں

Scanned by CamScanner

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے، جس پر ایمان رکھنا ضروری ہے، اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تلاوت اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کے ساتھ ساتھ دوسروں تک پہنچایا جائے تاکہ آئندہ نسل میں خیر و بھلائی عام ہو سکے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں فضیلۃ الشیخ حافظ جلال الدین قاسمی حفظہ اللہ کی منفرد خصوصیات کی حامل تفسیر "**ذِکر للعالمین**" کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی سعادت نصیب کی۔

یہ تفسیر ہندو پاک میں متداول دیگر اردو تفاسیر میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے، جس کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

- اس کتاب میں ہر آیت کا ترجمہ یا ہر آیت کی تفسیر کی پابندی نہیں کی گئی۔
- مقدمۃ الکتاب میں مؤلف نے اصول التفسیر پر مشتمل اہم مباحث کو ذکر کیا جس سے تفسیر پڑھنے والا بے نیاز نہیں۔
- ہر سورت کی جامع آیات کی بے نظیر تفسیر کی نیز ان آیات سے مستنبط جدید مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی۔
- ہر سورت میں بعض اہم نکات پیش کیے گئے ہیں۔
- ابتدا میں ہر سورت کی مختصر مگر جامع تفسیر کرنے کے بعد آخر میں آیات سے ماخوذ اہم نکات کو جمع کیا ہے۔
- اس تفسیر کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ مؤلف نے بشکل ضمیمہ مکمل تفسیر کے بعد انبیائے کرام کے واقعات اور حیوانات قرآنیہ یعنی جن جانوروں کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے ان پر محقق انداز میں کافی دلچسپ معلومات کو بھی جمع کیا ہے۔

مجمع بلقیس نے جید علماء کرام کی ایک کمیٹی کے مراجعہ کے بعد اس کو شائع کرنے کا اہتمام کیا، اس طرح کی مزید علمی وتحقیقی کتابوں کی نشر و اشاعت کے لیے ماہ رمضان ۱۴۳۹ھ مطابق مئی ۲۰۱۸ء مُجمع بلقیس للبحوث الاسلامیۃ کے نام سے ایک اکیڈمی قائم کی گئی، اس کے تحت شائع ہونے والی "**ذکر للعالمین**" پہلی کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مجمع کو کتاب وسنت اور عقیدۂ توحید کا بہترین ناشر بنائے، اللہ تعالیٰ شیخ مؤلف حفظہ اللہ کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت بخشے اور آپ کے علم وعرفان میں اضافہ فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

والسلام

مُجمع بلقیس للبحوث الاسلامیۃ

حیدرآباد الھند

Scanned by CamScanner

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

میں گزشتہ پندرہ برسوں سے، رمضان کے مہینے میں، ہندوستان کی مختلف مساجد میں، بعد نمازِ تراویح قرآن کی تفسیر کرتا آرہا ہوں، پہلے تو میں تن تنہا تھا، مگر آج اللہ کے فضل وکرم سے تفسیرِ قرآن کے اس مبارک قافلے میں بہت سے علماء شامل ہو چکے ہیں۔ رمضان 2017 مسجدِ توحید، سات گنبد، حیدرآباد میں محترمہ ڈاکٹر نوہیرہ شیخ کی پُرخلوص دعوت پر قرآن کی تفسیر کا شرف حاصل ہوا۔ محترمہ کو اللہ نے ذہانت وفراست، متانت و دوراندیشی، حسن انتظام اور تدبر و تفکر کی جن گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ کم ہی اشخاص میں پائی جاتی ہیں۔ ملت کی فلاح و بہبود، مسلک حق سے بے پناہ محبت اور علماءِ حق کی قدر و منزلت، مظلوموں کی حمایت، غرباء اور مساکین کی خبر گیری کا عظیم جذبہ اور ان کی ذاتی تبلیغی خدمات نیز ان کے عظیم الشان ادارے جامعۃ النسواں السلفیہ کی معلمات وطالبات کی علمی اور دعوتی سرگرمیاں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اللہ محترمہ کو بصحت وعافیت تادیر قائم رکھے۔ ان کی عمر میں برکت دے اور زندگی کی آخری سانس تک دین حق کے لیے ہر قربانی پیش کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

الحمدللہ! حیدرآباد کے علمی طبقے نے تفسیرِ قرآن کے اس نہج کو بہت پسند کیا اور کافی سراہا اور عوام وخواص نے اس سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ اسی رمضان میں بعد صلوٰۃ تراویح تفسیر قُرآن کے بعد جناب اسماعیل شیخ صاحب کے گھر کے ایک کمرے میں، جو مہینہ بھر کے لیے میرے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا، ایک نشست کے دوران جب یہ بات محترم اسماعیل شیخ کے کانوں میں پڑی کہ جو تفسیر مسجد میں بیان کی جارہی ہے، میں نے اسے قلمبند بھی کر رکھا ہے تو انہوں نے فوراً اس تفسیر کی طباعت کی خواہش کا اظہار فرمایا اور میں نے اسے اپنی سعادت سمجھ کر فوراً قبول کر لیا، جناب اسماعیل شیخ ڈاکٹر نوہیرہ شیخ کے چھوٹے بھائی ہیں، موصوف سادگی، تواضع وانکسار، صاف دلی، شیریں کلامی اور اخلاص وللّٰہیت کا پیکر ہیں اور ہر نیکی کے کام میں مسارعت اور سبقت کرنے والے جناب عبدالرحمٰن بھائی، جناب یٰسین بھائی، جناب نوراللہ بھائی، جناب باب جانی بھائی اور جناب عمران بھائی

کا میں بے حد ممنون و مشکور ہوں، جو قدم قدم پر میرے حوصلوں کو توانائی اور ارادوں کو استقامت دیتے رہے اور جن کی حوصلہ افزائیوں نے اس تفسیر کی تکمیل میں بڑا زبردست کردار ادا کیا ہے۔ اللہ ان سب کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو اپنے دامنِ عفو میں چھپالے اور دنیا اور آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے اور انہیں مزید دینی خدمات کی توفیق عنایت فرمائے۔

ساتھ ہی میں عزیزم شیخ حافظ سمیع اللہ جامعی جو ایک بہترین عالم دین، ایک عربی مدرسے کے بانی اور منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ میرے گہرے دوست بھی ہیں، کا بھی بے حد شکر گذار ہوں کہ انہوں نے ہی جناب اسمٰعیل شیخ اور اُن کے گھر والوں اور اُن کے رفقاء سے مجھے متعارف کرایا اور وہی مسجد توحید، حیدر آباد میں پہلی بار میری تفسیر قرآن کا سبب بنے اور اس تفسیری کاوش کی کڑی دھوپ میں ان کی تشجیع میرے لیے کسی شجر سایہ دار سے کم نہ تھی۔ بالآخر بفضل اللہ تعالیٰ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اہل علم پر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ کام کتنی دیدہ ریزی اور جانکاہی کا متقاضی ہے۔ کسی خود سرائی اور احساس دانائی اور دعویٰ ہمہ دانی کے بغیر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ تفسیر کے شائقین اس تفسیری کاوش کی افادیت و دل آویزی اور خوش تاثیری کے ضرور قائل ہوں گے۔ کوشش کی گئی ہے کہ ہر استدلال میں قدامت کے استناد کی حرارت اور تعبیر میں جدت و ندرت کی شبنمیت ہو۔ جہاں تک قرآن حکیم کے الفاظ و معانی کے ہر ہر پہلو کے احاطے کا معاملہ ہے تو چراغِ فکر و ادراک کے شہپر میں وہ تاب و تواں کہاں جو اس کے الفاظ و معانی کے ہر ہر پہلو کی لامتناہی وسعتوں کا اندازہ کر سکے اور طائر تخیل کی مجال کہاں کہ وہ ان کے فرازوں کو چھو سکے اور ہدہدِ تحقیق میں وہ جرأت کہاں کہ ان کے حریم اسرار تک رسائی حاصل کر سکے۔

تفسیری کاوش کے اس سفر میں غور و فکر کا طویل عرصہ صرف ہوا ہے اور معتد بہ کتابوں کا مطالعہ کیا گیا ہے اور علم کے کن کن خرمنوں سے خوشہ چینی کی گئی ہے شاید اس کی تفصیل میں خود بھی نہ بتا سکوں۔ بس اتنا کہوں گا کہ اس کتاب میں تشنگان علم کی تشنگی کو بجھانے کے بہت سے سامان موجود ہیں۔

ابتداء میں تفسیر کا یہ کام بڑا آسان سا محسوس ہوا مگر جب تہذیب و تنقیح کے مراحل سامنے آئے تو میرے پسینے چھوٹ گئے اور محسوس ہوا کہ یہ کام تو اہلِ علم کی پوری ایک ٹیم کا تھا، جسے لاشعوری طور پر میں نے تنہا اپنے سَر لے لیا ہے۔ دو مہینے ہر روز تقریباً آٹھ گھنٹے ٹائپسٹ کے ساتھ کمپیوٹر کے پاس بیٹھنا ایک تھکا دینے والا عمل تھا اور گھنٹوں مسلسل کمپیوٹر اسکرین پر نظریں جمائے رکھنے کی وجہ سے کئی بار آشوب چشم کا بھی شِکار ہونا پڑا، مگر اللہ کے کلام سے میری والہانہ وابستگی اور اللہ سے اجر کی اُمید نے کسی بھی مرحلے میں میرے حوصلوں پر اوس نہ پڑنے دی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں ''**ذکرٌ لِلعٰلمین**'' کے ٹائپسٹ ابوسُفیان صاحب نیز مجمع بلقیس للبحوث الاسلامیۃ حیدرآباد الھند کے تحت بطور خاص مدعو ٹیم کے شاہکار جناب زاہد اختر فیضی صاحب، عبدالحق ارسلان عالیاوی صاحب، محمد مستقیم ریاضی اور ان کے معاونین حفظہم اللہ کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے بڑی پابندی اور پورے صبر و سکون کے ساتھ کمپوزنگ اور ترتیب و تزئین کا کام انجام دیا۔

Scanned by CamScanner

مزید میں ڈاکٹر عبدالمقیت محمدی مدنی، شیخ ابوعمار ابراہیم منور محمدی مدنی اور ان کے معاون علماء کرام حفظہم اللہ پر مشتمل ٹیم کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے حسن ترتیب اور احادیث کی تحقیق وتخریج کے ساتھ اس کتاب کی اشاعت میں بھرپور تعاون کیا، ان کا بھی شکریہ ادا کرنا نہیں بھولوں گا جنہوں نے اس کتاب کی طباعت سے متعلق کسی بھی طرح کی کوئی بھی خدمت انجام دی ہو، اس کے ساتھ ہی میں اپنے تینوں بیٹوں خصوصاً ابوعبیدہ (انگلش لیکچرر، آر ایم پٹیل کالج، دھولیہ، مہاراشٹر) کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے کالج کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود کمپیوٹر کی مدد سے احادیث نکالنے اور عربی تفاسیر کے حوالوں کی دستیابی میں میری سب سے زیادہ مدد کی۔

کتاب کی ترتیب: اس کتاب میں قرآن کی تمام آیتوں کی تفسیر نہیں کی جاسکی ہے، کیونکہ دس سالوں سے رمضان میں اور موقع بہ موقع غیر رمضان میں جن جن آیتوں کی تفسیریں میرے مطالعے میں آتی گئیں انہیں میں جمع کرتا گیا اور اُنہیں کو مرتب کرکے میں نے ایک کتاب کی شکل دے دی ہے، آیات کی ضروری تشریح کی گئی ہے، اس تشریح میں نہ اتنی تطویل ہے کہ قاری بیزاری محسوس کرے اور نہ اتنا اختصار ہے کہ اغلاق باقی رہے۔ اس کتاب کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس کو پڑھ کر قاری کے دل میں قرآن کی عظمت جاگزیں ہوجائے اور وہ قرآن کے تدبر کی راہ پر لگ جائے۔ ان شاء اللہ اس کا اگلا ایڈیشن تخریج پر مشتمل ہوگا اور مستقبل قریب میں تمام آیتوں کی تفسیر کے ساتھ اس کتاب کو شائع کیا جائے گا۔ کتاب کے آخر میں "قصص قرآنیہ میں دروس وعبر کی کچھ جھلکیاں" اور "۲۲ حیواناتِ قرآنیہ" کے بارے میں ایک تحقیق بطور ضمیمہ شامل کردی گئی ہے۔ جو بجائے خود بصیرت وآگہی کے بے شمار سامان سمیٹے ہوئے ہے۔ ساتھ ساتھ اردو ادب کے شائقین کے لیے ادبی چاشنی کا بھی انتظام کردیا گیا ہے۔

اہل علم سے درخواست: اہل علم اور اربابِ نظر وانصاف سے استدعا ہے کہ اس کتاب میں خوبی نظر آئے تو میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں اور کہیں خامی محسوس ہو اور غلطی نظر آئے تو مجھے مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کا ازالہ کیا جاسکے۔

آخر میں اللہ سے دعاگو ہوں کہ اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے میرے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنا دے۔ مجھے کبر وعجب اور دنیا پرستی سے دور رکھے اور زندگی کی آخری سانس تک اپنے کلام (قرآن) کے در پر پڑے رہنے کی توفیق بخشے اور عوام وخواص سب کے لیے اس کتاب کو مفید ونافع بنادے۔ آمین۔

حافظ جلال الدین القاسمی

مالیگاؤں

Scanned by CamScanner

تقريظ

الحمد لله والصلاة على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن اقتفى أثره واتبع هداه أما بعد

فالقرآن له حق على كلّ من أكرمه الله به وحق القرآن على أهله أن يتلوه ويتعلّموه ويعلّموه ويتدبروا آياته وتفسيره ويبذلوا قصارى جهدهم لنشره وتوصيله لمن بعدهم من الأجيال.

فلقد منّ الله علينا أن نطلع على ما حبره شيخنا العلّامة المفسّر حامل راية التوحيد والسنّة في الهند جلال الدين القاسمي في تفسيره الفذ المسمّى "ذكر للعالمين" فوجدناه جيد السبك، حسن العبارة، وافياً بالغرض المطلوب، وألفيناه قد ارتوى من ينابيع الآيات القرآنية ونمير السنّة النبوية. ولقد بارك الله في وقته وصحته فأنجز هذا المشروع العظيم في وقت ما كان يحلم به من غيره.

"وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء"

وفي الحقيقة إنه تأليف متميز، شاهد على نضوج فكر المؤلف، وجهده المشكور في خدمة كتاب الله تفسيراً وبياناً.

قدم المؤلف للقارئ بمقدمة تناول فيها عدة مباحث من أصول التفسير لا يستغني عنها القارئ فأفاض وأجاد، ثم بدأ بتفسير القرآن وانتهج فيه نهجاً سليماً وختم تفسير كلّ سورة بخاتمة تتضمن لطائف قرآنية مستفادة من تلك السورة ثم أردف الكتاب بملحقات تناول فيها قصص الأنبياء وأحوال الحيوانات التي مرّ ذكرها في القرآن الكريم، وهذا قل من التفت إليه من الباحثين جزاه الله خير الجزاء.

وختاماً وفقنا الله وإياه لما يحب ويرضى وأن يضفي هذا العمل حسن القبول، وأن يحقق به الغاية التي يسعى إليه الشيخ وأن ينفع بهذا الكتاب القيم طلبة العلم خاصة والأمة الإسلامية عامة وأن يجعله خالصاً لوجهه الكريم إنه سميع الدعاء، وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

کتبہ راجی عفو ربہ

الدكتور أبو بسّام حافظ عبد المقيت المحمدي المدني

غفر اللہ لہ ولوالدیہ

مفسر ایک نظر میں

نام ونسب: جلال الدین بن مطیع اللہ بن دوست محمد چودھری

پیدائش: آپ ہندوستان کی بڑی ریاست اتر پردیش کے صوبہ بستی کے نَوا گاؤں (Nawwah Gaon) میں ۵ رفروری ۱۹۶۴ء بمطابق ۲۰ ررمضان المبارک ۱۳۸۳ھ ہجری کو پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے مختلف جامعات میں علم حاصل کیا، جودرج ذیل ہیں:

(۱) جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، ضلع بلرام پور، اتر پردیش (یوپی) میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

(۲) مدرسہ ناصر العلوم گونڈہ (یوپی) میں ۶ رماہ کے دوران حفظ قرآن مکمل کیا۔اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۱ رسال تھی۔

(۳) مدرسہ دارالحدیث اثریہ، مئوناتھ بھنجن، (یوپی) میں عربی کی دوسری جماعت تک تعلیم حاصل کی۔

(۴) جامعہ سلفیہ بنارس، (یو۔پی) میں ایک سال، عالمیت سال اول میں تعلیم حاصل کی۔

(۵) جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور (یوپی) میں دو سالہ فضیلت کا کورس مکمل کرکے ۱۹۸۴ء میں سند فراغت حاصل کی ہے۔

(۶) میسور یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔

علمی قابلیت: آپ کئی علوم وفنون میں مہارت رکھتے ہیں۔جن میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث، نحو وصرف، بلاغت، فرائض، عقیدہ، منطق اور فلسفہ قابل ذکر ہیں۔آپ اردو اور فارسی کے اچھے شاعر ہیں، اور علم العروض پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔

دعوتی میدان: فراغت کے بعد سے آج تک آپ نے کسی بھی مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام نہیں دی، بلکہ آپ ہمیشہ امامت، خطابت، علمی دروس اور فقہی وعقدی مسائل میں مناظر کی حیثیت سے مشغول رہے۔

(۱) آپ نے ''پابرہ'' تعلقہ مہسلہ، رائے گڑھ، مہاراشٹرا میں پانچ سال تک امامت وخطابت کا کام انجام دیا۔

(۲) تین سال ''گلبرگہ'' کرناٹک کی مسجد اہل حدیث غازیپورہ میں امام وخطیب رہے۔

(۳) فی الحال تقریباً ۲۲ رسال سے مہاراشٹرا کے مشہور شہر ''مالیگاؤں'' میں مقیم رہ کر ملک و بیرون ملک علمی دروس وخطابت کا کام انجام دے رہے ہیں۔

خطابت: ہندوستان کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے شہروں میں مختلف حساس عناوین پر آپ نے تقاریر کی ہیں۔آپ کی تقاریر میڈیا میں کافی زیادہ متداول اور قابل اعتماد ہیں۔آپ کو سننے کے لیے لوگوں کا جم غفیر دور دور سے اکٹھا ہوتا

Scanned by CamScanner

ہے اور انتہائی دلچسپی [illegible] سماعت کرتا ہے۔ آپ فن خطابت کے بے نظیر شہسوار ہیں۔ آیات واحادیث سے مدلل خطاب آپ کی [illegible] بیرون ملک میں خصوصی پہچان ہے۔ علمی نکات اور دقیق استنباط کا بہترین ملکہ ہے۔ دوران خطاب پورے مجمع کو اپنی جادو بیانی سے اپنا بنا لیتے ہیں۔ بہت سے راہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو اللہ نے آپ کے دروس سے سیدھی راہ دکھائی۔

دروس علمیہ:

(۱) آپ نے کئی سال سے ماہِ رمضان میں ملک کی مختلف مساجد میں قرآن کی مکمل تفسیر کی ہے۔

(۲) جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ، آندھرا پردیش، جامعۃ النسوان السّلفیہ تروپتی آندھرا پردیش، اور دیگر کئی مدارس و مساجد میں آپ نے فرائض، نحو وصرف، اصول حدیث، اصول فقہ، بلاغت، منطق اور فرائض وغیرہ میں مستقل ورکشاپ منعقد کیے۔

مناظرہ علمیہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک بہترین مناظر بنایا ہے۔ آپ ملک میں عقیدۂ توحید اور فقہی مسائل میں منحرف علماء کی مختلف اوقات میں جوابات دیتے رہے ہیں۔ جس میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی کتاب ''راہِ اعتدال'' کا بہترین جواب ''احسن الجدال'' کی شکل میں دیا۔ نیز کتاب ''بارہ مسائل بیس لاکھ انعام'' کا جواب ''رفع الشکوک والاوہام بجواب بارہ مسائل بیس لاکھ انعام'' کے نام سے دیا۔ اس کتاب کو محققین علماء نے بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ مزید آپ نے بنگلور، کرنول، علم پور، گلبرگہ وغیرہ ملک کے کئی شہروں میں مجلسوں اور جلسوں میں علماء سے مناظرے کیے، جس میں الحمدللہ آپ کو کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

تصنیف وتالیف:

۱۷ سے زائد کتابوں کے آپ مصنف ہیں۔ کچھ کتابوں کے ترجمے بھی دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

احسن الجدال بجواب راہ اعتدال آپ کی مشہور تصانیف میں سے ایک ہے۔ فارسی اور سنسکرت زبان کے گرامر پر آپ نے کتابیں لکھی ہیں۔ نحو، صرف، فرائض، بلاغت، منطق، فلسفہ وغیرہ پر کتابیں زیر طبع ہیں۔ مایہ ناز تفسیر ''ذکر للعالمین'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

زبان: آپ سات زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں۔ اردو، عربی، انگریزی اور ہندی بڑی سلاست کے ساتھ پڑھتے اور بولتے ہیں۔ فارسی اور سنسکرت پر کافی عبور حاصل ہے۔ بھوجپوری آپ کی مادری زبان ہے۔ اردو اور فارسی میں آپ شعروشاعری بھی کرتے ہیں۔

عائلی زندگی: آپ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ جن میں سے بڑے بیٹے ابوعبیدہ دھولیہ میں آر ایم کالج کے انگلش لکچرار ہیں۔ اس تفسیر کی طباعت میں آپ کے فرزند ابوعبیدہ نے کافی تعاون کیا۔

Scanned by CamScanner

اصول تفسیر

انسان کو چاہئے کہ وہ سب سے اہم چیز پر اپنی توجہ مرکوز کرے اور میری نگاہ میں سب سے اہم چیز قرآن عظیم ہے۔ یہ ایک قیمتی خزانہ ہے۔ ایک آیت کو آپ لیں گے اور غور کریں گے تو ایسے علوم کے دروازے آپ پر کھلیں گے جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ پھر قرآن سند ہے یعنی دنیا کے کسی عالم کی کتاب کی طرح نہیں ہے۔

تفسیر لفظ اَلْفَسْرُ سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے ''فَسَرَتِ الثَّمَرَةُ عَنْ قِشْرِهَا - أَيْ إِتَّضَحَتْ وَبَانَتْ'' یعنی پھل اپنے چھلکے سے ظاہر ہو گیا اور یہ اللہ کے کلام کی توضیح کا نام ہے۔ عربی زبان میں فَسْرٌ کا ایک معنی یہ ہے کہ کسی سجے سجائے گھوڑے کو زین، لگام اور سارے لوازمات سے عاری کر کے خریدار کے سامنے پیش کر دینا۔ گویا خریدار کے سامنے اصل گھوڑے کو اس طرح رکھ دینا کہ اس کی اصلی شکل وصورت اور رنگ وروپ سب نظر آ جائے۔ گویا قرآن کے مطالب کو اس طرح کھول کر رکھ دینا کہ ہر سننے والے کی سمجھ میں آ جائے اور ہر پڑھنے والا اس کا مفہوم ومعنی سمجھ لے۔ اس عمل کو تفسیر کہتے ہیں۔ قرآن کی تفسیر میں کس کی طرف رجوع کیا جائے؟ لغت اور حقیقت لغویہ کی طرف، یا حقیقت شرعیہ کی طرف۔ تو جاننا چاہئے کہ تفسیر کے چار مراتب ہیں۔ پہلے ہم اس کی طرف رجوع کریں گے جس کا یہ کلام ہے یعنی:

(۱) تَفْسِيْرُ الْقُرْآنِ بِالْقُرْآنِ:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک مضمون میں جس کا اردو ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی رحمہ اللہ نے ''اصول تفسیر'' کے نام سے کیا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔ کیونکہ قرآن میں جو مضمون ایک جگہ مجمل ہے دوسری جگہ مفصل ملے گا۔ اور جہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل مل جائے گی۔

تفسیر القرآن بالقرآن جیسے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی تفسیر ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا﴾ سے۔

تفسیر القرآن بالقرآن کے دو نمونے ہمیں حدیث میں ملتے ہیں اور دونوں کا تعلق سورۂ لقمان سے ہے۔

(الف) ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (سورۂ انعام: ۸۲) اس میں ظلم کی تفسیر آپ ﷺ نے شرک سے کی اور استشہاد کے طور پر سورۂ لقمان کی یہ آیت (۱۳) پڑھی ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾

(ب) ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾ (سورۂ انعام:۵۹) کی تفسیر سورۂ لقمان کی اس آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ (سورۂ لقمان:۳۴) سے کی۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ، لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ، لَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلَّا اللّٰهُ" (صحیح بخاری، کتاب التفسیر:۴۶۹۷)"مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ" سے مراد یہی پانچ چیزیں ہیں اور اگر اس میں کامیاب نہ ہوسکو تو سنت کی طرف رجوع کرو، جو قرآن کی شرح وتفسیر کرتی ہے یہ سنت مثیل قرآن ہے اور قرآن وسنت میں اس کی تفسیر نہ ملے تو اقوال صحابہ میں اس کی جستجو کرنا چاہیے۔

(۲) **تَفْسِيْرُ الْقُرْآنِ بِالسُّنَّةِ:** یعنی "تَفْسِيْرُ الْقُرْآنِ بِالْأَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ لِأَنَّهُ أَعْلَمُ النَّاسِ بِكَلَامِ اللّٰهِ لِأَنَّهُ رَسُوْلُهُ" قرآن کی تفسیر نبی ﷺ کی احادیث سے، کیونکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کے کلام کو جاننے والے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ جیسے ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (سورہ یونس:۲۶) میں "وَزِيَادَةٌ" کی تفسیر "اَلنَّظْرُ إِلَى اللّٰهِ" سے کی۔ عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُوْلُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ" (صحیح مسلم، کتاب الایمان:۱۸۱)

(۳) **تَفْسِيْرُ الْقُرْآنِ بِأَقْوَالِ الصَّحَابَةِ:** "لِأَنَّهُمْ أَعْلَمُ النَّاسِ بِلُغَةِ الْقُرْآنِ" قرآن کی تفسیر اقوال صحابہ سے، کیونکہ وہ بلاشبہ لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن کی زبان کو جاننے والے تھے۔

(۴) **الرُّجُوْعُ إِلَى كَلَامِ التَّابِعِيْنَ الَّذِيْنَ أَخَذُوْا عَنِ الصَّحَابَةِ:** ان تابعین کے کلام کی طرف رجوع کرنا جنہوں نے صحابہ سے لیا۔ "وَلَيْسَ كُلُّ التَّابِعِيْنَ بَلِ الَّذِيْنَ اشْتَهَرَ مِنْهُمُ الْأَخْذُ عَنِ الصَّحَابَةِ وَعَلَى رَأْسِهِمْ "مُجَاهِد" الَّذِيْ أَخَذَ تَفْسِيْرَ الْقُرْآنِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ" اور ہر تابعی نہیں بلکہ جو صحابہ سے لینے میں مشہور ہیں۔ جن میں سرفہرست مجاہد رحمہ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر کو عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لیا ہے "ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ يُؤْخَذُ بِالْأَمْثَلِ فَالْأَمْثَلِ مِنْ أَقْوَالِ أَئِمَّةِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَعُلَمَاءِهَا" پھر اس کے بعد اس امت کے ائمہ اور علماء کے اقوال کو لیا جائے گا مگر اس میں "اَلْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ" (بڑا پھر اس سے بڑا) کا لحاظ رہے گا۔

(۵) **اَلتَّفْسِيْرُ بِمُقْتَضَى اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ:** کلمہ کو معنی حقیقی کی طرف رجوع کرنا اور وہ معنی لغوی ہے یعنی کلمہ کا معنی

Scanned by CamScanner

جاننے کے لیے لغت عربیہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس کی دلیل ﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ﴾ (سورہ یوسف:۲) ہے۔ "إِنَّ عَقْلَ الْقُرْآنِ يَكُوْنُ بِمُقْتَضَى اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ" یعنی قرآن کا سمجھنا لغت عربیہ کے مطابق ہوگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ لغت عربیہ کا عالم ہو۔ لیکن اگر حقیقت لغویہ اور حقیقت شرعیہ میں اختلاف ہو تو حقیقت شرعیہ کی طرف رجوع کریں گے۔ قواعد مذکورہ کے خلاف اگر کوئی اپنی رائے کے موافق تفسیر کرتا ہے تو یہ تفسیر بالرائے ہے اور تفسیر بالرائے حرام ہے اور یہ اللہ کے قول ﴿وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ (انعام:۲۱) میں داخل ہے۔ علم تفسیر انتہائی بلند اور عظیم علم ہے کیونکہ انسان کوشش کرتا ہے کہ وہ اللہ کے کلام کے معنی سمجھے۔ علوم اپنے موضوع کے اعتبار سے عظیم ہوتے ہیں اور کلام اللہ کی تفسیر کے موضوع سے اشرف اور اعظم کوئی علم نہیں، تو علم تفسیر اشرف العلوم ثابت ہوا اور تفسیر بالرائے کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ اس میں دو عظیم مفاسد ہیں:

(۱) تَحْرِيْفُ الْكَلِمِ عَنْ مَوَاضِعِهِ (۲) اَلْكِذْبُ عَلَى اللهِ

علم تفسیر سے انسان، قرآن کی قدر و عظمت کو پہچانتا ہے۔ اکثر طلباء علم فقہ، علم الرجال اور علم الحدیث کی کتابوں پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور علم التفسیر جو اصل الاصول ہے، اس پر بہت کم توجہ دیتے ہیں حالانکہ ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اس کو جانیں جس پر ہم سے محاسبہ کیا جائے گا۔ کسی طالب علم کو کھڑا کیجئے اور اس کے سامنے کوئی آیت پیش کیجئے اور پوچھئے کہ اس کا کیا مطلب ہے تو اگر وہ جری ہے تو کہے گا اس آیت کا یہ اور یہ مطلب ہے، حالانکہ اللہ کی وہ مراد نہیں ہے یا اگر وہ پرہیزگار ہوگا تو لَا أَدْرِيْ (مجھے معلوم نہیں) کہہ دے گا لیکن اگر طلبہ قرآن کو لیں اور شروع سے اس کو پڑھیں اور اس پر تدبر کریں تو خیر کثیر سے سرفراز ہوں گے اور ان پر معرفت کے وہ ابواب عیاں ہوں گے جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوں گے اور اللہ نے فرمایا ﴿وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ﴾ (سورہ القمر:۱۷) قرآن مشکل نہیں ہے، یعنی اگر طالب علم قلب صادق اور نیت جازمہ کے ساتھ آئے گا تو قرآن سب سے سہل کتاب نظر آئے گی، اگر کوئی یہ کہے کہ بعض لوگ تفسیر کو چھوڑ دیتے ہیں اور علم حدیث اور علم الرجال کو پڑھتے ہیں اور اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ اہل بدعت قرآن کے عمومات سے استدلال کرتے ہیں تو ہم علم حدیث کی طرف اس لیے توجہ دیتے ہیں تاکہ احادیث سے ان عمومات کی وضاحت کریں، یہ بات بالکل صحیح ہے۔ ہم علم الحدیث اور علم الرجال اور مصطلحات حدیث کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارے پیش نظر اولویات ہیں اور اہم چیزوں میں بھی ایک اہم چیز ہوتی ہے۔ مگر یہ دعویٰ کہ قرآن نے اہل بدع کا رد نہیں کیا بلکہ سنت نے اس کا رد کیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے بلکہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "دَرْءُ تَعَارُضِ الْعَقْلِ وَالنَّقْلِ" میں فرمایا: "أَيُّ دَلِيْلٍ يَسْتَدِلُّ بِهِ شَخْصٌ عَلَى بِدْعَتِهِ فَأَنَا أَجْعَلُ هَذَا الدَّلِيْلَ دَلِيْلًا عَلَيْهِ" کہ کوئی شخص اپنی بدعت پر کوئی بھی دلیل لائے تو میں اس دلیل کو اسی کے خلاف دلیل بنادوں گا اور انہوں نے بالکل سچ کہا۔ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدعت کو سنت ہی سے دفع کیا جا سکتا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ اور یہ قرآن کے بارے میں ان کی کم فہمی کی دلیل ہے ورنہ کوئی ایسی بدعت نہیں جس کا رد قرآن نے نہیں کیا ہے۔ مثلاً یہ آیت کریمہ ﴿اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ

Scanned by CamScanner

اللّٰهُ، وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ، وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (سورہ شوریٰ:۲۱) ہر بدعت کو ختم کرنے والی ہے اور اس آیت سے ہر بدعت کا رد ہو جاتا ہے خواہ وہ عقائدی بدعت ہو یا قولی یا فعلی ہو۔

''عقیدہ واسطیہ''میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تحریف ہر حال میں مذموم ہے اور تاویل کی دو قسمیں ہیں: (۱) صحیح (۲) فاسد۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ بَيْتِ مَيْمُوْنَةَ، فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوْءًا مِنَ اللَّيْلِ، قَالَ: فَقَالَتْ مَيْمُوْنَةُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَضَعَ لَكَ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ. فَقَالَ: "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ'' (مسند احمد:۳۰۳۲، اسنادہ قوی) نبی ﷺ نے ابن عباس کے لیے خاص طور پر یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ اسے تاویل کا علم دے۔

ظاہر ہے کہ یہاں تاویل سے مراد اصل بات کو پہنچنا ہے نہ کہ اس کے معنی ہیں ظاہر کو چھوڑ دینا۔ تاویل کے معنی رجوع کرنے اور لوٹانے کے ہیں یعنی الفاظ جتنے معانی کے محتمل ہیں، ان میں بذریعہ قرائن کسی ایک کی طرف رجوع کرنا تاویل کہلاتا ہے۔ اس میں ضروری ہے کہ تاویل کا مصداق اصول اسلام اور تفسیر سلف سے کسی بھی طرح متصادم نہ ہو۔ اس قسم کی تاویل مقبول ہے۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت دو صورتوں میں ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص پہلے سے ایک رائے قائم کر لے اور اس کی طرف اس کا طبعی میلان اور وہی اس کی غرض ہو اور وہ تفسیر اس لیے کر رہا ہو کہ اپنی غرض کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلیل لائے اور کبھی تفسیر بالرائے کرنے والے کی غرض صحیح ہوتی ہے جیسے کوئی شخص مجاہدہ قلبی کی دعوت دیتے ہوئے ﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ (سورہ طٰہٰ:۴۳) سے استدلال کرنے لگے کہ فرعون طاغی سے مراد سخت دل ہے۔ ایسی تفسیر صحیح غرض کے لیے بھی منع ہے۔

تفسیر بالرائے کی چند مثالیں

جیسے ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (سورہ نسا:۵۹) میں کوئی اطاعت رسول کا معنی یہ بیان کرے کہ اطاعت رسول سے مرکز ملت (مسلمانوں کی قومی اسمبلی) کی اطاعت مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ الفاظ قرآن اس معنی کے ہرگز محتمل نہیں، نہ ان آیات کا سیاق وسباق ایسے من گھڑت معنی کی گنجائش رکھتا ہے۔ دوسری مثال سورۂ مریم میں ہے کہ جبریل علیہ السلام مریم کے پاس آئے اور کہا ﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ (سورہ مریم:۱۹) اب اس آیت کا کوئی یہ مطلب بیان کرنے لگے کہ جبریل علیہ السلام میں دوسروں کو اولاد دینے کی طاقت ہے۔ تو ظاہر ہے یہ تفسیر بالرائے ہے کیونکہ قرآن ہی میں اس کی واضح تردید موجود ہے۔ خود آیت کریمہ میں ﴿اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ کا جملہ بھی اس کی تردید کر رہا ہے۔ جو بتا رہا ہے کہ جبریل خود مختار نہ تھے بلکہ وہ اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے اور اسی پر مامور تھے اور لڑکے کی بشارت بھی اسی کی طرف سے دے رہے تھے۔ تفسیر بالرائے، اپنے مذاہب کے متعصبین کا کام ہے جو نصوص کی گردنیں پکڑ کر اپنے موقف کی طرف موڑ دیتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

کیا قرآن میں نسخ ہے؟ صحیح یہ ہے کہ اس میں نسخ ممکن ہے مگر وہ آیتیں جو اصول دین ہیں ان میں نسخ نہیں ہوتا۔ نسخ عقلاً اور شرعاً جائز ہے۔ نسخ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) نَسْخُ الْحُكْمِ مَعَ بَقَاءِ اللَّفْظِ (حکم منسوخ ہو گیا اور لفظ باقی ہے) جیسے ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (سورہ بقرہ: ۱۴۴) ہے۔ (لفظ باقی ہے)

(۲) نَسْخُ اللَّفْظِ مَعَ بَقَاءِ الْحُكْمِ (لفظ منسوخ ہو گیا اور حکم باقی ہے) جیسے آیت رجم ہے۔ الفاظ نہیں حکم باقی ہے۔

(۳) نَسْخُهُمَا جَمِيْعًا (لفظ اور معنی دونوں منسوخ ہو گئے)۔ جیسے پہلے دس مرتبہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی تھی۔ اسے منسوخ کر کے پانچ مرتبہ کر دیا گیا۔ یہاں لفظ اور حکم دونوں منسوخ ہیں۔

سوال: حکم جب منسوخ ہو گیا تو لفظ کو باقی رکھنے کا کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ بندوں کو اللہ کی یہ نعمت یاد دلائی جائے کہ انہیں اشد سے اخف کی طرف منتقل کیا گیا ہے۔ دوسرے اس کی تلاوت کا اجر ملے۔

سوال: کیا قرآن، سنت سے منسوخ ہو سکتا ہے؟

جواب: ہاں ہے۔ اس کی مثال بہت نادر ہے ﴿وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا﴾ (سورہ نساء: ۱۶) ''أَيِ الْفَاحِشَةَ'' اور جو دونوں تم میں سے اس بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کو ایذا دو اور حدیث ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ، فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهِ'' (سنن ابوداود، کتاب الحدود: ۴۴۶۲، صحیح) جس کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

قال ابن القیم رحمہ اللہ: ''وَتَفْسِيْرُ النَّاسِ يَدُوْرُ عَلَى ثَلَاثَةِ أُصُوْلٍ''

ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا لوگوں کی تفسیر تین اصولوں پر گھومتی ہے:

(۱) ''تَفْسِيْرٌ عَلَى اللَّفْظِ وَهُوَ يَنْحُوْ إِلَيْهِ الْمُتَأَخِّرُوْنَ'' لفظی تفسیر۔ اس کی طرف متاخرین گئے ہیں۔

(۲) ''تَفْسِيْرٌ عَلَى الْمَعْنَى۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَذْكُرُهُ السَّلَفُ'' معنوی تفسیر۔ اس کی طرف سلف گئے ہیں۔

(۳) ''تَفْسِيْرٌ عَلَى الْإِشَارَةِ وَهُوَ الَّذِيْ يَنْحُوْ إِلَيْهِ كَثِيْرٌ مِّنَ الصُّوْفِيَّةِ وَغَيْرُهُمْ وَهَذَا لَا بَأْسَ بِهِ بِأَرْبَعَةِ شُرُوْطٍ'' اشاری تفسیر۔ اس کی طرف اکثر صوفیاء وغیرہ گئے ہیں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں اگر اس میں چار شرطیں پائی جائیں:

(۱) ''أَنْ لَا يُنَاقِضَ مَعْنَى الْآيَةِ'' آیت کے معنی سے نہ ٹکرائے۔

(۲) ''أَنْ يَكُوْنَ مَعْنًى صَحِيْحًا فِيْ نَفْسِهِ'' یعنی معنی، فی نفسہ صحیح ہو۔

(۳) ''أَنْ يَكُوْنَ فِي اللَّفْظِ إِشْعَارٌ بِهِ'' لفظ میں اس کا اشارہ ہو۔

(۴) ''أَنْ يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَعْنَى الْآيَةِ إِرْتِبَاطٌ وَتَلَازُمٌ فَإِذَا اجْتَمَعَتْ هَذِهِ الْأُمُوْرُ الْأَرْبَعَةُ كَانَ

Scanned by CamScanner

إِسْتِنْبَاطًا حَسَنًا" آیت اور معنی کے درمیان ربط اور تلازم ہو۔ اگر یہ چار امور جمع ہو جائیں تو استنباط صحیح ہے۔

"وَالْكُتُبُ الْمُصَنَّفَةُ فِي التَّفْسِيرِ ثَلَاثَةٌ" انواع تفسیر میں لکھی گئی کتابیں تین قسم کی ہیں: (۱) وجیز (۲) وسیط (۳) بسیط

"اَلْقُرْآنُ: مِنْ قَرِيَ يَقْرَى بِمَعْنَى جَمَعَ. وَمِنْهُ اِسْمُ الْقَرْيَةِ لِأَنَّهَا جَامِعَةٌ لِلنَّاسِ، قُرْآنٌ: قَرِيَ يَقْرَى" سے مشتق ہے اس کے معنی جمع کرنے کے ہیں اور اسی سے لفظ قریہ ہے جو بستی کے معنی میں ہے کیونکہ یہ لوگوں کو جمع کرنے والا ہے۔ علامہ زجاج رحمہ اللہ نے کہا: کہ لفظ قرآن کا مادہ "قَرَأَ" ہے جس کا معنی "جَمَعَ" ہے۔ اس کا نام قرآن اس وجہ سے ہے کہ اس میں تمام کتب سماویہ کی تعلیمات کو جمع کر دیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: (مَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيُثَوِّرِ الْقُرْآنَ، فَإِنَّ فِيهِ عِلْمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ) (مجمع الزوائد للهيثمی: ۷/ ۱۶۸، صحیح) عبداللہ ابن مسعود نے کہا، جو علم چاہے اسے چاہئے کہ قرآن پر غور کرے۔ کیونکہ اس کے اندر علم الاولین اور آخرین بند ہے۔ لفظ قرآن چھیاسٹھ بار قرآن میں آیا ہے۔ قرآن قَرَأَ يَقْرَأُ باب فتح یفتح سے ہے، اس کا مصدر صریح، قِرَأَةٌ ہے۔ مصدر صریح سے فعل میں تاکید تو پیدا ہوتی ہے مگر استمرار اور دوام کے معنی نہیں ہوتے مثلاً ہم کہیں "سَبَّحَ يُسَبِّحُ تَسْبِيحًا" تو تسبیح کا مطلب ہوگا اس نے یقیناً تسبیح کا عمل انجام دیا یعنی معنی میں تاکید ہوگی مگر اس مفہوم کا حامل نہ ہوگا کہ اس نے دوبارہ اور سہ بارہ یہ کام کیا۔ مگر اس سے مصدر فُعْلَانٌ کے وزن پر آجائے جیسے غُفْرَانٌ اور فُرْقَانٌ، تو یہ بظاہر مصدر تو ہے مگر اس میں اسم آلہ کا مفہوم پایا جاتا ہے جو دوام اور تسلسل پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن سے مراد وہ چیز ہوگی جو بار بار اور مسلسل پڑھی جائے۔ اسی طرح سبحان کا مطلب ہوگا کہ اللہ عز وجل کی ذات ہمیشہ کے لیے عیوب سے پاک ہے۔ اس کی صفت دائمی ہے دوبار، تین بار، ہزار بار لاکھ بار وغیرہ اس کے لیے پاکی ہے۔ اس مفہوم کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اس اعتبار سے جو کتاب بار بار پڑھی جائے وہ قرآن کہلائے گی۔ یہاں اس کتاب کے لیے قرآن ہی نہیں بلکہ القرآن کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے یعنی یہ واحد اور متعین کتاب تسلسل اور تکرار کے ساتھ بار بار پڑھی جا رہی ہے اور یہ نام قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب پر صادق نہیں آسکتا۔

سوال: قرآن یکبارگی نازل نہیں ہوا؟

جواب: مفسرین نے قرآن کے نجماً نجماً نازل ہونے کے الفاظ استعمال کئے ہیں، یعنی قرآن کی ہر آیت ایک درخشاں ستارے کی طرح ہے اور پورے کلام الٰہی کو کہکشاں سے تشبیہ دی ہے۔ گویا ایک ایک کر کے ستارے آسمان سے گر رہے ہیں اور پھر دھیرے دھیرے ہدایت کی کہکشاں کو مکمل کر دیا گیا۔

قرآن نے توحید اور بعث بعد الموت کے عقائد کو ثابت کرنے کے لیے جو اسلوب استدلال اختیار کیا ہے وہ جزئیات سے کلیات تک پہنچانے کا اسلوب ہے۔ اس اسلوب نے علم وفکر کا واسطہ زمینی حقائق سے جوڑ دیا اور یونانی انداز کی "فکر مجرد" کے مقابلے میں براہ راست مشاہدہ اور تجربہ کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ یہ وہ چیز ہے جس نے یونانی انداز کی "منطق استخراجی" کے مقابلے میں ایک نئی منطق، "منطق استقرائی" کو پیش کیا۔

Scanned by CamScanner

تفسیر کے اصول

(۱) بعض اصول قرآن سے مستنبط ہیں۔ (۲) بعض اصول رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔

(۳) بعض اصول صحابہ کرام ﷺ نے رسول کے ارشادات کی روشنی میں وضع کیے اور کچھ اپنی بصیرت سے کام لے کر مرتب کئے۔

(۴) کلام عرب سے استفادہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی تفسیر میں کلام عرب سے استفادہ کے اتنے نمونے ملتے ہیں کہ اگر ان کا استقصاء کیا جائے تو بڑی بڑی ضخیم کتابیں تیار ہو جائیں۔ اس کی اہمیت کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر کوئی آدمی میرے پاس لایا گیا جو عربی زبان کی نزاکتوں کو نہیں سمجھتا اس کے باوجود وہ قرآن کی تفسیر کرتا ہے تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ دنیا کے لیے عبرت بن جائے گا، اگر کسی کو عربی ادب کا گہرا ذوق نہ ہو تو اس کا تفسیر کے لیے قلم اٹھانا بہت بڑی جسارت ہے۔ عربی زبان میں کتنی نزاکتیں ہیں اس کی ایک مثال سامنے رکھیں کہ دیکھنے کے لیے عربی زبان میں کئی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، جیسے نَظَرَ، رَأَی، أَبْصَرَ۔ اگر عربی ادب کا گہرا ذوق نہ ہو تو ہر لفظ کا ترجمہ "دیکھنا" ہی کرے گا جب کہ "رَأَی" کے معنی ہیں دیکھا اور دیکھ کر سمجھا اور "نَظَرَ" کا مطلب ہے محض نظر ڈالی۔ یعنی دیکھا تو لیکن دیکھ کر سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ جیسے ہم گاڑی میں بیٹھ کر جب ہم سفر کرتے ہیں تو راستے میں بہت ساری چیزوں پر ہماری نظر پڑتی ہے، اسے ہم دیکھتے تو ہیں مگر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور "أَبْصَرَ" کا مطلب ہے دیکھا، سمجھا اور تسلیم کیا۔

تفسیر بالرائے و تفسیر بالنص:

(۱) کسی آیت کی تفسیر نص سے ثابت ہو اور ہم اس کی مخالفت کریں یہ تفسیر بالرائے ہے۔

(۲) کسی آیت کی تفسیر ایسی چیز سے کی جائے جو شریعت کے عام اصولوں سے متصادم ہو۔

(۳) کسی لفظ کی ایسی تشریح کی جائے تو لغت عربی کے خلاف ہے۔

شرح حدیث "أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ"

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ القَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَقُولُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، يَقْرَأُ سُورَةَ الفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَؤُهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَنِيهَا، وَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتَّى انْصَرَفَ، ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ، فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيهَا، فَقَالَ لِي: "أَرْسِلْهُ"، ثُمَّ قَالَ لَهُ: "اقْرَأْ"، فَقَرَأَ، قَالَ: "هَكَذَا أُنْزِلَتْ"، ثُمَّ قَالَ لِي: "اقْرَأْ"، فَقَرَأْتُ، فَقَالَ: "هَكَذَا أُنْزِلَتْ إِنَّ القُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَءُوا مِنْهُ مَا تَيَسَّرَ" (صحیح بخاری، کتاب الخصومات: ۲۴۱۹)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام رحمہ اللہ کو (نماز میں) سورۂ فرقان اس

قرأت کے علاوہ قرأت میں پڑھتے ہوئے سنا جس میں میں پڑھتا تھا۔ مجھے اس قرأت میں رسول اللہ ﷺ نے وہ سورت پڑھائی تھی۔ میں جلد بازی میں انہیں روک دینا چاہتا تھا مگر میں نے ارادہ ترک کر دیا حتی کہ ان کی نماز مکمل ہوگئی تو میں نے ان کی چادر کا گھیرا بنا کر گلے کے پاس سے انہیں پکڑا اور اسی طرح انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر پہنچا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے انہیں سورۂ فرقان اُس قرأت کے علاوہ میں پڑھتے ہوئے سنا ہے جس میں آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں چھوڑو، پھر ان سے کہا: پڑھو، تو انہوں نے اسی قرأت میں پڑھا جس میں میں نے سنا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے، پھر مجھ سے کہا: اب تم پڑھو، میں نے وہ سورت پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا: بیشک قرآن سات قرأتوں میں نازل ہوا ہے تو تم لوگوں کو جو قرأت آسان لگے اس میں پڑھو۔

شرح: ''اَلْأَحْرُفُ السَّبْعَةُ''

پہلی بات: ''احرف سبعہ'' کے معنی میں گرچہ علماء کا اختلاف ہے لیکن سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ: اس سے مراد ''لغات'' یا ''قراءات'' ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم سات قراءات میں نازل ہوا ہے اور ہم اس میں سے جو قرأت چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کے ہر کلمہ میں سات قراءات ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت زیادہ سے زیادہ سات قراءت میں کی جا سکتی ہے۔

دوسری بات: یہ جان لینا چاہئے کہ اس حدیث میں مذکور سات قرأت یہ سات مشہور قراء (عاصم، ورش، قالون وغیرہ) کی قرأت نہیں ہیں۔ ان قرأت کو جمع کرنے والے تیسری صدی کے امام قرأت ابوبکر بن مجاہد ہیں انہوں نے حرمین، بصرہ وکوفہ اور شام کے مشہور سات قراء کی قراءات جمع کی ہیں۔ ان کا مقصد ''احرف سبعہ'' کو جمع کرنا نہیں تھا بلکہ مشہور قراء کی قرأت جمع کرنا تھا۔

تیسری بات: اسی طرح یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان ساتوں قرأتوں میں الفاظ یا لہجہ کا اختلاف تو ہے لیکن معنی میں کوئی تناقض یا تضاد نہیں ہے بلکہ کسی بھی قرأت سے پڑھے جانے والے کلمات قرآنی کے معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں یا وہ الفاظ ہم معنی ہی ہیں، مثلاً اردو زبان میں آیئے اور تشریف لایئے وغیرہ جملے تو اسی طرح ان کلمات کی ادائیگی میں یا مد میں یا کچھ الفاظ کی کمی وبیشی میں اختلاف ممکن ہے لیکن معانی میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک قرأت سے کسی چیز کی حرمت معلوم ہوتی ہو اور دوسری سے اسی چیز کی حلت۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی قرأت سے پڑھے جانے والے لفظ میں معنی کی زیادتی ہو جو دوسری قرأت میں نہ ہو جیسے ''مَلِكِ'' اور ''مَالِكِ''۔

چوتھی بات: یہ قابل ذکر ہے کہ موجودہ ''قرأت سبعۃ'' (حفص عن عاصم، ورش اور قالون وغیرہ کی قرأت) ان ''احرف سبعہ'' میں سے ایک ''حرف'' (وجہ) ہے، تمام احرف نہیں ہیں۔

پانچویں بات: نیز یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف لکھوایا اور مرتب کروایا تھا وہ انہی احرف سبعہ میں سے ایک پر مشتمل

Scanned by CamScanner

ہے سب پر نہیں، گرچہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ مصحف عثمانی ''احرف سبعہ'' میں سے تمام احرف (وجوہ) پر مشتمل ہے۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دَور کے موافق ہے جو آپ نے وفات سے پہلے جبرئیل علیہ السلام کو سنایا تھا اور یہی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی ہے۔

ایک اہم بات:

قرآن کریم کو سات وجوہ/لغات/احرف میں نازل کرنے کی حکمت:

ایک مسلمان اپنے رب کے فرمان اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بلا چوں چرا تسلیم کر لیتا ہے خواہ اس کی حکمت سمجھے یا نہ سمجھے پھر بھی اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے امور کی حکمت ہمیں بتائی ہے تاکہ ہمارا دل مطمئن ہو، ہمارے ایمان میں اضافہ ہو اور ہمارے دل میں شکر کے جذبات پروان چڑھیں۔

چنانچہ مختصراً قرآن کریم کے سات لغات میں نازل ہونے کی حکمت پر نظر ڈال لیتے ہیں:

۱- قرآن کریم کی حفاظت کی دلیل: وہ اس طرح کہ سات وجوہ پر نازل ہونے کے باوجود اللہ نے اسے ہر طرح کے تغیر وتبدل سے محفوظ رکھا ہے۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر آسانی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں وجنوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا جن میں سے پڑھے لکھے بھی ہوں گے اور جاہل بھی، عرب بھی ہوں گے اور عجم بھی۔ تو اس طرح سب کی سہولت مدنظر رکھی گئی۔

۳- دوسری امتوں کے مقابلہ میں اس امت کی فضیلت کا اعلان کہ اس سے پہلے آسمانی کتابیں صرف ایک ہی قرأت میں نازل ہوتی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو یہ شرف بخشا کہ اسے جو کتاب دی اسے سات وجوہ پر نازل فرمایا۔

۴- قرآن کے ایک سے زائد وجوہ پر نازل کرنے میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ زمانوں اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ان کے تقاضے بھی بدلتے ہیں چنانچہ ایک سے زیادہ وجوہ سے بعض دفعہ نئے نئے مسائل کے استنباط میں آسانی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجتہدین فقہاء احکام ومسائل کے استنباط میں علم قرأت پر بھی اعتماد کرتے ہیں۔

۵- قرآنی حروف ولغات کا مختلف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخلوق کا نہیں بلکہ خالق ومالک کا کلام ہے اس حیثیت سے کہ ان وجوہ کے مختلف ہونے کے باوجود ان میں کسی طرح کا تناقض یا اختلافِ تضاد نہیں ہے بلکہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تائید وتصدیق کرتا ہے اور ایک دوسرے کی تفصیل وتشریح وتفسیر کرتا ہے اور وجوہ کے الگ الگ ہونے کے باوجود پورا قرآن ایک ہی منہج اور ایک ہی اسلوب پر ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ جلال الدین القاسمی

مالیگاؤں

Scanned by CamScanner

فہرست مضامین

سورۃ الفاتحۃ

نمبر شمار	عناوین	صفحات
1	اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ کی تفسیر	36
2	انبیائی استعاذہ	36
3	بدخواہی کا استعاذہ	37
4	لطائف استعاذہ	37
5	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی تفسیر	39
6	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے احکام ومسائل	39
7	لفظ رحمن تین چیزوں کو شامل ہے	40
8	بِسْمِ اللّٰہ کے فضائل	41
9	بِسْمِ اللّٰہ کے 'ب' میں اللہ کی وحدانیت کا سبق	41
10	ایک ذاتی، دو صفاتی	43
11	سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃَ (مکیۃ) کی تفسیر	44
12	سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃَ کا ایک نام شفا ہے	45
13	سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃَ کا شانِ نزول	46
14	ہدایت کی قسمیں	47
15	نعمت کی قسمیں	48
16	ضلالت کی قسمیں	48
17	نکات سورۂ فاتحہ (الف)	48
18	حمد اور مدح میں فرق	49
19	رحمن اور رحیم میں فرق	49

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
20	ہدایت کے تین ضروری امور	50
21	نکات سورۃ فاتحہ (ب)	51
22	طالب ہدایت کو ہدایت ملتی ہے	52
23	ضال اور مضل میں فرق	53
24	نکات سورۃ فاتحہ (ج)	53
25	وجہ تسمیہ	53
26	اقسام توحید	53
27	لوگوں کے اقسام باعتبار حق وعمل بالحق	54
	پارہ نمبر ۱:— آلٓم (سورۃ البقرۃ)	
28	ہدایت کیسے ملتی ہے؟	57
29	تقویٰ کے دو جزء	58
30	انفاق کی سات قسمیں	58
31	متقین کی صفات	59
32	ہدایت کا ثمرہ (فلاح)	60
33	منافقین کے اقسام	60
34	''وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ آمَنُوْا...'' کی تفسیر	63
35	''کلما'' اور ''اذا'' میں فرق	66
36	''کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا...'' کی تفسیر	69
37	''اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً...'' کی تفسیر	70
38	تکبر کی تعریف	72
39	سجدہ آدم کے لیے تھا اور اطاعت اللہ کی	73
40	''وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ...'' کی تفسیر	75
41	فقہی مسئلہ: کیا شرعی علم سکھانے پر اجرت لینا جائز ہے؟	76
42	ہر دور میں ایمان اور عمل صالح ہی ذریعہ نجات	80
43	مومن کی تعریف	80

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
44	عدل اور فضل میں فرق	82
45	جبرئیل کا دشمن اللہ کا دشمن ہے	85
46	ہاروت وماروت	87
47	ہاروت وماروت کون تھے؟	87
48	کثرت سوال اور الٹے سیدھے سوال سے ممانعت	89
49	قبولیت عمل کے شرائط	90
50	تکفیر اعمال پر ہو، نہ کہ افراد پر	90
51	قرآن میں مشرق ومغرب تین طریقے پر آیا ہے	91
52	بدعت کی دو قسمیں	93
53	سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی	95
54	آخرت کی نجات کا تعلق کسب وعمل پر ہے	97
	پارہ نمبر ۲:— سیقول	
55	تحویل قبلہ کا حکم	101
56	تحویل قبلہ کی حکمت	101
57	نماز اور صبر سے استعانت کا مفہوم	103
58	بشارت اور صبر میں ربط	104
59	مصیبت کے وقت تسلی کے دو طریقے	104
60	''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' کی تفسیر	105
61	کتمانِ علم پر وعید	107
62	اندھی تقلید کرنے والوں کی مثال	109
63	بلا ضرورت شدیدہ خون دینے کا حکم	110
64	صبر کا مفہوم	111
65	آیت 'بر' کی چھ قسمیں	112
66	قاتل کے بارے میں تین آپشن	113
67	ایام معدودات سے کیا مراد ہے؟	113

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
68	نزول قرآن کے مراحل ثلاثہ	114
69	مقبول دعاء کے ارکان وشرائط	115
70	حج کے بعض احکام ومسائل	119
71	شراب وجوے کی حرمت	125
72	حیض ونفاس کے مسائل	127
73	ایلاء کے احکام وحکمت	128
74	طلاق وخلع کے مسائل	129
75	ہندو مذہب میں ماموں، بھانجی کی شادی کا مسئلہ	132
76	رضاعت کے مسائل	133
77	نکاح کے وقت مہر متعین ہے یانہیں	134
78	حزقیل علیہ السلام کا واقعہ	134
79	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تبرک	135
80	طالوت اور جالوت کا واقعہ	137
	پارہ نمبر۳:— تلک الرسل	
81	تفاضل انبیاء	140
82	مختصر تفسیر آیۃ الکرسی	142
83	سرکشی کے تین درجے	145
84	عزیر علیہ السلام کا حیرت انگیز واقعہ	147
85	ایمان واطمینان میں فرق	148
86	صدقہ ونماز کی شرطیں	149
87	القاءِ رحمانی اور خیال شیطانی میں فرق	151
88	حقیقی مستحقین صدقات کے اوصاف	153
89	سود صدقات کی عین ضد ہے	154
90	بیع کی چار قسمیں	154
91	اشیائے ربویہ، انشورنس کے مسائل	155

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
92	سود کی وعیدیں	156
93	سود کی علت تحریم	157
94	انڈسٹری کا معاملہ	158
95	قرض کے احکام	159
96	ارادے کے مختلف درجات	161
97	نکات سورۂ بقرہ (الف)	162
98	تحریف کی پانچ صورتیں ہیں	164
99	بنی اسرائیل کے چار عہد	166
100	روح القدس کی وضاحت	167
101	''وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ'' کا مطلب	171
102	یہودیت کے چار بنیادی اصول	172
103	توبہ کرنے والوں کی اقسام	174
104	نکات سورۂ بقرہ (ب)	178
105	''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ'' کی وضاحت	180
106	وسیلے کے چار طریقے	185
107	آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت	185
108	''اِنْبَجَسَ'' اور ''اِنْفَجَرَ'' میں فرق	188
109	عقیدے کی صورتیں	189
110	گائے کیسی ہو؟	191
111	یہودیوں کی قسمیں	193
112	''صِبْغَةَ اللّٰهِ'' سے مراد	199
113	خوف کی قسمیں	201
114	''وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ'' کی چار قسمیں	202
115	قرض کے معاملے کی تین قسمیں	206
116	دَین (قرض) کی قسمیں	208

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
117	آیت دَین کے فوائد	208
118	سورۂ آل عمران کی تفسیر	209
119	عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ کا ابطال	211
120	عقیقہ اور نومولود کے مسائل	213
121	چار عورتیں کامل گزری ہیں	214
122	ولد اور غلام میں فرق	215
123	''اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ'' کی تفسیر	216
124	مباہلہ	219
125	کافر کی تین قسمیں	222
	پارہ نمبر۴:— لن تنالوا	
126	''اَلْبِرُّ'' سے مراد جنت	224
127	یہود پر حرام کردہ طیبات کے اقسام	224
128	یہود کے بعض شبہات اور ان کا ازالہ	225
129	مسجد کے آگے قبر	227
130	اتحاد کی بنیادیں	228
131	اسباب حصول تقویٰ	229
132	فرقہ کی تعریف	230
133	غزوہ بدر میں ملائکہ کی تعداد	232
134	جنت کی وسعت کی تمثیل	234
135	گناہ صغیرہ وکبیرہ	236
136	جنگ احد پر تبصرہ اور شکست کے اسباب	237
137	مبلغ کے اوصاف	238
138	داعی اور مسلم سربراہ کے اوصاف	239
139	تفکر فی اللہ کی ممانعت	243
140	نکاتِ سورۂ آل عمران	246

نمبر شمار	عناوین	صفحات
141	(وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ) کی تفسیر	247
142	لفظ جلالہ ''اللہ'' کی خصوصیات	248
143	حب عقلی اور حب عاطفی کا فرق	250
144	مقام ابراہیم	253
145	سرعت اور عجلت میں فرق	255
146	''محض'' اور ''محق'' میں فرق	257
147	شہادت اور موت میں فرق	259
148	سورۃ النساء کی تفسیر	264
149	چار کے عدد کی حکمت	268
150	ایک عورت کو ایک سے زیادہ مردوں سے نکاح نہ کرنے کی وجہ	268
151	باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت کی علت	270
152	محرمات کی چار قسمیں	271
	پارہ نمبر ۵:— والمحصنٰت	
153	نکاح میں پانچ چیزیں شرط ہیں	274
154	ناحق مال خوری اور خودکشی کی ممانعت	275
155	گناہ صغیرہ وکبیرہ	276
156	عورت کی نافرمانی کی صورت میں شرعی احکامات	278
157	تیمم کا طریقہ	281
158	شرک کی چند صورتیں	282
159	حکومت کی تعریف	284
160	سفر کے مسائل	288
161	خدمت خلق کے اہم ابواب	292
162	مشرک اور کافر میں فرق	293
163	مشرکین کی دو قسمیں	293
164	''تغیر خلق اللہ''	295

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
165	دین اسلام کے برحق ہونے پر دو دلیلیں	296
166	قانون شریعت پر عمل کی تین باتیں	299
167	کافر و منافق کا فرق	302
168	معافی کے چار شروط	304
	پارہ نمبر ۶:— لایحب اللہ	
169	کفارۂ مسیح پر ایک تبصرہ	311
170	پادری کے پاس کفارہ کی حکمت	311
171	گناہ دو طرح کے ہیں	312
172	قادیانی کے اعتراضات	312
173	عیسائیوں کے اس موقف پر اعتراضات	315
174	تثلیث پر ایک سوال	315
175	عدم نجات	316
176	عیسیٰ علیہ السلام کے چار اوصاف	316
177	''استنکاف'' ''استکبار'' اور غرور میں فرق	317
178	نکات سورۂ نساء	318
179	باپ کی منکوحہ سے نکاح کے تین انجام	321
180	بدعتیوں کی دو قسمیں	322
181	عورتوں کی دو قسمیں	323
182	سورہ مائدہ کی تفسیر	327
183	اکمال اور اتمام میں فرق	329
184	عورتوں سے استمتاع کی تین قسمیں	331
185	تحریف کی دو قسمیں	333
186	نسیان کی دو قسمیں	334
187	عفو اور صفح میں فرق	334
188	قوت اور قدرت میں فرق	337

صفحات	عناوین	نمبرشمار
338	توکل میں چار چیزیں	189
339	''اذا'' اور ''اِن'' میں فرق	190
341	اہل کتاب کی نمایاں چار صفات	191
	پارہ نمبر ۷:— واذاسمعوا	
350	قسم کی تین قسمیں	192
357	نکات سورۃ المائدہ	193
357	عقد کی تین قسمیں	194
357	گیارہ چیزیں حرام	195
358	شرک نیت سے متعلق ہے نہ کہ فعل خاص سے	196
358	ذبح شرعی	197
358	بیرون ممالک سے درآمد شدہ مرغیوں وغیرہ کے گوشت کا حکم	198
359	اشیاء کے پاک ہونے کا تعین کس طرح کیا جائے؟	199
359	شکاری جانور سے شکار کے حلال ہونے کی چار شرطیں	200
359	کتابیہ عورت سے شادی جائز ہے چند شرطوں کے ساتھ	201
360	کتابیہ عورت سے نکاح کا نقصان	202
361	غسل جنابت کا مسنون طریقہ	203
362	احکام پر ثابت قدمی دو وجہ سے ہوتی ہے	204
362	تکلیف عبادت دو نوع ہے	205
363	قدیم یہود کی دو خصلتیں	206
363	بعد میں آنے والے یہودیوں کی دو خصلتیں	207
364	الوہیت مسیح کے رد پر تین دلائل	208
366	کامیابی کے تین نسخے	209
366	وسیلہ کی قسمیں	210
367	جمیع احکام الٰہی دو طرح پر ہیں	211
368	یہود کی بری خصلتیں	212

Scanned by CamScanner

نمبرشمار	عناوین	صفحات
		368
213	منافقین کی دو خصلتیں	369
214	یہود کے خواص دو تھے	370
215	رزق کی فراوانی کا ایک مجرب نسخہ اللہ کی طرف سے	370
216	دعوت کے مراحل	370
217	مکی زندگی کے تین مراحل	371
218	مشرک پر جنت حرام ہے	373
219	معرفت حق کے شروط	373
220	حلال کو حرام کرنے کے تین درجات	375
221	شراب وجوا کے مفاسد	377
222	شراب کی حرمت بہ چند وجوہ	378
223	تقویٰ کے تین مراتب	378
224	قرآن میں تقویٰ کا اطلاق تین چیزوں پر ہوا ہے	379
225	تقویٰ کے بارہ فوائد	380
226	بعض مفسرین کے تقویٰ کے سات قسمیں بتائی ہیں	381
227	انبیاء عالم الغیب نہیں	381
228	عیسیٰ علیہ السلام پر احسانات کا تذکرہ	382
229	عید مائدہ	382
230	عیدین کے مشروع اعمال	382
231	عیدین کی نماز کا مسنون وقت	386
232	تفسیر سورۂ انعام کی تفسیر	387
233	کفر کے تین درجے ہیں	388
234	تمام صفات الوہیت کے اصول تین ہیں	392
235	جتنی مصیبتیں انسان پر آتی ہیں اتنی اور کسی چیز پر نہیں آتیں	395
236	اللہ کی تمام صفتوں میں دو صفتیں ممتاز ہیں	396
237	دنیا میں فرشتے تین قسم کے ہیں	

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
238	عذاب کی تین قسمیں	397
239	کافروں کے دو وصفِ بد	398
240	کسی کی اطاعت وعبادت دو سبب سے ہوتی ہے	399
241	آخرت کے وجود پر دلیل	403
242	دو شبہوں کا جواب	405
	پارہ نمبر۸:— ولو انّنا	
243	ہٹ دھرم کون؟	408
244	قرآن کی دو امتیازی صفات	410
245	کتاب الٰہی کے دو حصے	410
246	حق وباطل کا معیار	410
247	لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ کی دو صورتیں	411
248	وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا کی پانچ صورتیں	411
249	وحی کی دو قسمیں	413
250	مومن زندہ، کافر مردہ	413
251	مومن وکافر کا دل	413
252	زمین کرائے پر دینے کی شکلیں	417
253	دو خون حلال ہیں	418
254	دو مردار حلال ہیں	418
255	اللہ کی اپنے بندوں سے وصیتیں	420
256	تین آیتوں میں دس اہم ترین محرمات کا ذکر	421
257	احکام عشرہ میں سے	422
258	ایک شبہ	423
259	سورۂ اعراف کی تفسیر	423
260	تین چیزیں تولی جائیں گی	424
261	نص کی موجودگی میں قیاس	426

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
262	ابلیس کے دعوے کی منطقی شکل	426
263	ابلیس کے اندر پانچ برائیاں	427
264	مسئلہ تقدیر	428
265	لباس کے تین اغراض	430
266	لباس کی قسمیں	431
267	بالوں کی کیفیت	431
268	محرمات کے چار مراتب ہیں	433
269	''القول علی اللہ'' کی تین قسمیں ہیں	433
270	گناہ کی پانچ قسمیں ہیں	434
271	دخولِ جنت کا سبب	435
272	قیامت کے دن تین قسم کے لوگ ہوں گے	435
273	ناموں کی شریعت	440
274	قوم شعیب کی خرابیاں	442
	پارہ نمبر۹:— قال الملأ	
275	آزمائش دو طرح سے ہوتی ہے	445
276	ایمان سے پہلے جادوگروں کی اخلاقی پستی	447
277	جادو کی حقیقت	448
278	جادو اور معجزے میں فرق	448
279	جادو کس طرح ختم ہو؟	448
280	استخلاف فی الارض کا اصل مقصد	450
281	فلسفی اور پیغمبر میں فرق	456
282	بنی اسرائیل کے تین گروہ	457
283	دو حقیقتوں کا انکشاف	458
284	''عہد الست''	459
285	یہود کی مثال (کتے سے)	462

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
286	اللہ کے اسماء میں کج روی کی تین قسمیں	462
287	”حَمْلٌ“ اور ”حِمْلٌ“ میں فرق	464
288	بت پرستی کی تردید	465
289	معبودانِ باطلہ کی ایک اور حالت	466
290	اخلاقِ قرآنی کا جامعہ ہدایت نامہ	466
291	شیاطین جن وانس سے نجات کا طریقہ	467
292	”اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا...“ آیت کے چند فوائد	467
293	سورۃ الانفال	473
294	پانچ صفت کے حاملین پکے مومن	474
295	اصحابِ بدر پر انعامات الٰہی	474
296	سننے کے چار درجے	476
297	خیانت کا سبب	477
298	فتنہ تین معنوں میں آیا	477
	پارہ نمبر ۱۰:— واعلموا	
299	مالِ غنیمت کی تقسیم	482
300	بوقت مقابلہ مسلمانوں کی نظر میں کفار کو کم دکھانے کے مقاصد	483
301	دشمن کے مقابلے کے لیے قرآنی ہدایت نامے کی دفعات	485
302	شیطان	485
303	عروج وزوال کا قانون	487
304	لڑائی کب لڑی جائے؟	488
305	مسلمانوں کی چار قسمیں	490
306	انسان کے لیے تین چیزیں ہیں	490
307	سورۂ توبہ کی تفسیر	491
308	سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں؟	491
309	چار مہینے حرام کیوں؟	492

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
310	مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو کا مطلب	492
311	اللہ سے تعلق کی دو قسمیں	493
312	تین چیزیں جسمیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا	495
313	امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب ہونا	497
314	مسئلہ تقدیر و مسئلہ توکل	498
315	مستحقین زکوٰۃ	500
316	سونے کی زکوٰۃ کیسے نکالی جائے؟	501
317	سود اور صدقہ	502
318	پلاٹ کی زکوٰۃ	503
319	اخلاص اور اغراض	506
320	مومنین کے اوصاف	506
321	ان کی نماز جنازہ مت پڑھئے	507
322	ایک بچہ پیدائش کے بعد مر گیا کتنے کپڑے دیئے جائیں گے؟	508
323	گنہگار اور بے اعتقاد میں فرق	508

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۱

سورۃ الفاتحۃ

(آیت: ۱ تا ۷)

سورۃ البقرۃ

(آیت: ۱ تا ۱۴۱)

مجمع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد الهند

Scanned by CamScanner

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمْ

پناہ چاہتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے

پناہ دو قسم کی ہوا کرتی ہے: (۱) کوئی شر نہ پہنچ جائے۔ (۲) کوئی خیر نہ چھوٹ جائے۔

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمْ﴾ عود کی خوشبو لگانے سے پہلے جسم سے گندگی دور کرنا ضروری ہے۔

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمْ﴾ کی تفسیر: عیاذۃ و لیاذۃ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۱۴) میں ہے۔

"اَلاِسْتِعَاذَةُ: هِيَ الاِلْتِجَاءُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى وَالاِلْتِصَاقُ بِجَنَابِهِ مِنْ كُلِّ شَرٍّ. وَالْعِيَاذَةُ: تَكُوْنُ لِدَفْعِ الشَّرِّ وَاللِّيَاذَةُ: يَكُوْنُ لِطَلَبِ الْخَيْرِ"

استعاذہ: کا مطلب ہے اللہ کی پناہ ڈھونڈنا اور ہر شر سے بچنے کے لیے اس کی بارگاہ سے لپٹ جانا۔ اعاذۃ: شر کو دور کرنے کے لیے اور لیاذۃ: خیر کی طلب کے لیے آتا ہے۔

انبیائی استعاذہ:

"اَلْمُسْتَعِيْذُ لَيْسَ شَخْصاً مُعَيَّناً بَلْ كُلُّ مَخْلُوْقٍ مُفْتَقِرٌ إِلَى الإِسْتِعَاذَةِ مُسْتَعِيْذٌ" یعنی پناہ چاہنے والا کوئی متعین شخص نہیں ہوتا بلکہ ہر مخلوق اللہ کی پناہ چاہنے کی محتاج ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اللہ ہی کی پناہ چاہی جیسے نوح علیہ السلام نے کہا ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (سورہ ہود: ۴۷) تو انہیں سلامتی اور برکتیں عطا کی گئیں یوسف علیہ السلام نے کہا ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ (سورہ یوسف: ۲۳) تو ان سے سوء اور فحشاء (برائی اور بے حیائی) پھیر دی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اِنِّيْ عُذْتُ﴾ (سورہ مومن: ۲۷) کہا تو اللہ نے ان کے دشمن کو غرق کر دیا اور انہیں ان کی زمینوں اور مالوں کا وارث بنا دیا۔ عمران کی بیوی نے کہا ﴿اِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ﴾ (سورہ آل عمران: ۳۶) تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول حسن سے نوازا۔ محمد ﷺ کا

استعاذہ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَيَقُولُ: إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمَعِيلَ وَإِسْحَاقَ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ" (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۳۷۱)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ، أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ، وَقُلْ بِاسْمِ اللهِ ثَلَاثًا، وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ" (صحیح مسلم، کتاب السلام: ۲۲۰۲)

بدخوابی کا استعاذہ:

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح مرفوعاً مروی ہے:

عَنْ جَابِرٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "إِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا، فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثًا وَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ثَلَاثًا، وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ" (صحیح مسلم، کتاب الرؤیا: ۲۲۶۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ مَا لَقِيتُ مِنْ عَقْرَبٍ لَدَغَتْنِي الْبَارِحَةَ، قَالَ: "أَمَا لَوْ قُلْتَ، حِينَ أَمْسَيْتَ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، لَمْ تَضُرَّكَ" (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء: ۲۷۰۹)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے لدغ عقرب (بچھو کا کاٹنا) کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تو یہ دعا پڑھ لیتا تو تجھ کو بچھو نہ کاٹتا۔

فی زمانہ اکثر جہلا زچہ کی چارپائی پر چھری یا چاقو رکھتے ہیں اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے زچہ اور بچہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی یہ بدعقیدگی از قبیل شرک ہے اور "أَعُوذُ بِاللهِ" کے منافی ہے۔

شیطان کی دشمنی سے مامون و محفوظ رہنے کے لیے اللہ نے اپنی پناہ پکڑنے کی تعلیم دی ہے کیونکہ یہ پلید وملعون دشمن سلوک سے قبضہ میں نہیں آسکتا اسے تو بنی نوع انسان کی تباہی و بربادی ہی مقصود و مطلوب ہے قسم کھا کے، ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا ہوا ہے اللہ ہی جس کو بچائے وہی بچ سکتا ہے اسی واسطے ذات الٰہیہ و کلمات الٰہیہ سے استعاذہ کرنا عین توحید اور کسی نبی، ولی، جن اور پری وغیرہ سے استعاذہ کرنا اور دہائی دینا عین شرک ہے۔

لطائف استعاذہ:

تعوذ کے پڑھنے سے بندہ کی طرف سے اپنے ضعف کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت دفعِ مضرت (تکلیف کا دور کرنا) کا اقرار ہے اور چونکہ مستعاذ بہ (جس سے پناہ چاہی جائے) صرف اللہ ہے لہٰذا کسی پیر، فقیر، نبی، ولی، بزرگ، جن اور کسی صاحب قبر وغیرہ کی پناہ پکڑنا شرک ہے، زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب خصوصاً کفار مکہ جب کسی وحشت ناک وادی میں

اپنے زعم باطل میں اس کو وہاں کا سردار و مختار مان کر یوں پکارتے ''ہم اس مقام کے سردار کی پناہ چاہتے ہیں''، سردار سے مراد وہاں کا بڑا جن ہوتا تھا، اسی کے بارے میں اللہ نے سورۂ جن میں فرمایا ﴿يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا﴾ (سورہ جن:۶) یعنی انسان ہو کر جن کی پناہ لیتے تھے جس سے جنوں کا دماغ چڑھ گیا تھا۔ اسلام نے زمانہ جاہلیت کی اس شرکیہ رسم کا استیصال کر دیا اور حکم دیا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کسی کی پناہ نہ پکڑی جائے، ہر نماز میں تکبیر تحریمہ اور ثنا کے بعد اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے پہلے ہمیشہ نبی اکرم ﷺ شیطان سے اللہ کی پناہ چاہتے اور یوں کہتے ''اَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ'' پھر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھتے۔ شیطان کا لفظ، لفظ 'شَاطَ' بمعنی بطل سے بروزن 'فیعال' ہے اس کا اطلاق ہر بدکار جن اور انس پر ہوتا ہے۔ 'ابلیس' لفظ 'بلس' سے مشتق ہے اور اس کے معنی مکّار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهُ﴾ (سورہ اعراف:۲۷) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (شیطان) ہے اور اس کی ذرّیت بھی ہے، وہ انسانوں کو دیکھتے ہیں مگر انسان انہیں نہیں دیکھتا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''إِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ، وَنَهِيقَ الْحُمُرِ بِاللَّيْلِ، فَتَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ فَإِنَّهُنَّ يَرَيْنَ مَا لَا تَرَوْنَ'' (ابوداؤد، کتاب الادب: ۵۱۰۳، صحیح) گدھا اور کتا یہ دونوں شیاطین کو دیکھتے ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ 'اَعوذ' کا لفظ 'عوذ' (عین پر پیش، واؤ پر تشدید اور زبر) سے آیا ہے۔ عرب لوگ **عُوَّذ** اس گھر کو کہتے ہیں جو کسی درخت کی جڑ اور سائے میں ہو یعنی جب وہ گھر درخت کی جڑ اور سائے سے چھپ گیا تو اسے عوذ کہا گیا، اسی طرح عائذ یعنی پناہ لینے والا پناہ دینے والے کی پناہ میں آ کر اپنے دشمن سے چھپ جاتا ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عرب اس گوشت کو عوذ کہتے ہیں جو ہڈی سے چمٹ جائے اور اس سے نہ چھوٹے، جیسے کسی بچے پر تلوار سے کوئی دشمن حملہ کرے اور بچہ بھاگے اور راستے میں اس کا باپ مل جائے تو اس سے شدت سے چمٹ جاتا ہے۔

سوال: اللہ نے شیطان کو کیوں پیدا کیا؟

جواب: ''لَوْ إِنَّ الطَّاعَةَ وُجِدَتْ بِدُوْنِ مُقَاوِمٍ لَا تَظْهَرُ حَرَارَةُ الْإِيْمَانِ'' یعنی اگر اطاعت بغیر مخالف کے پائی جائے تو ایمان کی حرارت ظاہر نہیں ہوتی، جیسے آپ کو لالچ دیا جائے پھر بھی آپ **مُتَمَسِّكٌ بِالطَّاعَةِ** یعنی طاعت پر جمے رہنے والے ہوں تو یہ قوتِ ایمان کی دلیل ہے، جیسے آپ کسی ملازم کی قوت امانت و دیانت معلوم کرنا چاہیں تو اسے رشوت دے کر دیکھیں۔

ایک اچھا سوال: ایک آدمی نے سوال کیا اور اس نے بڑا Critical سوال کیا۔ وہ کمیونسٹ تھا کہنے لگا کہ آپ شیطان کو کیوں مانتے ہیں؟

Scanned by CamScanner

اچھا جواب: اگر ہم سوچیں تو بظاہر اس کا جواب ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم شیطان کو کیوں مانتے ہیں؟ کیا ضرورت ہے شیطان کو ماننے کی؟ وہ کہتا تھا کہ اچھائی برائی ہم خود کرتے ہیں نام شیطان کا لگا دیتے ہیں۔ شیطان کو کیوں مانتے ہیں؟ ایک عالم نے اسے ایک بات سمجھائی کہ دیکھو بھائی بالفرض میں چاند پر چلا جاؤں اور چاند پر جا کر مجھے کہیں گلقند پڑی ہوئی نظر آجائے تو گلقند دیکھ کر ایک نتیجہ نکالوں گا کہ یہاں چاند کے اوپر کہیں نہ کہیں گل بھی ہے اور کہیں نہ کہیں قند بھی ہے اور وہ دونوں آپس میں ملے تو گلقند بن گئی، اور گلقند کا وجود گل اور قند کے وجود کی دلیل ہے۔ جہاں بھی مرکب موجود ہوتا ہے وہ عناصر کے موجود ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ عناصر ملے تو مرکب بنا، اس طرح اگر پانی موجود ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں ہائیڈروجن اور آکسیجن موجود ہے، پانی کا موجود ہونا ہائیڈروجن اور آکسیجن کے وجود پر دلیل ہے۔ اسی طرح گلقند کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی چیز ہے جو سراسر گل ہے اور کہیں نہ کہیں کوئی چیز ہے جو سراسر قند ہے اور جب دونوں چیزیں آپس میں ملیں تو گلقند بن گئیں، کہنے لگا ہاں یہ بات تو صحیح ہے، عالم نے کہا اگر غور کریں تو انسان خیر اور شر کا مجموعہ ہے، انسان میں خیر کا مادہ بھی ہے اور شر کا مادہ بھی۔ یہ خیر وشر کا مجموعہ ہے اب یہ مجموعہ اس بات کی دلیل ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسی چیز موجود ہے جو سراسر خیر اور کہیں نہ کہیں کوئی ایسی چیز موجود ہے جو سراسر شر ہو۔ جو سراسر خیر ہے اس کو ہم فرشتہ کہتے ہیں، جو سراسر شر ہے اسے ہم شیطان کہتے ہیں اور جو دونوں کا مجموعہ ہے اسے انسان کہتے ہیں۔

تفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قرآن کی ابتدا میں "أَعُوذُ بِاللهِ - بِسۡمِ اللهِ" کے بارے میں بعض نے وجوب اور بعض نے استحباب کا قول نقل کیا ہے۔ بسم اللہ نماز میں فاتحہ سے پہلے جہراً کبھی سراً پڑھنا چاہیے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے کیونکہ اس بارے میں دونوں طرح کی حدیثیں آئی ہیں۔ بسم اللہ پڑھنا ہر سورہ کے شروع میں واجب ہے اور اعوذ باللہ قرآن شروع کرنے سے قبل واجب ہے۔ استعاذہ بسملہ پر مقدم ہے کیونکہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے احکام ومسائل:

(الف) "أَبۡتَدِیۡ بِکُلِّ إِسۡمٍ مِنۡ أَسۡمَاءِ اللهِ کَلِمَةُ إِسۡمٍ مُفۡرَدٍ مُضَافٍ، وَکُلُّ مُفۡرَدٍ مُضَافٍ إِلٰی مَعۡرِفَةٍ فَإِنَّهٗ یُفِیۡدُ الۡعُمُوۡمَ" میں اللہ کے تمام ناموں سے شروع کرتا ہوں کیونکہ لفظ اسم مفرد ہے جو اللہ کی طرف مضاف ہے اور قاعدہ یہ ہے مفرد

مضاف عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے آیت کریمہ ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (سورہ ابراہیم: ۳۴) میں ''نعمة'' مفرد ہے جو اسم الجلالہ اللہ کی طرف مضاف ہے۔ تو اس کا مطلب ہوگا ''كَثِيْرَةٌ لَا تُحْصٰى'' کہ اتنی نعمتیں ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ بسملۃ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔ فَاِنَّ لَفْظَ الرَّحْمٰنِ تَتَضَمَّنُ ثَلَاثَةَ أَشْيَاءَ

(۱) اثبات الاسم (۲) اثبات الصفة (۳) اثبات الفعل

لفظ رحمٰن تین چیزوں کو شامل ہے:

(۱) اللہ کا اسم

(۲) اللہ کی صفت (رحمت اللہ کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے)

(۳) اللہ کا فعل۔ (رحمت اللہ کا فعل ہے وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے)

(ب) بحالت ابتدائی بندے کی رسائی اور اس کا ارتباط اس کے نام ہی تک محدود رہتا ہے اس کی ذات سے استعانت و برکت طلب کی جاتی ہے اسی طرح اس کے نام میں بھی وہی اثر ہے، مشرکین کہتے تھے باسم اللات والعزیٰ اس کے مقابلے میں رد شرک کے لیے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہا گیا۔

اللہ ساری کائنات کا خالق ہے، وہی اس کا مالک ہے، وہ غنی ہے سب کے سب اس کے محتاج ہیں، ذرے سے لے کر آفتاب تک اور قطرے سے سمندر تک، سب بحر و بر پر اسی کی حکومت ہے۔

جب سب کچھ اسی کا ہے تو حق ہے کہ سب سے پہلے اسی کا نام لیا جائے، اس کا نام لیے بغیر کوئی کام کرنا بے ادبی اور حق تلفی ہے، پس ہر کام سے پہلے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہنا مومن کی شان ہے کیونکہ بسم اللہ ایک مختصر اور بے حد اہمیت و افادیت کا حامل کلمہ ہے۔

(ج) احکام و مسائل شریعت کے رکن خاص ہیں، ان کی واقفیت کے بغیر انسان صراط مستقیم سے بھٹک سکتا ہے اور فضائل سے اشیاء کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور دونوں میں ان اعمال و امور پر عمل کرنے کا شوق و جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

سورۂ نمل میں سلیمان علیہ السلام کے قصے میں جو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (سورہ نمل: ۳۰) ہے وہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے، لیکن سورۃ الفاتحہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ یا کوئی اور سورت کی آیت ہے یا نہیں اس میں سلف کا اختلاف ہے۔

(د) ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ یہ نہ تو سورہ فاتحہ کی کوئی آیت ہے اور نہ ہی کسی دوسری سورہ کی۔ داؤد ظاہری کا خیال ہے کہ ہر سورت کی ابتداء میں یہ ایک مستقل آیت ہے لیکن کسی سورہ کا حصہ نہیں، ہر سورہ کی ابتدا میں اس لیے نازل ہوتی تھی تاکہ نبی کریم ﷺ کو معلوم ہو جائے کہ ایک سورہ ختم ہوگئی ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ احسان عام اور ﴿الرَّحِيْمِ﴾ احسان خاص کے لیے ہے۔

Scanned by CamScanner

بسم اللہ کے فضائل:

عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ، عَنْ رَجُلٍ، قَالَ كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَعَثَرَتْ دَابَّةٌ، فَقُلْتُ: تَعِسَ الشَّيْطَانُ، فَقَالَ: "لَا تَقُلْ تَعِسَ الشَّيْطَانُ، فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذَلِكَ تَعَاظَمَ حَتَّى يَكُونَ مِثْلَ الْبَيْتِ، وَيَقُولُ: بِقُوَّتِي، وَلَكِنْ قُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ، فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذَلِكَ تَصَاغَرَ حَتَّى يَكُونَ مِثْلَ الذُّبَابِ" (ابوداؤد، کتاب الادب: ۴۹۸۲، صحیح)

ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ اسامہ ابن عمیر ایک سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، سواری کو ٹھوکر لگی، انہوں نے کہا "تَعِسَ الشَّيْطَانُ" اللہ کرے شیطان مرے، (تو یہ نہ کہہ)، فرمایا اس کے کہنے سے وہ بڑا ہو جاتا ہے یعنی مارے خوشی کے پھول جاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو اپنی قوت سے پچھاڑ دیا، بسم اللہ کہہ، تم بسم اللہ کہو، اس کے کہنے سے وہ مکھی کے برابر چھوٹا بن جاتا ہے (اس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے) نسائی کا لفظ "عمل الیوم واللیلۃ" (۵۰۹) میں یوں ہے کہ پھول کر گھر کے برابر ہو جاتا ہے اور بسم اللہ کہنے سے مکھی کے مثل چھوٹا بن جاتا ہے۔

پہلا نکتہ: جار مجرور کو مقدم کرنے اور فعل محذوف کے موخر ماننے سے اختصاص کا معنی پیدا ہوتا ہے، یعنی ہر امر کی ابتدا اللہ ہی کے نام سے ہونی چاہیے اسی کے نام میں برکت ہے کسی غیر کے نام میں نہیں۔

دوسرا نکتہ: عامل کے حذف کرنے کے کئی فوائد ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب عامل کو حذف کیا جائے تو ہر قول وفعل اور حرکت کی ابتدا بسم اللہ کے ساتھ صحیح طور پر ثابت ہو جاتی ہے اور جیسا کام ہو ویسا ہی عامل محذوف مانا جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ کی 'ب' میں اللہ کی وحدانیت کا سبق:

آیت میں انیس حروف ہیں، اس کی مجموعی تعداد اللہ کی توحید کا سبق دیتی ہے یہ بھی بے جوڑ اور طاق ہے، اللہ بھی وتر اور طاق ہے۔ قرآن مجید میں ہے ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ (سورہ ذاریات: ۴۹)

مخلوقات میں ہر ایک کا جوڑا اور مقابل ضرور ہے، قرآن میں ایک جگہ شفع اور وتر کی قسم کھائی گئی ہے۔

صحیح بخاری (کتاب احادیث الانبیاء، تحت باب قول اللہ تعالی ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ میں "كُلُّ شَيْءٍ خَلَقَهُ فَهُوَ شَفْعٌ، السَّمَاءُ شَفْعٌ، وَالْوِتْرُ اللّٰهُ"

حدیث مرفوع ہے:

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: الْوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَصَلَاتِكُمُ الْمَكْتُوبَةِ، وَلَكِنْ سَنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ، فَأَوْتِرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ" (ترمذی، کتاب الوتر: ۴۵۳، صحیح)

قول مجاہد تابعی کو علامہ فریابی وعلامہ طبری نے موصولاً بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

"كُلُّ خَلْقِ اللّٰهِ شَفْعٌ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَالْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَالْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ، وَنَحْوُ هٰذَا شَفْعٌ وَالْوِتْرُ اللّٰهُ وَحْدَهُ"

آیت کریمہ ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ کی تفسیر میں علامہ طبری (۳۹۹/۲۴) نے مجاہد سے نقل کیا ہے

Scanned by CamScanner

کہ آیت ہذا کے بموجب دنیا میں ہر چیز کا جوڑ اور مقابل ہے مثلاً کفر کے مقابل میں ایمان، بدبختی کے مقابلے میں نیک بختی، بخل کے مقابلے میں سخاوت، سعادت کے مقابلے میں شقاوت، ظلمت کے مقابلے میں نور، ضلالت کے مقابلے میں ہدایت، رات کے مقابلے میں دن، آسمان کے مقابلے میں زمین ہے ہاں اللہ کا کوئی جوڑ نہیں۔ دریں مقام امام بخاری رحمہ اللہ پر بعض مولویوں نے اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول مجاہد ''اَلسَّمَاءُ شَفْعٌ''، نقل کرنا صحیح نہیں کیونکہ آسمان جفت نہیں، حالانکہ یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ امام بخاری کی نظر بڑی وسیع و عمیق ہے، ان کی نظر میں مجاہد کا یہ قول بحوالہ طبری ذکر ہوا ہے، امام بخاری و مجاہد کا مقصد یہ ہے کہ ہر چیز کا مد مقابل ہے اور آسمان اپنے مد مقابل زمین کا جفت ہے۔

تیسرا نکتہ: 'ب' استعانت اور الصاق کے لیے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مدد اسی سے مانگنی چاہیے اور بندے کو اپنے تمام تعلقات اپنے رب سے استوار رکھنی چاہئے، شروع کرتا ہوں، بمدد، ببرکت، بطفیل، بوسیلہ، بنام اللہ۔

'ب' کے نقطے میں توحیدی نکتہ:

چونکہ 'ب' کا ہمیشہ ایک ہی نقطہ ہوتا ہے اگر دو ہوتو وہ 'ب' نہیں یائے تحتانی ہو جاتا ہے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان کو چاہیے کہ ایک اللہ کی مانے، اس کے ماسوا کو قدم کے نیچے کردے جس طرح نقطہ میں دوئی آنے سے 'ب' نہیں رہتا اسی طرح ایمان، عقیدہ اور عمل میں اللہ کے ساتھ دوئی آنے سے انسان موحد نہیں رہتا۔

بسم اللہ کی 'ب' کا ایک نقطہ ہم کو یہی سبق دیتا ہے اور 'ب' کا زیر تذلل، تضرع، عجز، انکسار اور عبودیت کی طرف مشیر ہے۔

نکتہ: انبیا کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ سے کٹے ہوئے بندوں کو اللہ سے جوڑ دیں اسی لیے نبی کو اللہ نے اول یہی سبق دیا کہ اپنے جملہ امور کا آغاز میرے نام سے کرو۔

نکتہ: بسم اللہ ایک ایسا کلمہ ہے جو جلال اور جمال دونوں کا جامع ہے۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ جلال در جلال ہے اور ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ جمال در جمال ہے۔

زیر بحث:

اللہ نے اپنی کتاب حرف 'ب' سے شروع کی اور تمام حروف پر اسے ترجیح دی خاص کر الف پر کہ اسے ساقط ہی کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ الف میں ترفع اور تکبر کی شان ہے، ب میں انکسار اور افتادگی ہے اور اللہ کو انکسار اور افتادگی بہت پسند ہے نیز رحمت کا پانی نشیب و انکسار چاہتا ہے اور پھر ب مکسور ہے یہ بھی اللہ کو پسند ہے، ب کو افتادگی کی وجہ سے نقطہ ملا الف اپنی سرکشی کی وجہ سے محروم رہا اور پھر ب نے نقطہ بھی ایک ہی قبول کیا تا کہ شان محبوب سے ہم رنگی رہے دوسرے حرفوں کو بھی نقطے ملے ہیں لیکن 'ب' نے اپنے نقطے کو نیچے رکھا تا کہ تفاخر کی صورت پیدا نہ ہو نیز الف، حرف علت ہے اور ب حرف صحیح۔ نیز ب وہ حرف ہے جو سب سے پہلے انسان کی زبان سے نکلا ہے چنانچہ عہد الست کا ماجرا اس کا شاہد ہے کہ جب ذات اقدس نے پوچھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ تو جواب میں کہا گیا۔ ﴿بَلٰى﴾ (سورہ اعراف:۱۷۲)

انہیں اداؤں کی بنا پر ب کو وہ شیرینی عطا کی گئی کہ جب اس کا تلفظ کرو تو لب بند ہو جاتے ہیں۔

نکتہ: لفظ اللہ سے قہر و قدرت مفہوم ہوتا ہے اس کے بعد رحمن و رحیم ذکر کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ میری رحمت میرے قہر پر غالب ہے۔

نکتہ: ﴿بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ میں تین نام مذکور ہیں: اللہ، رحمن اور رحیم

ایک ذاتی دو صفاتی:

کیونکہ انسان یا ہر ممکن مخلوق کے تین حال ہیں:-

اول:- عدم سے وجود میں آنا ﴿لَمۡ یَکُنۡ شَیۡـًٔا مَّذۡکُوۡرًا﴾ (سورہ دھر:۱)

دوم:- ہستی و زندگانی

سوم:- اس عالم سے کوچ (موت)

ابتداء کلام میں تین نام ذکر کئے تاکہ انسان کو اپنے تینوں احوال یاد رہیں۔

نکتہ: ﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ﴾ (سورہ علق:۱) کا منطوق و مفہوم اور اس کی تاسّی اور اقتداء، افتتاح بالبسملۃ ہی میں ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورۃ الفاتحۃ (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ② الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ③ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ④ اِیَّاکَ
نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ⑤ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ⑥ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ
عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ⑦

سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوقات کا رب ہے (۲) بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے (۳) انصاف کے دن کا حاکم ہے (۴) اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں (۵) ہم کو سیدھے رستے پر چلا (۶) ان لوگوں کے رستے پر جن پر تو اپنا فضل اور کرم کرتا رہا ہے، نہ ان کے جن پر غصہ ہوتا رہا ہے اور نہ گمراہوں کے (۷)

سورہ فاتحہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ فاتحہ کے ۱۲ نام بتائے ہیں۔ صلاۃ، حمد، فاتحۃ الکتاب، ام الکتاب، ام القرآن، قرآن العظیم، شفاء، سبع مثانی، اساس، رقیہ، وافیہ اور کافیہ۔ ام القرآن اس کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ تمام علوم اس میں جمع ہیں۔

سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ نماز میں فاتحہ کی تقسیم نہیں ہو سکتی یعنی دیگر سورتوں کی طرح اسے نصف وغیرہ پڑھنا جائز نہیں اس لیے اس کا نام وافیہ ہے۔ یحیی بن أبی کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ یہ سورت دوسری سورتوں کے بدلے کافی ہے مگر دوسری سورتیں اس کے بدلے کافی نہیں ہوتیں اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اسے قرآن عظیم کہا گیا گرچہ قرآن کی ہر آیت عظیم ہے جس طرح کعبہ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے گرچہ ساری مساجد بیت اللہ ہیں لیکن اس کی عظمت اور خصوصیت کے اظہار کے لیے بیت اللہ صرف کعبہ ہی کو کہتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱/ ۲۱۳)

Scanned by CamScanner

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (سورہ اعراف: ۲۰۴) کا مفہوم یہ ہے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قرأت خاموشی سے سنے۔

سورۂ فاتحہ کا ایک نام شفا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَنَزَلْنَا بِقَوْمٍ، فَسَأَلْنَاهُمُ القِرَى فَلَمْ يَقْرُونَا، فَلُدِغَ سَيِّدُهُمْ فَأَتَوْنَا فَقَالُوا: هَلْ فِيكُمْ مَنْ يَرْقِي مِنَ العَقْرَبِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ أَنَا، وَلَكِنْ لَا أَرْقِيهِ حَتَّى تُعْطُونَا غَنَمًا، قَالُوا: فَإِنَّا نُعْطِيكُمْ ثَلَاثِينَ شَاةً، فَقَبِلْنَا فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ: الحَمْدُ لِلّٰهِ سَبْعَ مَرَّاتٍ، فَبَرَأَ وَقَبَضْنَا الغَنَمَ، قَالَ: فَعَرَضَ فِي أَنْفُسِنَا مِنْهَا شَيْءٌ فَقُلْنَا: لَا تَعْجَلُوا حَتَّى تَأْتُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَيْهِ ذَكَرْتُ لَهُ الَّذِي صَنَعْتُ، قَالَ: "وَمَا عَلِمْتَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟ اقْبِضُوا الغَنَمَ وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ" (ترمذی، کتاب الطب: ۲۰۶۳، صحیح)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ ﷺ کے کئی اصحاب عرب کے ایک قبیلے کے پاس پہنچے انہوں نے ان کی ضیافت نہ کی۔ اتفاق سے ان کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا۔ وہ صحابہ کے پاس آئے اور بولے تم میں سے کسی کے پاس بچھو کاٹے کا منتر ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہے، مگر چونکہ تم نے ہماری ضیافت نہ کی لہٰذا ہم اس کا معاوضہ لیں گے، انہوں نے تیس بکریاں دینا قبول کیں۔ ایک صحابی (خود ابوسعید رضی اللہ عنہ) نے سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کیا۔ سورۂ فاتحہ سات مرتبہ پڑھ کر اس پر پھونک مارتے ہی سردار ٹھیک ہو گیا۔ قبیلہ کے لوگ بکریاں لے آئے تو صحابہ کو تردد ہوا (کہ یہ معاوضہ لینا چاہیے یا نہیں)، انہوں نے محمد ﷺ سے پوچھا تو آپ ہنس دیئے اور فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا سورۂ فاتحہ منتر ہے؟ وہ بکریاں لے لو اور اس میں میرا بھی حصہ نکالو۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رقیہ پر تیس بکریاں لی تھیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِمَاءٍ، فِيهِمْ لَدِيغٌ أَوْ سَلِيمٌ، فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ المَاءِ، فَقَالَ: هَلْ فِيكُمْ مِنْ رَاقٍ، إِنَّ فِي المَاءِ رَجُلًا لَدِيغًا أَوْ سَلِيمًا، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ عَلَى شَاءٍ، فَبَرَأَ، فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلَى أَصْحَابِهِ، فَكَرِهُوا ذَلِكَ وَقَالُوا: أَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا، حَتَّى قَدِمُوا المَدِينَةَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ" (بخاری، کتاب الطب: ۵۷۳۷)

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب صحابہ مدینہ پہنچے تو کسی نے کہا یا رسول اللہ اس شخص (ابوسعید رضی اللہ عنہ) نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ﴾ غیر مسلموں کے لیے بھی شفا (جسمانی) ہے۔

Scanned by CamScanner

سورہ فاتحہ کا شانِ نزول:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک دن جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ انہوں نے اپنے اوپر ایک زوردار آواز سنی انہوں نے اپنا سر اٹھایا پھر فرمایا، یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا، یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ پھر اس فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور دو نُوروں کی خوشخبری دی اور کہا کہ یہ دو نُور آپ کو دیئے جا رہے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے، ایک سورۂ فاتحہ دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیات، آپ جب کبھی ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ کی طلب کی گئی چیز ضرور مل جائے گی۔ (مسلم، کتاب المساجد:۸۰۶)

اس سورہ کا ایک نام أمر القرآن ہے، اس لیے کہ تمام علوم قرآن اس میں جمع ہیں۔

دین حق کا تمام تر ما حصل کیا ہے؟

جس قدر غور کیا جائے گا چار باتوں سے کوئی بات باہر دکھائی نہ دے گی۔

(۱) اللہ کی صفات کا ٹھیک تصور۔

(۲) قانون مجازات کا اعتقاد، جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک خاصہ ہے ایسے ہی انسانی اعمال کے بھی معنوی خواص ہیں، نیک عمل کا اچھا نتیجہ، برے عمل کا برا نتیجہ۔

(۳) معاد کا یقین، انسانی زندگی موت کی سرحد پر ختم نہیں ہوتی، جزا و سزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

(۴) فلاح وسعادت کی راہ اور اس کی پہچان، صراط مستقیم کی پہچان۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾

لفظ حمد صرف سچی تعریف کے لیے آتا ہے اور مدح سچی جھوٹی دونوں تعریفوں کے لیے آتا ہے، ثنا کا معنی ہے دہرانا یعنی لوگ وقتاً فوقتاً برابر اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔ ثنا ایسی تعریف کو کہتے ہیں جو لوگوں میں پھیل جائے، ثنا میں ذاتی تجربے سے زیادہ لوگوں میں ذکر خیر پھیلنے کی طرف اشارہ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں "اَلْحَمْدُ هُوَ الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ بِالْجَمِيْلِ" (احسان پر اللہ کی تعریف کرنا) یہ صحیح نہیں ہے بلکہ "اَلْحَمْدُ هُوَ وَصْفُ الْمَحْمُوْدِ بِالْكَمَالِ" (قابل تعریف کو کمال کے ساتھ موصوف کرنا) پھر اگر اسے بار بار کیا جائے تو یہ ثناء ہے۔ اس سے معلوم ہوا حمد ثنا نہیں ہے، حمد اور ثناء میں فرق ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾

رحمت کے مکرر ومضاعف ہونے کی طرف مشیر ہے لیکن کہیں رحمت کی فراوانی بندے کو مغرور نہ بنا دے، اس لیے اس کے بعد ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کہا گیا۔

"رحمٰن" رحمت عامہ اور "رحیم" رحمت خاصہ (مومنوں کے لیے) ہے، اسی وجہ سے جنتی جب جنت میں پہنچیں گے، تو اللہ

Scanned by CamScanner

فرمائے گا ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ (سورہ فصلت: ۳۲)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؇

رغبت کے ساتھ رہبت کا ضروری ہونا معلوم ہو جائے۔

اس سورہ میں دس چیزیں ہیں: پانچ اللہ سے متعلق، پانچ بندے سے متعلق

الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت (اللہ سے متعلق)

عبادت، استعانت، طلب ہدایت، طلب استقامت، طلب نعمت (بندوں سے متعلق)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؅

اس میں عرض حال کا طریقہ بتایا گیا کہ پہلے نذرانہ پیش کیا جائے پھر کوئی چیز مانگی جائے لہٰذا بندے نے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کہہ کر پہلے اپنی عبودیت کا اظہار کر دیا اس کے بعد ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کہہ کر سوال کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبادت وسیلہ ہے استعانت کا اور وسیلہ مقدم ہوتا ہے۔

اس سے یہ عجیب وغریب نقطہ بھی معلوم ہوا کہ ہم کو مدد اسی سے مانگنی چاہیے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔

مرتبۂ عبودیت دو چیزوں سے کامل ہوتا ہے: اوّل عبادت کرے۔ دوم ہر کام میں خود کو اللہ کا محتاج سمجھ کر اسی سے مدد مانگے، غلام خدمت گزاری کرے اور آقا سے کبھی کچھ نہ مانگے تو ایسے غلام سے بوئے نخوت آتی ہے۔

راستہ بھٹکے ہوئے کو منزل تک جانے والے راستے پر کھڑا کر دینا "اِرَاءَةُ الطَّرِيْقِ" ہے اور اپنی سواری میں بٹھا کر منزل تک پہنچا دینا "اِيْصَالٌ اِلَى الْمَطْلُوْبِ" ہے۔ پہلا کام انبیاء کا ہے اور دوسرا کام اللہ کا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ؆

ہدایت کی چار قسمیں ہیں:

(۱) ہدایت عامہ (۲) ہدایت خاصہ (۳) ہدایت توفیق (۴) ہدایت آخرت

(۱) **ہدایت عامہ:** تمام مخلوقات کے لیے ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (سورہ طٰہٰ: ۵۰)

(۲) **ہدایت خاصہ:** یہ صرف شریعت کے مکلفین انسانوں اور جنوں کو شامل ہے۔

(۳) **ہدایت توفیق:** یہ دعا کے ساتھ آتا ہے، جیسے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (سورہ فاتحہ: ۵) ﴿اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (سورہ مومن: ۶۰)

(۴) **ہدایت آخرت** ﴿وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ، وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ (سورہ حج: ۲۴)

Scanned by CamScanner

اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ

نعمت عربی کے مادہ ن، ع،م سے بنا ہے اس کے معنی نرمی کے ہیں ''ثوب ناعم'' نرم کپڑے کو کہتے ہیں اور نرم چیز سے راحت ہوتی ہے لہٰذا نعمت ایسی چیز ہے جس سے راحت ملے، انعام کا لفظ بھی اسی مادے سے بنا ہے۔انعام کا مطلب ہے نعمت،اس طرح دینا کہ اس سے صرف احسان مقصود ہو اپنی کوئی غرض نہ ہو۔

نعمت کی دو قسمیں ہیں: نعمت دنیوی،نعمت اخروی،پہلی فانی ہے اور دوسری غیر فانی۔

غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝

﴿مَغۡضُوۡبِ﴾ پہلے ﴿ضَآلِّيۡنَ﴾ بعد میں ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود بہ نسبت نصاریٰ اسلام سے زیادہ دور ہیں کیونکہ نصاری نے ایک نبی کا انکار کیا۔یہود نے دو نبیوں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام) کا انکار کیا۔

لفظ'غیر'ماقبل کی نفی اور مغائرت دونوں پر دلالت کرتا ہے یعنی ان کا راستہ نہیں چاہیے،دوسرے وہ راستہ چاہیے جو ان کے راستے کے مغائر ہو۔

نکتہ: دعا ہی عبادت ہے۔

ضلالت کی قسمیں:

اختیاری کہ اس کے اسباب انسان خود اختیار کرلے ﴿وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَيۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى عَلَى الۡهُدٰى فَاَخَذَتۡهُمۡ صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ﴾ (سورہ فصلت:۱۷)

لذات جسمانیہ،حب جاہ و مال، پابندیٔ رسم و عادات،صحبت بد،نیکیوں سے نفرت، یہ رین ہے، پھر توبہ سے نہ دھوئے تو غشاوۃ (قلوب پر پردے) پھر ختم، پھر قفل پھر دل کی موت۔اس کے بعد معجزہ بھی اثر نہیں کرتا ﴿وَمَا تُغۡنِى الۡاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ﴾ (سورہ یونس:۱۰۱)

نکات سورۂ فاتحہ (الف)

راجح قول کے مطابق سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی،اس کی سات آیتیں ہیں اور اس کے پچیس کلمات ہیں اور اس میں ایک سوتیئس (۱۲۳) حروف ہیں۔حروف الھجاء میں سے سات حروف اس میں نہیں آئے ہیں اور وہ ث، ج، خ، ز، ش، ظ، ف ہیں۔فیروزآبادی نے ذکر کیا ہے کہ اس سورۂ کریمہ کے تقریباً تیس نام ہیں،اسے جبریل علیہ السلام لے کر اترے۔

بعض لوگوں کو صحیح مسلم کی اُس روایت سے دھوکا ہو گیا کہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ اپنے اوپر ایک تیز آواز سنی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج کھلا ہے اور آج سے پہلے یہ کبھی نہیں کھلا۔اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا کہا کہ زمین پر اس سے پہلے یہ فرشتہ نازل نہیں ہوا۔اس نے سلام کیا اور کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دو نوروں کی خوشخبری دیتا ہوں، یہ دونوں نور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ایک سورۂ فاتحہ دوسرے

خواتیم سورۂ بقرہ۔ ان دونوں کے ذریعے جو طلب کیا جائے گا ملے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد: ۸۰۶)

قرطبی رحمہ اللہ نے اس شبہ کو اس طرح دور کیا ہے کہ جبرئیل سورۂ فاتحہ کی تلاوت کو لے کر مکہ میں نازل ہوئے اور یہ فرشتہ اس کا ثواب لے کر مدینہ میں نازل ہوا تو یہ سورہ قرآن وسنت دونوں کی جامع ہوگئی۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۱﴾

امام رازی رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ اس میں دس لاکھ (ایک ملین) مسائل ہیں۔

حمد اور مدح میں فرق: "إِنَّ الْحَمْدَ لَا يَكُوْنُ إِلَّا لِلْحَيِّ وَالْمَدْحُ يَكُوْنُ لِلْحَيِّ وَالْمَيِّتِ" حمد صرف زندہ کے لیے ہوتی ہے اور مدح زندہ اور مردہ دونوں کے لیے ہوتی ہے۔ الحمد میں الف لام استغراق کے لیے ہے، یعنی حمد کا ہر فرد اللہ ہی کے لیے ثابت ہے۔

سوال: جب تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے تو اس کی مخلوقات میں سے کسی کی تعریف کیسے کی جاتی ہے؟

جواب: ساری تعریف (إِنَّ الْحَمْدَ كُلَّهُ لِلّٰهِ) اللہ ہی کے لیے ہے، کا مطلب "إِنَّهُ هُوَ الْمُسْتَحِقُّ لِلْحَمْدِ" ہے کہ اللہ ہی حمد کا مستحق ہے اور اللہ کی تعریف کی بہ نسبت غیر اللہ کی تعریف نہ ہونے کے برابر ہے، نیز کل تعریف اللہ کے لیے ہے لہٰذا کسی مخلوق کی بعض (کچھ) تعریف اس کے منافی نہیں۔ الحمد للہ سے یہ بھی معلوم ہوا "إِنَّهُ كَانَ مَحْمُوْدًا قَبْلَ حَمْدِ الْحَامِدِيْنَ" کہ وہ حمد کرنے والوں کی حمد سے پہلے ہی محمود (قابل تعریف) تھا۔

قال شیخ الاسلام ابن تیمیۃ رحمہ اللہ فی دَرْءِ تَعَارُضِ الْعَقْلِ وَالنَّقْلِ "أَفْضَلُ سُوْرَةٍ، سُوْرَةُ أُمِّ الْقُرْآنِ" (۳۱۰/۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "دَرْءُ تَعَارُضِ الْعَقْلِ وَالنَّقْلِ" میں فرمایا کہ سب سے افضل سورہ سورۂ ام القرآن (سورۂ فاتحہ) ہے۔

رحمٰن اور رحیم میں فرق:

قَدْ وَرَدَ ذِكْرُ الرَّحْمٰنِ فِي الْقُرْآنِ سَبْعًا وَخَمْسِيْنَ مَرَّةً، وَأَمَّا إِسْمُ الرَّحِيْمِ فَقَطْ مِائَةٌ وَأَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً۔

قرآن میں لفظ رحمٰن ستاون (۵۷) مرتبہ آیا ہے اور لفظ رحیم ایک سو گیارہ (۱۱۱) مرتبہ آیا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا: الرحمٰن، اللہ کی صفت ذاتیہ پر اور الرحیم اس کی صفت فعلیہ پر دلالت کرتا ہے۔ رحمٰن دلالت کرتا ہے کہ رحمت اللہ کی صفت ہے اور رحیم دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر اپنی رحمت کی وجہ سے رحم کرتا ہے۔ غور کریں اللہ نے فرمایا ﴿اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ﴾ (سورہ توبہ: ۱۱۷) "رَحِيْمٌ بِهِمْ" آیا ہے مگر "رَحْمٰنٌ بِهِمْ" نہیں آیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رحمٰن وہ ہے جو رحمت کے ساتھ موصوف ہے اور رحیم وہ ہے جو اپنی رحمت سے رحم کرنے والا ہے، رحمٰن کسی انسان کی صفت نہیں بن سکتی اور رحیم انسان کی صفت بن سکتی ہے۔ رجل رحیم کہا جاتا ہے مگر رجل رحمٰن نہیں کہا جاتا۔

﴿مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ﴾ مَنْ بِيَدِهٖ أَمْرُ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (جس کے ہاتھ میں قیامت کے دن کا پورا معاملہ ہوگا) اگر تم

ذاتی اور صفاتی کمال پر تعریف و تعظیم کرنا چاہتے ہوتو میری تعریف کرو کیونکہ میں اللہ ہوں اور اگر احسان، تربیت اور انعام کے لیے ہوتو میں رب العالمین ہوں اور اگر مستقبل میں امید کے لیے ہوتو میں رحمان و رحیم ہوں اور اگر خوف کے لیے ہوتو میں مالک یوم الدین ہوں۔

﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ﴾ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔

﴿وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تیرے علاوہ کسی سے مدد نہیں مانگتے۔ ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ﴾ الوہیت سے متعلق ہے۔ ﴿وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ ربوبیت سے متعلق ہے، اسی وجہ سے ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ﴾ کو ﴿وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ سے پہلے لایا گیا کیونکہ لفظ اللہ پہلے ہے لفظ رب بعد میں ہے۔

حق کی طرف ہدایت کا دعویٰ کرنے والے بے شمار ہیں مگر اللہ نے بتادیا کہ دو گروہ ہدایت پر نہیں ہیں، ایک یہود دوسرے نصاریٰ، دیکھا جائے تو معتزلہ یہود کے قریب ہیں اور گمراہ صوفیہ نصاریٰ کے قریب ہیں، کیونکہ نصاریٰ کے پاس عبادت، زہد اور اخلاق سب کچھ ہے مگر بلا معرفت اور بلا بصیرۃ ہے تو وہ ﴿ضَآلُّوۡن﴾ ہوئے اور یہود کے پاس علم و نظر ہے مگر صالح مقصد نہیں ہے اور نہ عبادت ہے نہ زہد ہے نہ اخلاق کریمانہ ہیں تو یہ ﴿مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ﴾ ہوئے۔

تین گروہ ہیں:

(۱) ﴿اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ﴾ اس میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین وغیرہ ہیں۔

(۲) ﴿مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ﴾ یہ یہود ہیں۔

(۳) ﴿ضَآلِّیۡنَ﴾ یہ نصاریٰ ہیں۔

ہدایت کے تین ضروری امور:

نکتہ: آدمی غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ تمام برائیاں جو مسلمانوں میں داخل ہوئی ہیں اس کی جڑ انہیں دونوں گروہوں کی تقلید واتباع ہے۔ ان کی وجہ سے جو ذلت امت مسلمہ میں آئی ہے وہ ہٹ نہیں سکتی جب تک امت مسلمہ کتاب وسنت کی طرف نہ پلٹے۔

نکتہ: تمام مخلوق میں اصل ضلالت ہے، اسی وجہ سے اللہ سے ہدایت کا سوال واجب ہوا۔ اللہ کے نزدیک دعا کی بڑی اہمیت ہے، یہ وہ رسّی ہے جو بندے کو اللہ سے جوڑ دیتی ہے۔ صراط مستقیم اللہ کی مرضی کی طرف ہدایت پانا ہے، ہدایت وہ نہیں ہے جسے بندوں نے اپنی طرف سے ایجاد کر لیا اور گمان کرنے لگے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور صراط مستقیم کی معرفت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ نبی کی وراثت (علم) ہے جو آپ ﷺ دنیا میں چھوڑ کر گئے ہیں، نیز صراط مستقیم کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے اور ہدایت مکمل اللہ کے ہاتھ میں ہے لہٰذا ہدایت اللہ ہی سے مانگنا چاہیے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہدایت پر ثابت رہنے کے لیے اس راستے کا سالک برابر دعا مانگتا رہے کیونکہ بہت سے ہدایت پانے والے گمراہ ہو

Scanned by CamScanner

گئے جو ہدایت سے پہلے کی ضلالت سے زیادہ بری ہے یہ ضلالت اسے علم کے بعد ملی ہے اور دعا حق پر ثابت قدم رہنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے تو بندہ ہدایت کی دعا کرے اور اس ہدایت پر جمے رہنے کی دعا کرے کیونکہ اللہ کسی کو اس وقت تک گمراہ نہیں کرتا جب تک اس پر یہ واضح نہ کردے کہ ضلالت سے بچا کیسے جائے تا کہ اتمام حجت ہو جائے۔

حق سے پھیرنے والی چیز گمراہ لوگوں کی عسکری اور مالی قوت اور ان کی کثرت تعداد ہے۔ جیسا کہ فرعون کے حال میں ہے۔ تو امت کے اوپر ضروری ہے کہ تین امور کا خیال رکھیں:

(۱) ہدایت پر جمے رہنے کے اسباب کی معرفت

(۲) ہدایت سے ہٹنے کے اسباب کی معرفت

(۳) گمراہ لوگوں کی پرانی اور نئی مکاریوں اور سازشوں کی معرفت۔ کہ وہ کس طرح باطل کو پھیلاتے ہیں اور چوتھی چیز اس میں یہ بھی ملالیں معرفۃ الحق بدلیلہ علی وجہ العموم (عام طور پر حق کو اس کے دلائل کے ساتھ جاننا)

سورۂ فاتحہ شفا کے معاملے میں سب سے عظیم سورت ہے۔

نکاتِ سورۂ فاتحہ (ب)

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ "نِعْمَةُ اللّٰهِ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصَى عَلَّمَنَا أَنْ نَشْكُرَهُ فِي كَلِمَتَيْنِ إِثْنَتَيْنِ، هُمَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اللہ کی نعمتیں بے حد و بے شمار ہیں، اس نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم اس کا شکریہ دو کلموں میں کریں۔ اور وہ دو کلمے الحمد للہ ہیں، آدمی جب شکریہ ادا کرتا ہے تو گھنٹوں کرتا رہتا ہے۔

"لَعَلَّنَا أَنْ نَفْهَمَ أَنَّ الْمُبَالَغَةَ فِي الشُّكْرِ لِلْبَشَرِ مَكْرُوهَةٌ لِأَنَّهَا تُصِيبُ الْإِنْسَانَ بِالْغُرُوْرِ وَالنِّفَاقِ وَتُزِيْدُ الْعَاصِيْ فِيْ مَعَاصِيْهِ" تا کہ ہم سمجھیں کہ انسان کے لیے شکر میں مبالغہ درست نہیں کیونکہ یہ انسان کو غرور اور نفاق میں مبتلا کر دیتا ہے اور گناہ گار کے گناہ کو بڑھانے میں معاون ثابت ہوتا ہے، یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں صیغۂ حمد بتا دیئے ورنہ ہمارے لیے مناسب صیغۂ حمد معلوم کرنا دشوار ہوتا جو منعم کے جلال اور اس کی عظمت پر دلیل ہوتا۔

"مُوْجِبَاتُ النِّعَمِ، جَعْلُ النِّعْمَةِ تَسْبِقُ الْوُجُوْدَ الْإِنْسَانِيَّ" ہم پر اللہ کی نعمتوں کا شکر اس وجہ سے واجب ہے کیونکہ اس نے تمام نعمتوں کو وجود انسانی سے پہلے بنا دیا۔ ہوا، پانی، آگ بلکہ جنت بھی پہلے بنادی اور یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ انسان عاجز ہے کہ ان نعمتوں کو اپنے لیے تیار کرلے۔ اللہ اسے بلا مشقت اور بلا عوض دیتا ہے۔ سورج روشنی، حیات اور زمین سب بلا عوض دیئے ہیں۔

"اَلْإِنْسَانُ يَمْتَدِحُ الْوُجُوْدَ وَيَنْسَى الْمَوْجُوْدَ" انسان کا عجیب حال ہے کہ وجود کی تعریف کرتا ہے مگر موجود (اللہ) کو بھول جاتا ہے۔

(تَرَى زَهْرَةً جَمِيْلَةً فَتَقُوْلُ مَا أَجْمَلَ هَذِهِ الزَّهْرَةُ! فَالزَّهْرَةُ لَا دَخَلَ لَهَا أَنْ تَكُوْنَ جَمِيْلَةً أَوْغَيْرَ جَمِيْلَةٍ إِنَّمَا الَّذِيْ وُضِعَ الْجَمَالُ فِيْهِ هُوَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى) آپ ایک خوبصورت پھول کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کتنا خوبصورت پھول ہے! جب کہ پھول کا اپنے حسین ہونے اور نہ ہونے میں کوئی دخل نہیں، یہ جمال اس کے اندر

Scanned by CamScanner

جس نے رکھا ہے وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے۔

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾

''أَيِ الَّذِيْ يَمْلِكُ هَذَا الْيَوْمَ وَحْدَهُ يَتَصَرَّفُ فِيْهِ كَمَا يَشَاءُ'' یوم جزاء کا مالک ہے یعنی وہ اس دن کا تنہا مالک ہوگا اور جس طرح چاہے گا تصرف کرے گا۔

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾

''إِنَّ الْبِدَايَةَ مِنَ اللهِ وَالنِّهَايَةَ إِلَى اللهِ'' ہر چیز کی ابتداء اللہ ہی سے ہے اور انتہا بھی اللہ ہی تک ہے اور جب ہمیں اللہ سے ملنا ہے تو اس دن کے لیے عمل کرنا چاہیے۔ ایک آدمی نے سوال کیا میں جاننا چاہتا ہوں کہ میں اہل دنیا میں سے ہوں یا اہل آخرت میں سے؟ جواب دیا گیا ایک آدمی آکر تمہیں مال دیتا ہے اور دوسرا آتا ہے جو تم سے صدقہ لیتا ہے تو تم دونوں میں سے کس سے خوش ہوتے ہو؟ اگر تم مال دینے والے سے خوش ہوتے ہو تو تم اہل دنیا سے ہو اور اگر تم صدقہ لینے والے سے خوش ہوتے ہو تو اہل آخرت سے ہو۔ جو مجھے مال دے رہا ہے وہ مجھے دنیا دے رہا ہے اور جو مجھ سے صدقہ لے رہا ہے وہ مجھے آخرت دے رہا ہے، اگر یہ عقیدہ نہ ہو کہ ایک دن حساب ہے تو نماز، روزہ، حج وغیرہ انسان کیوں کرے گا؟ یہ عقیدہ اساس دین ہے۔

جب بندہ کہتا ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ صیغۂ غائب ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ صیغۂ غائب ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ صیغۂ غائب۔ سیاق لغوی کا تقاضا تھا کہ ﴿اِيَّاهُ نَعْبُدُ﴾ کہا جاتا ''اللهُ غَيَّرَ السِّيَاقَ وَ نَقَلَهُ مِنَ الْغَائِبِ إِلَى الْحَاضِرِ'' لیکن اللہ نے سیاق کو بدل دیا اور اس کو غائب سے حاضر کی طرف منتقل کر دیا، گویا اب بندہ اللہ کی جناب میں پہنچ گیا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٦

طالب ہدایت کو ہدایت ملتی ہے: مومن دنیا کی نعمتیں نہیں مانگتا کہ وہ سب وقتی عارضی اور زائل ہیں، بلکہ وہ اس چیز کو مانگتا ہے جو اسے جہنم سے نجات دے اور جنت میں داخل کرا دے، جو ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ یہ (هِدَايَةُ مَعُوْنَةٌ) ہے اور جو ارادہ نہیں کرتا اسے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ (هِدَايَةُ دَلَالَةٌ) ہے۔ اس میں راستہ واضح کر دیا کہ ہم اتباع کریں اور ہدایت یاب ہوں اگر ہم چلتے ہیں تو اللہ کی رضا ہے ورنہ غضب ہے، جو ہدایت کا راستہ پکڑتا ہے اللہ اس کی معاونت (مدد) کرتا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ (سورہ محمد:۱۷) جو ہدایت کی راہ پر چلتا ہے اللہ اس کی ہدایت میں زیادتی کرتا ہے۔ ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ (سورہ زخرف:۳۶) اور جو راہ ہدیٰ چھوڑ دیتا ہے تو اللہ اسے اس کی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

ہدایت رزق سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ جسے ہدایت مل گئی وہ متقی ہو گیا۔ ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝٢ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (سورہ طلاق:۲-۳)

Scanned by CamScanner

''ضَآلٌّ''اور''مُضِلٌّ''میں فرق:

بندہ دنیا میں صراط مستقیم پر جیسے چلے گا اور ثابت قدم رہے گا، پل صراط پر اتنا ہی ثابت قدم رہے گا اور ویسی ہی رفتار ہوگی۔

''ضَآلٌّ وَمُضِلٌّ'' (گمراہ اور گمراہ گر) (مَنِ ابْتَعَدَ عَنْ منهج اللهِ فَهُوَ ضَآلٌّ) جو اللہ کے راستے سے ہٹا وہ ضال (گمراہ) ہے۔ (وَمَنْ يُحَاوِلُ أَنْ يَأْخُذَ غَيْرَهُ إِلَى الضَّلَالَةِ فَهُوَ مُضِلٌّ) اور جو یہ کوشش کرے کہ دوسرے کو گمراہی میں ڈال دے وہ مضل (گمراہ گر) ہے۔

﴿ضَآلٌّ﴾ (يَاتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَحْمِلُ ذُنُوْبَهٗ) قیامت کے دن اپنے گناہ لیے ہوئے آئے گا، وہ ضال ہے۔

﴿مُضِلٌّ﴾ (يَاتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَحْمِلُ ذُنُوْبَهٗ وَذُنُوْبَ مَنْ أَضَلَّهُمْ) قیامت کے دن جو اپنے گناہ اور جن کو اس نے گمراہ کیا ہے اُن کے گناہ لے کر آئے گا وہ مضل ہے۔

نکات سورہ فاتحہ (ج)

وجہ تسمیہ: اس سورہ کا نام سورۂ فاتحہ اس وجہ سے ہے کیونکہ مصحف میں سب سے پہلے لکھی ہوئی ہے، اسے سب پر مقدم رکھ کر سب سے پہلی سورہ بنانا اس کی اہمیت کے سبب سے ہی ہے۔ اس کا ایک نام ام القرآن بھی ہے۔ اسے ام القرآن اس وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ قرآن میں جتنے احکام بیان کئے گئے ہیں وہ سب اجمالی طور پر سورۂ فاتحہ میں موجود ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ام القرآن کا نام دیا ہے اور اللہ نے اس کا نام القرآن العظیم دیا ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں توحید ربوبیت کا اثبات ہے۔ ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے ملاحدہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عالم کا کوئی رب نہیں بلکہ یہ خود ہی وجود میں آ گیا ہے۔ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ میں بعث بعد الموت کے منکرین کا رد ہے اور ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ میں توحید اسماء وصفات کا ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ میں ﴿الدِّيْنِ﴾ سے مراد جزاء وحساب ہے اور اس میں مرکر جی اٹھنے کا اثبات ہے۔ ''مٰلِكِ الدِّيْنِ'' نہیں کہا ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کہا تاکہ ہم جانیں کہ حساب وکتاب کے لیے ایک ایسا دن ہوگا جو تمام دنوں سے ممتاز ہوگا اور وہ دن ہوگا جس دن ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ میں توحید الوہیت کا اثبات ہے، لہٰذا اس سورہ میں توحید کی تینوں اقسام (توحید ربوبیت، توحید الوہیت، توحید اسماء وصفات) کا ذکر ہے۔ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ میں مشرکین کا رد ہے جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ غیروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں حقیقت اخلاص اور ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ میں حقیقت توکل کو بیان کیا گیا ہے اور ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں رسالت کا اثبات ہے کیونکہ رسولوں کے بھیجے بغیر صراط مستقیم کا پتہ نہیں لگ سکتا۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ یہ سب سے عظیم اور نافع دعا ہے، کیونکہ جسے اللہ نے اس راستے کی ہدایت کر دی وہ اس کی طاعت پر اور ترک معصیت پر مدد کرے گا تو اسے دنیا اور آخرت میں کوئی شر نہ پہنچے گا۔ ''اھدنی'' کے بجائے

"اِهْدِنَا" فرما کر یہ بتادیا کہ قرآن کے نزدیک فرد کی ہستی کوئی شئے نہیں، ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے۔صراط کو پہلے الف لام کے ذریعے معرفہ بنایا گیا پھر اضافت کے ذریعے معرفہ بنایا گیا جو اس کے تعین اور اختصاص کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ راستہ ایک ہے اور متعین وخاص ہے۔

معرفت حق اور عمل بالحق کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں: بندہ یا تو عالم بالحق ہوگا یا جاہل بالحق ہوگا، اگر عالم بالحق ہے تو علم کے مقتضی پر عامل ہوگا یا اس کا مخالف ہوگا۔

(۱) (فَالْعَالِمُ بِالْحَقِّ اَلْعَامِلُ بِهٖ. هُوَ الْمُنْعَمُ عَلَيْهِ) (حق کو جاننے والا اور اس پر عمل کرنے والا وہ ہے جس پر اللہ کا انعام ہوا)۔

(۲) (اَلْعَالِمُ بِالْحَقِّ غَيْرُ الْعَامِلِ بِهٖ وَالْمُتَّبِعُ هَوَاهُ. هُوَ الْمَغْضُوْبُ عَلَيْهِ) (حق کو جاننے والا اور خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے اس پر عمل نہ کرنے والا وہ ہے جس پر اللہ کا غضب ہوا)

(۳) (وَالْجَاهِلُ بِالْحَقِّ. هُوَ الضَّالُّ) (اور حق سے جاہل گمراہ ہے)

قلب کو دو مرض لاحق ہوتے ہیں اگر اس کا علاج نہ کیا گیا تو وہ دل کو ضائع کر دیں گے۔ان میں سے ایک ریاء ہے دوسرا کبر ہے تو ریاء کی دوا ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ ہے اور کبر کی دوا ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ ہے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں وحشت تفرد کا علاج ہے، کسی راستے پر آپ تنہا چل رہے ہوں تو ایک تو آپ وحشت زدہ ہوں گے دوسرے آپ کی رفتار سست پڑ جائے گی، جیسے کوئی ہرن جو انتہائی تیز رفتار جانور ہے اگر اسے احساس ہو کہ اس کے پیچھے کتے لگے ہوئے ہیں تو وہ اِدھر اُدھر متوجہ ہوگا جس سے اس کی رفتار سست پڑ جائے گی، اسی طرح آپ کو یہ معلوم ہو کہ کچھ لوگ اسی راستے پر آگے جا رہے ہیں تو ایک تو تنہائی کی وحشت جاتی رہے گی دوسرے آپ کی رفتار تیز ہو جائے گی کیونکہ آپ اس صورت حال میں اِدھر اُدھر التفات نہ کرتے ہوئے حرص کریں گے کہ جلد از جلد آگے جانے والے لوگوں کے ساتھ مل جائیں۔

صراط مستقیم سے خروج کے اسباب میں سے یا تو جہالت ہوتی ہے یا پھر عناد۔جن کے خروج کا سبب عناد ہوتا ہے وہ ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ ہوتے ہیں جن میں سرفہرست یہود ہیں اور جن کے خروج کا سبب جہالت ہوتا ہے وہ ہر وہ شخص ہے جسے حق بات کا علم ہی نہیں، جن میں سرفہرست نصاریٰ ہیں، لیکن نصاریٰ کا یہ حال بعثت نبوی سے قبل تھا، مگر بعثت کے بعد انہوں نے بھی حق جان لیا اور اس کی مخالفت کی، جس کی وجہ سے یہ اور یہود برابر ہو گئے۔ پس یہ سب ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ ہیں۔﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ کو ﴿ضَآلِّيْنَ﴾ پر مقدم کیا کیونکہ علم رکھنے کے باوجود جو مخالفت کرے اس کا رجوع کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے جو محض جہالت کی وجہ سے مخالفت کرے، جو ہدایت پر نہیں ہوتے۔ ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کسی راہ پر چل رہا ہو مگر اسے راستہ معلوم نہ ہو۔ تو کیا وہ شخص جو زمین پر چل رہا ہے مگر اسے راستہ معلوم نہیں اسے ضال نہیں کہا جاتا؟ اور یہ کہ وہ خطرے اور ہلاکت میں ہوتا ہے؟ پس جو بغیر علم کے عمل کرے وہ شریعت میں گمراہ کہلاتا ہے اگرچہ وہ عمل کرے اور تھک ہار جائے۔اس میں خرافی اور بدعتی بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی بغیر علم کے عمل کرتے ہیں۔ پس سورۂ فاتحہ پڑھنے والا اللہ سے تین دعائیں کرتا ہے کہ وہ اسے دو قسم کے طریقوں سے بچائے جو عالم ہو مگر عامل نہ ہو اور عامل ہو مگر عالم نہ ہو اور اللہ اسے ایسا بندہ بنائے جو عالم بالحق اور عامل بالحق ہو۔

سورة البقرة(مدنية)

الٓمّٓ ①

ان حروف کوحروف مقطعات کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں ہرحرف کوالگ الگ پڑھا جاتا ہے۔اس کا معنی سمجھنے کے لیے ہمیں سر کھپانے اور ذہن کو تھکانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ انسانی زندگی بھی ہم سے تقاضہ کرتی ہے کہ کبھی کبھی ہم ایسے کلمات وضع کریں جن کے معانی ہم تو سمجھیں مگر کوئی دوسرا نہ سمجھ سکے جیسے فوج میں کوڈ استعمال کئے جاتے ہیں اگر ہم سنیں تو ہمیں ان کا کوئی مطلب نہیں سمجھ میں آئے گا لیکن جن لوگوں نے وہ کوڈ بنایا ہے ان کلمات کی قیمت ان کے نزدیک حیات وموت سے کم نہیں، یہ حروف مقطعات ''سِرٌّ مِن أسرارِ الله'' (اللہ کے رازوں میں سے ایک راز) ہیں۔اللہ نے چاہا کہ ان کا معنی اس کے خزائن غیب ہی میں رہے اور اس نے چاہا کہ ہم اس کا معنی سمجھے بغیر صرف قرأت سے فائدہ اٹھائیں، ہمیں ہر حرف پر دس نیکیاں تو ملتی ہیں۔

﴿الٓمّٓ﴾

(۱) فواتح (حروف مقطعات) مُنبّہات ہیں اور یہ مخاطب کی توجہ مبذول کرانے کے لیے آتے ہیں تاکہ نزول قرآن کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل جبرئیل کی آواز کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے۔

(۲) یہ حروف مقطعات مشرکین پر حجت ہیں کیونکہ وہ قرآن کے مثل بلکہ ایک آیت لانے سے عاجز رہ گئے۔کیا قرآن ایسے حروف میں آیا ہے جسے یہ جانتے نہیں تھے؟ یہ اشارہ کرتے ہیں کہ جب تم اپنے کلام کو اِنہی حروف سے بناتے ہو تو قرآن کا مثل کیوں نہیں لا سکتے؟

(۳) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۱/۱۶۰) استقراء سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جن سورتوں کا آغاز فواتح سے ہوا ہے ان میں قرآن کے غلبہ وانتصار کا تذکرہ اور اس کے اعجاز کا بیان ہے۔قرآن کے اللہ کی جانب سے ہونے کا اثبات ہے اور

Scanned by CamScanner

مجادلہ کرنے والوں کے دعویٰ کا ابطال ہے، ساتھ ہی مجادلہ کرنے والوں کے موقف کو ان قوموں کے موقف کے مشابہ قرار دیا گیا ہے جنہوں نے آیات کا انکار کیا اور ان پر عذاب نازل ہو کر رہا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں ہے (کہ یہ کلامِ باری تعالیٰ ہے۔ اللہ سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ متقی سے مراد (طالب حق) ہے۔ ہدایت اسی کو ملتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔ جیسے پانی کا کام ہے پیاس بجھانا، مگر ایک آدمی پانی پانی رٹتا رہے تو پیاس نہیں بجھ سکتی جب تک وہ پانی نہ پیے، تو قرآن سب انسانوں کے لیے ہے مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو متقی ہیں۔

﴿لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ﴾

سوال: اَلْكُفَّارُ شَكُّوْا فِيْهِ: کفار نے اس میں شک کیا۔

جواب: (اِنَّ هٰذَا نَفْيُ الرَّيْبِ عَنِ الْكِتَابِ لَا عَنِ النَّاسِ. لَمْ يُقَدَّمِ الظَّرْفُ عَلَى الرَّيْبِ. لِئَلَّا يَذْهَبَ الْفَهْمُ اِلٰى اَنَّ كِتَابًا آخَرَ فِيْهِ الرَّيْبُ لَا فِيْهِ) یہ کتاب سے ریب کی نفی ہے لوگوں سے نہیں۔ ظرف (فیہ) کو ریب پر مقدم نہیں کیا تا کہ ذہن اس طرف نہ جائے کہ اس کتاب میں شک نہیں دوسری آسمانی کتابوں میں شک ہے۔

﴿لَا فِيْهَا غَوْلٌ﴾ (سورہ صافات: ۴۷) "تَفْضِيْلُ خُمُرِ الْجَنَّةِ عَلٰى خُمُوْرِ الدُّنْيَا يَأْتِيْهَا غَوْلٌ فِيْهَا تَغْتَالُ الْعُقُوْلَ" یہاں ظرف (فیھا) کو مقدم کیا تا کہ جنت کی شراب کی فضیلت دنیا کی شرابوں پر معلوم ہو کہ جنت کی شراب میں غول نہیں جب کہ دنیا کی شراب میں غول ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۳) اور جو کتاب (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر نازل ہوئی ہے اور جو کتابیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں (۴)

متقین کی پہلی صفت ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ ہے، ﴿يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ﴾ نہیں یعنی متقین بشمول انبیاء عالم الغیب نہیں ہوتے "مُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" ہوتے ہیں۔ (یہاں بریلویوں کا رد ہے)۔

Scanned by CamScanner

بیچ میں اقامت صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ کا تذکرہ ہوا پھر ایمان کا تذکرہ ہوا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال داخل ایمان ہیں۔(یہاں تبلیغیوں کا ردّ ہے)

﴿ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ﴾ (قادیانیوں کا ردّ ہے) ورنہ اگر کوئی نبی آپ کے بعد بھی آنے والا ہوتا تو ﴿ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن قَبْلِكَ وَمِنْ بَعْدِكَ ﴾ کہا جاتا۔

﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾ اور ﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾

یہاں کہا گیا کہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے اور سورۂ بقرہ ہی میں کہا گیا کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے، بظاہر اس میں تعارض ہے مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں۔ دراصل ہدایت کے دو پہلو ہیں، پہلا درجہ إِرَاءَةُ الطَّرِيقِ (راستہ دِکھا دینا) اور دوسرا درجہ إِيصَالٌ إِلَى الْمَطْلُوبِ (منزل تک پہنچا دینا) ہے۔ عام لوگوں کے لیے إِرَاءَةُ الطَّرِيقِ (راستہ دکھا دینا) ہے اور خاص لوگوں کے لیے إِيصَالٌ إِلَى الْمَطْلُوبِ (منزل تک پہنچا دینا) ہے۔ جب کوئی انسان ہدایت کو سمجھ کر تقویٰ اختیار کر لیتا ہے تو پھر یہ کتاب اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ حق کو وہی پاتا ہے جو حق کا طالب ہو اور جو طالب ہو وہ ضرور حق پا لیتا ہے۔ یہاں ڈھونڈنے اور پانے کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں، مگر ایک شخص اپنی آنکھیں بند کر لے، کانوں میں روئی ڈال لے تو آنکھ اور کان رکھتے ہوئے بھی دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے۔ جب حق کا اعلان ہو تو قبول اس وقت کرتا ہے جب وہ دل کے دروازے کھلے رکھے۔ یہی وہ مانع کیفیت ہے جسے ختم (مہر لگانا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴾ (سورہ شمس:۸)

نیکی کی ہر بات سے فائدہ اٹھانے کے لیے تقویٰ شرط ہے، جس نے اسے ضائع کر دیا وہ نیکی کے ہر جوہر سے خالی ہو گیا۔ سورج لاکھ چمکے مگر اندھے کو اس سے کیا فائدہ۔

﴿ لَا رَيْبَ فِيهِ ﴾ اور ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾ میں ربط:

اول جملہ دوسرے کے لیے دلیل ہے، مشکوک کتاب میں ہدایت نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس کلام میں ریب نہ ہو وہ منجانب اللہ ہے لہٰذا قرآن من جانب اللہ ہے۔

سوال: بعض کو شک ہوا؟

جواب: ان کا قصور فہم تھا کہ ان کے پاس عقل سلیم نہ تھی۔

سوال: متقین ہدایت پا چکے ہیں پھر ان کے لیے ہدایت تحصیل حاصل ہے؟

جواب: یہ مایؤول کے اعتبار سے ہے، جیسے کسی مبتدی طالب علم کو اس لحاظ سے کہ آئندہ عالم ہونے والا ہے عالم یا مولوی کہہ دیتے ہیں اسی طرح قرآن کی طرف توجہ کرنے والے کو مایؤول کے اعتبار سے متقی کہہ دیا گیا کہ آخر کار قرآن کی طرف توجہ کرنے کا نتیجہ متقی ہونا ہے۔ بخلاف کتب واہیہ کے۔

Scanned by CamScanner

تقویٰ: وقایه سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے نہایت محفوظ رکھنا۔ عرف شرع میں ان چیزوں سے خود کو محفوظ رکھنا جو اس کے لیے آخرت میں مضر ہیں۔ اس کے تین مرتبے ہیں:

(۱) کلمہ توحید ﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ (سورۂ فتح:۲۶) اللہ نے ان کو تقویٰ کی بات یعنی توحید پر جمائے رکھا، یعنی کفر و شرک سے محفوظ رکھا۔

(۲) ہر گناہ سے بچنا (صغائر و کبائر سے بچنا) ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (سورۂ اعراف:۹۶) اور اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے یعنی گناہوں سے بچتے۔

(۳) حق تقویٰ یعنی جیسا تقویٰ کا حق ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (سورۂ آل عمران:۱۰۲) اے ایمان والو اللہ سے ایسے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

امراض جسمانی میں پرہیز بہت نافع ہے، بدپرہیزی کا اثر جسم پر ظاہر ہوتا ہے اور برے اعتقادات و اعمال و اقوال کا اثر روح کو پہنچتا ہے، یہ روحانی امراض ہیں ان کا برا اثر دنیا میں کم آخرت میں پورا نمودار ہوگا۔

متقین: تقویٰ ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔

تقویٰ کے دو جزء:

(۱) عمل بالماموارت

(۲) ترک منہیات - پہلے کی دو قسمیں ہیں:

(۱) امور حقہ کی تصدیق یہ قلب کا کام ہے۔

(۲) دوسرے اعمال صالحہ۔ اس کی دو قسمیں ہیں: بدنی اور مالی۔ بدنی میں سب سے اہم نماز ہے اور مالی میں سب سے اہم زکوۃ ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ غائب وہ ہے جو نہ تجھ کو دیکھے اور نہ تو اس کو دیکھے۔

غیب: تو اس کو نہ دیکھتا ہو اگرچہ وہ تجھ کو دیکھتا ہو۔

غیب: جس کا ادراک حواس خمسہ سے نہ ہو۔

غیب: کل ما جاء بہ الرسول (ہر وہ چیز جو رسول لائے) غیب ہے۔

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾

انفاق کی سات قسمیں ہیں:

(۱) زکوۃ (۲) صدقۂ فطر (۳) خیرات (۴) وقف (۵) مصارف حج (۶) مصارف جہاد (۷) نفقات واجبہ۔

﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ آخرت کو نماز اور خیرات کے بعد ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں آخرت کا توشہ ہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿یُوْقِنُوْنَ﴾ اشارہ ہے کہ آخرت کی محض تصدیق کرنا مقصد کو پورا نہیں کرتا بلکہ اس کا ایسا یقین ضروری ہے جیسے وہ آنکھوں کے سامنے ہو۔

ایمان بالآخرۃ کے مدّعی تو بہت ہو سکتے ہیں مگر جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (هُمْ یُوْقِنُوْنَ یہی یقین رکھتے ہیں)

یقین: جیسے سانپ بل میں گیا آپ نے دیکھا آپ اس بل میں ہاتھ نہیں ڈالیں گے کیونکہ آپ کو یقین ہے۔

متقین کی صفات:

نکتہ: یومنون، یقیمون، ینفقون- تینوں جملے فعلیہ ہیں جو تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں تاکہ یہ بات سمجھی جائے کہ صرف ایک بار ان باتوں سے متصف ہونا کافی نہیں ہے، پھر اس ترتیب میں نکتہ یہ ہے کہ ایمان کے بغیر ایک سیکنڈ نہیں چلے گا، نماز چوبیس گھنٹوں میں پانچ بار ہے اور زکوٰۃ سال بھر میں ایک بار ہے۔

نکتہ: ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام مال دے کر فقیر ہو جاؤ۔ من تبعیضیہ ہے اور کنایتاً فضول خرچی سے روک دیا گیا ہے جیسے شادی بیاہ وغیرہ میں بطور تفاخر خرچ کرنا۔

دنیا میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے کہ سیکڑوں روزے رکھوالو، بے شمار نمازیں پڑھوالو مگر دینے کا ذکر کرو تو ''چمڑی چلی جائے مگر دمڑی نہ جائے'' کا محاروہ ان پر صادق آتا ہے۔ ''من تبعیضیہ'' سے ایک کلفت آسان ہوئی کہ سب نہیں دینا ہے اور رزقناھم کہہ کر یہ تصور دیا گیا کہ تم جو دیتے ہو وہ تمہارا تھوڑی ہے سب میرا ہے، تم تو صرف امین یا وکیل ہو۔

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ حلال اشیاء خرچ کریں۔

مسئلہ: کیا زکوٰۃ کے پیسے سے مسجد کا لاؤڈ اسپیکر خریدا جا سکتا ہے؟ یا اس سے قبرستان کی چہار دیواری وغیرہ کی تعمیر کی جا سکتی ہے؟

جواب: نہیں! کیونکہ زکوٰۃ کے مصارف آٹھ ہی ہیں۔ ان میں سے یہ کسی میں داخل نہیں۔

یُوْقِنُوْنَ: کسی چیز پر یقین رکھنے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اس پر ایمان بھی رکھتا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو نشانیاں دکھائیں اُن پر فرعون کو پورا یقین تھا کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لایا۔

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥

یہی لوگ اپنے رب (کی طرف) سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں (۵)

﴿عَلٰى هُدًى﴾

(عَلٰى لِلْاِسْتِعْلَاءِ: شُبِّهَتْ بِحَالِ مَنِ اعْتَلَى الشَّيْءَ وَرَكِبَهُ) لفظ علیٰ استعلاء کے لیے ہے، اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی گئی جو کسی چیز پر چڑھ گیا اور اس پر سوار ہو گیا، یہاں ہدایت کو مضبوطی سے پکڑنا اور اس پر استقرار مراد

Scanned by CamScanner

ہے، جیسے کوئی کسی جانور پر سوار ہو جائے تو وہاں ایک تو قدرت ہے دوسرے استقرار ہے اور مضبوطی سے پکڑنا ہے۔

ہدایت کا ثمرہ (فلاح):

پہلے ﴿اَلَّذِیْنَ﴾ کے مقابل ﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ اور دوسرے ﴿اَلَّذِیْنَ﴾ کے مقابل ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ لایا گیا، یعنی آخرت پر وہی ایمان رکھتے ہیں جو اوصاف مذکورہ سے متصف ہیں نیز ہدایت وفلاح متقین کا حصہ خاص ہے۔

ایمان: کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقینی طور پر مان لینا ایمان لغوی ہے، اصطلاح شرع میں زبان سے اقرار دل سے مکمل تصدیق اور اعمال ظاہرہ کا نام ہے جو اطاعت وفرمانبرداری سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے۔

ایتاء: کسی کے پاس لانا بعد میں اس میں دینے کا معنیٰ پیدا ہو گیا، کوئی چیز لانا غالب طور پر دینا ہوتا ہے خواہ وہ بری ہو یا اچھی، چھوٹی ہو یا بڑی، یہاں ایتاء سے مراد غیر معمولی چیز دینا ہے جسے حاصل کرنے والا نعمت سمجھے اور اسے شوق سے لے۔

تعاطی کا مطلب ہے ایڑیاں اٹھا کر اور سر کو بلند کر کے کوئی چیز لینا۔

''ایمان وعمل میں تغایر نہیں ہے۔ تخم اور درخت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں فرق صرف ظہور کے اعتبار سے ہے۔ صحیح عقائد مدار نجات ہیں، اعمال مدار نجات نہیں''۔ (اصول دعوت وتبلیغ ۶۴، مولوی عبدالرحیم شاہ دیوبندی) یہ بات درست نہیں کیونکہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔

پانچ آیات میں ماننے والوں (متقین) کا تذکرہ ہے، دو آیات میں نہ ماننے والوں کا تذکرہ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کا معاندانہ انکار کرتے تھے، بعد کی تیرہ آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے، منافقین کے حال کی دو مثالیں دے کر ان کا قابل نفرت ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔

منافقین دو طرح کے تھے:

(۱) کفر میں بالکل پختہ، ایمان کا اظہار دنیوی مصلحت کی بنا پر کرتے تھے۔

(۲) ایمان واسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہونے کا ارادہ کر لیتے پھر دنیوی اغراض ان کو اس ارادے سے روک دیتے۔

پھر دو آیتوں میں توحید کا اثبات کیا گیا، اللہ کی چار صفات:

(۱) پیدا کرنا (۲) زمین کو بچھونا بنانا (۳) آسمان کو چھت بنانا

(۴) آسمان سے پانی نازل کر کے ثمرات اُگانا، ذکر کر کے یہ استدلال کیا گیا کہ جب یہ چیزیں اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا تو مستحقِ عبادت بھی اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

پھر دو آیتوں میں رسالت محمد یہ کا اثبات ہے، یعنی قرآن آپ کی رسالت کی دلیل ہے، ورنہ چیلنج کیا گیا کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر دکھاؤ۔

Scanned by CamScanner

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦
خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧

بیشک جو لوگ کافر ہیں انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے (۶)
اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے۔ (۷)

﴿خَتَمَ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی۔ اوصاف ذمیمہ ان کے دلوں میں اس طرح راسخ ہو چکے ہیں کہ ہر مُنکَر ان کو معروف نظر آتا ہے، ان کی حالت نجاست کے اس کیڑے کی سی ہے جس کو گندگی سے رغبت ہے اور خوشبو سے اسے طبعی نفرت ہے، بسا اوقات وہ خوشبو سے مرجاتا ہے یہی حال کافروں کا ہے۔

﴿وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ (سورۂ اعراف: ۱۰۰)

(أَثَرُ السَّمْعِ مَرْبُوطٌ بِأَثَرِ الْقُلُوبِ) سماعت کا اثر دل کے اثر سے جُڑا ہوا ہے۔

ہر شخص جو دعویٰ کرے ضروری نہیں کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہو کیونکہ منافقین نے کہا ﴿إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ﴾ مگر اللہ نے کہا ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ﴾ اور ضروری نہیں کہ انسان خود کو جس چیز سے زینت دیتا ہے وہ اچھی ہی ہو۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ﴿أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوٓءُ عَمَلِهِ فَرَءَاهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِي مَن يَشَآءُ﴾ (سورۂ فاطر: ۸)

سمع اور قلب کے لیے آنکھ کی طرح کوئی جہت خاص نہیں لہٰذا پہلے دونوں پر مہر اور آنکھ چونکہ ایک ہی جہت میں دیکھتی ہے اس کے لیے غشاوہ (پردہ) لایا گیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْءَاخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ۝٨

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے (۸)

﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ کا تقاضا تھا کہ جواب ﴿مَا اٰمَنُوْا﴾ آتا مگر اس کے برعکس ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ لایا گیا کیونکہ زمانۂ ماضی میں اُنہیں ایمان سے باہر بیان کرنا تھا، ان کو ہمیشہ کے لیے ایمان سے بے بہرہ ثابت کردیا اور نفی کو 'با' سے موکد کردیا۔

﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومن: ظاہر و باطن دونوں میں فرمانبردار۔ کافر: ظاہر و باطن دونوں میں نافرمان۔
منافق: ظاہر میں فرمانبردار اور باطن میں نافرمان۔

Scanned by CamScanner

(وَالْمُؤْمِنُ مُلْزَمٌ بِاتِّبَاعِ جَمِيْعِ الأَدِلَّةِ) بعض لوگ کہتے ہیں عقائد میں تقلید نہیں اعمال میں تقلید ہے، جب کہ مومن کے اوپر لازم ہے کہ وہ تمام دلائل کی اتباع کرے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩

یہ (اپنے تئیں) اللہ تعالیٰ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (درحقیقت) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس (بات) سے بے خبر ہیں (۹)

شعور محسوسات کے لیے اور علم محسوسات اور معقولات دونوں کے لیے ہے۔ ﴿يَشْعُرُوْنَ﴾ کہا ﴿يَعْلَمُوْنَ﴾ نہ کہا کہ ان کے مکر کی برائی ایک محسوس شئے ہے مگر آنکھوں پر پردہ ہونے کی وجہ سے نہیں دیکھ پاتے گویا ان کے پرلے درجے کی حماقت کو ثابت کرنے کے لیے ﴿يَشْعُرُوْنَ﴾ لایا گیا۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝١٠

ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا اللہ تعالیٰ نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا (۱۰)

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جب کوئی شئے اپنے فطری طریقے پر کام کرنا چھوڑ دیتی ہے تو اسے مریض کہا جاتا ہے، مثلاً انسان کے اعضاء و جوارح شل ہو جائیں تو اسے مریض کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے ہر ایک کو فطرت پر پیدا کیا ہے، حدیث قدسی "اِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ" (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ: ۲۸۶۵) میں فطرت کو توحید کہا گیا ہے، لہٰذا دین فطرت سے انحراف روحانی مرض ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لائے تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ بھلا جس طرح بیوقوف لوگ ایمان لے آئے ہیں اُسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟ سُن لو کہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے (۱۳)

﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ﴾ سفہ (سَفَهَتِ الرِّيْحُ الشَّيْءَ) ہوا چیز کو اُڑا لے گئی۔
"سَفِيْهٌ": خَفِيْفُ الْعَقْلِ: (عقل کا ہلکا) کو کہتے ہیں، فساد محسوس ہے اس لیے ﴿لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ کہا گیا۔ ایمان غیر محسوس ہے اس لیے ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کہا گیا، نیز سفہ ایک قسم کا جہل ہے اس لیے اس کے مقابل میں علم لایا گیا جو کمال بلاغت ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿اَلَآ اِنَّھُمۡ ھُمُ السُّفَھَآءُ﴾ منافقین مومنوں کو بیوقوف کہتے تھے تو قرآن نے کہا یہی بیوقوف ہیں۔ کیسے؟
کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کو بیوقوف کہا جب کہ وہی بیوقوفی یہ خود کر رہے ہیں، یہ ظاہر میں خود کو مومن ہی کہتے تھے، نیز یہ ایمان کا اظہار کر کے ایسی مشقت اٹھا رہے ہیں جس پر ان کو کوئی ثواب نہیں ملے گا تو یہ اس شخص کی طرح ہیں جو محنت کر رہا ہے اور اسے معلوم ہے کہ اسے کوئی مزدوری نہیں ملے گی، اس کے علاوہ منافق دوہری زندگی جیتا ہے تو وہ اس فلمی اداکار کی طرح ہے جو اسٹیج پر ایسا کردار ادا کرتا ہے جو اس کی حقیقی زندگی کے کرداروں سے بالکل مختلف ہوتا ہے، گویا اس کی پوری زندگی مصنوعی ہے بلکہ ایک ڈھونگ ہے۔

نکتہ: حق ظاہر اور واضح ہوتا ہے مگر باطل جو شیطان کا منہج ہے اور اس کی سازشیں پسِ پردہ ہوتی ہیں کیونکہ شیطان کو تنہائی کی اور ایسے مکان کی ضرورت ہوتی ہے جہاں اُسے کوئی نہ دیکھ سکے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِھِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَھۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾

اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (اُن سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم (پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) تو ہنسی کیا کرتے ہیں (۱۴)

نکتہ عجیبہ: منافقین جب ایمان والوں کے ساتھ ہوتے ہیں تو آمنّا کہتے ہیں جو جملہ فعلیہ ہے اور تجدد پر دلالت کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ایمان غیر ثابت، متذبذب اور ڈانواڈول ہے اور جب کافروں کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ﴿اِنَّا مَعَکُمۡ﴾ جو جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت اور استمرار پر دلالت کرتا ہے کہ حقیقت میں یہ کافر ہی ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡھُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُھُمۡ وَمَا کَانُوۡا مُھۡتَدِیۡنَ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ تو ان کی تجارت نے ہی کچھ نفع دیا اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہی ہوئے (۱۶)

﴿اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ﴾ جب آپ کوئی چیز خریدتے ہیں تو ایک چیز چھوڑتے ہیں اور ایک چیز لیتے ہیں تو منافقین نے ہدایت چھوڑ کر ضلالت لے لی۔

سوال: یہ ہے کہ کیا منافقین کے پاس ہدایت تھی؟

جواب: ''ھِدَایَۃُ دَلَالَۃٍ'' تھی جسے ''اِرَاءَۃُ الطَّرِیۡقِ'' کہا جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہدایت کا راستہ دکھا دیا تھا۔

Scanned by CamScanner

﴿فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ﴾ تین صورتیں ہیں:

(۱) آدمی نے کمائی کی اور نفع پایا۔ (۲) نہ کمائی کی نہ گھاٹا اٹھایا۔

(۳) گھاٹا اٹھایا کمائی نہیں کی۔ دوصورتوں میں آدمی کو نفع نہیں ملا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی تجارت نے اسے نفع نہیں دیا مگر تیسری صورت میں اس نے گھاٹا اُٹھایا کیونکہ اس کے پاس ہدایۃ دلالت جو پونجی تھی وہ بھی گئی اور نفع بھی نہیں ملا۔

نیز منافق اخلاقی طور پر بھی بہت رذیل اور گھٹیا ہوتا ہے اس کے اندر مردانگی نہیں ہوتی، پس پردہ مکر کے بیج بوتا ہے، اس طرح اس کی صورت خود اس کی ذات کے سامنے حقیر ہوجاتی ہے اگر چہ وہ اپنے عیوب لوگوں سے چھپالے مگر وہ اپنی ذات اور اپنے ضمیر کے سامنے جھوٹا ہی ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (تاریک شب میں) آگ جلائی جب آگ نے اس کے اردگرد کی چیزیں روشن کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی روشنی زائل کردی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کچھ نہیں دیکھتے (۱۷)

﴿ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾ "ذَهَبَ" کو (باء) سے موکد کیا گیا تاکہ بالکل بجھ جانے پر دلالت کرے جیسے "ذهب السلطن بماله" جب کہ وہ کچھ مال نہ چھوڑے سب لے لے۔

﴿مَثَلُهُمْ﴾ مَثَل کا مطلب ہے کہ خیالی بات کو محسوس بنا کر پیش کیا جائے جیسے ضعف (کمزوری) کو یونہی بیان کر دیں تو اتنا موثر نہیں ہوتا جتنا کہ اس کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی جائے۔

﴿ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾ سورج نکلنے سے پہلے کائنات میں جو روشنی پھیلتی ہے وہ نور ہے اور سورج نکلنے کے بعد جو روشنی ہوتی ہے وہ ضوء ہے، ضوء نور سے اقوی ہوتا ہے تو اللہ نے "ذهب الله بضوءهم" نہیں کہا کیونکہ اگر ایسا کہتا تو مطلب یہ ہوتا کہ ضوء تو لے گیا مگر نور کو باقی رکھا لیکن جب کہہ دیا کہ نور لے گیا تو معلوم یہ ہوا کہ اب نہ تو ضوء باقی ہے اور نہ نور بلکہ ان کے قلوب میں صرف تاریکیوں کا بسیرا ہے۔ جب نور ایمان آیا تو یہ پھر گئے، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا اور ظلمة (تاریکی) نہیں کہا بلکہ ظلمٰت (تاریکیاں) کہا کہ تاریکی ایک نہیں بلکہ مرکب اور تہہ بہ تہہ ہے جس سے یہ کبھی نہیں نکل سکتے۔

ظلمات:

(۱) مومنوں کے خلاف دلوں میں کینہ۔ (۲) مومنین کے تئیں حسد۔

(۳) حسرت (۴) مومنوں کے تئیں کراہیت۔

(۵) ایمان والوں کی شکست کی آرزو۔

اس کے علاوہ اتنی ظلمتیں ہیں جنہیں آپ اپنی عقل کے پیمانوں سے نہیں ناپ سکتے۔قرآنی تعبیر کی باریکی دیکھئے جب نور چلا گیا تو بینائی چلی گئی کیونکہ آنکھ بذاتہ کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی بلکہ جب کسی چیز پر روشنی کا انعکاس ہوتا ہے پھر اس کا انعکاس آنکھ پر ہوتا ہے تب آنکھ دیکھ پاتی ہے، گویا جو چیز آنکھوں کو دیکھنے والا بناتی ہے وہ نور اور ضوء ہے اور جب نور ختم ہو گیا تو آنکھیں ختم ہو گئیں، اسی وجہ سے آپ تاریکیوں میں دیکھ نہیں سکتے، یہ قرآنی معجزہ ہے جس کا انکشاف نزول قرآن کے بعد ہوا ہے۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

(یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے رستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے (۱۸)

﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ﴾ عمی اور عمہ میں فرق: عمی آنکھ کے اندھے پن اور عمہ دل کے اندھے پن کو کہتے ہیں۔

﴿صُمٌّ﴾ بہرے ہیں حق کو سنتے نہیں۔

﴿بُكْمٌ﴾ گونگے ہیں حق بولتے نہیں۔

﴿عُمْیٌ﴾ اندھے ہیں اللہ کی وحدانیت کے دلائل دیکھتے نہیں۔

بتایا یہ جا رہا ہے کہ صرف ان کی آنکھیں نہیں گئی ہیں بلکہ ان کے سارے حواس معطل ہو گئے ہیں۔کان معطل ہو گئے ہیں کہ حق سن نہیں سکتے، زبانیں معطل ہو گئی ہیں حق بول نہیں سکتے اور آنکھیں معطل ہو گئی ہیں کہ کائنات میں اللہ کی نشانیاں نہیں دیکھ پاتے اور ﴿فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ﴾ سے بتایا گیا کہ وہ ان ادراکات کی طرف لوٹ نہیں سکتے کہ نور ایمان کو پالیں۔

اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾

یا ان کی مثال مینہ کی سی ہے کہ آسمان سے (برس رہا ہو اور) اس میں اندھیرے پر اندھیرا (چھا رہا) ہو اور (بادل) گرج (رہا) ہو اور بجلی (کوند رہی) ہو تو یہ کڑک سے (ڈر کر) موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو (ہر طرف سے) گھیرے ہوئے ہے۔(۱۹)

﴿اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ لفظ اَوْ جہاں دو باتوں میں شک کے طور پر برابری ہو وہاں استعمال کیا جاتا ہے، پھر مطلقاً دو چیزوں میں برابری کے لیے استعمال ہونے لگا۔

بارش سے پہلے بادل میں تاریکی ہوتی ہے، یہ بادل اگر دن ہے تو سورج کی روشنی کو چھپا لیتا ہے اور اگر رات ہو تو چاند تاروں کی روشنی کو چھپا لیتا ہے، یہ تاریکی خیر اور پانی کا مقدمہ اور نوید ہوتی ہے تو منافقین نے اس خیر کی طرف توجہ نہیں دی بلکہ اس تاریکی کی طرف متوجہ ہو گئے، اسی طرح گرج بجلی اور کڑک کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں، اس کے

Scanned by CamScanner

پیچھے وہ نعمت یعنی پانی کو نہیں دیکھتے ہیں بلکہ وہ ظاہر کو دیکھتے ہیں اور عاجل کے لیے آجل کو چھوڑ دیتے ہیں جب کہ یہ سب وقتی چیزیں ہیں، بادل کی گرج وقتی ہوتی ہے، بجلی کی چمک وقتی ہوتی ہے اور پانی ایک لمبے عرصے تک باقی رہتا ہے۔ اسی طرح منافقین یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا خیر بغیر دین کی واجبات کو ادا کئے پالیں اور ڈرتے ہیں کہ دنیا کی آسائشیں ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائیں۔ جب جب یہ دنیوی روشنی دکھائی دیتی ہے یہ چلتے ہیں اور جب تاریکی ہوجاتی ہے تو کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں ایمان کا نور تو ہے نہیں اس لیے دنیا کی چمک ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے جو وقتی اور عارضی ہے تو دنیا جب چلی گئی تو انہیں تاریکیاں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں کیونکہ یہ آخرت پر تو ایمان رکھتے نہیں، اسی طرح اللہ نے منافقین کی ظاہری صفات ذمیمہ کو تیرہ آیتوں میں بیان فرمایا تا کہ مومن انہیں پہچان لیں اور ان سے محتاط رہیں۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں (کی بصارت) کو اُچک لے جائے جب بجلی (چمکتی اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے کانوں (کی شنوائی) اور آنکھوں (کی بینائی) دونوں کو زائل کر دیتا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۰)

''كُلَّمَآ'' اور ''اِذَآ'' میں فرق:

'کلما' اور 'اذا' دونوں کلمات شرط ہیں تاہم دونوں میں فرق ہے۔ 'کلما' میں معنیٰ شرط زائد ہے، کیونکہ اذا کا معنیٰ 'جب' اور 'کلما' کا معنیٰ 'جب جب' ہے۔ 'کلما' کو اضاء کے ساتھ اور 'اذا' کو اظلم کے ساتھ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس ابر رحمت سے بھاگنے کی منافقین کو نہایت حرص و رغبت تھی، وہ بارش میں ذرا ٹھہرتے ہیں تو بجبر جابر (یعنی جیسے ان کے اوپر کوئی جبر کر رہا ہو) ٹھہرتے ہیں، ورنہ طبعی طور پر اس حیات ابدی کی بارش سے وہ بھاگتے ہیں۔

﴿كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ﴾ جب ان کے لیے روشنی ہوتی ہے یہ شرط ہے اور ﴿مَّشَوْا فِيْهِ﴾ جزا ہے تو اس برق (بجلی) کی روشنی میں چلنے لگتے ہیں، گویا کوئی سوال کرتا تھا کہ اس چمکنے اور تھم جانے میں وہ کیا کرتے تھے۔ فرمایا ذرا سی روشنی ہوئی تو چل پڑے ورنہ وہیں کھڑے رہے، روشنی ہوئی تو چلنے لگے اور اندھیرا ہوا تو راستے کے ڈر سے ٹھہر گئے۔

آیات بینات کی برق چمکتی ہے تو اس وقت اضطرارِ دل (دل کی مجبوری) سے تصدیق کر لیتے ہیں ورنہ پھر تاریکیٔ شکوک وشبہات میں آ کر رک جاتے ہیں۔

﴿صَيِّبٍ﴾ (بارش) سے مراد وحی ہے۔ ﴿رَعْدٌ﴾ تکالیف شرعیہ

Scanned by CamScanner

﴿بَرْقٌ﴾ تہدیدات۔ وعدے اور وعیدیں ﴿صَوَاعِقِ﴾ اسلام کی راہ میں طرح طرح کی اذیتیں اور مشقتیں یہاں تک کہ تین گروہوں کا تذکرہ ہوا:

(۱) جو ایمان لے آئے مومن (۲) جو ہرگز ایمان نہ لائیں گے کافر

(۳) دیکھنے میں مسلمان ہیں مگر ان کا دل ایک طرف نہیں ہے منافق

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔ (۲۱)

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا﴾ میں ایک اشارہ یہ ہے کہ منافقین نے اللہ کا انکار صرف معبود کی حیثیت سے نہیں کیا بلکہ رب کی حیثیت سے بھی کیا کیونکہ اللہ اپنی ربوبیت کی عطاء سے کسی کو محروم نہیں کرتا، معلوم ہوا کہ عطاء ربوبیت دنیا میں ہر ایک مخلوق کے لیے ہے مگر عطاء الوہیت دنیا اور آخرت دونوں جگہ صرف مومنوں کے لیے ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ (۲۳)

لفظ عَبْد کے معانی: اَلْعُبُوْدِيَّةُ الْاُوْلٰى: عَبْدٌ بِمَعْنٰى مَقْهُوْرٌ (مغلوب) ہے اس میں مومن و کافر سب برابر ہیں، مومن و کافر کس کے بندے ہیں؟ جواب اللہ کے ﴿اِلَّا اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (سورہ مریم: ۹۳)

اَلْعُبُوْدِيَّةُ الثَّانِيَةُ: لفظ عَبْد (غلام) لفظ حُر (آزاد) کی ضد ہے جیسے قرآن میں ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ (سورہ بقرہ: ۱۷۸) ہے۔ اَلْعُبُوْدِيَّةُ الثَّانِيَةُ. عَبْدٌ بِالطَّاعَةِ وَالإِتِّبَاعِ- اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ''اللہ کا عبد'' یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والا۔

(۲) ''غیر اللہ کا عبد'' یعنی غیر اللہ کی اطاعت کرنے والا جیسے ''تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيْفَةِ وَالْخَمِيْصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ'' (صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير: ۲۸۸۶)

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

Scanned by CamScanner

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے (نعمت کے) باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں جب اُنہیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیئے جائیں گے اور وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔(۲۵)

﴿وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا﴾ "أَيْ فِي اللَّوْنِ، مُخْتَلِفاً فِي الطَّعْمِ إِنَّ رُمَّانَ الْجَنَّةِ لَا يُشْبِهُ رُمَّانَ الدُّنْيَا قَطُّ إِلَّا بِاتِّفَاقِ الْأَسْمَاءِ فَقَطْ"

جنت کے میوے دنیا کے میووں سے شکل وصورت میں ملتے جلتے ہوں گے مگر لذت میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا یا جنت کے میوے باہم ایک شکل وصورت کے ہوں گے اور مزا جدا جدا، تو جب کبھی کسی میوے کو دیکھیں گے تو کہیں گے یہ وہی قسم ہے جو پہلے دنیا میں یا جنت میں کھا چکے ہیں اور چکھیں گے تو مزا اور ہی پائیں گے۔

یہاں تک تین چیزوں کا ذکر ہوا:

(۱) ہم کہاں سے آئے ہیں یعنی ہمارا مبدأ کیا ہے۔

(۲) کھائیں گے کیا؟ یعنی ہمارا معاش کیا ہے؟

(۳) جائیں گے کہاں؟ یعنی ہمارا معاد کہاں ہے؟ یہاں تک مبدأ، معاش اور معاد تینوں کا ذکر کر دیا گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

بیشک اللہ تعالیٰ اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے۔ جو لوگ مومن ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ان کے رب کی طرف سے سچ ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہی کیا ہے؟ اس سے (اللہ تعالیٰ) بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے تو صرف نافرمانوں ہی کو۔(۲۶)

قال أبو جعفر الرازي عن الربيع بن أنس رضي الله عنه في هذه الآية قال: هذا مَثَلٌ ضَرَبَهُ اللهُ لِلدُّنْيَا أَنَّ بَعُوْضَةً تَحْيَى مَا جَاعَتْ فَإِذَا سَمِنَتْ مَاتَتْ. (تفسیر ابن کثیر)

ابو جعفر رازی نے کہا ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ نے دنیا کی مثال مچھر سے دی ہے کہ مچھر جب تک بھوکا

Scanned by CamScanner

رہتا ہے زندہ رہتا ہے اور جب آسودہ ہوتا ہے تو مر جاتا ہے اور حدیث ہے ”عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِراً مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ“ (سنن ترمذی، ابواب الزہد: ۲۳۲۰، صحیح)

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ اللہ نے قرآن میں مشرکین کی مثال کہیں مکڑی اور کہیں مکھی سے دی تو یہودیوں نے اسے وحی کی سچائی میں شک پیدا کرنے کا راستہ بنالیا کہ اگر یہ اللہ کی کتاب ہوتی تو ایسی خسیس وحقیر وذلیل چیزوں کی مثال اس میں نہ دی جاتی تو اللہ نے ان کی اس دسیسہ کاری کی تردید کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ ہر چھوٹی بڑی مخلوق کا خالق ہے اور جو معجزہ ایک وہیل مچھلی کی تخلیق میں ہے ویسا ہی معجزہ ایک مچھر کی تخلیق میں بھی ہے۔ تخلیق میں اعتبار جسم اور شکل کا نہیں بلکہ خالق کی حیرت انگیز کاری گری کا ہے اور مچھر کی تخلیق میں بے شمار حیرت انگیز پہلو موجود ہیں۔

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ کفار تحقیراً کہتے تھے کہ مچھر اور اس جیسی حقیر چیزوں کی مثالوں سے اللہ کی مراد اور غرض کیا ہوگی؟ اس کا جواب دیا گیا کہ ایمان لانے والے ان مثالوں کو حق اور مفید سمجھتے ہیں یعنی ایسی مثالوں سے اہل حق اور اہل باطل میں تمیز تام منظور ہے جو نہایت مفید اور ضروری ہے، حقیقت یہ ہے کہ مثال سے ممثل لہ کی توضیح و تفصیل مطلوب ہوتی ہے، حقارت اور عظمت سے کیا بحث؟ یہ مطلوب تبھی حاصل ہوگا جب مثال اور ممثل لہ میں پوری مطابقت ہو، ممثل لہ حقیر ہوگا تو مثال بھی حقیر ہونی چاہیے، ورنہ تمثیل بے ہودہ سمجھی جائے گی۔ ہاں اگر تمثیل میں یہ ہوتا کہ مثال اور مثال دینے والے میں موافقت ضروری ہوتی تو ان بے بیوقوفوں کا اعتراض چل سکتا تھا مگر اس کا تو کوئی احمق بھی قائل نہ ہوگا، نیز تورات وانجیل اور حکماء کے کلام میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں، اس کے خلاف کہنا کفار کی حماقت اور تعصب وعناد کی بات ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

جو اللہ کے اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز (یعنی رشتہ قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو قطع کئے ڈالتے ہیں اور زمین میں خرابی کرتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۲۷)

﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللهِ﴾ اللہ نے یہود سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور محمد کے معاملے کو نہیں چھپائیں گے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾

(کافرو!) تم اللہ تعالیٰ سے کیونکر منکر ہوسکتے ہیں جس حال میں کہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں جان بخشی پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (۲۸)

Scanned by CamScanner

اس آیت میں اللہ نے چار باتیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے تین مشہود یعنی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں، اور چوتھی منتظر اور موعود یعنی اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۱) لوگ مردہ تھے، ان میں روحیں نہ تھیں بلکہ وہ نطفہ، علقہ اور مضغہ وغیرہ تھے۔

(۲) پھر اللہ نے اس موت کے بعد انہیں زندہ کیا یعنی ان میں روحیں ڈال دیں۔

(۳) اس زندگی کے بعد اللہ نے انہیں موت دے دیتا ہے۔

(۴) اس موت کے بعد پھر زندہ کرے گا، پھر وہ اللہ کی طرف لوٹیں گے۔

تو ایک عقلمند شخص تین باتوں کا تو اقرار کرے تو چوتھی حالت کا انکار کیسے کرسکتا ہے؟ کہ وہ ہستی جس نے موت کے بعد زندگی دی، پھر زندگی کے بعد موت دی تو اس موت کے بعد اسے زندگی دینے سے اس (اللہ) کو کون سی چیز عاجز کرسکتی ہے؟ اس کا یہ انکار محض کفر و جحود ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾

وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں، تمہارے لیے پیدا کیں پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنادیا اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے۔ (۲۹)

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اشیاء میں اصل اباحت ہے یہاں تک اس کی حرمت کے بارے میں کوئی صریح دلیل آجائے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کُشت و خون کرتا پھرے؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (۳۰)

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ خلیفہ عالم ہونا چاہیے، باپ (آدم) کو علم دیا تو بیٹا عالم الغیب کیسے ہوسکتا ہے۔

Scanned by CamScanner

کچھ اختیارات دے کر یہ دیکھے کہ اختیارات پا کر اس کے مرضی کے مطابق کام کرتا ہے یا مطلق العنان ہوجاتا ہے۔

خلیفہ: مسلمانوں کے لیے کسی امیر کا تقرر ضروری ہے۔

(۱) اشارتاً تقرر ہو جیسے نبی ﷺ کی حیات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت۔

(۲) پہلا خلیفہ اپنے بعد کسی کو خود مقرر کر دے جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

(۳) نیک لوگوں کی مجلس شوریٰ بنادی جائے جیسا عمرؓ نے کیا کہ ارباب حل وعقد کسی ایک کی بیعت پر متفق ہو جائیں۔

امامت کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔

سوال: کیا امام اپنے آپ کو معزول کر کے خلافت دوسرے کو دے سکتا ہے؟

جواب: ہاں، جیسا کہ حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـئُوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾

اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ (۳۱)

﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ﴾ یہاں اسماء سے مراد انبیاء و رسل، شہداء و صدیقین ہیں تاکہ فرشتوں پر یہ بات واضح ہو سکے کہ اولاد آدم میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کے تفویض کردہ اختیارات کو بے جا طور پر استعمال نہیں کریں گے، خود بھی ذمہ داری کا حق ادا کریں گے اور دوسروں کو اس ذمہ داری سے آگاہ کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ﴾ آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے گئے، پھر مسمّیات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا اور کہا گیا ﴿أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ﴾ ان کے نام بتاؤ، اگر تم ان کے نام نہیں جانتے جو تمہارے سامنے ہیں، تو ان باتوں کو کیسے جان سکتے ہو جو آئندہ آنے والے ہیں اور اس وقت موجود نہیں ہیں، فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پر کیوں بچھاتے ہیں؟ کیونکہ وہ عالم آدم کے سامنے علم کی وجہ سے نیچے ہوئے۔

﴿اِسۡتَكۡبَرَ﴾ جب خطا تکبر سے ہو تو اس سے امید مت رکھو اور جب خطا معصیت سے ہو تو اس سے امید رکھو، کیونکہ آدم کی خطا معصیت سے تھی اور ابلیس کی خطا تکبر سے تھی۔ اللہ کتنا رحیم ہے اور بندوں سے کتنی محبت کرتا ہے کہ گنہگار بندے کو بتاتا ہے کہ اپنے گناہ کو معاف کیسے کروائے۔

تکبر کی تعریف: ”اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ“ (صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۹۱)۔ حق کو ہٹ دھرمی سے نہ مانا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔

گناہ کا آغاز تکبر سے ہوا ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ كِبْرٍ“ (مسند احمد: ۳۹۱۳، صحیح)۔

Scanned by CamScanner

مشرکین مکہ لفظ رحمٰن سے بدکتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کے الفاظ لکھے گئے تو انہوں نے کہا یہ رحمان ورحیم کیا ہے ہم نہیں جانتے۔ "بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ" لکھو جو ہم جانتے ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الشروط: ۲۷۳۲)

آدم کو اللہ نے پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں نے کہا کہ گناہ کرنے والی مخلوق کو کیوں پیدا کر رہا ہے؟ تو اللہ نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ انسان پارسا ہوگا اور زہد وورع میں تم سے بڑھ کر ہوگا بلکہ یہ فرمایا کہ ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ تمہاری پاکبازی دیکھ چکا اب بنی آدم کی لغزشیں اور ان لغزشوں پر مجھ سے مغفرت چاہنا دیکھنا چاہتا ہوں۔

سوال: لغزشوں کا صدور انسان سے ممکن ہے تو پھر نجات کے کیا معنی؟

جواب: حتی الامکان انسان اللہ کی فرمانبرداری کرے اور اگر بتقاضائے بشریت اس سے غلطیاں صادر ہو جائیں تو توبہ سے اللہ ان غلطیوں کو معاف کر دے گا، دیکھئے نجات کا کس قدر سادہ اور سچا نظریہ ہے جس میں نہ تناسخ کا چکر ہے نہ صلیب کی الجھنیں۔

عیسائی یہ کہتے ہیں کہ اللہ عادل ہے اس کے عدل کا تقاضا ہے کہ گناہ گار کو سزا دے۔ دوسری طرف وہ رحیم ہے، اس کا رحم تقاضا کرتا ہے کہ وہ گناہ گار کو معاف کر دے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے نعوذ باللہ! اللہ نے اپنے اکلوتے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تا کہ وہ بے گناہ ہو کر صلیب پر لٹکایا جائے اور سچا ہو کر جھوٹا قرار پائے۔ یہ نظریہ اس قدر خلاف عقل ہے کہ غور کرنے پر ہر انسان حیران ہو جائے۔ یہ گناہوں کی معافی کی کون سی صورت ہے، اگر گناہگار کے گناہ کو معاف کرنا عدل کے خلاف ہے تو بے گناہ کو سزا دینا یہ بھی تو عدل کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عیسائیوں کو عدل کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی ہوئی عدل اس کو نہیں کہتے کہ ضرور سزا دی جائے بلکہ عدل اس کو کہتے ہیں کہ کسی بے گناہ کو سزا نہ دی جائے۔ پس گناہگار کو رحم کر کے بخشنا عدل کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابقِ عدل ہے، اگر عدل کے معنی یہ ہیں کہ ہر عمل کی عمل کے برابر جزا ملے تو پھر بخشش اور نجات کے معنی کیا ہوئے؟ کیونکہ عدل کے معنی برابر کے ہیں اور اگر یہ صحیح ہے تو کسی شخص کو اس کی عمر کے برابر ایام کے لیے ہی نجات دی جا سکتی ہے اور وہ بھی اس کے اعمال کے وزن کے برابر، جب کہ اسے کوئی تسلیم نہیں کرتا۔

سجدہ آدم کے لیے تھا اور اطاعت اللہ کی:

سجدۂ تعظیمی پہلے جائز تھا اس امت میں منسوخ ہو گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سجدہ ایک تشریع ہے اس کے بارے میں اللہ کے حکم کی اتباع کی جائے گی، اگر اللہ ہمیں کسی مخلوق کے سجدہ کا حکم دیتا تو اتباع لازم تھا، معلوم ہوا کہ فرشتوں کا سجدہ کرنا اطاعت تھا اور آدم کیلیے اظہار تکریم تھا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڎ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

Scanned by CamScanner

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔(۳۴)

اس آیت میں تین چیزیں تشریح طلب ہیں:

(۱) سجدے کا معنی کیا ہے؟ سجدے کی تحقیق تو یہ ہے کہ وہ سجدہ عبادت کا نہ تھا۔ اگر سجدۂ عبادت ہوتا تو اللہ یہ نہ کہتا ﴿لاَ تَعْبُدُوا إِلاَّ اللهَ﴾ (سورہ ہود:۲)

(۲) سجدہ کی وجہ علم تھا۔

(۳) سجدے کے انکار کی وجہ ﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ (سورہ اعراف:۱۲) (انانیت اور استکبار) تھا۔ ترک امر جرم میں ارتکاب نہی سے زیادہ سخت ہے کیونکہ پہلا استکبار سے ہوتا ہے دوسرا غلبۂ شہوت سے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۳۷﴾

پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بیشک وہ معاف کرنے والا اور صاحبِ رحم ہے۔(۳۷)

نجات کا سچا اور سادہ نظریہ، انسان گناہوں اور لغزشوں سے پاک رہے اور قطعاً اس سے کوئی غلطی صادر نہ ہو ممکن نہیں۔ انسان فطرت اور ساخت کے اعتبار سے مجبور ہے کہ کبھی خواہشات کی رو میں بہہ جائے اس لیے جو مذہب انسان کو سو فیصدی نیک رہنے کا مطالبہ کرتا ہے، وہ مذہب غلط ہے اور اللہ کی ایک صفت غفار ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صفت کے ظہور کا کوئی محل پایا جانا چاہیے۔

توبہ-تائب- جو معصیت سے اطاعت کی طرف رجوع کرے۔

اوّاب- جو غفلت سے ذکر وفکر کی طرف رجوع کرے۔

یہاں عیسائیوں کے عقیدے کی تردید ہے کہ آدم علیہ السلام کی معصیت کی وجہ سے ان کی تمام اولاد گناہ سے لدی تھی عیسیٰ علیہ السلام نے تمام کو اپنی صلیبی موت سے گناہوں سے مخلصی دی۔

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا﴾ اگرچہ آدم وحوا علیہما السلام کی دعا قبول کی اور انہیں معاف کر دیا لیکن مقام میں ایک تنزلی برقرار رکھی گئی کہ جنت میں جو براہ راست رابطے کی رعایت تھی وہ ختم ہوگئی اور زمین پر جو ہدایت ملنی تھی وہ بالواسطہ (وحی کے ذریعے) کر دی گئی۔

قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۸﴾

ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس

Scanned by CamScanner

کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غمناک ہوں گے۔ (۳۸)

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا﴾ "اِعَادَةُ حُكْمِ هُبُوْطٍ" پہلی بار هُبُوْط کا حکم جنت سے اترنے کا تھا۔ دوسری بار هُبُوْطٍ کا حکم زمین پر مقیم رہنے کا تھا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

اے آلِ یعقوب! میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اُس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا، میں اُس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ (۴۰)

﴿اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ دعوت الی اللہ کا سب سے بہترین وسیلہ یہ ہے کہ بندے کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں، یہ حق کو قبول کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل کی ہے جو تمہاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس سے منکر اوّل نہ بنو اور میری آیتوں میں (تحریف کر کے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو اور مجھ ہی سے خوف رکھو۔ (۴۱)

﴿وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ﴾ بِهٖ میں 'ہ' کی ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن کی طرف راجع ہے۔ حقیقت میں ایمان بمحمد اور ایمان بالقرآن دونوں لازم وملزوم ہیں، تو جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اس نے قرآن کا انکار کیا اور جس نے قرآن کا انکار کیا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔

﴿وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ﴾ منکر اول نہ بنو کیونکہ تمہارے پاس وہ علم ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ علماء یہود آیات کو چھپاتے تھے، تحریف لفظی بھی کرتے تھے اور تحریف معنوی بھی، دوسروں کا مال بٹورنے کی خاطر۔ انہوں نے ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ (سورہ عمران: ۷۵) کا مسئلہ بھی گھڑ لیا تھا یا غلط فتویٰ دے کر پیسے بٹورتے تھے لیکن اگر صحیح مسائل سے آگاہ کیا جائے تو اس کے عوض اجرت لینا درست ہے۔

(۱) ابو سعد خدری رضی اللہ عنہ نے دم کرنے سے پہلے اجرت طے کر لی۔

Scanned by CamScanner

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "قَدْ أَصَبْتُمْ" (صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ:۲۲۷۶)اور "أَحْسَنْتُمْ" (سنن ابی داؤد، کتاب الطب:۳۹۰۰،صحیح) کہا یعنی تیس بکریوں کی شرط کو درست قرار دیا۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عمل سے راضی ہوئے اور ہنس پڑے۔

(۴) کچھ صحابہ نے جو اعتراض کیا تھا کہ کتاب اللہ پر اجرت لی گئی ہے تو آپ نے اس کے بارے میں ایک عام قانون بتایا "إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللهِ" (صحیح بخاری، کتاب الطب:۵۷۳۷)

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ اگرچہ یہ آیت بنی اسرائیل کے ساتھ خاص ہے مگر اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو رشوت لے کر حق کو بدل دیتے ہیں۔

فقہی مسئلہ: کیا شرعی علم سکھانے پر اجرت لینا جائز ہے؟

جواب: اگر اس کی تنخواہ بیت المال سے متعین ہے اور اتنی ہے کہ اس کے اہل وعیال کی کفالت ہو جاتی ہے تو اجرت لینا جائز نہیں اور اگر متعین نہیں ہے تو اس کے لیے اجرت لینا جائز ہے۔ یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء رحمہم اللہ کا مسلک ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی "لدیغ" (مار گزیدہ، سانپ کا کاٹا ہوا) (بخاری، کتاب الطب:۵۷۳۷) کے قصے میں ہے۔ اجرت کی حرمت اس صورت میں ہے جب وہ حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر پیش کر دے۔

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ثمن (قیمت) خریدا نہیں جاتا۔ اشارہ ہے کہ دنیا کا تمام ساز وسامان بمنزلہ قیمت کے ہے، مقصود تو آخرت ہے اور یہ مسلّم ہے کہ معاملہ میں مقصود بالذات قیمت نہیں بلکہ سامان ہوتا ہے ثمن تو مقصود کے حصول کا ذریعہ ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ علیہ نے کہا؛ تمام دنیا ثمن قلیل (تھوڑی قیمت) ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ تعالیٰ کے آگے) جھکنے والوں کیساتھ جھکا کرو۔ (۴۳)

﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ یہودیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے ساتھ نماز ادا کریں، اہلحدیث دوسروں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، انہیں حکم ہے کہ نماز نبوی اہلحدیث کے ساتھ ادا کریں۔

﴿مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کو درست نہیں کہا ہے۔

شرح العمدہ لابن تیمیہ (۲۶) میں ایک عبارت ہے: "وَلَا يُسْتَحَبُّ ذٰلِكَ فِي قِيَامِ الْاِعْتِدَالِ مِنَ الرُّكُوْعِ لِأَنَّ السُّنَّةَ لَمْ تَرِدْ بِهِ ذٰلِكَ" یعنی وضع الیدین یعنی رکوع سے اٹھتے وقت قیام میں ہاتھ باندھنے پر کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے۔

﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ "تسمية الجزء باسم الكل" یہاں جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے، یعنی رکوع

Scanned by CamScanner

سے مراد پوری نماز ہے، یہود و نصاریٰ کی نماز میں رکوع نہیں تھا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴

(یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کئے دیتے ہو حالانکہ تم (اللہ تعالیٰ کی) کتاب بھی پڑھتے ہو کیا تم نہیں سمجھتے؟ (۴۴)

جس طرح نیکی کا حکم ضروری ہے اسی طرح اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، خود اچھا بننا کافی نہیں، دوسروں کو بھی اچھا بنانے کی کوشش کرے۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶

جو یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ (۴۶)

﴿مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ لقاء رب کے یقین کی وجہ سے نیکیوں کو سرانجام دینا اور برائیوں سے اجتناب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷

اے یعقوب کی اولاد! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ (۴۷)

اس آیت سے بنی اسرائیل پر اللہ کے دس انعامات اور بنی اسرائیل کی ۱۳ شرارتوں کا بیان۔

یہود:

﴿نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ وہ خاص نعمت جس سے بنی اسرائیل کو تمام اقوام عالم پر فضیلت حاصل تھی، وہ مادی نعمت نہ تھی یہ نعمت درحقیقت انہیں میں پے در پے انبیاء کی بعثت تھی جو حق کی روشنی پھیلا رہے تھے۔ بنی اسرائیل کو اقوام عالم پر روحانی فضیلت حاصل تھی، اصل نعمت یہی ہوتی ہے۔

پہلی آیت ﴿يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ﴾ دعوت کا بیان ہے (جیسے ان کو دعوت دی گئی کہ نماز پڑھو) دوسری آیت میں احسانات کا تذکرہ۔ تیسری آیت میں فرد جرم عائد کیا گیا کہ ان احسانات کے بدلے تم نے یہ کیا تو ہم نے تمہارے ساتھ یہ کیا، پھر ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ۔ یہ پہلی مسجد تھی جو ابراہیم علیہ السلام نے بنائی اور تم دونوں (یہود و نصاریٰ) ان کو اپنا متبع مانتے ہو لیکن ابراہیم علیہ السلام کے قریب تو ایمان والے یعنی (صحابہ) ہیں۔

﴿فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ﴾ بنی اسرائیل کو تمام عالم پر فضیلت دی یہ فضیلت نسلی نہیں بلکہ منصبی تھی۔ اللہ نے انہیں اوج ثریا پر بٹھایا مگر وہ دال، لہسن اور پیاز پر آ گئے۔

Scanned by CamScanner

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح) مدد حاصل کرسکیں۔ (۴۸)

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ﴾ جو مال کی محبت میں گرفتار ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو سفارش سے کام چل جائے، مال نہ خرچ کرنا پڑے اور جو عزت وجاہ کے دلدادہ ہوتے ہیں ان کو مال خرچ کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں اللہ نے شفاعت کو مال پر مقدم کیا ہے۔

کسی کے بدلے کسی کو سزا ﴿نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ﴾ قیامت کے روز اس سے کفارہ کا بھی رد ہوا، نہ سفارش ﴿شَفَاعَةٌ﴾، نہ فدیہ ﴿عَدْلٌ﴾، نہ حامی ﴿لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ کہ وکالت کر کے یا زور لگا کر بخشوالیں۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اور (ہمارے اُن احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون سے مخلصی بخشی، وہ (لوگ) تمہیں بڑا دُکھ دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔ (۴۹)

بلاء کے معنی آزمائش کے ہیں اور آزمائش سختی اور آسودگی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ (سورۃ الانبیاء: ۳۵)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے، پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحبِ رحم ہے۔ (۵۴)

Scanned by CamScanner

﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (سورہ بقرہ:۵۴) ﴿وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ (سورہ بقرہ:۸۴) ایک ملت کے ماننے والے ایک جان کے مانند ہوتے ہیں۔

سورہ بقرہ میں پانچ مقامات پر مُردوں کو زندہ کرنے کا ذکر:

(۱) بنی اسرائیل کے ان معاندین کے قصہ میں جنھوں نے رؤیت باری کا مطالبہ کیا تھا۔ ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ (سورہ بقرہ:۵۶)

(۲) اس مقتول کے واقعہ میں جو گائے کا گوشت جسم سے لگنے کے بعد زندہ ہوا تھا۔ ﴿كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ:۷۳)

(۳) اس قوم کے قصہ میں جو طاعون سے بچنے کے لیے گھروں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ ﴿مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ﴾ (سورہ بقرہ:۲۴۳)

(۴) حضرت عزیز کا واقعہ ﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ﴾ (سورہ بقرہ:۲۵۹)

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں پرندے۔ ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ (سورہ بقرہ:۲۶۰)

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور جب ہم نے (اُن سے) کہا کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو) اور (دیکھو) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حِطَّةٌ (یعنی توبہ) کہنا ہم تمہارے گناہ معاف کردیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ (۵۸)

﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ ہم گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ ''سُجَّداً'' خشوع وخضوع کے ساتھ ''فَدَخَلُوْا يُزْحِفُوْنَ عَلٰى اِسْتَاهِهِمْ فَبَدَّلُوْا وَقَالُوْا حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ'' نسائی نے کہا ''حِطَّةٌ'' کی جگہ ''حِنْطَةٌ'' کہہ رہے تھے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّاۗىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہوسکتا تو اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں

Scanned by CamScanner

ہمارے لیے پیدا کر دے انہوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا، اور (آخر کار) ذلت (اور رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوئے یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لیے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔ (۶۱)

﴿لَنۡ نَّصۡبِرَ﴾ ضرورت پر قناعت نہ کرتے ہوئے لذت تلاش کی۔ جس سے بے حسی بڑھی کہ کھلی نشانیاں ان کا دل نہ پگھلا سکیں جو بندے ان کو سمجھانے کے لیے اٹھے انہیں قتل کر دیا، سادی غذا کے بجائے چٹپٹی چیزیں مانگیں۔

﴿عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ﴾ عصیان کا معنی ہے ممنوع کام کو کرنا اور اعتداء کا مطلب ہے جائز کام کو کرنا اور اس میں حد سے بڑھنا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کے (اعمال کا) صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) نہ ان کو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ (۶۲)

ہر دور میں ایمان اور عمل صالح ہی ذریعۂ نجات:

سابقہ امتوں میں جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کی۔ انہیں اچھا صلہ ملے گا اور قیامت تک یہی اصول رہے گا۔ اسی اصول کے مطابق جو شخص نبی ﷺ کی پیروی کرے گا اسے ابدی کامرانی نصیب ہوگی۔

مومن کی تعریف: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾﴾

اس کے بعد اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (سورۃ آل عمران: ۸۵)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے کسی نے اپنے نبی کی اطاعت کی وہ آخرت میں نجات پائے گا مگر نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد صرف وہی طریقہ قابل قبول ہوگا جو شریعت محمدی کے مطابق ہوگا۔

Scanned by CamScanner

یہودا کی طرف انتساب سے یہودی کہلائے۔ ﴿نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ﴾ (سورہ آل عمران:۵۲) سے نصرانی کہلائے یا
...واری مقام ناصرہ میں رہتے تھے اس وجہ سے نصرانی کہلائے۔

صابی: ستارہ پرست، دوسرا قول ہے کہ یہ فرقہ زبور پڑھتا تھا۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝٦٢﴾

اس کے بعد اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ﴾ (سورۃ آل عمران:۸۵)

یہ آیت جس سیاق میں آئی ہے اس کا منشاء واضح ہے یہودیوں کی اس غلطی کو دور کرنا مقصود ہے کہ وہ نجات یافتہ ہیں اس بنا پر کہ وہ انبیاء کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ قرآن اس کی پرزور تردید کرتا ہے کہتا ہے کہ اللہ کے یہاں نجات کا دارومدار اوصاف (Virtues) پر ہے جو شخص ایمان اور عمل صالح کا حامل نہ ہوگا نجات اخروی سے محروم رہے گا خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اس آیت سے اس استدلال کی کوئی گنجائش نہیں کہ قرآن کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اللہ وآخرت کو مانو، یہ مطلب نکالنا قرآن میں تحریف کے مرادف ہے۔

''اَلصَّابِئُوۡنَ قَوۡمٌ يَخۡرُجُوۡنَ مِنۡ دِيۡنٍ وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنٍ آخَرَ'' (صابی وہ ہیں جو ایک دین سے نکلے مگر دوسرے دین میں داخل نہیں ہوئے)

صابی ایک فرقہ تھا جو زبور کو مانتا تھا اب اس فرقے کا وجود نہیں رہا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ صابی ان کو کہا جاتا ہے جو اپنے دین سے نکل گئے مگر دوسرے دین میں داخل نہیں ہوئے۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝٦٣

اور جب ہم نے تم سے عہد (کر) لیا اور کوہِ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے اس کو زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو تا کہ (عذاب سے) محفوظ رہو۔ (۶۳)

﴿فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ﴾ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جہاں نباتات ہوں، اگر نباتات نہ ہوں تو اس پہاڑ کو طور نہیں کہتے۔

ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ لَكُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝٦٤

تو تم اس کے بعد (عہد سے) پھر گئے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے

Scanned by CamScanner

میں پڑ گئے ہوتے۔ (۶۴)

عدل کا تقاضا تھا کہ تمہاری گرفت ہوتی مگر تمہیں ڈھیل دی گئی یہ اللہ کا فضل تھا اور فضل بلا رحمت نہیں ہوتا۔

عدل اور فضل میں فرق: عدل پابند قانون ہوتا ہے، فضل پابند قانون نہیں ہوتا۔ دو مزدوروں کو آپ نے دن بھر کے لیے کی
کام پر رکھا اور ہر ایک کی مزدوری سو سو روپے مقرر کی۔ شام کو آپ نے دونوں کو سو سو روپے دے دیئے، یہ عدل ہے لیکن
ایک مزدور سے کہا کہ میں سو روپیہ بلا استحقاق تجھے اپنی طرف سے دے رہا ہوں یہ فضل ہے۔

﴿فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ اللہ کے عدل کا تقاضا تھا تمہاری خطا پر فوراً گرفت کی جاتی مگر تمہیں ڈھیل دی
گئی یہ اللہ کا فضل تھا اور فضل بلا رحمت نہیں ہوتا۔ فضل مزدوری سے زیادہ دینا اور یہ چیز بلا رحمت ہو ہی نہیں سکتی، اللہ رحیم ہے
اور جس کے پاس رحم ہو وہی مزدوری سے زیادہ دے سکتا ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾

اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔ (۶۵)

﴿كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾

بندر: ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے یہ تین دن بعد مر گئے۔ ان سے نسل نہیں چلی۔ لہٰذا یہ اعتراض کہ مسلمان، یہودیوں کو بندر کی اولاد کہتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر طبری: ۲/ ۱۶۸)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو۔ وہ بولے کہ کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔ (۶۷)

گائے: بائع نے کہا تھا کہ اس گائے کی کھال بھر سونا لے گا تب وہ گائے دے گا، گائے ذبح کی گئی۔ گوشت کا کوئی ٹکڑا مقتول
سے مَس کیا گیا تو اس نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا، پھر بھتیجے کو وراثت سے کچھ نہ دیا گیا بعد میں یہ اصول رہا کہ قاتل
مقتول کا وارث نہیں ہوگا۔ (ابوداؤد، کتاب الدیات: ۴۵۶۴، حسن)

﴿اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ مقتول کا قول معتبر مانا گیا کیونکہ وہ برزخ دیکھ چکا ہے۔

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ دوسروں کا مذاق اڑانے والا جاہل ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

اللہ نے زندہ کیا (قدرت ہے) عدل جاری کرنے کے لیے، اسی طرح قیامت کے دن جزا کے لیے اپنی قدرت سے سب کو زندہ کرے گا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ؕ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿۷۰﴾

انہوں نے کہا کہ (اب) اپنے رب سے پھر درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتا دے کہ وہ اور کس کس طرح کا ہو؟ کیونکہ بہت سی گائیں ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں، (پھر) اللہ نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ (۷۰)

﴿إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُونَ﴾ اس کلمہ کی برکت سے گائے کے بارے میں بنی اسرائیل کا تردد رفع ہوا، اس لیے ہر کام سے پہلے ان شاء اللہ کہہ لینا چاہیئے۔

﴿وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ﴾ بڑی مشکل سے ذبح کیا، یہ سوالات عمل کے لیے نہیں کجی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھے، گوشت کا کون سا حصہ تھا؟ مبہم رکھا گیا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ ؕ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ؕ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بعض پتھر تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ (۷۴)

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ﴾

پتھر: جن کی سختی کا کوئی علاج نہیں۔ پتھر سے زیادہ سخت کیونکہ کسی پتھر سے پانی جاری ہو جاتا ہے، کچھ پتھر اللہ کے خوف سے نیچے آ جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ پتھروں میں بھی ادراک ہے مگر ان کے حسب حال، جیسے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ'' (اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں) (صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ: ۱۴۸۲) اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو مجھے سلام کرتا تھا۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ۲۲۷۷) اور حجر اسود کے بارے میں فرمایا ''يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

Scanned by CamScanner

بِحَقٍّ'' (حجر اسود اس آدمی کے حق میں گواہی دے گا جس نے اسے حق کے ساتھ چھوا) (مسند احمد: ۲۳۹۸، اسنادہ قوی علی شرط مسلم) اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''ثَوْبِي حَجَرُ، ثَوْبِي حَجَرُ'' (اے پتھر میرا کپڑا، اے پتھر میرا کپڑا) (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۴۵۶) جب پتھر ان کا کپڑا لے کر بھاگ رہا تھا۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾

ہاں جو بُرے کام کرے اور اس کے گناہ (ہر طرف سے) اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔ (۸۱)

﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ﴾ بغیر توبہ کے مر گیا یا اس کے پاس ایک بھی نیکی نہ ہو۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

اور جب اللہ کے ہاں سے اُن کے پاس کتاب آئی جو اُن کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔ تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب اُن کے پاس آ پہنچی تو اُس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (۸۹)

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ کتاب اور رسول دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

﴿فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ غضب در غضب کو سر لے لیا۔

(۱) پہلا غضب تورات کو ضائع کر دیا۔

(۲) دوسرا نبی کا انکار کیا یا انجیل و عیسیٰ کا انکار، محمد و قرآن کا انکار۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾

اور جب ہم نے تم (لوگوں) سے پختہ عہد لیا اور کوہِ طور کو تم پر اُٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا کہ) جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے اس کو زور سے پکڑو اور (جو تمہیں حکم ہوتا ہے اس کو) سنو تو وہ (جو تمہارے بڑے تھے) کہنے لگے کہ ہم نے سن تو لیا لیکن مانتے نہیں اور ان کے کفر کے سبب بچھڑا (گویا) ان

کے دلوں میں رچ گیا تھا (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارا ایمان تم کو بُری بات بتاتا ہے۔ (۹۳)

﴿وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ بچھڑے کی محبت ان کے دل میں رچ بس گئی تھی۔ حدیث ہے "حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ" کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ (سنن ابی داود، کتاب الادب: ۵۱۳۰ ضعیف)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مرجانا چاہیے) اس نے تو (یہ کتاب) اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ (۹۷)

جبرئیل کا دشمن اللہ کا دشمن ہے: کیونکہ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ یہود کی سرکشی کے نتیجہ میں بار بار جبرئیل علیہ السلام خبر لاتے تھے، اس وجہ سے یہود کہنے لگے کہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے، حالانکہ عذاب سے ان کو سبق لینا چاہیے تھا۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

جو شخص اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ تعالیٰ دشمن ہے۔ (۹۸)

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ اور جو اللہ کے کسی دوست سے دشمنی رکھے، وہ اللہ سے دشمنی رکھتا ہے اور جو اللہ سے دشمنی کرے تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

Scanned by CamScanner

اور اُن (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہدِ سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اُن باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے تھے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت اور ماروت پر اتری تھیں اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعہ) آزمائش ہیں تم کفر میں نہ پڑو غرض لوگ ان سے ایسا (جادو) سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ اور اللہ کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو اُن کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اُس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بُری تھی۔ کاش وہ (اس بات) کو جانتے۔ (۱۰۲)

جب یہودیوں میں اخلاقی انحطاط آیا تو انہوں نے کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال دیا اور جادو کے پیچھے پڑ گئے، جن لوگوں نے جادو کا پیشہ اپنایا تھا وہ یہ کہہ کر عوام کو ورغلاتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کی بے مثال حکومت و بادشاہت جادو کے زور سے قائم تھی۔ یہودیوں کے زیر اثر آج مسلمانوں میں نقش سلیمانی جیسی مبتدعانہ و مشرکانہ کتابیں رائج کر لی گئیں۔

ساحری شریر جنات کا کھیل ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے دور میں جنات انسانوں میں گھلے ملے رہتے تھے، انہوں نے ہی انسانوں میں اس کو متعارف کرایا۔ سلیمان علیہ السلام کے غیر معمولی کارناموں کو انہوں نے جادو کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے انہیں کالے علم کی طرف راغب کیا، یہ لوگ یہودی تھے انہیں جادوگری سے بڑا شغف تھا۔

﴿فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ فِتْنَةٌ (آزمائش) وہ چیزیں ہیں جو اصلاً انسان کے نفع کے لیے ہوں مگر انسان اپنی غلطی اور بیجا محبت سے اس کو فتنہ بنا لیتا ہے۔ سحر جیسے شیطانی علم کا اتارا جانا اور فرشتوں کا اس کی تعلیم دینا ان کے شایان شان نہیں، یہ جادو سے الگ ایک علم تھا جس میں شرکی ملاوٹ نہ تھی لیکن جادو کی طرح زود اثر تھا، یہ بنی اسرائیل کے بابل کے اسیری کے دوران نازل کیا گیا تا کہ اس کے ذریعے جادوگروں کے رعب سے لوگوں کو محفوظ کیا جا سکے۔ سنت اللہ ہے کہ کسی جگہ ایک غلط علم کا زور ہو اور مفسد لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہوں تو اس کے مقابلے میں اہل ایمان کو ایسا علم عطا کیا جاتا ہے جو نافع ہو، لیکن یہود نے اس کو بری نیت سے سیکھا لہٰذا سکھاتے وقت وہ کہتے تھے کہ اس کو برے مقاصد میں استعمال نہ کرنا۔

جادوگر اپنی روح شیطان کے سپرد کر دیتا ہے ﴿وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا جادو چلتا ہے وہ پہلے شیطان سے ایک معاہدہ کرتا ہے اس کے مطابق وہ اپنی روح شیطان کو بیچ ڈالتا ہے وہ شخص غلط فہمی میں شیطان سے کام لے رہا ہوتا ہے جب کہ درحقیقت ابلیس اسے استعمال کر رہا ہوتا ہے، یہ سودا پکا ہوتا ہے۔

ہاروت ماروت:

دو فرشتے تھے انہیں بنی اسرائیل کی آزمائش کے لیے اتارا گیا، ان کے پاس ایک خفیہ علم تھا جسے وہ لوگوں کی حاجت روائی کے لیے ضرورتمندوں کو سکھا دیتے تھے لیکن مؤثر خفیہ کلام مثبت و منفی دونوں طرح استعمال ہوسکتا ہے جیسے کسی ہتھیار کا معاملہ ہے۔ سکھاتے وقت وہ کہتے کہ اس کا مثبت استعمال کرنا ہے جب کہ منفی مقصد کے استعمال سے انسان کے دل سے ایمان نکل جاتا تھا، مگر بنی اسرائیل جادو کی طرف راغب تھے اس علم کو ناجائز استعمال میں لے آئے، بالخصوص میاں بیوی کے درمیان ناچاقی پیدا کرنے کے لیے (جس کا مقصد جنسی بے راہ روی کو رواج دینا تھا) تاریخ شاہد ہے کہ یہود سے زیادہ جنسی بے راہ روی میں مبتلا کوئی قوم نہ تھی۔ مغرب کی سفید فام قوم کو بدکاری کے راستے پر انہوں نے ہی لگایا ہے۔

بعض مفسرین ہاروت ماروت سے دو فرشتے نہیں بلکہ دو یہودیوں کو مراد لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں

﴿وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ آیت کا یہ ٹکڑا بتاتا ہے کہ جادو سکھانا کفر کا کام ہے، پھر اللہ کفر کا کام فرشتوں سے کیسے کروائے گا، وہ تو معصوم مخلوق ہے۔

فرشتوں کی طرف جادو کی نسبت اسلامی عقائد کے منافی ہے ﴿وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ﴾ میں ''ما'' نافیہ ہے اور یہ ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾ پر عطف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جادو (جادو کرنا یا سکھانا) نہ سلیمان نے کیا نہ دو فرشتوں پر اترا یعنی یہودیوں کے اس قول کو رد کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام جادو کرتے تھے اور سلیمان علیہ السلام نے ہمیں جادو سکھایا اور کہا کہ دو فرشتوں کی طرف ایسا حکم نازل کیا گیا اس کے لیے اللہ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سارا کام شیطانوں کا ہے۔

اور بعض مفسرین نے ﴿وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ کو مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ﴾ پر عطف مانا ہے اور ''ما'' کو نافیہ نہیں بلکہ موصولہ کہتے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ یہودی کتاب اللہ کو چھوڑ کر اس کے بجائے اس چیز کے پیچھے لگ گئے جس کو شیطان پڑھتے تھے یعنی جادو سکھاتے تھے اور جو کچھ فرشتوں پر نازل کیا گیا اس کے پیچھے لگتے تھے، چونکہ یہ مفہوم اسلامی عقائد کے منافی ہے لہٰذا وہی معنی درست ہے کہ ما نافیہ ہے اور ﴿وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ﴾ کا عطف ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾ پر ہے اور اللہ نے یہودیوں کے الزام اور بہتان کو غلط قرار دیا کہ جادو اور اس کی تعلیم شیطان کی طرف سے ہے اور ملائکہ کی شان اس سے بلند ہے۔

ہاروت و ماروت کون تھے؟

ہاروت و ماروت آیت کریمہ میں ﴿شَيَاطِينُ﴾ سے بدل واقع ہیں ہاں کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے ﴿شَيَاطِينُ﴾ جمع ہے اور ہاروت و ماروت تثنیہ ہیں تو ہاروت ماروت کا ﴿شَيَاطِينُ﴾ سے بدل واقع ہونا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا کلام عرب میں ہوتا ہے جیسے اللہ نے فرمایا ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ (سورۃ النساء:۱۱) یہاں اخوۃ جمع ہے مگر تثنیہ کے معنی میں ہے کہ ماں کا حصہ ثلث (۱/۳) سے کم ہو کر سدس (۱/۶) ہو جاتا ہے

Scanned by CamScanner

جب دو بھائی ہوں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ جادو سکھانے والے کئی تھے مگران کے پیشوا اور گرو گھنٹال یہی دو (ہاروت ماروت) تھے اسی وجہ سے بطور خاص ان کو ہی ذکر کیا گیا، جس طرح ﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا﴾ میں آدم وحوا علیہما السلام ہیں مگران کے ساتھ ان کی اولاد کو خطاب ہے۔

مفسر قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول:

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے (لَمْ يُنَزِّلِ اللّٰهُ السِّحْرَ) (تفسیر طبری: ۴۱۹/۲) اللہ نے جادو نہیں نازل کیا اور ہاروت ماروت دو انسان تھے کیونکہ ﴿شَيَاطِينُ﴾ انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔

سوال: یہ ہے کہ ﴿فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ کیوں کہتے تھے؟

جواب: یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ اس طرح برائیاں کرواتا ہے اور ان سے بیزار بھی ہوتا ہے، جیسے ﴿فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنكَ﴾ (سورہ حشر: ۱۶) اگر شیطان واقعی اللہ سے ڈرتا تھا تو پھر ایسی تعلیم کیوں دیا کرتا تھا اور فتنہ کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں بلکہ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جادو کا کام بڑا محنت طلب اور دشوار ہے، معلوم نہیں کہ کون اس میں کامیاب ہوگا کون ناکام ہوگا اس لیے تم کفر میں نہ پڑو۔ ﴿إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ میں تحریص وترغیب دلانا مقصود تھا۔

﴿يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ جادو کا مقصد اچھا نہیں ہوتا برا ہوتا ہے۔

﴿وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ جادو میں نفع نہیں ہے نقصان ہے۔

جادو سیکھنا، کرنا وغیرہ شرک ہے۔ ''مَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ'' (سنن نسائی، کتاب تحریم الدم: ۴۰۷۹، ضعیف) اور ''مَنْ أَتَى كَاهِناً أَوْ عَرَّافاً فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ'' (مسند احمد: ۹۵۳۶، حسن)

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔ اے کاش وہ اس سے واقف ہوتے۔ (۱۰۳)

مَثُوبَةٌ کا مطلب ''جَزَاءُ الطَّاعَةِ'' (یعنی اطاعت کا بدلہ) ہے۔ خلاق: اچھائی کا پورا حصہ: جس آدمی کو نیکی کی طرف رغبت اور دین کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی اس کے حق میں کہا جاتا ہے (لَا خَلَاقَ لَهُمْ ''أَيْ لَا رَغْبَةَ لَهُمْ'')

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾

Scanned by CamScanner

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اس کو فراموش کرا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے؟(۱۰۶)

نسخ کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کو پہلے معلوم نہ تھا بعد میں معلوم ہوا، نسخ موقوف کرنے کے معنی میں ہے کہ ایک حکم ایک وقت تک تھا جب مصلحت مقتضی ہوئی تو یہ حکم ختم کر کے دوسرا حکم دے دیا، جیسے سگے بہن بھائی کا نکاح شریعت آدم علیہ السلام میں جائز تھا، بعد میں شریعت موسیٰ علیہ السلام میں حرام قرار دے دیا گیا۔

نسخ: سابقہ شریعتوں میں بھی رہا ہے۔ سگے بھائی بہنوں کی شادی آدم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھی بعد میں حرام ہوئی۔ شریعت یعقوب علیہ السلام میں دو سگی بہنوں سے شادی ایک ساتھ جائز تھی، اسی طرح اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا، پھر ذبح سے پہلے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے اسی طرح کے سوال کرو جس طرح کے سوال پہلے موسیٰ سے کئے گئے تھے اور جس شخص نے ایمان (چھوڑ کر اس) کے بدلے کفر لیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔(۱۰۸)

کثرت سوال اور الٹے سیدھے سوال سے ممانعت: ﴿اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ یہودی ظاہری اور باطنی دشمنی اور حسد میں کتنے شدید تھے اس کے باوجود اہل ایمان کو عفو و درگذر سے کام لینے کی تاکید کی گئی۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

بہت سے اہلِ کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے تو تم معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا (دوسرا) حکم بھیجے بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔(۱۰۹)

اہل کتاب کے باطل خیالات ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (سورہ مائدہ:۱۱۸) ہم ہی جنت میں جائیں گے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ

Scanned by CamScanner

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے خیالاتِ باطلہ ہیں (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ (۱۱۱)

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ چونکہ یہ دعویٰ بے دلیل تھا تردید کرتے ہوئے کہا گیا۔ ﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ﴾ یہ ان کے باطل خیالات ہیں۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾

ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اُس کا صلہ اُس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ (۱۱۲)

قبولیت عمل کے شرائط:

(۱) اَسْلَمَ وَجْهَهٗ - اخلاص (۲) وَهُوَ مُحْسِنٌ - احسان (نبی کے طریقے کے مطابق)

اخلاص ہو مگر رسول کے طریقے پر نہ ہو تو عمل مردود ہے۔ حدیث ہے (مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ) (صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ: ۱۷۱۸)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی رستے پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی رستے پر نہیں حالانکہ وہ کتابِ (الٰہی) پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بالکل انہی کی سی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا فیصلہ کر دے گا۔ (۱۱۳)

تکفیر اعمال پر ہو نہ کہ افراد پر: یہود و نصاریٰ وغیرہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے کہ دوسرا صحیح راستے پر نہیں ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا

Scanned by CamScanner

أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٤﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کا ذکر کئے جانے کو منع کرے اور ان کی ویرانی میں ساعی ہو۔ ان لوگوں کو کچھ حق نہیں ہے کہ وہ اُن میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ (۱۱۴)

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ﴾ سب سے بڑا ظالم مسجدوں کو ویران کرنے والا اور اس سے روکنے والا ہے۔ ویران کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسجد کو ڈھا دیا جائے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ مسجد موجود ہو مگر نمازی نہ ہوں اور مسجد سے روکنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ لوگوں کو جبراً مسجد میں نہ جانے دیا جائے۔

﴿أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ﴾ ڈرتے ہوئے کہ اگر پکڑا گیا تو سزا پائے گا۔

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے۔ تو جدھر تم رخ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے بیشک اللہ تعالیٰ وسعت والا اور باخبر ہے۔ (۱۱۵)

﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ اللہ میں ''لام'' اختصاص کے لیے ہے یعنی مشرق و مغرب کی ملکیت اللہ کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے علاوہ سب کی ملکیت اور قبضہ محدود ہے۔

قرآن میں مشرق اور مغرب تین طریقے پر آیا ہے:

(۱) واحد: ﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ (سورہ بقرہ: ۱۱۵)

(۲) تثنیہ: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ (سورہ رحمٰن: ۱۷)

(۳) جمع: ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ﴾ (سورہ معارج: ۴۰)

اور مشرق و مغرب کا ذکر احاطہ اور شمول کے لیے آیا ہے کہ اللہ مشرق و مغرب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (سورہ بقرہ: ۱۱۵) سلف اور خلف میں ﴿وَجْهُ﴾ کے معنی میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ اللہ کا حقیقی چہرہ مراد ہے بعض نے کہا کہ جہت (سمت) مراد ہے۔ ﴿فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ کا مطلب یہ ہوا کسی بھی جگہ میں رہ کر تم جس جہت کی طرف منہ کرو گے وہ اللہ کی جہت ہوگی اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ ہر شئے کو محیط ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ اللہ کا وجہ حقیقی مراد لیا جائے کیونکہ یہ اصل ہے اور معنی اصلی مراد لینے میں کوئی مانع نہیں ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مصلی (نمازی) کے چہرے کے سامنے ہے اور ہر مصلی کی اپنی جگہ کے اعتبار سے ایک جہت و سمت ہوتی ہے۔ جیسے اہل یمن شمال کی

Scanned by CamScanner

طرف منہ کرتے ہیں اور اہل شام جنوب کی طرف جب کہ اہل مشرق مغرب کی طرف اور اہل مغرب مشرق کی طرف منہ کرتے ہیں۔ کیونکہ جو سمت سارے لوگوں کو ایک کرتی ہے وہ کعبہ ہے اور ہر ایک اللہ کے چہرے کی طرف رخ کرتا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی نمازوں میں تم جس سمت میں اپنا رخ کروگے تم اللہ ہی کی طرف رخ کروگے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ یعنی احاطہ (گھیرے) کے اعتبار سے واسع ہے۔ صفات کے اعتبار سے واسع ہے، علم کے اعتبار سے واسع ہے اور قدرت کے اعتبار سے واسع ہے نیز سمع و بصر اور اپنی دیگر صفات کے اعتبار سے واسع ہے، علیم کا مطلب ہے ذی علم یعنی اس کا علم ہر شئے کو محیط ہے۔

اس آیت (۱۱۵) کے فوائد:

(۱) اللہ اپنی ملکیت میں منفرد ہے یہ خبر کے مقدم ہونے سے معلوم ہوا۔

(۲) اللہ کی ملکیت کا عموم معلوم ہوا کیونکہ مشرق و مغرب ہر شئے کو شامل ہے۔

(۳) اللہ کا ہر چیز کا احاطہ کرنا یہ اللہ کے قول ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (سورہ بقرہ:۱۱۵) سے معلوم ہوا۔

(۴) خلقاً اور تقدیراً اللہ کی ملکیت کا عموم معلوم ہوا کہ وہ اپنے بندے کو جس طرف چاہے رخ کرنے کا حکم دے۔

(۵) اس آیت میں اس بات کا اثبات ہے کہ اللہ کا چہرہ ہے اگر چہ چہرے کی کیفیت مجہول ہے۔

(۶) یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے لیے مکان ہے کیونکہ لفظ ثَمَّ ظرف مکان ہے جو مکان کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اللہ کا مکان، علو (بلندی) میں ہے جس مکان کو اللہ کی کوئی مخلوق احاطہ نہیں کیئے ہوئے ہے۔

(۷) اس میں دو گمراہ بدعتوں کا ابطال کیا گیا ہے:

(۱) فرقۂ حلولیہ کا جو کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ ان کا یہ قول سمع بصر اور فطرت کے اعتبار سے بھی باطل ہے۔

(۲) فرقۂ معطلہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں اللہ کا کوئی مکان نہیں نہ وہ داخل عالم ہے نہ خارج عالم ہے، نہ فوق العالم نہ تحت العالم ہے، نہ شمال العالم ہے نہ یمین العالم ہے نہ عالم سے متصل ہے نہ عالم سے منفصل ہے۔

(۸) اللہ کے اسماء حسنی میں سے دو اسماء کا اثبات کہ وہ واسع اور علیم ہے۔

(۹) اللہ کا وسیع ہونا اور اس کے علم کا وسیع ہونا معلوم ہوا ساتھ ہی وسعت اور علم کے جمع سے ایک تیسری صفت معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ اللہ کا علم اس معنی میں واسع ہے کہ کوئی بھی معلوم اس سے اوجھل نہیں آسمان میں نہ زمین میں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ ﴿١١٦﴾

اور یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے (نہیں) وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ (۱۱۶)

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ اللہ کسی کا باپ اور کوئی اس کا بیٹا نہیں ہوسکتا کیونکہ کائنات کی ہر شئے اللہ کی ملکیت ہے

Scanned by CamScanner

لہٰذا ابنیت (بیٹا ہونا) اور ملکیت (غلام ہونا) دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور بیٹا باپ کا ہم جنس ہوتا ہے اللہ کھاتا نہیں تو اس سے کھانے والا بیٹا کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام دونوں کھانا کھاتے تھے، نیز کھانے کا احتیاج الوہیت کے منافی ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام معبود نہیں ہو سکتے۔ نیز اولاد کی پیدائش کے لیے بیوی ہونا ضروری ہے اور اللہ کی کوئی بیوی نہیں۔ ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهُ صَاحِبَةٌ﴾ (سورۃ الانعام:۱۰۱)

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

یہود نے کہا عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، نصاریٰ نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، مشرکین نے کہا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ نے سُبْحٰنَهٗ کہہ کر خود کو منزہ فرمایا کہ وہ پاک ہے اس سے کہ اس کے بیٹا ہو کیونکہ وہ بذاتہ اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے۔ ﴿بَلْ لَّهُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ سے بتایا کہ وہ بیٹے کا محتاج نہیں کیونکہ پوری کائنات اور اس میں موجود ہر شئے اس کی ملکیت ہے اور ملکیت اور ابنیت دونوں جمع نہیں ہو سکتے نیز اگر اس کے بیٹا ہو تو اس کے مماثل ہوگا اور اللہ کا کوئی مثل نہیں جیسا کہ فرمایا گیا ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَیْءٌ﴾ (سورۃ الشوریٰ:۱۱)

﴿كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ﴾ قانت کا مطلب ہے ذلیل اور خاشع، کیونکہ اللہ مالک ہے اور ہر شئے اس کی ملک ہے یہ ان کے دعویٰ کے کاذب ہونے پر دلیل عقلی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بیٹا ہے۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

(وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ (۱۱۷)

﴿بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ﴾ ولادت کے لیے مادہ، مدت، آلات اور اسباب کی ضرورت ہے اور اللہ بدیع ہے (یعنی کائنات کو بغیر نظیر کے پیدا کرنے والا) نیز ''کن'' سے پیدا کرنا ولادت نہیں ہے۔ ''كُنْ'' کا مطلب ہے ہو جا اور ''فَيَكُوْنُ'' کا مطلب ہے تو وہ ہو جاتی ہے یعنی کوئی چیز اللہ کے فیصلے میں مزاحم نہیں ہوتی ''كُنْ'' کہنے کے بعد وہ چیز کب ہوتی ہے یہ وقت کے تعین پر دلالت نہیں کرتا بلکہ جتنا وقت جس چیز کے لیے ضروری ہوا اتنے عرصے میں وہ چیز ہو جاتی ہے۔

﴿بَدِیْعُ﴾ بدعت سے ماخوذ ہے۔ سابق میں جس کی کوئی مثال نہ ہو۔ ''فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ'' (سنن ابی داود، کتاب السنۃ:۴۶۰۷، صحیح)

بدعت کی دو قسمیں:

بدعت شرعیہ: (كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ)، بدعت لغویہ: (نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ) (صحیح بخاری، کتاب صلاۃ التراویح:۲۰۱۰)

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ

مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ اُن کے مذہب کی پیروی اختیار کر لیجئے (ان سے) کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پاس علم (یعنی وحی الٰہی) کے آ جانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (عذابِ) الٰہی سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔ (۱۲۰)

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ﴾ حق کی دعوت میں اللہ کی رضا کے طلب گار بنیں لوگوں کی رضا کے نہیں، اہل بدعت کی خاطر سنت کی اتباع میں مداہنت سے کام نہ لیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو (ایسے) پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے تو یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو لوگ اس کو نہیں مانتے وہ خسارہ پانے والے ہیں۔ (۱۲۱)

﴿يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر "یتبعونه حق اتباعه" (وہ قرآن کی اتباع اس طرح کرتے ہیں جیسا کہ اس کی اتباع کا حق ہے) سے کی ہے۔ (تفسیر طبری: ۲/۵۶۶)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو اور ابراہیم اور اسماعیل کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔ (۱۲۵)

﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ، اس جگہ کے دیدار سے سیری نہیں ہوئی۔

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام دیوار کعبہ اٹھا رہے تھے، اس پر آپ کے دونوں قدموں کے نشانات تھے، اسی کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، پہلے یہ کعبہ سے متصل تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیوار کعبہ سے تھوڑا دور کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ اس جگہ سارے حاجی اور معتمر کیسے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ فقہاء کا قاعدہ ہے

"اذا ضاق المخرج اتسع" آس پاس کہیں بھی پڑھ لے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کئے جاتے تھے کہ) اے اللہ ہم سے یہ خدمت قبول فرما بیشک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ (۱۲۷)

﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ایک آدمی بعض وقت سنتا ہے لیکن دل کے احوال سے باخبر نہیں ہوتا سمیع تو ہے مگر علیم نہیں ہے، ایک شخص کسی کی تعریف کر رہا ہے مگر دل میں کینہ ہے وہ شخص سن تو رہا ہے مگر دل کے کینہ سے بے خبر ہے، تو سمیع کا مطلب ہے "سَمِيْعٌ بِدَعْوَتِنَا" اور علیم کا مطلب ہے "عَلِيْمٌ بِنِيَّاتِنَا" اللہ ہماری دعاؤں کو سننے والا بھی ہے اور ہماری نیتوں کو جاننے والا بھی۔

سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ زمین میں پہلی مسجد کون سی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ" پھر میں نے کہا اس کے بعد کون سی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی" پھر میں نے کہا، دونوں کے درمیان کتنے سال کا فاصلہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أَرْبَعُوْنَ سَنَةً" چالیس سال۔ (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۳۶۶)

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

اے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا اور (اللہ) ہمیں ہمارے طریقِ عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما بیشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ (۱۲۸)

﴿اَلتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ توبہ کے بعد رحمت کا ذکر کیا گیا اسی طرح ﴿وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا﴾ (سورۂ اعراف: ۲۳) میں ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَ[نْتَ الْعَزِيْ]زُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

Scanned by CamScanner

اے پرودگاران (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمانا جوان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔ (۱۲۹)

﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم: "إِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَإِنَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِيْنَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيْمَ، وَبِشَارَةُ عِيْسَى بِي" (مسند احمد: ۱۷۱۵۰، صحیح لغیرہ)

﴿الْعَزِيْزُ﴾ اَلْعَزِيْزُ کا مطلب ہے (اَلْقَادِرُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَلَا يَعْجِزُهُ شَيْءٌ فِي إِسْتِعْمَالِ قُدْرَتِهِ) ہر چیز پر قادر ہے اور اسے اس کی قدرت کے استعمال سے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

﴿الْحَكِيْمُ﴾ (اَلْحَكِيْمُ: يَضَعُ الشَّيْءَ فِي مَحَلِّهِ) اور حکیم ہے ہر چیز کو اس کی جگہ میں رکھتا ہے۔ ایک بندر کو اس کے آقا نے سکھا دیا تھا وہ پنکھا جھل رہا تھا ایک مکھی ناک پر بیٹھ گئی کئی دفعہ بیٹھی، پتھر لا کر آقا پر ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔ طاقت کا استعمال کیا مگر غیر حکیمانہ۔

اسحٰق علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام سے تیرہ برس چھوٹے تھے۔ اسماعیل علیہ السلام کے پیر رگڑنے سے چشمہ نہیں پھوٹا۔ فرشتہ کے ایڑی مارنے کی وجہ سے پھوٹا۔ ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام تعمیر کے وقت کعبہ کے گرد گھوم رہے تھے اور کہتے تھے ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الۡعَلِيمُ﴾

طواف ان کی سنت ہے ہر جگہ طواف کرنا صحیح نہیں ہے، بعثت سے پانچ سال پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ سال تھی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اٹھائے جب قریش مکہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد کعبہ کو ایک حبشی ڈھادے گا۔

آخری زمانے میں شام مسلمانوں کا مرکز ہوگا، حدیث عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: "...أَنَّ أُمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْهُ نُوْرًا أَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ" (مسند احمد: ۱۷۱۵۱، صحیح لغیرہ) میں اشارہ ہے کہ بلاد شام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا استقرار ہوگا۔

أَمۡ كُنتُمۡ شُهَدَآءَ إِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوبَ الۡمَوۡتُ إِذۡ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعۡبُدُونَ مِنۢ بَعۡدِي ۖ قَالُواْ نَعۡبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ ءَابَآئِكَ إِبۡرَٰهِـۧمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ ﴿١٣٣﴾

بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔ (۱۳۳)

Scanned by CamScanner

﴿إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ﴾ جَآءَ اَحَدَ هُمُ الْمَوْتُ. حَضَرَ اور جَآءَ دونوں کا معنیٰ آنا ہے۔مگر حَضَرَ عام طور سے وصیت کے وقت آنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے۔﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ (سورہ بقرہ:۱۸۰)۔موت کے وقت لوگ مرنے والے کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور لفظ جَآءَ کنایہ ہے موت کے فرشتوں کے آنے سے،روح کو قبض کرنے کے لیے۔

﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾

اور ابراہیم واسماعیل واسحاق علیہم السلام سے لوگوں کا استدلال ہے کہ دادا، باپ ہے،لہٰذا اس کی وراثت میں پوتے کا حصہ ہے،اسی آیت سے ہے۔اور حدیث "وَالْاَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ" (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء:۳۴۴۳) تمام انبیائے کرام علاتی بھائی ہیں۔مائیں مختلف ہیں باپ ایک ہے یعنی دین ایک ہے شریعتیں مختلف ہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

یہ جماعت گزر چکی ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تمہیں تمہارے اعمال (کا) اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پُرسش تم سے نہیں ہوگی۔(۱۳۴)

آخرت کی نجات کا تعلق کسب وعمل پر ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:... "وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ" (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء:۲۶۹۹)

جس کا عمل اسے پیچھے کردے اس کا نسب اسے آگے نہیں کرسکتا۔اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے جو خود بے عمل رہ کر اپنے بزرگوں کے اعمال پر تکیہ کر کے غلط قسم کی آرزوؤں میں مگن رہتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی طرف جو دین منسوب تھا وہ "اسلام"، یعنی کامل حوالگی تھا،اس کے برعکس یہود نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف جو دین منسوب کیا تھا اس میں کامل حوالگی نہ تھی،اس میں آزادانہ زندگی گذارتے ہوئے محض سستے تخیلات سے جنت کی ضمانت مل جاتی تھی۔اللہ کے مقبول بندوں کی جماعت سے وابستگی اور عقیدت کو نجات کے لیے کافی سمجھ لیا گیا تھا۔تصور یہ تھا کہ ہمارے عمل کی کمی ان کے عمل کی زیادتی سے پوری ہوجائے گی۔

نکتہ: یہودیوں نے کبھی اللہ سے محبت نہیں کی جب کہ لفظ رب اللہ کی ایسی صفت ہے جو اللہ سے محبت کا ذریعہ ہے،مگر وہ بار بار کہتے تھے اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو تم اور تمہارا رب جا کر لڑو۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

بسم الله الرحمن الرحيم

پارہ نمبر

۲

سورۃ البقرۃ

(آیت : ۱۴۲ تا ۲۵۲)

مجمع بلقیس للبحوث الاسلامیۃ
حیدرآباد الهند

Scanned by CamScanner

دوسرا پارہ

سیقول

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے؟ آپ کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔ (۱۴۲) اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخرالزماں) تم پر گواہ بنیں اور جس قبلہ پر تم (پہلے) تھے اُس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے) اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو یونہی کھودے اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بڑا مہربان اور رحمت والا ہے۔ (۱۴۳)

﴿اُمَّةً وَّسَطًا﴾ آج جغرافیائی اعتبار سے بھی مسلمان تمام قوموں کے درمیان ہیں۔ اس لیے ان پر تمام قوموں تک پیغامِ حق پہنچانا آسان ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَسَط﴾ بہترین اوراعلیٰ کے معنی میں ہے،صحیح حدیث ہے کہ صلاۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔(بخاری کتاب الدعوات:۶۳۹۶)

نبیوں کی قوم کہے گی کہ ان کے نبیوں نے دین نہیں پہنچایا تو امت محمدیہ کو بلایا جائے گا وہ گواہی دیں گے کہ پہنچایا تھا، پوچھا جائے گا تمہیں کیسے علم ہوا تو کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ گئے تو ۱۶-۱۷ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے تحویل قبلہ کا حکم نماز عصر کے وقت آیا اور عصر کی نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی۔

تحویل قبلہ کا حکم:

پہلی توجیہ: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ کو تین بار (۱۴۴-۱۴۹-۱۵۰) مکرر لایا گیا کیونکہ اللہ نے تحویل قبلہ کی تین علت غائیہ ذکر فرمائی۔

(۱) آپ کی تمنا تھی، وحی کے انتظار میں بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی اور اظہار تکریم کے لیے یہ حکم دیا گیا۔

(۲) ہر امت کا ایک مستقل قبلہ ہوتا ہے، امت محمدیہ ایک مستقل امت ہے لہٰذا اس کے لیے ایک مستقل قبلہ ہو۔

(۳) مخالفین کے الزام کو دفع کرنے کے لیے، توریت میں لکھا ہے کہ نبی آخر کی علامت یہ ہوگی کہ قبلہ ابراہیمی اس کا قبلہ ہو گا۔مگر یہ نبی تو قبلہ ابراہیمی سے روگردانی کرتا ہے۔

دوسری توجیہ:

پہلا حکم ساکنینِ حرم کے لیے دوسرا حکم ساکنینِ جزیرۃ العرب کے لیے اور تیسرا حکم تمام روئے زمین کے باشندوں کے لیے۔

تیسری توجیہ:

(۱) تمام احوال (۲) تمام امکنہ یعنی تمام جگہوں (۳) تمام ازمنہ (یعنی ہر زمانے) میں یہی قبلہ ہوگا۔

چوتھی توجیہ: تین بار کیوں میں حکم تحویل دیا گیا؟

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی۔ (۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش ہی نہیں بلکہ اللہ کو بھی پسند تھا۔

(۳) مشرکین عرب کا اعتراض دور ہو کہ یہ پیغمبر اگر دین ابراہیمی کا پیرو ہے تو کعبہ اس کا قبلہ کیوں نہیں؟

تحویل قبلہ کی حکمت:

(۱) کون نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتا ہے اور کون ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے کیونکہ یہ چیز گراں تھی، یہودیوں کو معلوم تھا کہ یہ نیا قبلہ ان کے پروردگار کی طرف سے ہے، یہودی اپنی خواہشات کے پابند اور نبی وصحابہ اطاعت الٰہی کے پابند۔

(۲) ہر مذہب وقوم کا ایک خاص امتیازی شعار ہوتا ہے۔

اسلام کا نمایاں وصف مساوات اور توحید عمل ہے، قبلہ خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں ہے، تعیین کی ضرورت بتائی کہ اصلی اور نمائشی مسلمانوں کو الگ کر دیا جائے۔

Scanned by CamScanner

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخر الزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق اُن میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔ (۱۴۶)

پہچاننے کے لیے بیٹوں کی مثال دی گئی حالانکہ آدمی اپنے ماں باپ کو عادۃً زیادہ پہچانتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بیٹوں کو پہچاننا ماں باپ کے پہچاننے کی بہ نسبت زیادہ ہے کیونکہ انسان اپنے بیٹوں کو ابتداء پیدائش سے اپنے ہاتھوں میں پالتا ہے اس کے بدن کا کوئی ایسا حصہ نہیں ہوتا جو ماں باپ کی نظروں سے اوجھل ہو، بخلاف ماں باپ کے کہ ان کے اعضاء مستورہ پر اولاد کی نظر نہیں ہوتی۔

علم کا مطلب ہے جاننا اور معرفت کا مطلب ہے پہچاننا اور ایمان کا مطلب ہے ماننا۔

دلائل نبوت کو دیکھ کر کفار جانتے تھے اور توریت میں علامتیں دیکھ کر یہود پہچانتے تھے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

(اے پیغمبر یہ نیا قبلہ) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ (۱۴۷)

سورۂ بقرہ میں ہے ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ اور سورۂ آل عمران (۶۰) میں ﴿فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ ہے کیونکہ سورۂ بقرہ میں قصے کے اول میں ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ﴾ تاکیدی جملہ ہے کیونکہ فعل پر لام تاکید اور بانون تاکید ثقیلہ ہے۔ لہٰذا اس کے مناسب ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ﴾ نون تاکید کے ساتھ مناسب ہوا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

اور ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو۔ تم جہاں ہوں گے اللہ تم سب کو جمع کر لے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۴۸)

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ ہر دین کے پیروؤں نے اپنا اپنا قبلہ اپنی پسند سے بنایا ہے مگر کعبہ اللہ کا مقرر کردہ قبلہ ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔ (۱۵۲)

Scanned by CamScanner

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ ذکر کے اصل معنی یاد کرنے کے ہیں جس کا تعلق قلب سے ہے، زبان کے ذکر کو بھی ذکر اس لیے کہا جاتا ہے کہ زبان ترجمان قلب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں اللہ کی یاد ہو۔

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ تم اس کو یاد کرو جو میں نے تم پر فرض کیا ہے اور میں یاد کروں گا جو میں نے اپنے اوپر فرض کر رکھا ہے۔ عَنْ اَبِی هُرَیرَۃَ قَالَ النبی صلی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم: "فَاِنْ ذَکَرَنِی فِی نفسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِی نفسی وَاِنْ ذَکَرَنِی فِی مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِی مَلَاءٍ خیرٌ مِنْھُمْ" دل میں یاد کرتا ہے تو میں اپنے دل میں یاد کرتا ہوں محفل میں یاد کرتا ہے تو اس سے بہتر محفل (فرشتوں کی محفل) میں یاد کرتا ہوں۔ (بخاری کتاب التوحید: ۷۴۰۵)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (۱۵۳)

سوال: ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ اس کا صفا اور مروہ کے شعائر سے کیا ربط ہے؟

جواب: کچھ صبر کرنے والوں نے یہاں صبر کیا تھا وہ جگہ شعائر بنا دی گئی تو وہ لوگ کیسے ہوں گے جنہوں نے صبر کیا، صبر کے معاملے میں آدمی کامیاب ہو جاتا ہے کیونکہ وہاں اضطرار رہتا ہے اور مجبوری رہتی ہے مگر شکر کے معاملے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ ذرا یہودیوں کو دیکھیے فرعون ان کے بیٹوں کو ذبح کر رہا ہے، تمام سماجی حقوق سے محروم ہیں مگر صبر کر رہے ہیں، مگر جب موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بنی اسرائیل سے نجات دلوائی، آزادی ملی، من وسلویٰ اتر رہا ہے، ان کو شکر کرنا چاہیے تھا مگر خواہشات میں پڑ گئے اور شکر کے میدان میں ناکام ہو گئے۔

تمام آفات ومصائب میں ان کو دور کرنے کے لیے نسخۂ اکسیر دو اجزاء سے مرکب ہے (۱) صبر (۲) نماز۔

﴿اِسْتَعِيْنُوْا﴾ کو عام ذکر کیا، یہ نہیں کہا کہ فلاں کام میں ان سے مدد حاصل کرو، معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی ہر ضرورت اور پریشانی میں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔

﴿بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ مصیبت کے وقت سب سے بہترین علاج نماز اور صبر ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝۱۵۴

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔ (۱۵۴)

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ﴾ جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے اس کی نسبت یہ کہنا جائز ہے کہ وہ مر گیا، مگر اس کی موت کو دوسرے مُردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت ہے، انہیں ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے۔ "اَرْوَاحُھُمْ فِی جَوْفِ طَیرٍ خُضْرٍ لھا قنادیلُ مُعَلَّقَۃٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّۃِ حَیْثُ شَاءَتْ" ان کی روحیں پرندوں کے قالب میں جنت میں سیر کرتی ہیں۔ (مسلم، کتاب الامارۃ: ۱۸۸۷)

Scanned by CamScanner

﴿بَلْ اَحْيَآءٌ﴾ یہ قاعدہ ہے کہ عقلمند آدمی اپنی کسی محبوب چیز کو اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک اسے اس سے اچھی چیز نہ مل جائے۔تو دنیا کی محبوب زندگی اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک اسے اس سے اچھی حیات نہ مل جائے۔معلوم ہوا کہ حیات اخروی حیات دنیوی سے کہیں اعلیٰ وافضل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دیجئے۔(۱۵۵)

﴿بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ﴾ تھوڑے سے خوف اور بھوک وغیرہ سے آزمائش کی جاتی ہے۔مکمل طور پر اگر آزمائش کی جاتی تو ہلاک ہو جاتے۔

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ﴾ بشارت اور صبر میں ربط:

کوئی مصیبت میں ہو، آپ کہیں مبارک ہو تو اسے غم ہوگا، اس کا مطلب ہے مصیبت ایک نعمت ہے زحمت نہیں، بشارت دلیل ہے کہ کوئی عظیم نعمت ملنے والی ہے۔کوئی سائیکل چھین لے اور مرسڈیز دے دے تو بتائیے کیا یہ مصیبت ہے؟ اگر فساد معدہ کی وجہ سے مریض کو طبیب ایک دو وقت کھانے کی ممانعت کر دے تو یہ اس کے طبیب مشفق ہونے کی دلیل ہے۔

الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔(۱۵۶)

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ اس کلمے میں اللہ کی توحید اور اس کی عبودیت کا اقرار اور اس بات کا یقین ہے کہ سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے یہ کلمات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اگر یعقوب علیہ السلام کو یہ کلمات معلوم ہوتے تو ﴿یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ﴾ (یوسف: ۸۴) (ہائے یوسف!) نہ کہتے۔(جامع الاحادیث للسیوطی: ۴۳۹۰۱)

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ مصیبت کے وقت تسلی کے دو طریقے ارشاد فرمائے:

(۱) عقلی-عقل تسلیم کرتی ہے کہ مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

(۲) طبعی-﴿اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ ہمارا وطن اصلی وہی (آخرت) ہے، دنیا تو جیل خانہ ہے، اگر کسی کو جیل خانہ سے نکال کر گلستان میں ٹھہرا دیں تو حقیقت میں خوشی کا مقام ہے، اس طرح عقل اور طبیعت دونوں کی تسلی فرما دی، ساتھ ساتھ آنسو بہانے کی ممانعت نہیں کی کیونکہ یہ اضطراری ہے، اس طرح جذبات کی بھی رعایت فرما دی۔

Scanned by CamScanner

أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٞۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُهۡتَدُونَ ١٥٧

یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے رب کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔(۱۵۷)

﴿صَلَوٰتٌ﴾ دینی و دنیاوی ظاہری و باطنی برکات

﴿رَحْمَةٌ﴾ فوت شدہ چیز کا نعم البدل

﴿صَلَوٰتٌ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جانور کی پشت پر دونوں طرف کے بوجھ میں ایک طرف صلوٰت دوسری طرف رحمت اور دونوں کے بیچ میں ہدایت ہے، جو اصل سے زائد ایک چیز ہے جو عطا کی گئی۔

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "نِعْمَ الْعِدْلَانِ، وَنِعْمَ الْعِلَاوَةُ ﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ﴾ نِعْمَ الْعِدْلَانِ، ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ نِعْمَ الْعِلَاوَةُ۔ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۳۰۶۸، صحیح، جلد: ۲، صفحہ: ۲۷۰، تفسیر سورۃ البقرۃ)

شرح: عمر رضی اللہ عنہ والے قول کو حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صلوات اور رحمت کو تو جانور کے دونوں طرف کا بوجھ قرار دیا اور بیچ کا بوجھ جو پیٹھ پر رہتا ہے اسے ﴿أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ سے تعبیر فرمایا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ایک دن رسول ﷺ کے پاس سے آئے اور کہنے لگے، میں نے رسول ﷺ سے ایسی بات سنی ہے جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی وہ یہ ہے کہ مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ استرجاع کرے یعنی ﴿إنا لله وَإنَّا إلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ پڑھے، پھر یہ دعا کرے (أللّٰهُمَّ أجِرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خيرًا مِنْهَا) اے اللہ! میری مصیبت میں مجھے اجر دے اور مجھے اس کا نعم البدل دے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے یاد کر لیا اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال پر یہی پڑھا، جب عدت پوری ہوئی تو نبی ﷺ آئے اور مجھے پیغام نکاح دیا۔ تو میں نے کہا:

(۱) میں غیور عورت ہوں کہیں آپ کی شان میں کوئی غلطی نہ ہو جائے جس سے اللہ مجھے عذاب دے۔

(۲) میں عمر رسیدہ ہوں

(۳) میرے بچے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا (۱) (فَسَوْفَ يُذْهِبُهَا اللّٰهُ مِنْكِ) اللہ تم سے یہ چیز دور کر دے گا (۲) میں بھی عمر رسیدہ ہوں (۳) تمہارے بچے میرے بچے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔

(مسند احمد: ۱۶۳۴۴، رجالہ ثقات)

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾

"وَقَالَ بَعْضُ الْحُكَمَاءِ: كَيْفَ يَفْرَحُ بِالدُّنْيَا مَنْ يَوْمُهُ يَهْدِمُ شَهْرَهُ وَشَهْرُهُ يَهْدِمُ سَنَتَهُ وَسَنَتُهُ تَهْدِمُ عُمْرَهُ كَيْفَ يَفْرَحُ مَنْ يَقُودُهُ عُمْرُهُ إِلَى أَجَلِهِ وَتَقُودُهُ حَيَاتُهُ إِلَى مَوْتِهِ"

Scanned by CamScanner

بعض حکماء نے کہا ہے کہ آدمی دنیا پر کیوں اتراتا ہے؟ جس کا دن اُس کے مہینے کو ڈھار رہا ہے اور اس کا مہینہ اس کے سال کو ڈھار رہا ہے اور اس کا سال اس کی عمر کو ڈھار رہا ہے اور وہ آدمی کیسے اترا سکتا ہے، جس کی عمر اسے اس کے اجل کی طرف لے جا رہی ہے اور اس کی حیات اسے موت کی طرف لے جا رہی ہے۔

وَقَالَ الْفُضَيْلُ بْنُ عَيَاضٍ لِرَجُلٍ: كَمْ أَتَتْ عَلَيْكَ؟ قَالَ: سِتُّوْنَ سَنَةً، قَالَ: فَأَنْتَ مُنْذُ سِتِّيْنَ سَنَةً تَسِيْرُ إِلَى رَبِّكَ يُوْشِكُ أَنْ تَبْلُغَ فَقَالَ الرَّجُل: ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ فَقَالَ الْفُضَيْلُ: أَتَعْرِفُ تَفْسِيْرَهُ تَقُوْلُ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾؟ فَمَنْ عَرَفَ أَنَّهُ لِلّٰهِ عَبْدٌ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ رَاجِعٌ، فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مَوْقُوْفٌ وَمَنْ عَلِمَ أَنَّهُ مَوْقُوْفٌ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مَسْئُوْلٌ وَمَنْ عَلِمَ أَنَّهُ مَسْئُوْلٌ فَلْيَعِدَّ لِلسُّؤَالِ جَوَاباً فَقَالَ الرَّجُلُ: فَمَا الْحِيْلَةُ؟ قَالَ يَسِيْرَةٌ. قَالَ مَا هِيَ قَالَ تُحْسِنُ فِيْمَا بَقِيَ يُغْفَرُ لَكَ مَا مَضَى فَإِنَّكَ إِنْ أَسَأْتَ فِيْمَا بَقِيَ أُخِذْتَ بِمَا مَضَى وَمَا بَقِيَ۔

فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی سے کہا کہ تیری عمر کتنی ہے؟ کہا ۶۰ سال، کہا تو تم ۶۰ سال سے اپنے رب کی طرف چل رہے ہو قریب ہے کہ اب پہنچ جاؤ، یہ سن کر آدمی نے کہا ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ فضیل ابن عیاض رحمہ اللہ علیہ نے کہا کیا ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ کی تفسیر جانتے ہو؟ جس آدمی نے یہ جان لیا کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والا ہے تو وہ جان لے کہ وہ موقوف ہے اور جو جان لے کہ وہ موقوف ہے تو جان لے کہ وہ مسئول ہے اور جو جان لے کہ وہ مسئول ہے تو اسے سوال کا جواب تیار رکھنا چاہیے۔ آدمی نے کہا کہ تدبیر کیا ہے؟ فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آسان ہے، کہا کہ وہ کیا ہے؟ کہا کہ جو عمر باقی رہ گئی ہے اس کے اندر نیک عمل کر لے تو گزشتہ عمر کے گناہ معاف ہو جائیں گے، کیونکہ اگر تم نے باقی کی زندگی میں گناہ کیے تو اگلی پچھلی دونوں زندگیوں کے بارے میں تم سے مواخذہ کیا جائے گا۔

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کسی مصیبت میں صبر کرتا ہے اور ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ پڑھتا ہے تو اللہ اسے اس تلف شدہ چیز کا اچھا اور اس سے بہتر بدلہ عطا کرتا ہے۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ "مَنْ أَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ فَقَالَ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ أَجَرَ اللّٰهُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ مَا كَانَ لَهُ يَوْمَ أَصَابَهُ" (المعجم الأوسط للطبرانی: ۱۲۱/۵)

عموماً موت کے وقت ﴿إِنَّا لِلّٰهِ﴾ پڑھا جاتا ہے لیکن درحقیقت اس کو موت یا موت جیسی کسی اور مصیبت کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر ایک مصیبت کے موقع پر خواہ وہ ادنیٰ درجے کی تکلیف ہو یا بڑے درجے کی ﴿إِنَّا لِلّٰهِ﴾ پڑھنا مستحسن و مسنون ہے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار اللہ کے رسول ﷺ کا چراغ بجھ گیا آپ نے ﴿إِنَّا لِلّٰهِ﴾ پڑھا۔ حاضرین نے کہا: کیا یہ بھی کوئی مصیبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو وہ مصیبت ہے اور اس میں صبر کرنے پر اجر و ثواب ہے۔

عَنْ عِكْرَمَةَ أَنَّ مِصْبَاحَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَفَأَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَقَالَ: ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ فَقِيْلَ: أَمُصِيْبَةٌ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "نَعَمْ كُلُّ مَا أَذَى الْمُؤْمِنَ فَهُوَ مُصِيْبَةٌ" (تفسیر القرطبی: ۴۶۵/۲)

ایک بار آپ کے نعل مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا تو آپ ﷺ نے ﴿إِنَّا لِلّٰهِ﴾ پڑھا اور فرمایا کہ جس چیز سے مسلمان کو

تکلیف ہو وہ مصیبت ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: "لِيَسْتَرْجِعْ أَحَدُكُمْ حَتَّى مِنْ شَسْعِ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ فَإِنَّهُ مِنَ الْمَصَائِبِ" (المجروحین: ۲/ ۳۸۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

جو لوگ ہمارے احکام اور ہدایات کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے اُن کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ (۱۵۹) ہاں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے اور (احکامِ الٰہی کو) صاف صاف بیان کر دیتے ہیں تو میں اُن کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہوں۔ (۱۶۰)

احکام الٰہی کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ وہ توبہ کریں اور توبہ اس وقت تک معتبر نہیں جب تک غلطی کی اصلاح نہ کر لیں اس کی صورت یہ ہے کہ جس کی غلط تاویل کی ہے اس کو ظاہر کر دیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ﴾ علم دین کو پھیلانے کی ضرورت ہے اس کا چھپانا حرام ہے، کتمان علم اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ اور اس کی تمام مخلوق اس پر لعنت بھیجتی ہے۔ براء ابن عازب سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لاعِنُوْنَ" سے زمین پر تمام چلنے والے مراد ہیں۔ (ابن ماجہ باسناد حسن، قال الشیخ الالبانی رحمہ اللہ ضعیف الاسناد: ۴۰۲۱)

(۱) کتمان علم اس امانت میں خیانت ہے جو امانت اللہ نے علماء کو سونپی ہے۔
(۲) علم کی نشر و اشاعت اور اس کی تبلیغ واجب ہے۔
(۳) حکم شرعی کو چھپانے والا لعنت کا مستحق ہے۔
(۴) صرف توبہ کافی نہیں بلکہ اصلاح سیرت اور اخلاص عمل ضروری ہے۔

قرآن کی ہدایات کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنا خواہ روایات کی شکل میں ہو یا بدعات کی شکل میں سخت ظالمانہ حرکت ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

Scanned by CamScanner

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں اور بادل جس کو اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا اور اُس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (ان سب میں) عقلمندوں کے لیے (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔(۱۶۴)

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ﴾

دنیا کی کسی چیز کی قریبی عمر دریافت کرنے کا ایک طریقہ سائنسدانوں نے ایجاد کیا Radio active decay سے ہے، اس سے ایک چٹان کی عمر کا حساب لگایا گیا تو چھ بلین سال اور زمین کی عمر کا اندازہ لگ بھگ بارہ ملین سال لگایا گیا تو بتائیے کہ اس کائنات میں زمین کی حیثیت کیا ہے؟

روشنی سورج سے زمین تک ۸ منٹ میں آتی ہے جب کہ روشنی کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سکنڈ ہے، پانی کہیں تالابوں میں ہے کہیں دریاؤں میں ہے، اس کے علاوہ زمین میں غیر محسوس پائپ لائنیں بچھادی گئی ہیں، آدمی جہاں چاہے کھود کر پانی نکال لے، سات آسمانوں کے ذکر کے ذریعے قرآن نے ایسٹروفزکس (آسمانی طبیعیات) سے متعلق تمام حقائق کو بیان کر دیا ہے۔

رات اور دن کا اختلاف زمین کی محوری گردش کی بنا پر ہے، چوبیس گھنٹے میں زمین اپنا چکر پورا کر لیتی ہے اس نظام میں ایسا توازن ہے کہ کبھی تقدیم اور تاخیر نہیں ہوتی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اور اے کاش کہ ظالم لوگ جو بات عذاب کے وقت دیکھیں گے (وہ بات) اب دیکھ لیتے کہ سب طرح کی طاقت اللہ ہی کو ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔(۱۶۵)

اور اللہ کی محبت مال پر غالب آجائے تو انسان مال کو گرِداہ سمجھے گا۔ ابراہیم علیہ السلام کے سامنے دو محبتیں تھیں، بیٹے کی محبت اور اللہ کی محبت، انہوں نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی تب انہیں مقام خلّت عطا ہوا، کفار و مشرکین جن بزرگوں سے

Scanned by CamScanner

محبت کا دم بھرتے ہیں وہ قیامت میں ان سے بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کریں گے، وہ اپنے پیشواؤں کی یہ دیدہ شوئی دیکھ کر بایں الفاظ اپنے غیظ وغضب کا اظہار کریں گے کہ کاش ہمیں پھر دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو ہم بھی تم سے بیزاری کا اظہار کرتے، معلوم ہوا کہ شرک کی وجہ سے سارے اعمال ضائع ہوجائیں گے، حسرتیں کچھ کام نہ آئیں گی۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

یعنی جولوگ حقیقی معنوں میں مؤمن ہیں انہیں اللہ سے شدید ترین محبت ہوتی ہے، یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ محبت ایک Abstract یعنی غیر مرئی چیز ہے، وہ نظر نہیں آتی، اس کے جانچنے کی ایک ہی کسوٹی ہے کہ جب دو محبتوں میں تصادم ہوتا ہے تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کو چاہتا ہے یا غیر اللہ کو؟ دیکھیے شوہر اپنی بیوی کی تمام لغزشوں کو معاف کرسکتا ہے لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہوجائے کہ وہ اس کی محبت میں کسی غیر کو شریک ٹھہراتی ہے تو اس کی تمام خدمتیں اکارت ہوجائیں گی یہی شرک کی حقیقت ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

جولوگ کافر ہیں ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے (یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے کہ (کچھ) سمجھ ہی نہیں سکتے۔ (۱۷۱)

اندھی تقلید کرنے والے کی مثال ان بے عقل جانوروں کی سی ہے جو چرواہے کے پیچھے چلتے ہیں اور بلا سوچے سمجھے اس کی آواز پر حرکت کرتے ہیں ایسا جانور کریں تو کریں لیکن انسان کو زیب نہیں دیتا، جسے اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور کی نعمتوں سے نواز کر اختیار عمل بھی دیا ہے، تقلید آباء ہمیشہ سے گمراہی کا بہت بڑا سبب رہی ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ کسی سے کوئی غلطی ہوگئی تو وہ غلطی پشت در پشت اگلی نسلوں میں منتقل ہوتی جائے۔

تقلید: جانور داعی کی آواز سنتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور انہیں کیوں بلایا جارہا ہے، بات کی تحقیق کیے بغیر اس کی طرف چل پڑنا جانور کی صفت ہے۔ بہرے ہیں حق کی آواز نہیں سنتے۔ گونگے ہیں حق زبان سے نہیں نکلتا۔ اندھے ہیں حق دیکھتے نہیں۔ بے عقل ہیں دعوت حق سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اے اہلِ ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں اُن کو کھاؤ اور اگر اللہ ہی کے بندے ہو تو اُس (کی نعمتوں) کا شکر بھی ادا کرو۔ (۱۷۲)

﴿اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾

رزق حلال کی اہمیت اتنی ہے کہ اس آیت میں توحید عبادت اور عمل صالح سے پہلے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾

اُس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سوّر کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے۔ ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اُس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔(۱۷۳)

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ مطلق حلال وحرام کی بات نہیں بلکہ مخصوص چیزوں کی حرمت کا بیان ہے، جن کے بارے میں مشرکین اپنے مشرکانہ عقائد کی بنا پر غلطیاں کیا کرتے تھے، یہاں حصر مطلق نہیں حصر اضافی ہے۔

حالت اضطرار میں جان بچانے کے لیے بطور دوا حرام چیز استعمال کرسکتا ہے۔

اس آیت میں ان حیوانات کی حرمت کا بیان مقصود ہے جن میں مسلمانوں اور مشرکوں میں نزاع تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف یہ چار چیزیں حرام ہیں اور جن چیزوں کو مشرکین نے اپنی رائے سے حرام ٹھہرایا وہ حرام نہیں ہیں۔

سوال: کیا حلال چیزوں کا مجموعہ بھی حلال ہوتا ہے؟

جواب: یہ بھی علی الاطلاق درست نہیں، کیونکہ یہ لازم نہیں کہ جب چند چیزیں حلال ہوں اور ان کو اکٹھا کر دیا جائے تو ان کا مجموعہ بھی حلال ہو جائے۔ بتایئے! انگور کا پانی اور کسی چیز کا پکانا دونوں حلال فعل ہیں یا نہیں؟ مگر جب انگور کے پانی کو پکایا جائے اور وہ نشہ آور ہو جائے تو کیا مرکب بھی اپنے اجزاء کی طرح حلال رہے گا؟

﴿وَالدَّمَ﴾ بلا ضرورت شدیدہ خون دینا اور لینا دونوں حرام ہے، اگر کوئی شخص جان کنی کے عالم میں ہے اور اس کے جسم میں مقدار مطلوب میں خون موجود نہ ہو اور ڈاکٹر نے یہ کہا کہ اگر اسے خون نہ دیا گیا تو یہ مر جائے گا، ایسی حالت میں بلا معاوضہ خون دینا جائز ہے۔ آج کل ''بلڈ ڈونیشن'' کا کیمپ لگایا جاتا ہے، اس میں مقابلہ آرائی بھی شروع ہو گئی ہے کہ کون سا کیمپ کتنا زیادہ خون جمع کرتا ہے۔ اس خون کو ''بلڈ بینکوں'' میں دے دیا جاتا ہے اور یہ بلڈ بینک اس جمع شدہ خون سے اپنے کاروبار کو فروغ دے رہے ہیں۔

خون کے تین حصے ہوتے ہیں، ایک حصہ ایک ہفتے میں خراب ہو جاتا ہے، ایک حصہ مہینے بھر میں اور ایک حصہ ایک سال میں خراب ہو جاتا ہے اور اگر یہ خون جلد نہ استعمال کیا گیا تو خون خراب اور ضائع ہو جاتا ہے۔ اس طرح خون کے عطیہ کیمپ میں جا کر ہمیں خون نہیں دینا چاہیے یہ بات بالکل حرام و ناجائز ہے۔ اگر ہمیں خون دینا ہے تو تازہ خون شدید ضرورت مندوں کو دیں۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ شہر میں کچھ ایماندار بلڈ ڈونر گروپس ہوتے ہیں، ان کو اپنا پتہ اور فون نمبر بتا دیں اور جب بھی کسی شدید حاجت مند کو خون کی ضرورت ہو وہ فون کر کے آپ کو بلا لیں اور آپ اس کو تازہ خون دے دیں۔

﴿وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ﴾ سور کے گوشت سے ایک بیماری Shape virus پیدا ہوتی ہے جو پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتی ہے، اسٹال Stall نے اپنی کتاب ''دس وارمی ورلڈ'' میں لکھا ہے کہ دنیا میں تقریباً کروڑ لوگ اس بیماری کا شکار ہیں

Scanned by CamScanner

جس کا نام ٹرائی کینا ہے، یہ دماغ میں نقصاندہ گلٹی بنا دیتا ہے۔ ڈاکٹر ہنز ہینرچ ریکوگ Hans Heinrich Reckeweg مشہور جرمن میڈیکل سائنسداں نے سور کے گوشت میں ایک زہریلی پروٹین Sutoxin دریافت کی ہے جو ایگزیما اور دمے کے دورے کا باعث بنتی ہے۔

﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ ''اِهْلَال'' کا مطلب ہے (رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ) (چاند دیکھتے وقت آواز بلند کرنا) پھر اس کا استعمال عربوں کے یہاں مطلق رفع صوت کے لیے ہونے لگا اور مشرکین جب جانور ذبح کرتے تھے تو لات وعزیٰ کا نام لیتے تھے اور ان کے نام کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کرتے تھے۔ قبور کے اردگرد جانور ذبح کرنا، لنگر تقسیم کرنا، روپئے اور مٹھائیاں بانٹنا اور صندوقوں میں نذر و نیاز کے پیسے ڈالنا یہ سب کام حرام ہیں۔

﴿غَيْرَ بَاغٍ﴾ حرام کا طلبگار نہ ہو۔

﴿وَلَا عَادٍ﴾ جتنے میں کام چل جائے اتنے پر اکتفا کرے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا، یہ جہنم کے آگ کو کیسے برداشت کرنے والے ہیں۔ (۱۷۵)

﴿فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ آگ کے عذاب برداشت کرنے پر کس نے انہیں نڈر اور بے خوف بنادیا ہے، کسی کے نڈر اور بے خوف ہوجانے کو بھی صبر کہتے ہیں جس سے وہ اپنے دل کو اضطراب و تردد سے روک لیتا ہے۔

ص ب ر: کے مادے میں کسی نہ کسی طرح روکنے اور بند کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں مثلاً کسی کو مقید اور پابند کر کے مار ڈالنے کو بھی صبر کہتے ہیں چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں یہ فقرہ آتا ہے (قَتَلَ الْحَجَّاجُ صَبْرًا مِائَةً وَّ عِشْرِيْنَ أَلْفًا) عرب میں دور جاہلیت میں دستور تھا کہ زندہ جانور کو باندھ کر کسی جگہ کھڑا کردیتے اور اس پر تیروں سے نشانہ بازی کیا کرتے تھے اس جانور کو مصبورہ کہتے تھے۔

ایک بار نبی ﷺ کے سامنے قتل عمد کا ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں دو شخص ملزم تھے استغاثہ کی طرف سے یہ ثبوت دیا گیا تھا کہ ان ملزموں میں سے ایک نے مقتول کو پکڑ لیا تھا اور دوسرے نے اسے مار ڈالا تھا تو آپ ﷺ نے فیصلہ کیا ''يُقْتَلُ الْقَاتِلُ وَيُصْبَرُ الصَّابِرُ'' (التلخیص الحبیر لابن حجر العسقلانی: ۴/ ۱۲/ ۱۳۱۲) صبر اس چھائے ہوئے بادل کو کہتے ہیں جو برابر ایک دن چھایا رہے اور اپنی جگہ سے نہ ہٹے، پہاڑ کو بھی صبر کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہتا ہے۔

''صِبَارَةٌ'' بوتل کے کاک کو کہتے ہیں جو اپنی جگہ جما ہوا رہتا ہے۔

''صَبَّارٌ'' املی (تمر ہندی) کو کہتے ہیں جو اپنی حموضت (کھٹے پن) کی بنا پر قابض دوا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ

Scanned by CamScanner

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کران) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اُس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔ (۱۷۷)

آیت بر: یہ ایک عظیم آیت ہے اس میں عقائد واحکام واخلاق کے ۱۶ قاعدے بیان کئے گئے جنہیں امہات احکام (احکام کی مائیں) کہا جاسکتا ہے۔

آیت بر میں بر کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) ایمان کے اصول خمسہ (۲) ایتائے مال محبوب (۳) اقامت صلوٰۃ (۴) ایتائے زکوٰۃ (۵) ایفائے عہد (۶) اَلصَّبْرُ عَلَى الْبَاْسَاءِ جس نے یہ مکمل کرلیا وہ ابرار کے زمرے میں داخل ہوگیا۔

مالی اعانت سب سے پہلے عزیزوں کی کرنی چاہیے یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہورہی ہوں اور بہن جھوپڑے کو ترس رہی ہو۔ چچا کے پاس کاریں ہوں بھتیجے کو رکشا کے پیسے نہ ہوں۔

﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ جب مالدار انسان کے سامنے دو محبتیں آجائیں، اللہ تعالیٰ کی محبت اور مال کی محبت، اگر مال کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب آگئی تو مال بہت بڑا بت ہوگا۔

حقوق العباد میں بر (نماز، زکوٰۃ، ایفائے عہد وغیرہ) کی عادت دائمی ہو، اتفاقی تو کافر بھی کرتا ہے، صبر کے معنی ہیں نفس کو قابو میں رکھنا اس کے ذریعے تمام اخلاق فاضلہ حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

آیت بر میں تمام احکام شرعیہ، اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق کا اجمالی ذکر آگیا۔

﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ ''لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ'' (ابوداؤد، کتاب الوصایا: ۲۸۷۳) بلوغت کے بعد یتیمی نہیں۔

﴿وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار کو صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾

اور اے اہل عقل! (حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل وخونریزی سے) بچو۔ (۱۷۹)

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ قاتل کے بارے میں تین آپشن: (۱) قتل (۲) معافی (۳) دیت بنی اسرائیل کے لیے صرف قصاص تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت مسلمہ کے لیے تخفیف اور رحمت ہے، نیز کسی مومن کا خون حلال نہیں مگر تین صورتوں میں (۱) جان کے بدلے جان (۲) شادی شدہ کا زنا (۳) ارتداد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾

اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ (۱۸۳) (روزوں کے دن) گنتی کے چند روز ہیں تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اُس کے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (۱۸۴)

روزہ سن ۲ ہجری میں فرض ہوا، روزہ انسان کے دل اور اعضاء دونوں کی صحت کی حفاظت کرتا ہے، نفسانی خواہشات کے ہاتھ جو اس سے چھین لیتے ہیں، روزہ انہیں لوٹا دیتا ہے اس لیے روزہ تقویٰ کا سب سے بڑا مددگار ہے۔

﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ بارہ مہینوں میں صرف ایک مہینہ کے روزے، روزوں کے روحانی برکات کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ کوئی بڑی مدت نہیں بلکہ گنتی کے چند دن ہیں۔

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ ''إِطَاقَةٌ'' اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی کام کے کرنے میں انتہائی مشقت ہو چنانچہ یہ نہیں کہا جاتا۔ ''إِنِّي أُطِيْقُ أَنْ أَرْفَعَ اللُّقْمَةَ إِلَى فَمِيْ'' کیونکہ لقمہ منہ تک اٹھانا ایک آسان چیز ہے البتہ یہ کہا جاتا ہے۔ ''إِنِّي أُطِيْقُ أَنْ أَحْمِلَ هَذَا الْحَجَرَ الثَّقِيْلَ'' (میں اس بھاری پتھر کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں) یعنی وہ لوگ جو آسانی سے نہیں بلکہ مشقت عظیمہ کے ساتھ روزہ رکھ پاتے ہیں۔

﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ پہلے مریضوں اور مسافروں جو مرض یا سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے ان کو اجازت تھی کہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، اس طرح روزوں کی تلافی ہو جاتی تھی، گویا پہلے مریضوں اور مسافروں کے قضا روزوں کی تلافی مسکین کو کھانا کھلانے سے ہو جاتی تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اب انہیں روزوں کی قضا کرنی ہوگی۔

Scanned by CamScanner

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫
وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اوّل اوّل) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔ تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو تو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) ان کا شمار پورا کرلے اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا اور (یہ آسانی کا حکم) اس لیے (دیا گیا ہے) کہ تم روزوں کا شمار پورا کرلو اور اُس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تمہیں ہدایت بخشی ہے تم اُس کو بزرگی سے یاد کرو اور اُس کا شکر ادا کیا کرو۔ (۱۸۵)

آج امت تاریخ کے سب سے مشکل مرحلے سے گزر رہی ہے، وہ طرح طرح کے فتنوں سے دوچار ہے اور طرح طرح کے شبہات کا شکار ہے، حق و باطل گڈمڈ ہو چکے ہیں تو جسے فرقان کی توفیق مل گئی اسے ہدایت کا راستہ مل گیا اور وہ نجات پا گیا اور اس کا راستہ قرآن کے سوا دوسرا نہیں۔

نزول قرآن کے مراحل ثلاثہ:

(۱) اللہ تعالیٰ سے لوح محفوظ (۲) لوح محفوظ سے بیت العزۃ (۳) بیت العزۃ سے رسول ﷺ پر۔

روزہ دار کی چار حالتیں ہیں:

(۱) مقیم صحیح (تندرست) یہ روزہ رکھے۔

(۲) مسافر صحیح: چاہے تو روزہ چھوڑ دے اور بعد میں قضا کرلے۔

(۳) بہت بوڑھا بہت بوڑھی یہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

(۴) ایسا مریض جس کا مرض لاعلاج ہو اور روزے سے مرض میں اضافہ ہو جائے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

﴿عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ کی ترکیب پر غور کیجئے! عُجب کی رگیں کاٹ دی گئی ہیں کہ اے روزہ دار، قیام کرنے والے، خرچ کرنے والے، تیرا اس میں کچھ بھی نہیں بلکہ یہ صرف اللہ کی ہدایت ہے جو بہت بڑی نعمت ہے۔ اس پر شکر واجب ہے، اسی لیے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ لایا گیا۔

Scanned by CamScanner

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیں کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ میرے احکام کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں۔ (۱۸۶)

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے بہت قریب ہے۔

﴿اِنِّىْ قَرِيْبٌ﴾ قریب ہوں، تو وسیلے کی کیا ضرورت؟

معلوم ہوا کہ رمضان میں دعا کا خاص اہتمام ہونا چاہیے کیونکہ روزہ میں دعا قبول ہوتی ہے۔

نکتہ: قرآن میں متعدد سوالات موجود ہیں جو کفار نے یا مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے، ان کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے دلوایا جیسے:

(۱) ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ (سورہ بقرہ:۱۸۹)

(۲) ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ﴾ (سورہ بقرہ:۲۲۰)

نکتہ: مگر ایک سوال ایسا ہے کہ پوچھنے والوں نے جب پوچھا تو رب تعالیٰ نے براہ راست خود جواب دیا۔

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ﴾ (سورہ بقرہ:۱۸۶) نیز قربت کا متعلق حذف کر دیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی دعا سے بھی قریب ہے اور اس کے مدعا کے بھی، ادھر بندے نے مانگا ادھر رب نے سن بھی لیا اور فوراً (اگر مصلحت متقاضی ہے) تو مدعا کو بندے کے سامنے حاضر کر دیتا ہے، نیز عباد کو یائے متکلم کی طرف مضاف کر کے اس طرح سے سوال کرنے والوں کے بارے میں اپنی عنایت خاصہ کا بھی اظہار کر دیا اور اس آیت کو رمضان کے فضائل و مسائل کے سیاق میں رکھ کر یہ بھی بتا دیا کہ رمضان کا مہینہ تمام مہینوں سے افضل ہے نیز یہ بھی بتا دیا کہ اس مہینے میں رحمت الٰہی خاص طور پر بندوں پر متوجہ رہتی ہے اور اس مہینے میں دعائیں خصوصی طور پر قبول ہوتی ہیں۔

مقبول دعا کے ارکان:

(۱) اخلاص: دعائیہ کلمات رسمی نہ ہوں یا دکھاوا نہ ہو کہ رو رو کر دعا کر رہا ہے تاکہ لوگ تعریفیں کریں۔

(۲) یقین کے ساتھ مانگنا، یعنی ایسا نہ کہے اے اللہ اگر تو چاہے تو بخش دے۔

(۳) اللہ سے حسن ظن ہو کبھی ایسا نہ کہے کہ اے اللہ! تو ہماری دعا سنتا ہی نہیں۔

Scanned by CamScanner

مقبول دعا کی شرائط:

(۱) رزق حلال

(۲) دعا میں حد سے تجاوز نہ کرے یعنی کسی محال امر کی دعا نہ مانگے جیسے ڈاکٹر نے ایک عورت کی بچہ دانی آپریشن کر کے نکال دی پھر بھی وہ اولاد کے لیے دعا مانگے۔

(۳) روز اول سے جو چیز ہو چکی ہے ان کے خلاف نہ مانگے جیسے عورت کہے کہ اے اللہ مجھے مرد بنا دے۔

(۴) دعا میں جلد بازی نہ کرے، دعا کرے کہ اے اللہ! شام سے پہلے یا صبح تک میرا یہ کام مکمل کر دے۔

(۵) قطع رحمی کی دعا نہ کرے کہ فلاں اور فلاں آدمیوں اور فلاں فلاں میاں بیوی یا بھائی بھائی میں لڑائی ڈال دے۔

(۶) کسی گناہ کی دعا نہ کرے کہ اے اللہ! میری فلم یا کسی کی فلم ہٹ کر دے نیز کاروبار حرام ہو اور دعا کرے کہ ہمارا کام خوب چلے۔

نکتہ: ﴿قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ (سورہ فرقان:۷۷) آپ کہہ دیجئے! کہ میرے رب کو تمہاری کچھ پرواہ نہ تھی اگر تم اس سے دعا نہ کرتے یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرتے تو اللہ کے نزدیک تمہاری کچھ قدر نہ تھی مطلب یہ ہے کہ مجھے تمہارے پیدا کرنے کی کچھ حاجت نہ تھی مگر یہی کہ تم مجھ سے دعا مانگتے رہو اور میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں، تم مجھ سے معافی مانگتے رہو میں تمہیں معاف کرتا رہوں، اس سے اللہ کی صفت غفاریت کا ظہور ہوتا ہے، اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو تمہیں بدل کر ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور مجھ سے معافی مانگتی۔ عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَوْلَا أَنَّكُمْ تُذْنِبُوْنَ لَخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا يُذْنِبُوْنَ يَغْفِرُ لَهُمْ" (صحیح مسلم، کتاب التوبۃ:۶۹۶۵) اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک شخص بہت سخاوت کرنے والا ہے مگر اس کے در پر کوئی مانگنے والا ہی نہیں جاتا ہے تو اس سخی کی سخاوت کیسے ظاہر ہو گی؟

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

روزوں کی راتوں میں تمہارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُن کی پوشاک ہو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم (اُن کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت کرتے تھے پس اُس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے درگزر فرمایا اب (تمہیں

اختیار ہے کہ) اُن سے مباشرت کرو اور اللہ نے جو چیز تمہارے لیے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اُس کو (اللہ سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو اور جب مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو اُن سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں۔ (۱۸۷)

---

(۱) کسی مومن کو کسی فعل کے حلال وحرام ہونے کے متعلق شرع کا یقینی علم نہ ہو تو اس کام سے اسے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۲) اعتکاف کی حالت میں بوس وکنار اور جماع کی اجازت نہیں ہے، ہاں بات چیت کی اجازت ہے۔

(۳) ﴿عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ سے استدلال کیا گیا ہے کہ اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے، چاہے مرد ہو یا عورت۔ ازواج مطہرات نے مسجد ہی میں اعتکاف کیا ہے، اس لیے عورتوں کا گھروں میں اعتکاف کرنا صحیح نہیں ہے اور مسجد میں ان کے لیے ہر چیز کا انتظام مردوں سے الگ ہونا ضروری ہے، جہاں مسجد میں مردوں سے الگ معقول انتظام نہ ہو تو عورتوں کو مسجد میں بھی اعتکاف کی اجازت نہیں ہے جب تک پورا تحفظ نہ ہو اس سے گریز بہتر ہے، عورتوں کو بھی اصرار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک نفلی عبادت ہے۔

اعتکاف: ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑنے کے لیے نکلے، راستے میں دو انصاری ملے، انہوں نے رفتار تیز کر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عَلَى رِسْلِكُمَا) تیز نہ چلو، یہ صفیہ ہیں۔ انہوں نے کہا: سبحان اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے وہ کوئی بات تمہارے دلوں میں نہ ڈال دے۔ (بخاری، کتاب الاعتکاف: ۲۰۳۵) اس سے معلوم ہوا کہ تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہیے۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اُس کو (رشوۃً) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔ (۱۸۸)

فوائد:

(۱) رشوت لینا دینا حرام ہے۔

(۲) جج صاحبان کو رشوت لے کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، نیز انہیں تحفے اور ہدیے بھی قبول نہیں کرنا چاہیے۔

(۳) رمضان کے فضائل ومسائل کے سیاق میں حرام خوری سے بچنے کا حکم اس بات کی طرف مُشیر ہے کہ حرام کھانے والے کا روزہ، اعتکاف اور دعا قبولیت کا شرف نہیں پاتے۔

Scanned by CamScanner

وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡكُمۡ اِلَی التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۹۵﴾

اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۹۵)

انفاق فی سبیل اللہ آفتوں، بلاؤں، بیماریوں اور حادثوں کے سامنے سد ذوالقرنین بن کر کھڑا ہو جاتا ہے تو انفاق میں خود انسان کی ذاتی سلامتی کی ضمانت ہے۔

﴿وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡكُمۡ اِلَی التَّهۡلُكَةِ﴾ اس کا تعلق قتال سے نہیں صدقات سے ہے کہ خرچ نہ کرنے سے اپنے آپ کو کو ہلاکت میں ڈال لو گے۔

اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ فَمَنۡ فَرَضَ فِیۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِی الۡحَجِّ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؔؕ وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی ۫ وَاتَّقُوۡنِ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۷﴾

حج کے مہینے (معیّن ہیں جو) معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی بُرا کام کرے نہ کسی سے جھگڑے اور جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہو جائے گا۔ اور زادِ راہ (یعنی رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زادِ راہ (کا) پرہیز گاری ہے اور اے اہل عقل مجھ سے ڈرتے رہو۔ (۱۹۷)

﴿اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمَاتٌ﴾ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جا سکتا ہے ان سے پہلے جائز نہیں۔ بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمَاتٌ﴾ شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہیں۔

لَیۡسَ عَلَیۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۪ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰىكُمۡ ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿۱۹۸﴾

اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے رب سے روزی طلب کرو اور جب عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام (یعنی مزدلفہ) میں اللہ کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اُس نے تمہیں سکھایا ہے اور اُس سے پیشتر تم لوگ (ان طریقوں سے) محض ناواقف تھے۔ (۱۹۸)

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾

مشعر حرام سے مراد مزدلفہ ہے، حج بدل کرنے والا اپنا حج کئے ہوئے ہو اسی طرح عمرہ حج اصغر ہے تو عمرۂ بدل بھی کیا جا سکتا ہے مگر عمرہ کرنے والا اپنا عمرہ کیے ہوئے ہو۔

حج: راجح یہ ہے کہ حج ۹ ویں ہجری میں فرض ہوا، آئندہ سال ۱۰ ویں ہجری میں آپ ﷺ نے پہلا اور آخری حج ادا فرمایا جو حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے اور یہ حج 'حج قران' تھا۔

نبی کریم ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے، وضو کیا، حجر اسود کو بوسہ دیا پھر سات چکر لگائے۔ پہلے تین چکروں میں رمل کیا، ہر چکر میں حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے اور رکن یمانی کو ہاتھ سے چھوتے ہوئے اور ہر چکر میں حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ پڑھتے رہے۔

''اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ'' (بخاری، کتاب الحج: ۱۷۷۳)

رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔

حج فرض ہے عمرہ سنت ہے۔ حج کی تین قسمیں ہیں: حج تمتع، حج قران اور حج افراد

حج تمتع میں ۸ ویں ذی الحجہ کو دوبارہ مکہ ہی سے احرام باندھے، گھر سے قربانی نہ لایا ہو تو حج تمتع افضل ہے، گھر سے قربانی لایا ہے تو قران افضل ہے، اگر قربانی نہ کر سکتا ہو تو حج افراد افضل ہے۔

دوسرے کی طرف سے حج کی نیت میں کہے ''اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ حَجًّا عَنْ فُلَانٍ''

مسئلہ: نابالغ لڑکا یا لڑکی جو حج کر چکے ہیں لیکن ماں باپ کے پیسے سے، تو کیا ان سے فریضۂ حج ساقط ہو گیا؟

جواب: فریضۂ حج ان سے ساقط نہیں ہوا۔

حج کی مزید تفصیل:

حج کی چار شرطیں ہیں: (۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغت (۴) استطاعت۔

عورت کے لیے مزید دو شرطیں ہیں: (۱) محرم کا ساتھ ہونا (۲) شوہر کی وفات کے بعد حالت عدت میں نہ ہونا۔

حج و عمرہ کرنے والوں کے لیے میقات: (۱) ذوالحلیفہ (۲) الجحفہ (۳) السیل الکبیر (۴) یلملم (۵) ذات عرق

عمرہ کی نیت ہے تو کہے ''اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ عُمْرَةً''، حج کی نیت ہے تو کہے ''اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ حَجًّا''

حج و عمرہ دونوں کی نیت ہے تو کہے ''اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا''۔ دوسرے کی طرف سے حج و عمرہ کر رہا ہو تو اس کا نام لے جیسے ''لبیك عن خالد''

تلبیہ کے الفاظ:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

Scanned by CamScanner

ممنوعات احرام:

ان کی تین قسمیں ہیں جو مرد وزن دونوں پر حرام ہیں:-

(۱) بلاعذر جسم کے بال کاٹنا یا اکھاڑنا۔ (۲) ہاتھ پیر کے ناخن کاٹنا۔

(۳) احرام باندھنے کے بعد خوشبو لگانا۔ (۴) خشکی کا شکار کرنا یا شکاری کی مدد کرنا۔

(۵) نکاح کرنا یا شادی کا پیغام بھیجنا۔ (۶) جماع کرنا۔

دوسری قسم جو صرف مرد پر حرام ہے:-

(۱) سر یا چہرہ ڈھانکنا (۲) جان بوجھ کر سلے ہوئے کپڑے پہننا۔

تیسری قسم جو صرف عورت پر حرام ہے:

(۱) نقاب پہننا (۲) دستانہ پہننا

ممنوعات احرام کے ارتکاب کی تین صورتیں ہیں:

(۱) بلاعذر کسی ممنوع فعل کا ارتکاب کرنا، یہ گناہ بھی ہے اور اس پر فدیہ بھی ہے۔

(۲) ضرورت کے تحت ممنوع فعل کا ارتکاب کرنا جیسے مرض کی وجہ سے سر منڈوانا، اس پر فدیہ دینا واجب ہے۔

(۳) لاعلمی یا استکراہ (زبردستی) کی وجہ سے کسی ممنوع فعل کا ارتکاب کرنا۔ اس صورت میں نہ گناہ ہے نہ فدیہ۔

فدیہ کی مقدار:

ایک جانور قربان کرنا یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا تین دن روزہ رکھنا۔

حج کا طریقہ:

(۱) وضو کرلیں۔

(۲) ممکن ہو تو حجر اسود کو بوسہ دے کر طواف شروع کریں۔

(۳) بوسہ کے وقت بسم اللہ اللہ أکبر یا صرف اللہ أکبر کہیں، اگر بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو چھڑی یا ہاتھ سے چھوئیں پھر اسے چوم لیں، یہ بھی نہ کر سکیں تو صرف اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کریں اور اللہ أکبر کہیں۔

(۴) پھر طواف کریں جس میں سات چکر لگائیں، ہر چکر کی ابتدا اور انتہا حجر اسود پر ہوگی۔

(۵) جب رکن یمانی کے پاس پہنچیں بھیڑ نہ ہو تو صرف داہنے ہاتھ سے چھوئیں مگر بوسہ نہ دیں اور یہاں اللہ أکبر نہ کہیں۔

(۶) حجر اسود کے پاس ہر چکر میں داہنے ہاتھ سے صرف ایک بار اشارہ کرلیں اور اللہُ أکبر کہیں۔

اس طواف میں احرام کی چادر دائیں کندھے کے نیچے سے بائیں کندھے پر ڈالنا مسنون ہے۔

Scanned by CamScanner

طواف کے ابتدائی تین چکروں میں صرف مردوں کے لیے رمل ہے، عذر کی حالت میں سواری پر اسی طرح مسجد حرام کی چھت سے طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ طواف کے لیے دعائیں وارد نہیں ہیں۔ طواف کے ہر چکر میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورہ بقرہ:۲۰۱) پڑھیں۔ طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت ادا کریں۔ مقام ابراہیم پر جگہ نہ ملے تو مسجد حرام کے کسی بھی حصے میں پڑھ لیں۔ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا مسنون ہے، اس کے بعد سعی بین الصفا والمروہ کریں۔ پہلے صفا جائیں اور جب اس کے قریب ہوں تو ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ (سورہ بقرہ: ۱۵۸) پڑھیں۔ صفا پر اتنا چڑھیں کہ بیت اللہ نظر آجائے، ہاں کوشش کے بعد اگر نظر نہ آئے تو کوئی حرج نہیں یہاں قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا تین مرتبہ پڑھیں "اللهُ أكبَر" تین بار اور "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ، أَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهٗ" (صحیح مسلم، کتاب الحج:۱۲۱۸) تین بار پڑھیں، دعا کے بعد مروہ پر جائیں، مروہ کے دونوں سبز ستونوں پر تیز چلنا مسنون ہے۔ مروہ پر بھی وہی دعا پڑھیں جو صفا پر پڑھی گئی ہیں۔ سات چکر پورا ہونے کے بعد اگر حج تمتع کر رہے ہیں تو بال منڈوانا افضل ہے، اگر اتنی مدت نہیں تو صرف بال کتروا لیں تاکہ دسویں ذی الحجہ کو حلق کر سکیں، عورتیں انگلی کے ایک پور کے برابر بال کٹوائیں۔ بارہ ذی الحجہ کو رمی جمار کے بعد جانے کی اجازت ہے البتہ تیرہ کے بعد جانا افضل ہے۔

مکہ سے نکلتے وقت حج کا آخری عمل کعبہ کا طواف وداع ہے۔ یہ واجب ہے نہ کرنے پر دم ہے، البتہ حیض ونفاس والی عورتوں کے لیے رخصت ہے۔

زیارتِ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

مسجد نبوی کی زیارت کا حج یا عمرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر کوئی شخص زیارت کے بغیر واپس چلا آئے تو حج یا عمرہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے مدینہ کا سفر کریں کیونکہ صرف زیارت قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر ناجائز ہے۔ مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت داہنا پیر داخل کریں اور یہ دعا پڑھیں "أَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اور جب نکلیں تو بایاں پیر باہر نکالیں اور یہ کہیں "أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ"

اندر داخل ہونے کے بعد پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کریں پھر قبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں، قبر مبارک کے سامنے باادب کھڑے ہو کر آہستگی سے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ" کہیں، قبر کی طرف سجدہ کرنا یا منہ کر کے دعا کرنا یا صلاۃ پڑھنا، جالیوں کو از راہ تبرک چھونا پھر جسم پر ملنا یا ان میں خط پھینکنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لے کر اللہ سے دعا کرنا یہ سب ناجائز وحرام امور ہیں، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت براری کے لیے پکارنا، شفا اور اولاد طلب کرنا شرک اکبر ہے، جس کی مغفرت بلا توبہ کبھی بھی نہیں ہو سکتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کے بعد خلیفہ اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام کریں پھر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سلام کریں۔
مدینہ پہنچنے کے بعد مسجد قبا کی زیارت مسنون ہے، وہاں جا کر دو رکعت سنت پڑھیں، مسجد قبا کے سوا مدینہ کی باقی مساجد کی زیارت سنت سے ثابت نہیں ہے۔ بقیع اور شہدائے احد کی قبروں کی زیارت مسنون ہے۔ قبرستان کی زیارت کے وقت یہ دعا پڑھیں: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَلَاحِقُوْنَ. أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ'' (صحیح مسلم، کتاب الجنائز: ۹۷۵)

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا﴾ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے پاس چند لوگ آئے، ثابت تابعی (شاگرد انس رضی اللہ عنہ) نے کہا: آپ کے بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے حق میں کچھ دعائے خیر کریں، انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا... الخ) پھر وہ لوگ تھوڑی دیر بات چیت کرتے رہے، جب اٹھنے لگے تو ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوحمزہ! آپ کے بھائی جانا چاہتے ہیں کچھ ان کے لیے اللہ سے دعا وسوال کیجئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہارے لیے ایک امر کا ذکر کروں۔ ارے بھائی جب تم کو اللہ نے دنیا اور آخرت کی بھلائی دے دی اور عذاب جہنم سے بچا لیا تو بلاریب تم کو اللہ نے بھلائی سب کی سب دے دی اور کیا چاہتے ہو؟

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر اور ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ (۲۰۰)

یہ اشارہ ہے ان لوگوں کی طرف جن کے دل ودماغ کے ہر گوشے پر محبت دنیا کا غلبہ ہوتا ہے، انہیں اگر حج جیسی عظیم عبادت کا موقع نصیب ہوتا ہے تو اس میں بھی ہر موقع ومحل میں اللہ تعالیٰ سے اپنی دنیوی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے دعا کرتے ہیں، کتنے لوگ ہیں جو کسی نہ کسی دنیوی مقصد کے لیے حج کرتے ہیں، وہ دنیوی مقصد کے ساتھ اخروی فلاح کا ذکر بھی پسند نہیں کرتے کہ مبادا یہ چیز ان کی اصل آرزو کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حجاب بن جائے، اسی طرح کے لوگوں کی دنیا پرستی نے حج کو ایک تجارتی میلے کی شکل دے دیا ہے۔

﴿رَبَّنَا آتِنَا﴾ یہ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جن کے ذہن دنیا اور آخرت دونوں کے معاملوں میں متوازن ہیں، اس دعا سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ بندے کو اپنے رب سے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہیے اور اس بھلائی کا فیصلہ اور انتخاب رب پر چھوڑ دینا چاہیے وہی سب سے بہتر طریقے پر جانتا ہے کہ ہمارے لیے حقیقی خیر کس چیز میں ہے، البتہ دوزخ

Scanned by CamScanner

کے عذاب سے برابر پناہ مانگتا رہے، یہ بہت سخت چیز ہے۔

ربنا کے شروع سے 'یا' کو حذف کر دیا اور حذف کے بعد اس کا عوض ذکر نہیں کیا گیا، جب کہ ''اَللّٰھُمَّ'' میں شروع سے یا کو حذف کر کے اس کے عوض میم مشددہ کو آخر میں لایا گیا، نکتہ یہ ہے کہ اسم الجلالہ 'اللہ' ہیبت، رعب و دبدبے اور عظمت کا کلمہ ہے، اس کے لیے مناسب تھا کہ کوئی حرف ایسا ذکر کیا جاتا جو اللہ تعالیٰ کے انتہائی عظیم ہونے اور پکارنے والے کے ذلیل ہونے اور اللہ تعالیٰ کے انتہائی بلند مرتبہ والا ہونے کی طرف اشارہ کرے، لہٰذا ''اَللّٰھُمَّ'' میں شروع سے یا ہٹا دیا گیا اور اس کے عوض میں آخر میں میم مشددہ کو بڑھا دیا گیا اور نامِ رب اس میں مہربانی، شفقت اور رافت کا مفہوم موجود ہے اور اس صفت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے بہت زیادہ قریب ہے، یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کیونکہ کوئی حالت ایسی نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لطف و مہربانی اور اپنی عنایات کی بارش نہ برساتا ہو اس لیے ربنا بغیر حرف ندا کے ذکر کیا گیا جو اشارہ ہے اللہ کے اپنے بندوں سے انتہائی قریب ہونے کا۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

اور بعض ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرمانا اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔ (۲۰۱)

امام مسلم رحمہ اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو پرندے کے بچے کی طرح (ہڈیوں کا ڈھانچہ) ہو گیا تھا، آپ نے پوچھا: کیا تم اللہ سے کوئی دعا کرتے ہو؟ کہا ہاں! میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! آخرت میں جو سزا مجھے دینی ہے وہ دنیا میں ہی دے دے۔ نبی ﷺ نے کہا: سبحان اللہ! تمہیں اس کی طاقت کہاں؟ تم نے یہ دعا کیوں نہ مانگی ﴿اَللّٰھُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَدْ خَفَتَ فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "هَلْ كُنْتَ تَدْعُوا بِشَيْءٍ أَوْ تَسْئَلُهُ إِيَّاهُ؟" قَالَ: نعم كُنْتُ أَقُولُ اللّٰهُمَّ مَا كُنْتَ مُعَاقِبِي بِهِ فِي الْآخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِي فِي الدُّنْيَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "سُبْحَانَ اللهِ لَا تُطِيقُهُ أَفَلَا قُلْتَ: اللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ"، قَالَ فَدَعَا اللهَ لَهُ فَشَفَاهُ۔ (مسلم، کتاب الذکر والدعاء: ۲۶۸۸)

﴿اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ﴾ امام طحاوی رحمہ اللہ نے ترجیح دی کہ ایام معلومات اور ایام معدودات دونوں ایک ہی چیز ہیں یعنی ایام تشریق، یوم النحر اور اس کے بعد تین دن، ۱۰ سے ۱۳ ذی الحجہ تک، جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کہ ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور ایام معلومات ایام عشرہ ہیں اور دوسری روایت کے مطابق ایام معلومات اور ایام معدودات دونوں ایام تشریق ہیں، بظاہر ان میں تعارض ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس تعارض کا ذکر نہیں کیا ہے۔ خلاصہ کے طور پر علامہ طحاوی کی ترجیح ہی قرآن کی آیات کی وجہ سے قابل قبول ہے۔

Scanned by CamScanner

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تمہیں دلکش معلوم ہوتی ہے اور جو اُس کے دل میں ہے اس اللہ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ (۲۰۴)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ﴾ یہ اس لیڈر کا نقشہ ہے جو لچھے دار تقریریں کرتا، جھوٹے وعدے اور دل کو موہ لینے والی باتیں کرتا ہے مگر اقتدار کے حصول کے بعد اس کا رویہ بدل جاتا ہے، وہ ایک مجسم عذاب بن کر لوگوں پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔ (۲۰۸)

﴿ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ یہ یہودیوں کے بارے میں ہے جو ایمان لائے اور تورات کے کچھ احکام پر عمل پیرا تھے، کہا گیا شریعت محمدیہ پر مکمل عمل کرو اور تورات پر بس ایمان کافی ہے۔

﴿فِى السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اس پورے نظام کو قبول کرو خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے معاشرت سے ہو یا معیشت سے، سیاست سے ہو یا تجارت وصنعت سے۔

﴿كَآفَّةً﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے بھی حال ہو سکتا ہے اور ﴿اَلسِّلْمُ﴾ سے بھی یعنی سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ تمہارا کوئی فرد ایسا نہیں ہونا چاہیے جو فرمانبرداری کے مقام پر نہ کھڑا ہو، دوسری تمام آرزوؤں کو اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کر دو۔

خطوات سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان ایک دم کسی انسان کو بڑے گناہ کی ترغیب نہیں دیتا بلکہ قدم بہ قدم انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، جب انسان ایک قدم اٹھا لیتا ہے تو شیطان اسے دوسرا قدم اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ نے (اُن کی طرف) بشارت دینے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور اُن پر سچائی کیساتھ کتابیں نازل

Scanned by CamScanner

کیں تا کہ جن اُمور میں لوگ اختلاف کرتے تھے اُن کا ان میں فیصلہ کر دے اور اُس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ اُن کے پاس کھلے ہوئے احکام آ چکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اُس کی راہ دکھا دی اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ (۲۱۳)

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ابتداء میں انسان صحیح عقیدہ رکھتا تھا، گڑبڑتب شروع ہوئی جب محض ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے بعض نے بعض سے اختلاف کیا، یہ اختلاف شرک کا سبب بنا، تب دنیا میں انبیاء بھیجے گئے، یہ بھی معلوم ہوا کہ حق کے معاملے میں اختلاف وگمراہی کا سلسلہ اہل علم سے شروع ہوا ان پڑھ اور جاہلوں کی طرف سے شروع نہیں ہوا۔

﴿بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ اختلاف ہمیشہ راہ حق سے انحراف کی وجہ سے ہوتا ہے اور انحراف کا منبع بغض وعناد بنتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۲۱۹

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ اُن میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر اُن کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کونسا مال خرچ کریں تو کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ تم سوچو۔ (۲۱۹)

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ عام طور پر شراب وجوا کی ممانعت کی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ اس میں طبی نقصانات ہیں مگر آیت کریمہ کی رو سے ممانعت کی حقیقی وجہ صرف اثم (گناہ) ہے یعنی جوان دونوں کو اختیار کرے گا ان کے جلو میں معصیت کا پورا لشکر چلا آئے گا۔ آپ اپنے چاروں طرف نظر دوڑائیں کیا آپ نے کسی شرابی و جواری کو نیک، شجاع، دیندار یا باہمت دیکھا ہے؟

﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ اس سے ایک بہت اہم اصول یہ معلوم ہوا کہ ہر چیز میں چاہے وہ کتنی ہی بری ہو کچھ فائدے ضرور ہوتے ہیں مثلاً ٹی وی وغیرہ دیکھنا، دیکھنا یہ چاہیے کہ فوائد اور نقصانات کا تناسب کیا ہے؟ اگر دینی نقطۂ نظر سے نقصانات زیادہ ہیں تو تھوڑے سے دنیاوی فائدے کے لیے اسے جائز نہیں قرار دیا جائے گا۔

شراب بڑھی ہوئی بے حسی اور جوا بڑھی ہوئی خود غرضی پیدا کرتے ہیں، شرابی دوسرے کے دکھ درد کو محسوس کرنے سے

Scanned by CamScanner

عاری ہوتا ہے اور جواری چاہتا ہے سامنے والے کا پورا مال لوٹ لے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اور (مومنو) مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں (اُن سے) نکاح نہ کرنا کیونکہ مشرک عورت خواہ تمہیں کیسی ہی بھلی لگے اُس سے مومن لونڈی بہتر ہے اور (اسی طرح) مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو اُن کی زوجیت میں نہ دینا کیونکہ مشرک (مرد) خواہ وہ تمہیں کیسا ہی بھلا لگے (اُس سے) مومن غلام بہتر ہے یہ (مشرک، لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اپنے حکم لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔(۲۲۱)

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ آیت کریمہ میں اَلْمُشْرِكٰتِ میں اہل کتاب عورتیں شامل نہیں ہیں، اس کی دلیل ﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۰۵) ہے، اس آیت میں مشرکین کو اہل کتاب پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغائرت کو چاہتا ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ تو نجاست ہے سو ایامِ حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں اُن سے مقاربت نہ کرو۔ ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے اُن کے پاس جاؤ کچھ شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(۲۲۲)

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾

حیض: حالت حیض میں ہمبستری کرنے کی صورت میں ایک دینار یا نصف دینار صدقہ بطور کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

Scanned by CamScanner

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي يَأْتِي إِمْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، قال: ''يَتَصَدَّقُ بِدِيْنَارٍ أَوْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ'' (ابوداود، کتاب الطہارۃ: ۲۶۴، صحیح) ایک دینار چار گرام سونے کے برابر ہے، تقریباً بارہ ہزار انڈین روپے ہوں گے اور نصف دینار چھ ہزار روپے ہوں گے۔

نفاس: نفاس کی اقل مدت (کم سے کم مدت) متعین نہیں ہے۔ اگر زچگی کے فوراً بعد خون بند ہوجائے تو عورت پر واجب ہے کہ غسل کر کے نماز پڑھے اور چالیس دن کا انتظار نہ کرے جبکہ نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے، اس کے بعد اگر خون آئے تو استحاضہ ہے، غسل کر کے نماز شروع کر دے۔

حیض کے بعد جماع کے لیے غسل شرط نہیں علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

حیض: جب تک پاک ہو کر غسل نہ کرلیں مقاربت درست نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غسل سے پہلے مقاربت درست ہے مگر ان کا یہ قول تَطَّهَّرْنَ کے خلاف ہے۔ امام البانی رحمہ اللہ بھی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَتْ فَقُلْتُ إِنِّي حَائِضٌ، فَقَالَ: إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ'' (صحیح مسلم، کتاب الحیض: ۲۹۸)

عائشہ رضی اللہ عنہا حرج محسوس کیا، یہ مخالفین کی دلیل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جائے نماز لانے کے لیے کیوں کہا؟ یہ موافقین کی دلیل ہے۔ نیز حدیث ''يَعْتَزِلْنَ مُصَلَّى الْمُسْلِمِيْنَ'' (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین: ۸۹۰) بھی مخالفین کی دلیل ہے کہ صفوں کے درمیان نہ بیٹھیں اور موافقین کی دلیل یہ ہے کہ الگ رہنے کا حکم اس وجہ سے ہے تاکہ نماز پڑھنے والی پاک عورتوں کو تکلیف نہ ہو۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ محبت میں سب نعمتیں آگئیں، ہمیشہ دائرۂ توبہ میں رہو جو توبہ کے دائرے سے نکلا وہ محبوبیت کے دائرے سے خارج ہوگیا، اسی وجہ سے تائبین نہیں کہا پھر ﴿الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ کہا ﴿الطَّاهِرِيْنَ﴾ نہیں کہا۔ تکلیف اٹھا کر پاکی اختیار کرنا، شدید ٹھنڈی ہے وضو کرنا ہے، نگاہوں کو پاک رکھنا ہے، دل کو پاک رکھنا ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔ اور اپنے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ (ایک دن) تمہیں اُس کے روبرو حاضر ہونا ہے اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان والوں کو بشارت سنا دیجیے۔ (۲۲۳)

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ حرث - مزروعہ زمین کو کہتے ہیں اور زراعت کی جگہ عورت کی قُبل ہے دُبر نہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ أنّٰی عربی زبان میں کئی معنوں میں آتا ہے کبھی من أین؟ (کہاں سے) کے معنی میں آتا ہے کبھی متی (کب) کے معنی میں آتا ہے، کبھی کیف (کیسے) کے معنی میں آتا ہے، آیت مذکورہ میں أنّٰی، کیف کے معنی میں ہے اور کیف ظاہر ہے کیفیت پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں سے مقاربت کھڑے، بیٹھے، لیٹے انداز میں کیسے بھی کرنا جائز ہے۔ یہاں أنّٰی، من أینَ (کہاں سے) کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہلوں نے سمجھ لیا ہے اور اس بنا پر انہوں نے عورت کے دبر میں آنا جائز قرار دے دیا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں اُن کو چار مہینے تک انتظار کرنا چاہیے اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۲۶)

ایلاء: اپنی بیوی سے قسم کھالے کہ اس سے ہمبستری نہیں کرے گا، اب مدت چار ماہ سے کم ہوگی یا زیادہ تو عورت چار ماہ انتظار کرے اس کے بعد یا تو ہمبستری کرے یا طلاق دے۔

مثلاً: آدمی کہے کہ چار ماہ یا اس سے کم مدت تک تجھ سے الگ رہوں گا۔ مدت متعین سے پہلے تعلق قائم کیا تو کفارہ ہوگا، مدت متعین نہ کرے تو چار ماہ پورے ہوتے ہی یا تو تعلق قائم کرے یا طلاق دے دے ورنہ حکم اُسے طلاق پر مجبور کریں۔

مسئلہ ایلاء میں چار مہینے کے تعین کی حکمت: مدت ایلاء میں چار مہینے کی تحدید کی حکمت یہ ہے کہ عورت سے قطع تعلق کے ذریعے تادیب کرنا مقصود ہے، لہٰذا اس مدت سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ چار مہینے شوہر کی علیحدگی پر عورت کا صبر ختم ہوجاتا ہے، اس سے زیادہ مدت پر وہ صبر نہیں کرسکتی۔

ایلاء کا مفہوم:

شرعاً ایلاء کا مطلب ہے کہ آدمی قسم کھالے اور اپنی بیوی سے کہے (واللہ لا أقربك. واللہ لا أجامعك) جاہلیت میں مدت ایلاء ایک سال یا دو سال ہوتی تھی جس سے شوہر کا ارادہ بیوی کو اذیت پہنچانا ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے چار مہینے متعین کردیئے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر مرد بیوی کو چار مہینے سے زیادہ عرصہ تک چھوڑ دے تو وہ مُولی (ایلاء کرنے والا) نہیں مانا جائے گا جب تک قسم نہ کھائے کیوں کہ صرف چھوڑ دینا یا قطع تعلق کرلینا قسم نہیں ہے، اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا، چار مہینے کی مدت کے گزرنے کے بعد شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ قسم سے رجوع کرلے یا طلاق دے دے اگر شوہر منع کردیتا ہے تو حاکم طلاق دے دے گا، ایلاء غصے میں ہونا ضروری ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لَا إِيلَاءَ إِلَّا لِغَضَبٍ" اور "إِيلَاء" سے رجوع کب مانا جائے گا؟ بعض لوگوں نے کہا کہ شوہر بیوی سے جماع کرے، بعض لوگوں نے کہا کہ زبان سے رجوع کافی ہے، زبان سے اس طرح کہہ دے کہ میں نے رجوع کرلیا ہے۔

مدتِ ایلاء چار ماہ سے کم نہیں۔ شوہر قسم کھائے کہ اپنی بیوی سے چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک ہم بستر نہیں ہوگا حلف

Scanned by CamScanner

کی مدت ختم ہو جانے سے پہلے اگر مرد نے رجوع کر لیا تو اس پر کفارۂ یمین ہے۔ (یعنی دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا یا تین دن روزہ رکھنا)

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیں تو بھی اللہ سنتا اور جانتا ہے۔ (۲۲۷)

﴿وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ﴾ سے معلوم ہوا کہ چار ماہ گزر جانے کے بعد از خود طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ خاوند کے طلاق دینے سے طلاق ہوگی، طلاق نہیں دیتا تو عدالت مجبور کرے گی۔

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ مردوں کو عورتوں پر ایک فوقیت حاصل ہے اسی فوقیت کی بنا پر گھر کی سربراہی کا ذمہ دار اسے بنایا گیا۔ اس آیت کے آخر میں اللہ کے دو صفاتی نام ذکر کیے گئے۔

﴿عَزِيْزٌ﴾ (غالب) کہ اس کے اوپر بھی ایک ہستی ہے جو غالب ہے اسی نے یہ فوقیت دی ہے اور وہ دیکھ رہا ہے کہ اس فوقیت اور درجے سے مرد صحیح کام لے رہا ہے یا نہیں۔

﴿حَكِيْمٌ﴾ (دانا): دونوں جنسوں میں ایک کو درجہ عطا کرنا دانائی پر مبنی ہے۔ لہٰذا مساوات مرد و زن کا نعرہ لگانا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی دانائی کو چیلنج کرنا ہے، جو عورت اس درجہ کو تسلیم کر کے شوہر کی اطاعت کرتی ہے وہ درحقیقت اس عزیز و حکیم ہستی کی اطاعت گزار ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

طلاق (صرف) دوبار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دی دی جائے تو) پھر (عورت کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کیساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم اُن کو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو (دونوں پر) کچھ گناہ نہیں یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے وہ گنہگار ہوں گے۔ (۲۲۹)

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ جن طلاقوں میں عدت کے اندر خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہے وہ دو ہیں۔ تیسری مرتبہ طلاق

Scanned by CamScanner

دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں الاّ یہ کہ عورت دوسرے شخص سے نکاح کرے اور کسی وجہ سے وہاں بھی طلاق ہو جائے۔

طلاق احسن کا طریقہ:

زید نے طہر میں اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دیا، تین حیض گزر گئے۔ یہ بینونۂ صغریٰ ہے، دونوں آزاد ہیں وہ دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے، اب زید پھر نکاح ثانی اور مہر جدید کے ساتھ اسے لے آیا، پھر طہر میں طلاق دی تین حیض گزر گئے وہ پھر نکاح سے نکل گئی، اب تیسری مرتبہ نکاح ثانی اور جدید مہر کے ساتھ اسے لایا پھر طلاق دی تو فوراً یہ عورت اپنے باپ کے گھر چلی جائے، وہیں عدت گزارے اب اس عورت سے یہ شوہر اول اس وقت تک شادی نہیں کر سکتا جب تک وہ دوسرے آدمی سے نکاح نہ کرلے۔

طلاق حسن کا طریقہ:

طہر میں طلاق دی اس کے بعد والا جو حیض ہے اس کے بعد والے طہر میں طلاق دی۔

کئی مواقع پر عمر رضی اللہ عنہ نے بحیثیت حاکم اجتہاد کیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک یہودیہ سے شادی کرلی تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ وہ اسے طلاق دے دیں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں دریافت کیا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو دوبارہ عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ میرے اس خط کو زمین پر رکھنے سے پہلے اس کو طلاق دے دو مجھے ڈر ہے کہ مسلمان تمہاری اقتداء کریں گے اور مسلم خواتین کے حق میں یہ ایک فتنہ بن جائے گا۔ (ازالۃ الخفاء فی سیرۃ المصطفی للشاہ ولی اللہ) عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم بھی سیاسی مصلحت کی خاطر تھا حالانکہ کتابیہ عورت سے نکاح کا حکم نص قرآنی سے ثابت ہے۔ تین طلاقوں کا مسئلہ بھی ایک تعزیری حکم تھا لوگوں کو تنبیہ کرنا مقصود تھا کہ طلاق کے سلسلے میں لوگ جلدی نہ کریں بلکہ کتاب وسنت پر عمل کریں۔ تعزیری احکامات سے شرعی احکامات منسوخ نہیں ہوتے بلکہ جب مصلحت متقاضی ہوگی اس پر عمل ہوگا اس کے بعد وہ حکم منسوخ ہوگا۔ حافظ ابوبکر اسماعیلی نے مسند عمر میں لکھا ''مَا نَدِمْتُ عَلَى شَيْءٍ نَدَامَتِي عَلَى ثَلَاثٍ: أَنْ لَا أَكُونَ حَرَّمْتُ الطَّلَاقَ، وَعَلَى أَنْ لَا أَكُونَ أَنْكَحْتُ الْمَوَالِيَ، وَعَلَى أَنْ لَا أَكُونَ قَتَلْتُ النَّوَائِحَ....الخ'' (اغاثۃ اللھفان لابن القیم: ۲۹۷۰) یہ روایت منقطع ہے مگر قول صحابی ہے الزاماً پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ حدیث نہیں ہے کیونکہ حدیث کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے۔

مطلقہ عورت شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔ حدیث ہے ''اُمْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ'' (ابوداؤد، کتاب الطلاق: ۲۳۰۰، صحیح) یہ واقعہ فُریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا کا ہے، الاّ یہ کہ مجبوری ہو تو فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے مطابق ہوگا۔

خلع: خلع کا مطلب یہ نہیں کہ عورت مرد کو طلاق دے دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ عورت مرد سے طلاق کا مطالبہ کرے اور اس کے عوض حق مہر اس کو واپس کر دے، اگر مرد طلاق نہ دے تو عدالت سے فیصلہ کروائے، اگر انکار کرے تو عدالت اس نکاح کو فسخ کر دے۔ عورت، عدتِ خلع ایک حیض گزار کر دوسرے آدمی سے نکاح کر سکتی ہے۔ خلع فسخ نکاح ہے طلاق

نہیں اور رجوع طلاق کے بعد ہوتا ہے فسخ کے بعد نہیں، نیز عورت نے اپنی رہائی کی قیمت ادا کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے مرد کو رجوع کا حق نہیں رہتا اور عورت خود مختار ہو جاتی ہے، البتہ عورت اگر چاہے تو عدت گزارنے کے بعد باہم رضا مندی سے دونوں دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

خلع کا طریقہ: بیوی مہر واپس کر دے اور شوہر ایک طلاق دے دے۔ بعض لوگ اس طلاق کو طلاقِ بائن مانتے ہیں اور بعض لوگ اسے فسخ نکاح مانتے ہیں، دونوں کے نزدیک شوہر عدت کے دوران رجوع نہیں کر سکتا حتیٰ کہ اگر عورت راضی بھی ہو تب بھی رجوع نہیں ہو سکتا۔ مختلعہ کی عدت ایک حیض ہے عدت کے بعد دونوں کی رضا مندی ہو تو نکاح جدید کے ساتھ دونوں پھر میاں بیوی بن سکتے ہیں، شوہر اپنی بیوی سے اپنے دیئے ہوئے مہر سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا مگر بیوی اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دینا چاہے تو دے سکتی ہے۔ خلع چونکہ طلاق نہیں ہے لہٰذا اس میں طلاق کی شرائط نہیں لگائی جائیں گی مثلاً عورت کو حیض میں بھی خلع لے سکتی ہے۔ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، اَنَّهَا اخْتَلَعَتْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ اَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ۔ (ترمذی کتاب الطلاق واللعان: ۱۱۸۵، صحیح) ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے عہد میں خلع لیا تھا تو نبی ﷺ نے کہا تھا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور اُن کی عدت پوری ہو جائے تو اُن کو دوسرے شوہروں کیساتھ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں نکاح کرنے سے مت روکو۔ اس (حکم) سے اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لیے نہایت خوب اور پاکیزگی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۲۳۲)

﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ یہ آیت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ انہوں نے ان کی شادی ایک آدمی سے کر دی، اس نے طلاق دے دی پھر رجوع نہ کیا، عدت گزر گئی دوبارہ پیغام نکاح دیا ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ (تم انہیں نہ روکو) سے معلوم ہوا کہ نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن جمیلہ رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے طلاق رجعی دی، عدت پوری گزر گئی پھر پیغام بھیجا تو معقل رضی اللہ عنہ نے ان کو سخت سست کہا اور انکار کر دیا اور قسم کھا لیا کہ اب نکاح نہ ہونے دوں گا اس وقت یہ آیت اتری۔ اس سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

Scanned by CamScanner

عورت کی رضامندی کوولی کی رضا سے مقدم رکھا گیا ہے۔

(۱) ولی کے بغیر نکاح درست نہیں۔ (۲) عورت کی رضامندی کوولی کی رضا سے مقدم رکھا گیا ہے۔

(۳) ولی کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کی رائے کا احترام کرے۔ (۴) اس پر جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۵) ولی عورت کی پسندیدگی کو نظرانداز کرکے زبردستی دوسری جگہ نکاح کردے تو عورت کو فسخ کا اختیار ہے۔

(۶) ولی زبردستی کرے تو اسے حق ولایت سے محروم کردیا جائے اور ولی ابعد یا عدالت خود اس نکاح کا فریضہ انجام دے۔

(۷) ولی اجازت نہ دے تو اس کی ولایت سلب ہوجائے گی تو اشتجار (جھگڑا) کی صورت میں قاضی ولی ہوگا۔

(۸) بیٹا یا کوئی رشتہ دار ولی شادی کرنے کی اجازت نہیں دے رہا ہے تو حدیث "فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَاوَلِيَّ لَهُ" (ابوداؤد، کتاب النکاح: ۲۰۸۳، صحیح) کے تحت قاضی یا کسی معتبر شخصیت کو ولی بنالیا جائے اور ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ کے تحت اگر لڑکے یا لڑکی میں کوئی شرعی عیب نہیں ہے اور بغیر سبب شرعی روکا جارہا ہے تو کورٹ سے شادی درست نہیں کیونکہ قاضی، متبادل ہے اور متبادل کی موجودگی میں اس سے تجاوز درست نہیں۔

مسئلہ: ہندو مذہب میں ماموں بھانجی میں شادی ہوگئی، اسلام لانے کے بعد انہیں عذاب مؤبد سے تو نجات مل گئی اب عذاب مؤقت سے بچنے کے لیے جدائی کا معاملہ ان پر چھوڑ دیا جائے گا، بچے ہیں تو رضامندی سے یا حکم کے فیصلے سے ماں یا باپ کسی کے بھی پاس رہ سکتے ہیں۔

مسئلہ: لڑکا اور لڑکی بھاگ گئے اب ولی کی اجازت مل گئی تو کافی ہے نکاح کرادیا جائے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں یہ (حکم) اُس شخص کیلئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی (تو یاد رکھو کہ) نہ تو ماں کو اُس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اُس کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔ اور اسی طرح (نان نفقہ) بچے کے وارث کے ذمے ہے اور اگر دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضامندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر

Scanned by CamScanner

کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دونوں پلانے والیوں کو دستور کے مطابق اُن کا حق جو تم نے دینا کیا تھا دے دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے۔(۲۳۳)

رضاعت: بڑا آدمی عورت کا دودھ پی لے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی، پانچ بار مدت رضاعت میں چوس کر پیے تو رضاعت ثابت ہوگی اور مدت رضاعت مکمل دو سال ہے۔

شروع کے چھ مہینوں میں ماں کے دودھ میں Anti-Bodies پائی جاتی ہیں جو چھوت چھات کی بیماریوں سے اور چیچک سے بچے کو بچاتی ہے، میڈیکل سائنس نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ یہ بچے کے پہلے دو سال نشوونما میں بیحد اہم رول ادا کرتے ہیں۔ عالمی سطح پر مطالعہ نے ظاہر کیا ہے کہ انڈونیشیا اور فلپائن میں کوئی بچہ ذہنی مرض کا شکار نہیں ہوتا کیونکہ ان بچوں کو دو سال تک ماں کا دودھ میسر رہتا ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

اگر تم (اشارے) کنائے کی باتوں میں عورتوں کو نکاح کا پیغام بھیجو یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اُن سے (نکاح کا) ذکر کرو گے مگر (ایام عدت میں) اس کے سوا کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو۔ پوشیدہ طور پر اُن سے قول واقرار نہ کرنا اور جب تک عدت پوری نہ ہولے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا۔ اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور حلم والا ہے۔(۲۳۵)

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ﴾ تعریض: عدت کے دوران صراحت سے پیغام نکاح دینا جائز نہیں، ہاں اشارے کنائے میں منگنی کے بارے میں کہہ سکتا ہے مثلاً وہ یہ کہے کہ میرا شادی کا ارادہ ہے، لڑکی ڈھونڈھ رہا ہوں، میں چاہتا ہوں اللہ مجھے نیک بیوی دے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

اور اگر تم عورتوں کو اُن کے پاس جانے یا اُن کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دیدو تو تم پر کچھ گناہ

Scanned by CamScanner

نہیں۔ ہاں اُن کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔ نیک لوگوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔ (۲۳۶)

نکاح کے وقت مہر متعین ہے یا نہیں؟ اگر مہر متعین ہے اور طلاق خلوت صحیحہ کے بعد دیتا ہے تو پورا مہر ادا کرنا ہوگا مہر متعین ہے اور طلاق خلوت صحیحہ سے پہلے دیتا ہے تو نصف مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر مہر متعین نہیں ہے اور خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دیتا ہے تو مہرِ مثل ادا کرنا ہے اور اگر مہر متعین نہیں ہے اور طلاق خلوت صحیحہ سے پہلے دیتا ہے تو اسے متاع دے دے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً درمیانی نماز (یعنی نمازِ عصر) پورے التزام کیساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔ (۲۳۸)

﴿**الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى**﴾ سے مراد نمازِ عصر ہے، اس کی اتنی اہمیت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ'' (بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ: ۵۵۳) جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کا عمل برباد ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے تو اللہ نے اُن کو حکم دیا کہ مرجاؤ۔ پھر اُن کو زندہ بھی کر دیا کچھ شک نہیں کہ اللہ لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ (۲۴۳)

حزقیل کا واقعہ: بنی اسرائیل کے علاقے میں موت کی وباء پھیل گئی۔ لوگ بھاگ کر ایک وادی میں آگئے۔ فرشتے نے چیخ ماری سب مرگئے۔ حزقیل کا گذر ہوا انہوں نے دعا کی تو سب زندہ ہوگئے۔ (تفسیر طبری: ۴/۴۱۴)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

کوئی ہے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اُس کو کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اُسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (۲۴۵)

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو

Scanned by CamScanner

ابودحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں، ابودحداح رضی اللہ عنہ نے کہا آپ اپنا ہاتھ دیجئے یعنی بیعت کے لیے کہ میں اپنے پروردگار کو یہ باغ قرض دیتا ہوں، اس میں چھ سو درخت تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ جب کسی بات کا وثوق ظاہر کرنا منظور ہوتا تو بیعت کر لیتے تھے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٤٦﴾

بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ لیکن جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ (۲۴۶)

اس نبی سے مراد شمعون علیہ السلام ہیں، ابن عباس سے مروی ہے کہ فرشتوں نے تابوت اٹھا کر طالوت کے گھر کے سامنے رکھ دیا۔ ﴿ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ ﴾

تبرک (برکت حاصل کرنا):

برکت سے مراد خیر کا برقرار رہنا، قرآن مبارک ہے، اس سے تبرک کا مطلب اس کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا ہے نہ کہ تعویذ بنا کر لٹکانا وغیرہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے تبرک:

صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم سے تبرک حاصل کیا ہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ آثار باقیہ سے بھی تبرک کیا ہے، ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دوسرے کو قیاس کرنا جائز نہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج: ۱۳۰۵) "ثُمَّ جَعَلَ يُعْطِيهِ النَّاسَ" میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بال کٹوائے اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بال دیئے کہ تقسیم کر دو۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر صحابہ رضی اللہ عنہ نے چہروں پر ملا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے جسم سے الگ چیزوں کے علاوہ قبر سے تبرک حرام ہے، آپ کی قبر کو چھونا، بوسہ دینا، جہاں ولادت ہوئی یا غار حرا سے یا صالحین کی ذات سے تبرک جائز نہیں۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حجر اسود کو بوسہ

Scanned by CamScanner

دینے اور رکن یمانی کے استلام کے علاوہ کعبہ کی کسی چیز کو بوسہ دینا صحیح نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کے تبرکات واقعی افادیت رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ واقعی تبرکات ہوں، آج تبرکات کے نام پر مختلف جگہوں پر جو چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ جیسے موئے مبارک، نعل مبارک، جن کا تاریخی ثبوت نہیں اور قبروں کی تصویریں نیز ولیوں کی خودساختہ تبرکات۔ یہ سب غیر اللہ کا چڑھاوا ہیں جو شرک کے دائرے میں آتے ہیں، اسی طرح غسالۂ قبر جو کعبہ کے غسل کی نقل ہے اس کا بھی کوئی جواز نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

اور پیغمبر نے اُن سے کہا کہ اُن کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔ (۲۴۸)

﴿اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ﴾ بنی اسرائیل ایک زمانے میں توحید پر کاربند تھے پھر توحید کی راہ سے بھٹک گئے اللہ نے ان پر عمالقہ کو مسلط کر دیا انہوں نے ان کو بڑی تعداد میں قتل کیا، گرفتار کیا اور تابوتِ سکینہ لے گئے، تابوت میں موسیٰ علیہ السلام کا عصاء، توریت اور ہارون علیہ السلام وغیرہ کی کچھ تبرکات تھیں، اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعے طالوت کے دروازے پر پہنچا دیا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۚ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

غرض جب طالوت فوجیں لیکر روانہ ہوا تو اُس نے (اُن سے) کہا کہ اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اُس میں سے پانی پی لے گا (اُس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں اور جو نہ پئے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند اشخاص کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت

اور مومن لوگ جو اُس کیساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اُس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ اُن کو اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کیساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اُس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (اللہ سے) دعا کی کہ اے اللہ ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح عطا فرما۔ (۲۴۹)

﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ﴾ ابن ابی حاتم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ طالوت کی فوج میں تین قسم کے لوگ تھے:

(۱) ناقص الایمان جو امتحان میں پورے نہ اترے۔

(۲) کامل الایمان جو امتحان میں پورے اترے مگر انہیں اپنی قلت کی فکر ہوئی۔

(۳) اکمل الایمان جن کو اپنی قلت کی فکر نہ ہوئی۔ صحیح بخاری کتاب المغازی (۳۹۵۹) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اصحاب طالوت کی تعداد اصحاب بدر کی تعداد کے برابر تھی۔

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاۗءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

تو طالوت کی فوج نے اللہ کے حکم سے اُن کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اُس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے پر (چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ اہلِ عالم پر بڑا مہربان ہی۔ (۲۵۱)

﴿وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ﴾ ظالم جو لوگوں کو ڈراتا ہے حقیقت میں بزدل اور کمزور ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو نوعمر لڑکوں کو اس کے اوپر غالب کر دیتا ہے۔

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ جہاد سے مقصود فتنہ وفساد کو دفع کرنا ہے اور اگر اللہ مسلمانوں کے ذریعے فتنہ وفساد کو دفع نہ کرے تو زمین میں بڑی خرابی پھیل جائے۔

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ﴾ جہاد سے غرض وہ نہیں جو مخالفین سمجھتے ہیں بلکہ جہاد کا مقصد دنیا سے شر وفساد دفع کرنا ہے۔

Scanned by CamScanner

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا

پارہ نمبر

۳

سورة البقرة

(آیت: ۲۵۳ تا ۲۸۶)

سورة آل عمران

(آیت: ۱ تا ۹۱)

مُجمع بلقیس للبحوث الإسلامیة
حیدرآباد، الھند

تیسرا پارہ

تلك الرسول

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) اُن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے گفتگو فرمائی اور بعض کے (دوسرے اُمور میں) مرتبے بلند کئے۔ اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں اور روح القدس سے اُن کو مدد دی اور اگر اللہ چاہتا تو اُن سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن اُنھوں نے اختلاف کیا تو اُن میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ و قتال نہ کرتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۲۵۳)

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا جس کو تھپڑ مارا گیا تھا اس نے کہا: تمہارے صحابی نے مجھے تھپڑ مارا ہے کہا ''اُدْعُوْهُ'' (اس کو بلاؤ) جب وہ آئے تو آپ نے ان سے پوچھا ''لِمَ لَطَمْتَ هٰذَا؟'' (تم نے اسے تھپڑ کیوں مارا؟) انھوں نے کہا کہ میں یہودیوں کے پاس سے گزر رہا تھا تو ایک کو کہتے سنا کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام نبیوں پر برگزیدہ (فضیلت دی) کیا، میں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی؟ اس نے کہا ہاں! میں نے غصے میں آ کر اسے

Scanned by CamScanner

تھپڑ مار دیا، آپ ﷺ نے فرمایا ''لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ'' کہ انبیاء علیہ السلام میں مجھے فضیلت نہ دو اس لیے کہ قیامت کے روز سب بیہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک پایہ پکڑے کھڑے ہوں گے، میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہوں گے یا کوہ طور پر ان کا بیہوش ہونا اس کا بدلہ ہوگا۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ لُطِمَ وَجْهُهُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِكَ مِنَ الْأَنْصَارِ لَطَمَ فِي وَجْهِي قَالَ ادْعُوهُ فَدَعَوْهُ قَالَ لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي مَرَرْتُ بِالْيَهُودِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ فَقُلْتُ وَعَلَى مُحَمَّدٍ وَأَخَذَتْنِي غَضْبَةٌ فَلَطَمْتُهُ قَالَ لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ" (صحیح بخاری، کتاب التفسیر: ۴۶۳۸)

کسی خاص نبی کا نام لے کر آپ ﷺ کی تفضیل جائز نہیں اس لیے کہ اس میں احتمال ہے کہ کوئی کلمہ دوسرے نبی کی توہین کا نکل جائے۔

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا﴾

نفس نبوت میں سارے انبیاء برابر ہیں مگر فضائل و کمالات میں سب برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے کسی سے بغیر واسطہ مَلک (فرشتہ) کلام فرمایا، سلیمان علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ زبردست بادشاہت عطا کی، ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا عیسیٰ علیہ السلام کی تائید کے لیے روح القدس کو مقرر فرمایا تاکہ وہ یہود سے ان کی حفاظت کریں، تاکہ مُردوں کو زندہ کرنے وغیرہ سے کسی کو ان کی الوہیت کا شبہ نہ ہو۔ کیوں کہ اگر وہ الٰہ ہوتے تو دشمنوں سے کیوں ڈرتے؟ اور جس کی تائید کے لیے روح القدس مقرر ہوں اسے کون ہلاک کر سکتا تھا؟ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے۔

﴿مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللهُ﴾ دو بدو بالمشافہ ہم کلام ہوا، جیسا کہ دو انسان باہم ہم کلام ہوتے ہیں، اس طرح اس سے کوئی اور کلام نہیں کر سکتا۔

﴿مَنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ﴾ ایمان اور کفر، بندہ کی اپنی اختیاری چیزیں ہیں۔ خالق کی طرف سے جبر کسی صورت میں نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو جو (مال) ہم نے تمہیں دیا اُس میں سے اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو اور نہ دوستی اور نہ سفارش ہو سکے اور کفر کرنے والے لوگ ظالم ہیں۔ (۲۵۴)

''شَفَعَ يَشْفَعُ'' دگنا کرنا ''نَاقَةٌ شَافِعَةٌ'' وہ اونٹنی جس کے پیٹ میں بچہ ہو اور اس کے ساتھ بھی بچہ ہو، گویا وہ اپنے

Scanned by CamScanner

بچے کو دو بنادیتی ہے، صرف ایک کو دو بنادینا اس لفظ سے نہیں نکلتا بلکہ ''ضَمَّ الشَّيْءِ إِلَى مِثْلِهِ'' (کسی شئے کو اس کے مثل کے ساتھ ملادینا) بھی شرط ہے، اونٹ کے ساتھ گھوڑا کردیں تو نہیں چلے گا، اس کے معنی کو مدنظر رکھا جائے تو شفاعت کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے، گنہگار کو نیکوں کے ساتھ ملانا اس کے مفہوم میں شامل نہیں، کیونکہ نیک، گنہگار کے مثل نہیں، نبی (شفیع) جن کی سفارش کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو ڈھانپ لے، انہیں بخش دے، اب ان کے پاس گناہ نہیں رہے تو ان کو نیکوں کے ساتھ ملادیا گیا، موحد کو موحد کے ساتھ ملائیں گے، مشرک کو موحد کے ساتھ نہیں ملاسکتے، کیونکہ مشرک موحد کا مثل نہیں۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اُسے نہ اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ کون ہے کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس سے (کسی کی) سفارش کرسکے۔ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہو چکا ہے اُسے سب معلوم ہے۔ اور وہ اُس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کرسکتے ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرادیتا ہے) اُس کی بادشاہی (اور علم) آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے۔ اور اُسے اُن کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں اور وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔ (۲۵۵)

مختصر تفسیر آیۃ الکرسی: یہ قرآن کی سب سے عظیم آیت ہے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے گا اسے جنت سے کوئی چیز روکنے والی نہیں مگر موت۔ (صحیح الجامع للالبانی: ۶۴۶۴)

﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ یعنی ''لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ سِوَاهُ'' اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور ماسوی اللہ ہر شئی کی عبادت باطل ہے کیونکہ ہر شئے مخلوق ہے اور مخلوق ناقص ہوتی ہے اور کوئی ناقص معبود نہیں ہوسکتا کیونکہ نقص، الوہیت کے منافی ہے۔

﴿اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے سب سے عظیم ہیں یہ دونوں اسماء تمام اسماء حسنی پر دلالت کرتے ہیں۔ ﴿اَلْحَيُّ﴾ وہ ہے جو حیات کاملہ سے متصف ہو جو تمام صفاتِ ذات کو مستلزم ہو جیسے سمع و بصر، علم اور قدرت وغیرہ اور ﴿اَلْقَيُّوْمُ﴾ (دَائِمُ الْوَجُوْدِ) جو بذاتہ قائم ہو اور اس کے علاوہ جو بھی ہے اس سے قائم ہو یہ صفت ان تمام افعال کو مستلزم ہے جس سے رب العالمین متصف ہے جیسے خلق، رزق، اماتہ، احیاء وغیرہ اور تصرف و تدبیر کی تمام انواع

Scanned by CamScanner

اللہ تعالیٰ کی قیومیت میں داخل ہیں۔ ﴿سِنَةٌ﴾ اونگھ کو اور ﴿نَوْمٌ﴾ نیند کو کہتے ہیں، اونگھ غفلت کی ابتداء ہے اور نیند غفلت کی انتہا ہے اور اللہ تعالیٰ غفلت کی ابتداء اور انتہا دونوں سے پاک ہے، نوم (نیند) صفت نقص ہے، یہ تھکن کے بعد لاحق ہوتی ہے اور تھکن صفت نقص ہے اور اللہ تعالیٰ صفات نقص کے اتصاف سے منزّہ ہے وہ تمام صفات کمال سے متصف ہے۔

﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ وہ اس کائنات کی ہر شئی کا مالک ہے اور اس کے ماسوا ہر شئے مملوک ہے۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ﴾ یعنی قیامت کے دن اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا کیونکہ شفاعت پوری اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اب اگر کسی کو کسی کی سفارش کرنی ہوگی تو وہ پہلے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے گا اگر اللہ تعالیٰ اجازت دے گا تو وہ سفارش کر سکتے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا ظہور ہوگا اور تمام لوگوں کی ملکیتیں منقطع ہو جائیں گی۔

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ﴾ بخلاف ممکنات کے کہ ان کو دوسری ممکنات سے یہ علاقہ نہیں پھر کون ہے کہ وہ جن چیزوں کو جانتا ہے وہ بھی جانے۔

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ "أَيْ يَعْلَمُ مَامَضَى مِنَ الأُمُوْرِ وَيَعْلَمُ مَا سَيَحْصُلُ فِيْ الْمُسْتَقْبَلِ" یعنی ماضی میں جو ہوا اور حال میں جو ہو رہا ہے اور مستقبل میں جو کچھ ہوگا وہ سب جانتا ہے، اس کا علم تمام اشیاء کی تفاصیل کو محیط ہے، آگے، پیچھے، ظاہر، باطن، غیب اور شہادۃ، سب کا علم رکھتا ہے اور بندوں کو کسی معاملے کا علم نہیں ہے، انہیں بس اتنا ہی علم ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا ہے، اسی وجہ سے ﴿وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ إِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ کہا گیا۔ جتنی چیزیں اللہ نے بندوں کو خواہ بذریعہ حواس یا بذریعہ الہام ووحی بتلائی ہیں وہ اسی قدر جان سکتے ہیں۔ وہ سب چیزوں کی علت ہے تو ہر چیز کا علم اس کو حاضر ہے۔

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ﴾ کرسی اللہ تعالیٰ کے قدموں کے رکھنے کی جگہ ہے اور اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس لیے کہ وہ امور غیب میں سے ہے جس پر انسان مطلع نہیں پس اس پر ایمان لانا اسی طرح واجب ہے جیسا اللہ نے حکم دیا ہے، کرسی کی یہ صفت کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو وسیع ہے اللہ کے کمال عظمت اور وسعت سلطنت پر دلیل ہے اس لیے کہ کرسی ہی اللہ کی سب سے بڑی مخلوق نہیں بلکہ اس سے بڑی مخلوق، عرشِ رحمٰن ہے، جس پر وہ مستوی ہے، اور استواء کی کیفیت مجہول ہے۔

عرش کا تو کوئی اندازہ نہیں ہاں کرسی "مَوْضَعُ الْقَدَمَيْنِ" ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کا پھیلاؤ آپس میں ملا دیا جائے تو کرسی کی وسعت کے مقابلے میں یہ ایسے ہوں گے جیسے بیابان میں انگوٹھی پڑی ہو۔ (سلسلة صحیحة:۲۰۹)

﴿كُرْسِيُّهُ﴾ الکرسی: کے لغوی معنی ایک چیز کا دوسرے سے ملنا ہے۔ "وَالْكُرْسِيُّ أَبْوَالُ الدَّوَابِ وَأَبْعَارِهَا يَتَلَبَّدُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ وَمِنْهُ الْكَرَاسَةُ لِتَرَكُّبِ بِعْضٍ" کرسی کو کرسی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی لکڑیاں باہم ملی

Scanned by CamScanner

ہوئی ہوتی ہیں۔

﴿وَلَا يَـُٔودُهٗ حِفْظُهُمَا﴾ یعنی زمین وآسمان کی حفاظت ونگرانی اس پر بھاری نہیں اور نہ ان کی حفاظت ونگرانی سے اسے تھکن لاحق ہوتی ہے۔

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ﴾ ''هُوَ الْعَلِيُّ بِذَاتِهٖ فَوْقَ عَرْشِهٖ'' یعنی وہ عرش پر اپنی ذات سے بلند ہے۔

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ﴾ ''بِقَهْرِهٖ لِجَمِيْعِ مَخْلُوْقَاتِهٖ'' وہ تمام مخلوقات پر اپنے غلبہ کے اعتبار سے بلند ہے۔

﴿الْعَظِيْمُ﴾ وہ ایسا عظیم ہے، جس کی عظمت کے سامنے بڑے بڑے جبابرہ کا جبروت زائل ہوجاتا ہے اور اس کے جلال کے سامنے ظالم بادشاہوں کی ناک چھوٹی ہوجاتی ہے۔ سورۂ علق (آیت:۱۹) میں فرمایا گیا ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ سجدہ میں جا اور قریب ہوجا، اس سے معلوم ہوا کہ انسان سجدے میں اللہ کے بہت قریب ہوجاتا ہے یہ اس وجہ سے کہ اللہ پر بلندی کی انتہا ہے اور سجدے میں بندے کی پستی کی انتہا ہے اور ظاہر ہے کہ زمین جتنی زیادہ نشیبی ہوتی ہے پانی کے بہنے کی رفتار اتنی ہی تیز ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سجدے میں حکم دیا گیا کہ بندہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے جو اس بات کا اقرار ہے کہ اے اللہ! تو سب سے بلند ہے اور میں سب سے پست ہوں، اور وہ عظیم ہے، کا مطلب ہے کہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے چھوٹی اور حقیر ہے اس وجہ سے حکم دیا گیا کہ رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھا جائے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ آیۃ الکرسی قرآن کی سب سے عظیم آیت ہے، غور کیا جائے تو یہ آیت کریمہ دس امور پر مشتمل ہے۔

(۱) توحید عبادت ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾

(۲) توحید ربوبیت ﴿الْقَيُّوْمُ﴾، ﴿وَلَا يَـُٔودُهٗ حِفْظُهُمَا﴾

(۳) توحید اسماء وصفات ﴿اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾

(۴) صفات نقص اور مخلوقات کی مشابہت سے منزہ کرنا ﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾

(۵) اس کی حکومت کی وسعت کا بیان ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾

(۶) قیامت میں تمام ملکیتوں کا انقطاع اور اللہ ہی کی ملکیت کا ظہور ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾

(۷) اس کے علم کا ہر شئے کو محیط ہونے کا بیان ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ پیچھے ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کسی چیز پر کوئی مطلع نہیں ہوسکتا مگر جتنے پر وہ کسی کو مطلع کردے۔

(۸) بندوں کو کسی چیز کا علم نہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھا دیا ہے۔ ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ﴾

(۹) تمام مخلوقات پر اس کی ملکیت اور بلند ہونے کی دلیل ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾

(۱۰) یہ آیت کریمہ تنہا ایسا عقیدہ ہے جو اللہ کے تمام اسماء وصفات اور تمام اسماء حسنی اور بلند صفات کو متضمن ہے ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾

Scanned by CamScanner

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ‌ۙ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ‌ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ
بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا‌ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵۶﴾

دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور اللہ پر ایمان لائے اُس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے۔ (۲۵۶)

﴿لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ﴾ ایمان میں تصدیق قلبی کا اعتبار ہے اور دل پر کسی کا زور نہیں، کیوں کہ عقیدے کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور دل تلواروں اور جبر وتشدد سے نہیں بدلتے بلکہ دل دلیل سے بدلا کرتے ہیں جو دلیل کے بجائے تشدد سے کام لے وہ مرد دہشت گرد ہے۔

﴿فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ﴾ طاغوت وہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی کا دم بھرے۔

اللہ کے مقابلے میں بندے کی سرکشی کے تین درجے ہیں:

(۱) بندہ اصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق جانے مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے یہ فسق ہے۔

(۲) اس کی فرمانبرداری سے منحرف ہو کر کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے۔

(۳) وہ مالک سے باغی ہو کر دنیا میں خود اپنا حکم چلانے لگے وہ طاغوت ہے۔

طاغوت سے ہر وہ شخص مراد ہے جو حدود بندگی سے نکل جائے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ‌ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ
رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُۙ قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ‌ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ
بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا
يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ‌ۚ ﴿۲۵۸﴾

بھلا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ اللہ نے اُس کو سلطنت بخشی تھی ابراہیم سے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ وہ بولا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اُسے مغرب سے نکال دیجئے (یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا۔ اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (۲۵۸)

Scanned by CamScanner

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ﴾ ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مابین جو مناظرہ ہوا، وہ مناظرہ وجود باری پر تھا کہ اس عالم کا کوئی صانع ہے یا نہیں؟ ابراہیم علیہ السلام نے دلیل دی، انسان سمیت ساری چیزیں پیدا ہوتی ہیں پھر وجود سے عدم میں چلی جاتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی فاعل مختار ہستی ہے، جس کے تصرّف سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے کیونکہ وجود وفنا کا یہ سلسلہ از خود قائم نہیں ہو سکتا۔ نمرود نے دلیل کو سمجھنے کے باوجود ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے کہا میں بھی یہ کر سکتا ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار نہیں کی بلکہ پہلی دلیل کو دوسری دلیل کے لیے مقدمہ کے طور پر استعمال کر کے نمرود کے دعوے کا کلیتہً ابطال کر دیا، ظاہر ہے نمرود یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ سورج کو میں مشرق سے نکالتا ہوں کیونکہ نمرود کی پیدائش سے پہلے ہی سے سورج طلوع وغروب ہوتا تھا۔

﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ﴾ نمرود کو کہنے کی گنجائش تھی کہ میں ہی مشرق سے سورج نکالتا ہوں، اگر تیرا اللہ ہے، تو اس سے کہہ کہ مغرب سے سورج نکالے لیکن بلا اختیار اس کے دل میں یہ بات پڑ گئی کہ اللہ ضرور ہے اور مشرق سے سورج نکالنا اسی کا فعل ہے وہ مغرب سے بھی نکال سکتا ہے، یہ شخص پیغمبر ہے اس کے کہنے سے ضرور ایسا ہوگا، اگر ایسا ہو گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے، اس معجزے کو دیکھ کر لوگ مجھ سے منحرف ہو کر اس پر ایمان لے آئیں گے، تھوڑی سی حجت قائم ہوئی کہ سلطنت ہاتھ سے گئی۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا اسی طرح اُس شخص کو (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاقِ گزر ہوا تو اُس نے کہا کہ اللہ اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا تو اللہ نے اُس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اُس کو مردہ رکھا) پھر اُس کو جلا اٹھایا اور پوچھا کہ تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اُس سے بھی کم۔ اللہ نے فرمایا کہ (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق) گلی سڑی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم اُن کو کیونکر

جوڑ دیتے اور اُن پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں۔ جب یہ واقعات اُس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۲۵۹)

اس واقعہ میں اللہ نے عُزیر علیہ السلام کو چار نشانیاں دکھائیں:

(۱) سو سال مردہ رکھ کر زندہ کیا۔

(۲) سو سال تک ان کا جسم محفوظ رکھا۔

(۳) خارجی طعام وشراب میں تغیر نہ آیا۔

(۴) گدھا مر کر ہڈیوں کا ڈھیر بن گیا پھر زندہ ہوا، مردہ کا زندہ ہونا مشاہدہ سے ظاہر ہوا۔

نکتہ: دونوں واقعے (عُزیر وابراہیم علیہم السلام کے) قریب قریب ہیں پہلے میں نام کی تصریح نہیں، کی کیوں کہ پہلے میں انکار کا شبہ اور تعجب تھا، جواب میں امتحان اور تجزیہ خود ان پر ہوا اور سو سال بعد جواب دیا گیا ابراہیم علیہ السلام کو فوری جواب دیا گیا۔ سڑ گل جانے کے بعد اللہ تعالیٰ از سرِ نو زندگی بخش سکتا ہے اور چاہے تو کسی شئی کو تمام قوانین طبعی کے عمل سے بالاتر رکھ سکتا ہے، بسا اوقات انسان ایک چیز کو جانتا ہے کیونکہ عقل وفطرت اس کی گواہی دے رہی ہوتی ہے، لیکن بجائے خود وہ اتنی حیران کن ہوتی ہے کہ اس کے دل میں بار بار یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ کیسے ہوگا؟ یہ سوال انکار کے جذبے سے نہیں بلکہ جستجوئے حقیقت کے جذبے سے ابھرتا ہے اور یہ ایمان کے منافی نہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِىْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰي كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور جب ابراہیم نے (اللہ سے) کہا کہ اے رب مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا تو اللہ نے فرمایا کہ کیا آپ نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا) اس لئے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینانِ کامل حاصل کر لے۔ اللہ نے فرمایا کہ چار جانور پکڑوا کر اپنے پاس منگوا لیجئے (اور ٹکڑے ٹکڑے کروا دیجئے) پھر اُن کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھوا دیجئے پھر اُن کو بلایئے تو وہ آپ کے پاس دوڑتے چلے آئیں گے اور جان رکھئے کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔(۲۶۰)

امید افزا آیت: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰى﴾ کو زیادہ امید افزا اقرار دیتا ہوں کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

بات بلیٰ (کیوں نہیں) سے راضی ہو گیا یعنی ایمان کے بعد اس طرح کے وسوسے آتے ہی رہتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۲/ ۵۰۹)

﴿ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کا مشاہدہ نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج میں لگا رہتا ہے۔ اور ذہنی انتشار میں مبتلا رہتا ہے، اس ذہنی انتشار کو رفع کر کے قلب کو سکون مل جانے کا نام اطمینان ہے۔

ایمان اور اطمینان میں فرق: ایمان اس اختیاری یقین کا نام ہے جو انسان کو رسول کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہوتا ہے اور اطمینان نام ہے سکون قلب کا، بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز کا یقین تو رہتا ہے مگر قلب کو سکون اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا، یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔

﴿ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ﴾ پوچھا گیا کہ کیا تم کو یقین نہیں؟ عرض کیا یقین تو ہے مگر زیادت یقین کے لیے درخواست کرتا ہوں۔

﴿ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ﴾ سوال سے مقصود یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کامل کا اقرار خود ان کی زبان سے کرا لیا جائے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ایسے سوالات بے اعتقادی یا فقدان ایمان سے پیدا نہیں ہوئے۔

اس سوال و جواب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات صاف کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فرمائش حاشا و کلا کسی شک کی وجہ سے نہیں تھی، انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر پورا یقین تھا لیکن آنکھوں سے دیکھنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، اس سے نہ صرف مزید اطمینان حاصل ہوتا ہے بلکہ اس کے بعد انسان دوسروں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں دلائل سے اس کا علم حاصل کرنے کے علاوہ آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں، یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہر وقت مردے کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرا سکتی ہے مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کو یہ مشاہدہ نہ کرایا جائے اور بات دراصل یہ ہے کہ یہ دنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے اس لیے یہاں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے اور انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ان حقائق پر آنکھوں سے دیکھے بغیر دلائل کی بنیاد پر ایمان لائے۔ البتہ انبیائے کرام کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ جب غیب کے حقائق پر غیر متزلزل ایمان لا کر یہ ثابت کر چکے ہوتے ہیں کہ ان کا ایمان نہ کسی شک کی گنجائش رکھتا ہے اور نہ وہ آنکھ کے کسی مشاہدے پر موقوف ہے تو ان کے ایمان بالغیب کا امتحان اسی دنیا میں پورا ہو جاتا ہے۔ پھر انہیں حکمتِ الٰہی کے تحت بعض غیبی حقائق آنکھوں سے بھی دکھا دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کے علم و اطمینان کا معیار عام لوگوں سے زیادہ ہو اور وہ ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہہ سکیں کہ وہ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اس کی حقانیت انہوں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ رکھی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۱

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن (کے مال) کی مثال اُس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے اور وہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۲۶۱)

Scanned by CamScanner

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ﴾ اس قرآنی اصول کے مطابق ۵۲۵ من (۱۹ ہزار ۵ سو ۹۵ کلو) (تقریباً ۲۰ ٹن) فی ایکڑ پیداوار ہوسکتی ہے، جس نے ایگری کلچر ڈپارٹمنٹ کو متوجہ کیا ہے۔ چین (چائنا) ابھی ۳۰۰ من فی ایکڑ نکال رہا ہے۔ انڈیا وغیرہ میں ۱۰۰ من فی ایکڑ پیداوار ہورہی ہے۔

﴿وَاسِعٌ﴾ اور ﴿عَلِیْمٌ﴾ کا ربط: سب کو انعام بانٹنے لگے تو کہیں کم نہ پڑ جائے اور ہمیں نہ ملے اور اللہ کے پاس انعام اتنا ہے کہ ختم نہیں ہوگا اس لیے واسع کہا اور اللہ کو علم ہے کہ کس کو دینا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ کتنا دینا ہے؟ اس لیے علیم کہا گیا۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

جس خیرات دینے کے بعد (لینے والے کو) تکلیف دی جائے اُس سے تو نرم بات کہہ دینی اور (اُس کی بے ادبی سے) درگزر کرنا بہتر ہے۔ اور اللہ بے پروا اور بُردبار ہے۔ (۲۶۳)

﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ﴾ مومن سے کوئی اچھی بات کہہ دی جائے یا اس کو دعا دے دی جائے، یہ قول معروف ہے اور کسی کے قولی و فعلی ظلم کو معاف کردینا مغفرت ہے، یہ ایذاء دینے والے صدقہ سے بہتر ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾

مومنو! اپنے صدقات (وخیرات) احسان رکھنے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کردینا جو لوگوں کو دکھانے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو اُس (کے مال) کی مثال اُس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اُس پر زور کا مینہ برس کر اُسے صاف کرڈالے (اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کرسکیں گے۔ اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (۲۶۴)

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ﴾

صدقہ اور نماز کے لیے دو شرطیں ہیں:

(۱) **شرائط صحت:** وضو طہارت وغیرہ

(۲) **شرائط بقا:** نماز میں کھانے پینے بولنے سے پرہیز۔ پس اگر وضو نہ کرے تو سرے سے نماز ہی نہ ہوگی اور نماز میں کھانا پینا بولنا شروع کردے تو نماز باقی نہ رہے گی۔ اسی طرح صدقے میں دو شرطیں ہیں: شرائط صحت، شرائط بقا۔

Scanned by CamScanner

اخلاص: شرط صحت: ریا کے ساتھ صدقہ معتبر نہیں اور صدقہ دینے کے بعد احسان نہ جتایا جائے وہ صدقہ باقی نہیں رہتا باطل ہو جاتا ہے جیسے بولنے وغیرہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اور خلوصِ نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو۔ (جب) اُس پر مینہ پڑے تو دُگنا پھل لائے اور اگر مینہ نہ بھی پڑے تو خیر پھوار ہی سہی۔ اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ (۲۶۵)

﴿بِرَبْوَةٍ﴾ مومن مخلص کی خیرات بمنزلہ باغ کے ہے، تھوڑا پانی پہنچے یا زیادہ، باغ خراب نہیں ہوتا۔ زور کی بارش سے زیادہ مال خرچ کرنا مراد ہے اور شبنم سے تھوڑا مال خرچ کرنا مراد ہے۔

ان آیات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ صدقہ وخیرات کے اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی چھ شرائط ہیں:

(۱) حلال (۲) بطریق سنت خرچ کرنا (۳) صحیح مصرف
(۴) احسان نہ جتانا (۵) جس کو دے اس کی تحقیر نہ کرنا (۶) اخلاص ہو ریا ونمود نہ ہو۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کا اجر ایک سے لے کر سات سو تک، دانۂ گندم کی مثال دی گئی ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح کاشتکار ایک دانے سے سات سو دانے اس وقت حاصل کر سکتا ہے، جبکہ دانہ عمدہ ہو خراب نہ ہو، آدمی کاشتکاری کے فن سے واقف ہو، جس زمین میں ڈالے وہ بھی عمدہ زمین ہو، ان میں ایک چیز بھی کم ہو گئی تو دانہ ضائع ہو جائے گا۔

اسی طرح اعمال میں خصوصاً انفاق کی زیادتی کی تین شرطیں ہیں:

(۱) مال حلال ہو (۲) خرچ کرنے کی نیت خالص ہو نام ونمود کے لیے نہ ہو (۳) مستحق پر خرچ کرے غیر مستحق پر نہیں۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور اس میں اُس کیلئے ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اُسے بڑھاپا آ پکڑے اور اُس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں تو (ناگہاں) اُس باغ پر آگ کا بھرا ہوا بگولہ چلے اور وہ جل (کر راکھ کا ڈھیر ہو) جائے۔ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو (اور سمجھو)۔ (۲۶۶)

Scanned by CamScanner

﴿وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ﴾ ایک شخص چونکہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے اس لیے پھر باغ نہیں لگا سکتا اکیلا ہو تو تنگی ترشی سے گزر بسر کر سکتا ہے، مگر صاحب عیال ہے باغ جل جائے تو اسے صدمہ بہت ہوگا۔ ویسے ہی عین اس وقت صدقہ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا جب وہ اس کا سخت حاجت مند ہوگا۔

﴿اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ﴾

جو شخص صدقہ خلوص نیت کے ساتھ نہیں دیتا وہ قیامت میں مثل اس بوڑھے کے ہے اور صدقہ مثل عمدہ باغ کے اور اس کی خرابیٔ نیت مثل آسمانی آفت کے۔ لہٰذا قیامت میں صرف حساب ہے عمل نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں اُن میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور بُری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر وہ چیزیں تمہیں دی جائیں تو بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کر لو اُن کو کبھی نہ لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا اور قابلِ ستائش ہے۔ (۲۶۷)

﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾

کچھ لوگ مسجد نبوی میں ردی کھجور لٹکا دیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ جائز ہے۔

﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ﴾ تم خود لینا پسند نہیں کرتے تو اللہ کے لیے کیسے پسند کرتے ہو؟

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

(اور دیکھنا) شیطان (کا کہنا نہ ماننا وہ) تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے۔ اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۲۶۸)

القاءِ رحمانی اور خیال شیطانی میں فرق:

جب خیال آئے کہ خیرات کروں گا تو مفلس ہو جاؤں گا یہ وسوسۂ شیطانی ہے، اور اگر یہ خیال آئے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا تو مغفرت ہوگی یہ القاءِ رحمانی ہے۔

Scanned by CamScanner

فَحْشَآءِ: ایسی برائی جس کا اثر و ضرر دوسروں تک پہنچے فحش میں تجاوز (بڑھ جانے) کا مفہوم ہے۔
امرء القیس کہتا ہے:''وَجِيدٌ كَجِيدِ الرِّيمِ لَيْسَ بِفَاحِشٍ.إِذَا هِيَ نَصَّتْهُ وَلَا بِمُعَطَّلِ'' میرے معشوق کی گردن ہرن کی گردن کی طرح ہے، بڑھی ہوئی نہیں ہے جب وہ گردن کو اٹھاتی ہے اور نہ اس کی گردن زیورات سے خالی ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔ اور (مومنو) تم جو مال خرچ کرو گے تو اُس کا فائدہ تمہیں کو ہے اور تم تو جو خرچ کرو گے اللہ کی خوشنودی کے لیے کرو گے اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیدیا جائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہ کیا جائے گا۔ (۲۷۲)

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ صدقہ مشرک کو بھی دیا جاسکتا ہے اس کی ہدایت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَنْفَقَ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً، وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا، كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً (صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ: ۱۰۰۲) مسلمان جب اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے اور اس سے ثواب کی امید رکھتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

کام آنے والی چیز جانی مالی قربانیاں ہیں نہ کہ وہ جھوٹے سہارے جن کے بارے میں لوگ اس اعتقاد میں مبتلا ہیں کہ وہ اللہ کے حضور ہمیں نجات کا پروانہ دلا کر رہیں گے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

(اور ہاں تم جو خرچ کرو گے تو) اُن حاجتمندوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں رُکے بیٹھے ہیں اور ملک میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے (اور مانگنے سے عار رکھتے ہیں) یہاں تک کہ نہ مانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص اُن کو غنی خیال کرتا ہے اور تم چہرے سے اُن کو صاف پہچان لو (کہ حاجتمند ہیں اور شرم کے سبب) لوگوں سے (منہ کھول کر اور) لپٹ کر نہیں مانگ سکتے اور تم جو مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ اللہ اُس کو جانتا ہے۔ (۲۷۳)

Scanned by CamScanner

صدقہ کے زیادہ مستحق وہ ہیں جن میں یہ پانچ اوصاف ہوں:

(۱) جہاد یا علم دین حاصل کرنے کے لیے رکے ہوئے ہیں۔
(۲) تعلیم کے حرج سے تجارت وغیرہ کے لیے نہیں نکل پاتے۔
(۳) ایسی کشادہ پیشانی سے زندگی بسر کرتے ہیں کہ ناواقف ان کو غنی سمجھتے ہیں۔
(۴) ان کے چہرے سے پہچان لوگے کہ وہ محتاج ہیں۔
(۵) توکل ایسا غالب ہے کہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

جولوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں اُن کا صلہ اللہ کے پاس ہے۔اور اُن کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم۔(۲۷۴)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ“ (مسند احمد: ۱۷۳۶۸، صحیح) جہراً قرآن پڑھنے والا علانیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور سراً قرآن پڑھنے والا چھپا کر صدقہ دینے والے کی طرح ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

جولوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گی جیسے کسی کو جن نے لپیٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اُس کا اور (قیامت میں) اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔(۲۷۵)

﴿یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ قیامت میں اپنی مجنونانہ حرکتوں سے پہچانے جائیں گے کہ یہ سود خور ہیں، اس طرح پورے عالمی مجمع میں ان کی زبردست رسوائی ہوگی، مجنوں تو بعض اوقات ایسا بے حس ہو جاتا ہے کہ اس کو تکلیف کا

Scanned by CamScanner

احساس نہیں ہوتا مگر سودخور ایسا مجنوں ہوگا جسے تکلیف کا احساس ہوگا۔

بیع: ایک درہم کی قیمت کا کپڑا دو درہم میں فروخت کیا تو یہ دو درہم کپڑے کا عوض ہوئے اور ایک درہم کے بدلے دو درہم لیا تو ایک درہم ایک درہم کے عوض ہوا، دوسرا درہم بلا عوض، کیوں کہ دراہم ایک جنس کے ہیں اور کپڑا اور درہم علیحدہ علیحدہ جنس کے ہیں۔

سود صدقات کی عین ضد ہے:

تجارت میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے مگر سودخور کو کوئی خطرہ مول نہیں لینا پڑتا، اصل زر کے ساتھ اس کا حصول فائدہ یقینی ہوتا ہے، یہ بیع وتجارت نہیں کیونکہ اس میں نہ کوئی چیز بیچی جاتی ہے نہ خریدی جاتی ہے صرف سرمایہ استعمال کے لیے دیا جاتا ہے، کرایہ بھی نہیں کیونکہ جو چیز Rent پر لی جاتی ہے وہ اصلاً باقی رہتی ہے اور بعینہ مالک کو لوٹا دی جاتی ہے، لیکن سود کے کاروبار میں قرضدار سرمایہ خرچ کر چکتا ہے اور مالک کے دیئے ہوئے سرمائے کو بعینہ واپس نہیں کرتا بلکہ دوسری رقم واپس کرتا ہے۔ تجارت میں آدمی کو اپنی ذہنی وعملی قوتیں صرف کرنا پڑتی ہیں، سود اخلاقی ومعاشی دونوں اعتبار سے غلط اور انتہائی مضر ہے۔

﴿اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ اہل عرب دیوانے کو کہتے تھے کہ اس کو آسیب لگ گیا ہے، سودخور بھی روپے کے پیچھے دیوانہ ہوکر پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی سودخوری کتنے تباہ کن اثرات معاشرے پر ڈال رہی ہے، چونکہ آخرت میں انسان اسی حالت میں اٹھے گا جس حالت میں دنیا تھا اس لیے سودخور باؤلے مخبوط الحواس کی صورت میں اٹھے گا۔

ارسطو نے اس کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا تھا Money does not breed روپیہ، روپیہ نہیں پیدا کرتا۔

تجارت میں آدمی اپنا وقت، محنت، ذہانت صرف کر کے فائدہ لیتا ہے، مگر سودی کاروبار میں محض ضرورت سے زائد مال دے کر بلا مشقت دوسروں کی کمائی میں شریک بن جاتا ہے۔

بیع کی چار قسمیں ہیں:

(۱) بیع الدین بالدین: ناجائز ہے۔ (۲) بیع العین بالدین: جائز ہے۔

(۳) بیع الدین بالعین: قیمت نقد بیع ادھار جائز ہے، بیع سلم کہتے ہیں، شرط یہ ہے مدت، بھاؤ، قسم مقرر کر لے۔

(۴) بیع العین بالعین: نقد کی نقد سے، جائز ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ:

ملازمین کی تنخواہ سے کچھ رقم ہر ماہ حکومت کاٹ لیتی ہے، وہ رقم جمع ہوتی رہتی ہے اور اس کا سود بھی شامل ہوتا رہتا ہے اس میں سے صرف اپنی تنخواہ لینا جائز ہے، حکومت کو لکھ دیا جائے کہ سود شامل نہ کیا جائے تو حکومت نہیں کرتی۔

قسطوں کا معاملہ (بیع بالقسط):

اگر نقد لو تو اتنی ہی قیمت ہے لیکن ادھار لو تو قیمت میں اضافہ ہوگا مثلاً نقد دس روپے لیکن ادھار پندرہ روپے پانچ روپے زائد کس چیز کے لے رہا ہے؟ ظاہر ہے وہ روپے مدت کے عوض لے رہا ہے اور یہی سود ہے۔ عن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ

Scanned by CamScanner

اللہُ عنہُ قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ" (سنن ترمذی، کتاب البیوع: ۱۲۳۱، صحیح)

حرام کی ایک اور صورت:

عَنْ عمرو بن شُعیب عن أَبِیْهِ عن جده أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلَّم نَهَى عَنْ سَلَفٍ وَبَيْعٍ" (سنن نسائی، کتاب البیوع: ۴۶۲۹، صحیح) قرض اور بیع سے منع فرمایا ہے، مثلاً ایک شخص کہتا ہے ایک ہزار قرض دیدو، دوسرا کہتا ہے ہزار روپے لو مگر شرط یہ ہے کہ اس ہزار روپے سے تم کچھ خریدنا چاہتے ہو تو وہ مجھ سے خریدو، اب اس رقم سے بازار میں چیز سستے داموں مل سکتی ہے مگر آپ اس سے مہنگی خریدیں گے، اس حرام صورت میں پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔

اشیائے ربویہ چھ ہیں: (۱) سونا (۲) چاندی (۳) گیہوں (۴) جو (۵) چھوہارہ (۶) نمک

ان کا لین دین برابر برابر اور دست بدست ہو اس میں تفاضل جائز نہیں اور چیزوں میں بھی قیاس کر کے حکم جاری ہوگا مگر دونوں میں علت مشترک ہو۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک علت قدر و جنس ہے، قدر سے مراد ناپ تول والی چیز ہے، ایک چیز تُل رہی ہے اور دوسری بھی جیسے چاندی، سونا پھر اگر دونوں ایک جنس ہیں تو زیادتی منع ہے اور ادھار بھی اور اگر صرف قدر میں مشترک ہیں جنس غیر ہے، جیسے گیہوں اور جو دونوں نپنے والے ہیں اور جنس الگ ہے لہٰذا زیادتی جائز ہے مگر ادھار درست نہیں مثلاً ایک سیر گیہوں دے کر دو سیر جو لے اسی طرح جنس ایک ہو مگر قدر میں شریک نہ ہو جیسے پاکستان کے شہر پشاور کی ایک لنگی کو دو لنگی سے بیچے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا ہے۔ (۲۷۶)

صدقہ اور سود: صدقہ کی مثال مُسہل کی ہے، مُسہل سے بدن دبلا ہوتا ہے مگر ڈاکٹر جانتا ہے کہ بدن سے فاسد مادہ نکل رہا ہے، یہ تندرستی ہے اور سود کی مثال ورم کی ہے، نادان اسے موٹاپا سمجھتا ہے اور ڈاکٹر اس کو پیغام موت سمجھتا ہے۔ سود خوری ناشکری ہے، مال اللہ نے دیا نعمت کے شکریہ میں کسی محتاج کو دے، اگر صدقہ دے تو بلا سود دے۔ سود خور کا یہ استدلال کہ بیع و ربا دونوں میں زیادتی ہے کوئی فرق نہیں اس استدلال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے جیسے بیوی عورت ہے اسی طرح ماں بھی عورت ہے ظاہر ہے بیوی حلال ہے اور ماں حرام ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ" ربا (سود) کے ستر درجات ہیں سب سے چھوٹا ماں کے ساتھ زنا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات: ۲۲۷۴، صحیح)

انشورنس: گاڑی، مکان، دوکان یا جان کسی بھی قسم کا انشورنس جائز نہیں ہے۔ مگر ہندوستان میں یہ معاملہ اجباری ہے تو جہاں جہاں مجبوری ہے انشورنس کرالے بقیہ جائز نہیں، ہاں اگر کوئی Employee (نوکری پیشہ) ہے اور گورنمنٹ اس

Scanned by CamScanner

کے لیے جیون بیمہ اجباری کرتی ہے تو کرالے، اسی طرح Sensitive Areas میں دو کانوں، مکانوں کا انشورنس کرالے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایکسیڈنٹ: ایک شخص کو کار نے کچل دیا اگر وہ مر گیا تو کار والے سے دیت کا مطالبہ کیا جائے گا، یہ قتل خطا کی قبیل سے ہے، سو اونٹ جس میں چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں گی، علماء عرب نے کہا اونٹیوں کی قیمت لگا کر رقم دی جائے گی، اسی طرح ایکسیڈنٹ میں ہاتھ پیر ٹوٹ گئے تو قتل خطا پر قیاس کرتے ہوئے ڈاکٹر جتنا کہے کار والے کو دینا پڑے گا۔

سود پر چار وعیدیں:

(۱) ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ قیامت کے دن وہ اس طرح اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔ (سورہ بقرہ:۲۷۵)

(۲) ﴿وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ سود کو جائز کرنے والے ہمیشہ کے جہنمی ہیں۔ (سورہ بقرہ:۲۷۵)

(۳) ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾ صدقہ بڑھتا ہے سود مٹ جاتا ہے۔ (سورہ بقرہ:۲۷۶)

(۴) ﴿فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ سود اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے مرادف ہے۔ (سورہ بقرہ:۲۷۹)

سود کے تین وبال:

(۱) دل سخت ہونا (۲) ملک کی ترقی رک جانا صرف سود خور ہی سرسبز نظر آتا ہے۔

(۳) ہمدردی، انسانیت اور مروت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

سود کی تعریف:

"كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا" (الجامع الصغیر للسیوطی) اس کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر جامع صغیر کی دوسری شرح السراج المنیر میں عزیزی نے اس کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں قال الشیخ "حدیث حسن لغیرہ" کیونکہ دوسری روایات و آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے بہر حال محدثین کے نزدیک یہ حدیث "صالح للعمل" ہے، اس شخص کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں جس کے ذمے آپ کا قرض ہو۔ ربا اس زیادتی کا نام ہے جو قرض کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو، خواہ وہ شخصی ہو، صرفی ہو، جماعتی یا تجارتی ہو۔

ہجرت مدینہ کے آٹھویں سال فتح مکہ کے وقت آیات ربا نازل ہوئیں جن میں ربا کو حرام قرار دیا گیا۔ یہی ربا الجاهلیہ تھا جو حجۃ الوداع میں حرام کیا گیا۔

Scanned by CamScanner

﴿يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ﴾ سودخور اپنی مجنونانہ حرکتوں سے پہچان لیے جائیں گے اور پورے میدان حشر میں رسوا ہوں گے، آسیب زدہ خبطی کہا کیونکہ پاگل کو بعض اوقات تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، کبھی مجنون ایک جگہ چپ چاپ پڑ جاتا ہے، سودخور ایسے نہیں ہوں گے بلکہ وہ اپنی لغو حرکات سے پورے میدان حشر میں رسوا ہوں گے، سود کو یہ کہنا کہ یہ بھی ایک قسم کی تجارت ہے ایسے ہے جیسے زنا کو کہنا کہ یہ بھی ایک قسم کی مزدوری ہے۔

مشرکین نے ''إِنَّمَا الرِّبَا مِثْلُ الْبَيْعِ''، نہیں بلکہ ترتیب کو الٹ دیا، جس میں ایک قسم کا مذاق ہے کہ اگر سود کو حرام کہا جائے تو بیع کو بھی حرام کہا جانا چاہئے یہ بہانہ نکال کر انہوں نے دو جرم کیے ایک قانون حق کی خلاف ورزی کی، دوسرے اس قانون ہی کو غلط بتایا۔

﴿فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ﴾ ایک اشکال کا جواب ہے کہ مکان یا جائداد سود سے تیار کیے گئے کیا وہ سب حرام ہو گئے؟ جواب یہ ہے کہ مکان و جائداد مالکوں کی ملکیت ہی میں رہیں گے مگر شرط یہ ہے کہ آئندہ کے لیے دل سے توبہ کر چکا ہو، حرام قطعی کو حلال قطعی کہنا کفر ہے اس لیے ﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ کہا گیا۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾ جو سود کو حرام نہ سمجھے وہ کافر ہے اور حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس میں مبتلا ہونے والا فاسق واثیم (گنہگار) ہے۔

صدقہ اور سود میں فرق:

صدقہ بلا معاوضہ اور سود بامعاوضہ ہوتا ہے اور صدقہ دینے والا اللہ کی رضا چاہتا ہے اور سودخور اللہ کی ناراضگی مول لیتا ہے۔

صدقہ بڑھانے کا کیا مطلب؟: سودخور کے ایک سو میں ۵ روپے بڑھ گئے اور صدقہ دینے والے کے سو میں سے ۵ گھٹ گئے تو پہلا زیادہ دوسرا کم کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ورم کی زیادتی بدن کی زیادتی ہے مگر یہ زیادتی مضر ہے، سامان راحت اور راحت میں فرق ہے، سودخوروں کے پاس گاڑی، بنگلہ سب ہے مگر راحت نہیں، وہ مال بڑھانے میں ایسے مست نظر آتے ہیں کہ انہیں اپنا ہوش رہتا ہے نہ بال بچوں کا، نہ گھر کا۔

﴿كَفَّارٍ﴾ حرام کو حلال سمجھنے والا۔

﴿أَثِيمٍ﴾ حرام کو حرام سمجھے مگر اس میں مبتلا رہے۔

سود کی علت تحریم: ایک کا نفع معین یقینی ہو اور دوسرے کا مشتبہ ہو تو، یہ معاملہ ناجائز ہے، یہ علت تجارتی سود میں پائی جاتی ہے۔

سود کے طرفدار کہتے ہیں ایک فریق کا نقصان ہو اور دوسرے فریق کو نفع ہو تو یہ ناجائز ہے، دونوں کا فائدہ ہو تو جائز ہے حالانکہ دونوں کا فائدہ ہو مگر ایک کا فائدہ یقینی اور دوسرے کا مشتبہ ہو تب بھی ناجائز ہے جیسا کہ بیع مخابرہ میں ہے۔

آدمی سود پریشانی میں لیتا ہے، اس طرح اس کی پریشانی سودخور کی آسانی اور کمائی کا ذریعہ بن گئی۔

بینک کے سود کا بظاہر فائدہ: دو لیول (سطح) پر:

(۱) Large term: یعنی ایک شخص بینک سے لون لے کر انڈسٹری لگاتا ہے جس سے بہت سے لوگوں کو کام ملتا ہے۔

Scanned by CamScanner

(۲) Mass term: کہ آدمی کی اپنی کچھ خواہشات ہوتی ہیں جنہیں وہ پورا نہیں کر پاتا اب وہ لون لے کر شاپنگ وغیرہ کر کے اپنی خواہش پوری کر لے، تو کیا حرج ہے؟ اور وہ بینک کی وجہ سے یہ کر سکتا ہے؟

جواب: یہی فوائد اگر چوری کے بیان کیے جائیں تو کیا چوری جائز ہو جائے گی؟ بینکنگ نظام دوسو سال پرانا ہے، اس دور میں ہمارے سامنے اس کی Latest shape (جدید شکل) موجود ہے، سود پر رقم لے کر انڈسٹری لگائیں تو اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں گی جیسے نہر کا منصوبہ بنا کر سو کروڑ میں ڈیم یا نہر بنائی گئی تو اب کاشتکار پر ٹیکس لگے گا، پھر کاشتکار غلہ کی قیمت بڑھا دے گا۔

انڈسٹری کا معاملہ: اشیاء کی قیمتیں بڑھیں گی تو پاور آف پرچس (Power of purchase) متاثر ہوگی پھر ڈیمانڈ متاثر ہوگی، پھر سپلائی متاثر ہوگی، سود لینا دینا اگر رضا مندی کے ساتھ ہو تو تب بھی جائز نہیں کیونکہ نقصان دوسروں کا ہو رہا ہے، عوام کا ہو رہا ہے، یہ سوال کہ دونوں رضا مند ہوں تو کیسے ناجائز ہوا؟ جواب: قانون الٰہی نتائج کو سامنے رکھتا ہے جیسے کاشتکار کی نہر کا معاملہ ہے، کہ وہاں غلہ کی مہنگائی سے عوام کی پریشانی بڑھ جاتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لَا یَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ“ (صحیح مسلم، کتاب البیوع: ۱۵۲۰) شہری باہر نکل کر دیہاتی سے لین دین نہ کرے۔

ایک شخص نے مال بیچا اور ابھی مال بیچنے والے ہی کی دوکان (گودام) میں پڑا ہوا ہے۔ فرض کیجئے مال دس لاکھ کا ہے۔ اور مشتری اسے اٹھاتا نہیں، وہ اس انتظار میں ہے کہ بھاؤ بڑھے اور میں اس مال کو پندرہ لاکھ میں بیچوں، یہ جائز نہیں ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۲۸۲

مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اُس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے

Scanned by CamScanner

والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے نیز لکھنے والا جیسا اُسے اللہ نے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے۔ اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے کہ جو اُس کا مالک ہے خوف کرے اور زرِقرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے۔ اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اُس کا ولی ہو وہ انصاف کیساتھ مضمون لکھوائے اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے) گواہ کرلیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی اور جب گواہ (گواہی کے لیے) طلب کیے جائیں تو انکار نہ کریں۔ اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اُس (کی دستاویز) کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرنا۔ یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے۔ اور شہادت کے لیے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے۔ اس سے تمہیں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں پڑے گا۔ ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جب خرید و فرخت کیا کرو تو بھی گواہ کرلیا کرو اور کاتب دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح نقصان نہ کریں۔ اگر تم (لوگ) ایسا کرو تو یہ تمہارے لیے گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرو اور (دیکھو کہ) وہ تمہیں (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۲۸۲)

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ﴾

جب سودی نظام کی شدت سے ممانعت کردی گئی تو قرض معاشرے کی ایک ناگزیر ضرورت بن گیا۔ قرض دینے کا بڑا ثواب بتایا گیا مگر قرض کے معاملے میں بے احتیاطی جھگڑوں کا باعث ہے اس لیے اس سلسلے میں کچھ ہدایات دی گئیں۔

(۱) مدت کا تعین کرلینا (۲) لکھ لینا (۳) گواہ بنانا۔ تحریر مقروض کو لکھوانی چاہیے یا خود لکھے، ان تین نکات کو اساس بنانا چاہیے۔

قرض کے احکام بیان ہیں جن میں اصولی طور پر تین باتیں ضروری قرار دی ہیں:

(۱) تحریر (۲) مدت کی تعیین (۳) گواہ (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں)

﴿فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ﴾

اس میں عورت کی کمتری کا اظہار نہیں بلکہ فطرت کا بیان ہے، جیسے اگر کوئی شخص کہے کہ انسان اُڑ نہیں سکتا تو اس میں انسان کی پرندوں سے کمتری لازم نہیں آتی۔

ایک مرد کے برابر دو عورتوں کی گواہی ضروری قرار دینے میں عورتوں کی تحقیر کا کوئی پہلو نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ گواہی کے معاملے میں مغالطے کا امکان ہے کیونکہ عورتیں تجارتی دنیا سے کم اور گھریلو مسائل سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں۔

Scanned by CamScanner

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ
بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ
وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٣﴾

اور اگر تم سفر پر ہو اور (دستاویز) لکھنے والا نہ مل سکے تو (کوئی چیز) رہن باقبضہ رکھ کر (قرض لے لو) اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے (یعنی رہن کے بغیر قرض دیدے) تو امانتدار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کردے۔ اور اللہ جو کہ اُس کا رب ہے اُس سے ڈرے۔ اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا۔ جو اُس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہوگا۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ (۲۸۳)

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾

اس آیت سے صراحۃً ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قرض دے تو اس کے استحکام کے لیے اللہ نے دو صورتیں تجویز کی ہیں (۱) قرضدار کوئی دستاویز لکھ دے۔ (۲) یا بعوضِ قرض کوئی چیز مکفول کردے، اور ظاہر ہے کہ جس طرح قرض دہندہ دستاویز اپنے پاس رکھ کر مطمئن ہوجاتا ہے، ایسے ہی اشیائے مکفولہ سے بھی اسے اطمینان رہتا ہے، معلوم ہوا کہ دستاویز اور اشیاء مکفولہ سے صرف استحکام قرض مقصود ہوتا ہے اور کوئی دوسری غرض اس سے متعلق نہیں ہوتی، رہا شئی مرھون (رہن رکھی ہوئی چیز) سے فائدہ اٹھانا تو یہ امر زائد ہے۔ آیت سے صاف ہے کہ شئے مکفول سے مقصود صرف استحکام قرض ہے، اراضی مرہونہ (رہن رکھی ہوئی زمینیں) سے نفع اٹھانے کی بابت صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور مجتہدین میں سے کسی کا کوئی قول منقول نہیں، جن لوگوں نے جواز کا فتویٰ دیا ہے ان کا اپنا خیال ہے، ظاہر ہے کہ شریعت میں بدون دلیل کسی کا قول معتبر نہیں ہے۔

رہن: شئے مرہون (رہن رکھی ہوئی چیز) مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا جائے) کے پاس امانت ہے، قرضہ ادا کرنے پر وہ اس شئے کو لوٹا دے کیونکہ شئی امانت ہے، ہاں اگر امانت کسی آسمانی یا زمینی حادثے سے تلف ہوجائے تو اس کا معاوضہ نہیں اور یہ حکم ہے کہ کوئی کسی کو امانت سپرد کرے تو اس کو واپس دینا لازم ہے۔

﴿اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾ انسان کے دل میں جو وسوسے آتے ہیں جن کو وہ خود برا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ ان پر مواخذہ نہ کرے گا، ہاں اگر کوئی بری بات دل میں آئے اور آدمی اس کو اچھا سمجھ لے تو اچھا سمجھنا چونکہ اس کا اختیاری فعل ہے، اس پر مواخذہ ہوگا، گواہی دیتے ہیں مگر گول مول بات کہہ جاتے ہیں جس سے مضرت ہوتی ہے۔ اس کے لیے خوف الٰہی ضروری ہے تو کہا گیا ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا ... الخ﴾

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ
بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے تو اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جسے چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے

Scanned by CamScanner

عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۸۴)

ارادے کے مختلف درجات:

(۱) ''ھَاجِسٌ: مَا يُلْقِيْ فِي النَّفْسِ'' (دل میں کوئی خیال آیا)

(۲) ''خَاطِرٌ: جِرْيَانُهُ فِيْهَا'' (وہ خیال اس کے دل میں چلنے لگے)

(۳) ''حَدِيْثُ النَّفْسِ: مَايَقَعُ فِيْهَا مِنَ التَّرَدُّدِ هَلْ يَفْعَلُ أَمْ لَا؟'' (آدمی پس و پیش میں ہو کہ اس خیال کو عملی جامہ پہنائے یا نہیں)

(۴) ''هَمٌّ: هُوَمَايُرَجِّحُ قَصْدَ الْفِعْلِ'' (خیال کو عملی جامہ پہنانے کو ترجیح دے)

(۵) ''عَزْمٌ: قُوَّةُ ذٰلِكَ الْقَصْدِ وَالْجَزْمُ بِهٖ'' (اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا پکا ارادہ کر لے) پہلے چار درجے معاف ہیں۔ پانچویں (عزم) پر ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔

دلیل: حدیث ''إِنَّهُ كَانَ حَرِيْصاً عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهٖ'' (صحیح بخاری، کتاب الایمان: ۳۱)

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اور ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ سے اپنے کمال علم کا اظہار فرمایا۔

انسانی افعال کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قلب سے متعلق (۲) اعضاء سے متعلق، پہلی قسم میں نیک و بد دونوں باتیں ہوتی ہیں اور دوسری قسم میں بھی۔ قسم دوم کو ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا﴾ سے اور قسم اول کو ﴿اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ سے ظاہر کیا مگر نیک لوگوں سے کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے اور دل میں بھی خطرات بد پیدا ہو جاتے ہیں لہٰذا ﴿فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ کہا، یعنی انسان کی بعض باتیں مغفرت کا باعث اور بعض عذاب کا باعث ہوتی ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

رسول (اللہ) اس کتاب پر جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اُس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور وہ (اللہ سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے رب ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۲۸۵)

Scanned by CamScanner

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ یہاں ایمان کا ذکر ہو رہا ہے اس لیے یہاں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نبیوں پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (سورہ بقرہ: ۲۵۳) کا مطلب یہ ہے کہ درجے میں تو فرق ہوگا مگر تفضیل (فضیلت دینا) کے وقت ایسا نہ لگے کہ دوسرے نبی کی تنقیص و توہین ہو رہی ہو۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

اللہ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اُس کو اُن کا فائدہ ملے گا اور بُرے کرے گا تو اُسے اُن کا نقصان پہنچے گا۔ اے رب اگر ہم سے بھول چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔ اے اللہ ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے اللہ جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھنا اور (اے اللہ) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہمیں کافروں پر غالب فرما۔ (۲۸۶)

"حَمْلٌ" اور "تَحْمِيْلٌ": حَمَلَ اٹھانا۔ تَحْمِيْلٌ اٹھوانا

﴿وَاعْفُ عَنَّا﴾ پوری ریل صاف کر دے۔

﴿وَاغْفِرْ لَنَا﴾ برائیوں کو چھپا دے اور نیکیوں کو ظاہر کر دے۔

﴿وَارْحَمْنَا﴾ جن گناہوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوگیا تھا اپنے رحم سے اس عذاب کو دور کر دے اور اپنی اطاعت کی توفیق دے۔

گنہگاروں کو تین چیزوں کی ضرورت ہے:

(۱) اللہ اور اس کے درمیان جو ہے اللہ معاف کر دے۔

(۲) بندوں سے اسے چھپائے اسے رسوا نہ کرے۔

(۳) اور آئندہ اس سے بچائے۔

مسلم شریف میں ہے کہ ان مذکورہ دعاؤں کے جواب میں اللہ نے فرمایا، ہاں۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۱۲۵)

نکات سورۃ البقرۃ (الف)

(۱) بنی اسرائیل بڑے بدخلق و بدمزاج تھے۔

(۲) انبیاء اور اپنے علماء کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔

Scanned by CamScanner

(۳) ہر مسئلے میں قیل وقال اور کثرت سوال کے عادی تھے۔

(۴) انبیاء ورسل جو لے کر آتے تھے اس پر عمل کرنے میں ٹال مٹول کرتے تھے۔

(۵) بلاوجہ بال کی کھال نکالنے سے شرطیں بڑھتی جاتی ہیں اور اختیار کا دائرہ تنگ ہوتا جاتا ہے۔

(۶) دین کے کسی معاملے کا مذاق اڑانا بہت بڑی جہالت ہے۔

(۷) اللہ کے کسی حکم کی حکمت نہ سمجھ میں آئے تو اس کا انکار کرنا جائز نہیں۔

(۸) مرنے کے بعد زندگی ہے اور مردوں کو ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

(۹) بنی اسرائیل دو مرتبہ گائے کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہوئے، ایک مرتبہ جب انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا، دوسری مرتبہ جب انہیں گائے کے ذبح کا حکم دیا گیا جب کہ گائے ابلد الحیوان (جانوروں میں سب سے زیادہ بیوقوف جانور) ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بلادت اور بیوقوفی ضرب المثل بن چکی ہے۔

(۱۰) اللہ کی قدرت کی دلیل اس واقعہ میں ہے کہ ذبح کی ہوئی گائے کے گوشت کے ٹکڑے سے مردے کو زندہ کردیا۔

(۱۱) ایسے معجزے جو دلوں کو ہلا کر رکھ دیں بنی اسرائیل کے سخت قلوب پر کوئی اثر نہ ڈال سکے۔

(۱۲) ان کے دل پتھر ہیں یا پتھر سے زیادہ سخت ہیں کا مطلب یہ ہے کہ اگر پتھر عقل والے ہوتے اور یہ نشانیاں دیکھ لیتے تو ضرور قبول کرلیتے "أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً" پتھر سے زیادہ سخت اس لیے کہا گیا کہ پتھر بھی بعض پہلوؤں سے نفع بخش ہے کہ بعض مرتبہ اس سے پانی نکل آتا ہے لیکن ان کے دل میں بالکل کوئی نفع نہیں۔

نکتہ: "أَشَدُّ قَسْوَةً" کہا "أقسیٰ" نہیں کیونکہ "أشدّ قسوۃ" قساوت وسختی کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے، پھر سخت دل پر پتھر کی فضیلت بیان کی گئی ہے کیونکہ ہر معاملہ اپنے عجیب ہونے کی وجہ سے اپنے سبب کے بیان کا محتاج تھا، کہ پتھر سے کبھی تین منافع حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں کوئی منفعت نہیں۔ پتھر میں پہلا نفع یہ ہے کہ اس سے نہریں نکل جاتی ہیں تفجر کا مطلب ہے وسعت کے ساتھ کسی چیز کا کھلنا اور پتھر پھٹ جاتے ہیں اور اس سے پانی نکلتا ہے، یہاں تک کہ اس سے نہریں جاری ہوجاتی ہیں، پتھر سے دوسرا نفع یہ ہے کہ پتھر پھٹتا ہے اور اس سے پانی نکلتا ہے لیکن ان کے دل اتنے سخت ہیں کہ کسی بھی نصیحت کو قبول کرنے کے لیے پسیجتے بھی نہیں اور ہدایت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، پتھر کا تیسرا نفع اور ان کے دلوں کے مقابلے میں پتھر کا امتیاز کہ یہ اللہ کی خشیت سے نیچے گر پڑتے ہیں۔

سوال: اللہ کی خشیت سے گرنا یہ تو عقلمند زندہ کی صفت ہے اور پتھر تو جماد ہے۔

جواب: پتھر جس جگہ ہوتا ہے وہاں سے نیچے گر پڑتا ہے تو اوپر سے نیچے گرنا انقیاد کی مثال ہے مگر یہ کفار اپنے تکبر وعناد پر مصر ہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ نے واقعہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر میں ﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ﴾ (سورہ کہف: ۷۷) ان دونوں کو ایک دیوار ملی جو ڈھنا چاہتی تھی یعنی ایسی چیز اگر زندہ اور عاقل ومختار میں ظاہر ہوتی تو وہ گرنا ہی چاہتی ﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (سورہ بقرہ: ۷۴) اللہ ایسے سخت دل والوں کی گھات

Scanned by CamScanner

میں ہے اور ان کے اعمال کو ریکارڈ کروا رہا ہے، وہ دنیا و آخرت میں ان کا بدلہ دے گا، آیت مذکورہ میں بنی اسرائیل کی سخت دلی اور بصیرت کے فقدان اور نصیحتوں سے اثر نہ لینے کا بیان ہے خواہ وہ کتنی ہی نشانیاں دیکھ لیں ﴿يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ:۷۵) یعنی علمائے یہود نے اللہ کے کلام میں تحریف کی اور انہیں اچھی طرح یہ علم تھا کہ کلام کا صحیح مفہوم کیا ہے، جس کی تاویل کر کے انہوں نے اسے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ جو رشوت نہ دیتا اسے حق بتاتے اور جو رشوت دیتا تو نص میں تاویل کر کے اس کی خواہش کے مطابق مسئلہ بتاتے ''تَحْرِيْفُ الشَّيْءِ هُوَ إِمَالَتُهٗ'' تحریف کا مطلب جھکا دینا ہے یعنی کلام کے لفظ کو محتمل بنا دینا کہ اس کے دو معنیٰ لیے جانے ممکن ہوں۔ تحریف کی مثال آیت کریمہ وقولوا حطۃ ہے کہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ شہر میں حطۃ کہتے ہوئے داخل ہوں اور حطۃ کا مطلب ہے ''اُحْطُطْ عَنَّا رَبَّنَا ذُنُوْبَنَا'' اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو معاف کر دے تو انہوں نے تحریف کرتے ہوئے حِنْطَةٌ کہا یعنی ہمیں جو اور گیہوں دے اور گمراہ فرقوں کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے جیسے ''إِسْتَوٰى'' کی تفسیر ''إِسْتَوْلٰى'' سے کرنا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا: کہ اللہ نے قرآن میں ان کی تحریف کی کیفیت کو متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔

تحریف کی پانچ صورتیں ہیں:

(۱) (لُبْسُ الْحَقِّ بِالْبَاطِلِ) یعنی حق کو باطل میں اس طرح خلط ملط کر دینا کہ حق باطل سے ممتاز نہ ہو سکے۔

(۲) (كِتْمَانُ الْحَقِّ) حق کا چھپا لینا۔

(۳) (إِخْفَاءُ الْحَقِّ) یہ کتمان کے قریب قریب ہے۔

(۴) (تَحْرِيْفُ الْكَلَامِ عَنْ مَوْضِعِهٖ) کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا دینا۔

اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) تحریف لفظی (۲) تحریف معنوی۔

(۵) (لَيُّ اللِّسَانِ بِهٖ): زبان کو اس طرح موڑ کر بات کرنا کہ سننے والے کو صحیح سے معلوم نہ ہو سکے کہ کلام کا حقیقی لفظ کیا ہے، تو تحریف کی دو قسمیں ہیں، ایک تو لفظوں کو گھٹا بڑھا دیا جائے یا معنی بدل دیا جائے۔ ﴿لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ (سورہ بقرہ:۷۶) جب اہل مدینہ ان سے مشورہ لیتے کہ محمد کی اتباع کیسی ہے؟ تو کہتے ان پر ایمان لے آؤ یہی حق ہے، پھر انہیں میں سے ایک آدمی ان سے کہتا کہ ایسا کہہ کر اللہ کے یہاں اپنے خلاف حجت تیار کر رہے ہو تو کہتے یہ تقیہ کی ایک قسم ہے۔

﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ (سورہ بقرہ:۷۸)

ان میں سے جو ان پڑھ یہود ہیں انہیں علم نہیں کہ کتاب میں کیا لکھا ہے مگر ان کے گمراہ ائمہ نے انہیں تمناؤں میں مبتلا کر دیا ہے کہ کتنے بھی گناہ کر لو اللہ انہیں معاف کر دے گا کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں۔ ایک مفہوم اس آیت کا یہ بھی ہے کہ یہ صرف

تلاوت کرتے ہیں اور کتاب کو بغیر سمجھے اور تدبر کیے پڑھتے ہیں، یا وہ چیز پڑھتے ہیں جوان کے گمراہ ائمہ نے ان کے لیے گھڑ دیا ہے کہ وہ کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، گویا علماء یہود کا طریقہ تحریف کا تھا اور جہلاء یہود کا طریقہ تقلید کا تھا۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ:۷۹)

آیت میں كَتَبَتْ فعل ماضی اور يَكْسِبُوْنَ کو فعل مستقبل لایا گیا، یہ تنبیہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کی کتاب میں تاویلات فاسدہ کر کے لوگوں کو گمراہ کیا ہے وہ مسلسل اور ہر وقت گناہ کما رہے ہیں۔ آیت میں قول کا ذکر نہ کر کے کتابت کا ذکر کیا گیا کیونکہ کتابت قول اور اس سے زائد پر مشتمل ہوتی ہے، کتابت میں ہاتھ اور زبان دونوں کا جھوٹ شامل ہے۔ کتابت کا لفظ قول کے لفظ سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ہاتھ کے کلام کا اثر ہمیشہ باقی رہتا ہے اور قول کا اثر مٹ جاتا ہے۔

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ ۸۰﴾

کا مطلب گنا ہوا اور گنی ہوئی چیز محصور اور محدود ہوتی ہے یعنی معدود کا مطلب قلیل اور محصور ہوتا ہے۔

﴿اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ﴾

احاطہ کا مطلب گھیر لینا، گناہ انسان کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے جس کا شکنجہ گنہگار پر کستا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا گلا گھونٹ دیتا ہے اور وہ کہیں بھاگ بھی نہیں سکتا کیونکہ گناہ نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے۔ یعنی یہود پوری طرح گناہوں کے کیچڑ میں لت پت ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ وہ آزاد ہیں لیکن یہ شہوات کے قیدی ہیں، یہ گناہوں کے اثر کی ایک انتہائی بلند تعبیر ہے۔

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۸۳﴾

انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ بالفعل تمام انسانوں پر احسان کر سکے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ تمام لوگوں سے معاملہ کر سکے، مگر جن سے معاملہ کرنا ضروری ہے وہ اس کے (اہل بیت) گھر والے ہیں اور وہ قریبی لوگ ہیں جن میں وہ پلا بڑھا ہے اور جن کے درمیان اس کی تربیت ہوئی ہے لہٰذا گھر والوں سے حسن معاملت کو واجب کیا تا کہ گھر کا ماحول صالح ہو پھر گھر کی اصلاح کے بعد رشتہ دار کی امداد کا بیان ہے اس کے بعد عام لوگ ہیں جن میں سب سے پہلے معاشرے کے دبے کچلے افراد ہیں اور وہ یتیم اور مسکین لوگ ہیں، پھر پوری امت کے حقوق کو بیان کیا گیا اور ان کا حق یہ ہے کہ ان کی خیر خواہی کی جائے اس لیے کہ ''اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ'' دین خیر خواہی کا نام ہے اور وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا کا مطلب صرف قول میں نرمی نہیں بلکہ ہر وہ چیز ہے جو لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں نافع ہو۔

﴿وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ﴿۸۴﴾﴾

﴿لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ﴾ کہا ''لَا يَسْفِكُ بَعْضُكُمْ دَمَ بَعْضٍ'' نہیں کہا بلکہ ﴿دِمَآءَكُمۡ﴾ کہا اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو لوگ ایک دین کے ماننے والے ہوتے ہیں وہ نفس واحدہ کی طرح ہوتے ہیں تو جس نے کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے خود کو قتل کر دیا اس آیت میں خودکشی سے منع کیا گیا ہے اور دوسروں کو قتل کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔ نیز اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ دوسرے کے قتل کا سبب بھی مت بنو۔

﴿وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ﴿۸۵﴾﴾

یہود کا آپسی بھائی چارہ ذاتی مفاد کے لیے ہے اگر ذاتی مفاد وابستہ نہ ہو تو ان کی اخوت ''اُخُوَّةُ ذِئَابٍ'' (بھیڑیوں کی اخوت) ہے کہ جب کوئی بھیڑیا زخمی ہو جاتا ہے تو بھیڑیئے اسے اٹھاتے نہیں بلکہ اسے کھا جاتے ہیں۔

علماء نے کہا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے چار عہد لیے:

(۱) ''تَرْكُ الْقَتْلِ'' (قتل نہ کرنا)

(۲) ''تَرْكُ الإِخْرَاجِ'' (اپنے دیار سے نہ نکالنا)

(۳) ''تَرْكُ الْمُظَاهَرَةِ'' (دکھاوا چھوڑ دینا)

(۴) ''فِدَاءُ أُسَارَاهُمْ'' (فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑا لینا)

تو یہودیوں نے تین چیزوں پر عمل کیا مگر فدیہ دے کر چھڑانے سے اعراض کیا تو اللہ نے انہیں ﴿اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ﴾ کہہ کر پھٹکارا، علماء نے کہا ہے کہ قیدیوں کو چھڑانا واجب ہے یہاں تک کہ بیت المال سے بھی قیدیوں کو چھڑانا واجب ہے۔

﴿خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ﴾

عام لوگوں کے لیے عبرت ہے جو بعض چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں لہٰذا ان لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی کا عتاب اور آخرت میں سخت عذاب ہے جن کے بارے میں کہا گیا ﴿الَّذِيۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ عِضِيۡنَ﴾ (سورہ حجر: ۹۱) یعنی انہوں نے قرآن کے اجزاء کر لیے بعض پر ایمان لائے بعض کا انکار کر دیا۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ﴿۸۶﴾﴾

''إِيْمَانٌ بِبَعْضِ الْكِتَابِ'' اور ''إِنْكَارٌ بِبَعْضِ الْكِتَابِ'' کی علت بتائی گئی کہ اس کا سبب صرف دنیوی زندگی کی سیادت، ریاست، قیادت اور عیش وعشرت ہے۔ ''إِشْتِرَاءُ - شِرَاءٌ'' سے مستعار ہے معنی ہے ''إِسْتَحَبُّوا الدُّنْيَا عَلَى

Scanned by CamScanner

الاٰخِرَۃ''، یعنی آخرت کے مقابلے میں انہوں نے دنیا کو پسند کرلیا اسی کو شراء سے تعبیر کیا گیا کیونکہ شراء اس چیز میں ہوتی ہے جس سے مشتری (خریدار) محبت کرتا ہے۔ معنی ہے ''اِسۡتَبۡدَلُوۡا وَاخۡتَارُوۡا'' انہوں نے بدل لیا اور پسند کرلیا، لفظ شراء میں وسعت ہے کیونکہ شراء اور تجارت دونوں میں استبدال (لین دین) ہوتا ہے۔ اور جب ایک چیز کے بدلے ایک چیز لی جائے تو عرب وہاں شراء کا لفظ استعمال کرتے ہیں یعنی یہود نے ذلیل دنیا کو آخرت کے مقابلے میں پسند کیا اور فانی کو باقی پر ترجیح دیا، گویا انہوں نے ایمان اور نعیم آخرت دونوں کو حقیر قیمت میں بیچ دیا۔

﴿وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ ۚ فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ﴿۸۷﴾﴾

''قَفَّيۡنَا'' کا مطلب ہے ''اَلۡمَشۡیُ خَلۡفَ الۡقِفَا'' (گدی کے پیچھے چلنا) ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے کہا ''قَفَوۡتُ الرَّجُلَ إذَا سَرَّتُ فِیۡ أثَرِہٖ تَوۡقِفِیۡنَا'' کی مراد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد پے در پے رسول آئے۔

اب اللہ یہود کی مخالفت ان کے عناد و سرکشی کو بیان کررہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تورات لائے انہوں نے اس میں تحریف کرڈالا اور اس میں موجود احکام کی عملی مخالفت کی، پھر موسیٰ علیہ السلام کی تشدیدی شریعت کے بعد تخفیفی شریعت عیسیٰ علیہ السلام کو دے کر بھیجا انہیں ایسے معجزات عطا کیے جوان کے پیغمبر ہونے کی دلیل تھے لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی یہی نہیں بلکہ ان کے قتل کے درپے ہوگئے، ایک فریق نے تکذیب کی راہ اختیار کی اور ایک فریق قتل عیسیٰ پر کمربستہ ہوگیا، جس سے یہ بھی واضح کرنا مقصود تھا کہ انہوں نے ہر زمانے میں تمام نبیوں کی مخالفت کی اور وہ قوم جس کی عادت ہی ایسی ہو وہ اس لائق ہے کہ اس کی توبیخ زیادہ کی جائے تاکہ یہ دلیل بن جائے کہ محمد ﷺ اور امت محمدیہ اور شریعت محمدیہ کی تکذیب اور انکار کے پیچھے صرف اور صرف ان کا تکبر اور حسد کارفرما ہے۔

روح القدس - اس میں تین اقوال ہیں:

(۱) روح القدس جبریل علیہ السلام ہیں، قدس کا معنی طہارۃ ہے۔

(۲) عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ وہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کردیتے تھے یعنی مرے ہوئے میں روح ڈال دیتے تھے۔

(۳) روح القدس سے مراد انجیل ہے جس طرح قرآن کو روح کہا گیا۔

﴿اِسۡتَكۡبَرۡتُمۡ﴾ اَلۡاِسۡتِكۡبَارُ_ اَلۡاِتِّصَافُ بِالۡكِبۡرِ یعنی تکبر سے متصف ہونا استکبار ہے۔ یہاں خود کو اتباع رسول سے بے نیاز سمجھنا مراد ہے اور ان کا یہ عقیدہ کہ وہ اس بات سے بلند ہیں کہ کسی رسول و نبی کے تابعدار بنیں اور تکبر، اعجاب بالنفس (خود پسندی) سے جنم لیتا ہے۔

﴿كَذَّبۡتُمۡ﴾ یہاں تکذیب کو قتل پر مقدم کیا گیا کیونکہ تکذیب ہی وہ برائی ہے جو سب سے پہلے صادر ہوتی ہے۔

Scanned by CamScanner

نکتہ عجیبہ: ﴿تَقْتُلُوْنَ﴾ کو صیغۂ مضارع کے ساتھ ذکر کیا گیا جو حال پر دلالت کرتا ہے تاکہ سامع کے خیال میں اس قبیح تصویر کو پیش کردے کہ اگرچہ ان افعال پر صدیاں گزر گئیں مگر ان کے یہ غلیظ کارنامے ایسے ہیں کہ ان کی جدت پرانی نہیں ہوتی ایسا لگتا ہے جیسے ان کے یہ افعالِ قبیحہ ابھی کے ہیں۔

ابن منیر سکندری نے ''حاشیۂ کشاف'' میں لکھا ہے ''اَلتَّعْبِیْرُ بِالْمُضَارِعِ یُفِیْدُ ذٰلِکَ الِاسْتِحْضَارَ لِلْحَالِ دُوْنَ الْمَاضِیِ'' مضارع کے ساتھ تعبیر کرنا ماضی کو حال میں حاضر کردینے کا فائدہ دیتا ہے۔

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾

﴿قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ غلف، اَغْلَفْ کی جمع ہے یہاں وہ پردہ مراد ہے جو بات کو دل تک پہنچنے سے روک دیتا ہے اس کے دو معانی ہیں:

(۱) ہمارے قلوب علم کے برتن ہیں ہم جو بھی علم سنتے ہیں وہ ہمارے قلوب میں ہوتا ہے سوائے اس علم کے جوائے محمد ﷺ تم کہتے ہو یعنی محمد ﷺ جو کہتے ہیں وہ علم ہی نہیں ہے۔

(۲) جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو اس چیز سے ہمارے دل ڈھکے ہوئے اور بند ہیں پس ہم اسے نہیں سمجھتے ہیں اور یہ کہ ان کے دل گمراہیوں سے محفوظ ہیں یعنی وہی حق پر ہیں بقیہ سب گمراہ ہیں۔

﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ فضیلت سے روکنے والے دو اسباب ہیں:

(۱) ایک کی ابتداء خود انسان کی طرف سے نہیں ہوتی جیسے قبیح چیز کا مرتکب معذور ہو جیسے وہ پاگل ہو یا بیمار ہو۔

(۲) وہ سبب خود انسان کی طرف سے ہو۔ تو اللہ نے بیان فرمایا: کہ ان کے دل علم سے روک دیئے گئے ہیں اس کا سبب ان کا کفر ہے اور یہ خود ان کی طرف سے ہے۔

﴿فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾ تھوڑا سا ایمان لاتے ہیں یعنی تھوڑے عرصے ایمان پر قائم رہتے ہیں۔ اس طرح کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ایمان میں کمال نہ ہو تو وہ قابلِ وقعت نہیں ہوتا اور ان پر لعنت جو کی گئی ان کے اسی نا قابلِ وقعت ایمان کی وجہ سے کی گئی ہے۔

لعنت: ''اَلْاِبْعَادُ عَنِ الرَّحْمَةِ'' (رحمت سے دور کرنا) کو کہتے ہیں۔ وہ عمل کرتے تو رحم کئے جاتے لیکن انہوں نے عمل نہیں کیا لہٰذا وہ ملعون ٹھہرے اور یہ بدلہ ہے اس شخص کا جو حق کو پہچان لے مگر اس کی اتباع نہ کرے اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی کہ قضا وقدر کو اپنے کفر اور صراطِ مستقیم سے ہٹنے کی دلیل بنانا ابلیس اور اس کے متبعین کی عادت ہے۔ تقدیر برحق ہے اور وہ نافذ ہے لیکن اللہ ایمان کے متلاشی کو ایمان سے نہیں روکتا بلکہ کافر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اور یہ اس کے کفر کا پورا بدلہ ہوتا ہے۔ اس کی دلیل ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (سورہ صف: ۵) ہے۔

﴿فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾ میں ما زائدہ ہے اور یہ جہاں آتا ہے یا تو عموم کا فائدہ دیتا ہے یا تفخیم وعظمت کا۔

ابن جریر رحمہ اللہ علیہ نے کہا: کہ کلام جدید کا مبتدا بن جاتا ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے تو ﴿فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾

Scanned by CamScanner

کا مطلب ہوا ﴿فَاِیۡمَانًا قَلِیۡلًا ذٰلِكَ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ﴾ اور تفخیم شئے کے لیے آتا ہے جیسے اللہ نے فرمایا ﴿فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ﴾ (سورۂ آل عمران:۱۵۹) اللہ کی رحمت عظیمہ کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم ہیں۔

﴿فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ کا یہ بھی مطلب ہے کہ ایک وقت ایمان لائے اور دوسرے وقت انکار کر دیا۔ دنیوی فائدہ ہو تو ایمان لائیں دنیوی نقصان ہو تو پھر جائیں گویا ان کے یہاں دو پیمانے ہیں۔

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمۡ کِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَکَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کَفَرُوۡا بِهٖ ۫ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۸۹﴾﴾

﴿یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ﴾ کہتے تھے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کَفَرُوۡا بِهٖ﴾ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آگئے تو انہوں نے انہیں پہچاننے کے بعد بھی انکار کر دیا اس ڈر سے کہ کہیں ان کی سیادت وقیادت نہ چھن جائے۔

﴿بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا﴾ (سورہ بقرہ:۹۰) ہر انسان خود کو کسی قیمت کے ہم وزن قرار دیتا ہے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ۔ لیکن اگر کوئی خود کو کفر کے ہم وزن قرار دے تو یہ سب سے بُرا اور گھاٹے کا سودا ہے دنیا کا گھاٹا تو ان کا اس طرح ہوا کہ وہ کسی معزز قافلے میں منضم نہیں ہوئے آخرت کا گھاٹا اس طرح کہ عذاب مہین ان کا منتظر ہے اور ان کے اس گھاٹے کا سبب محمد رسول اللہ سے حسد اور اس بات کے لیے کینہ اور جلن تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے کیوں رسول بنایا رسول تو ان میں سے ہونا چاہئے تھا حالانکہ اللہ اپنا فضل اپنے جس بندے کو چاہے عطا کرتا ہے۔ یہود کی فطرت ناشکری فطرت ہے وہ نہیں چاہتے کہ کوئی خیر دنیا میں ان کے سوا اور کسی کو حاصل ہو انہوں نے انسانیت سے کبھی محبت نہیں کی اور نہ اس سے تعلق رکھا یہی نہیں بلکہ اللہ کے تمام احسانات کے باوجود انہیں اللہ سے بھی کبھی محبت نہیں رہی۔ اسی وجہ سے وہ بار بار موسیٰ علیہ السلام سے یہی کہتے تھے اپنے رب سے دعا کرو۔ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہمارے رب سے دعا کرو۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ گوشۂ گمنامی میں رہے گویا وہ ایسی شاخ ہے جو شجر حیات سے کٹ کر الگ ہو چکی ہے۔ یہ پوری انسانیت کے لیے اپنے دلوں میں کینہ چھپائے ہوئے ہیں اسی وجہ سے وہ پوری دنیا میں فتنوں کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں اور اس کے پیچھے وہ اپنے مفادات حاصل کرتے رہتے ہیں۔ یہ تمام شر ان کے احساس برتری سے پیدا ہوا ہے۔

لفظ "بِئۡسَمَا" کا نکتہ: بِئۡسَمَا میں "ما" نکرہ ہے جو شیئاً کے معنی میں ہے یہ بئس کے فاعل سے تمیز واقع ہے یعنی جس چیز کے بدلے انہوں نے خود کو بیچا وہ کتنی بری ہے اور وہ کفر ہے جو انہیں خلود فی النار کی بشارت دیتا ہے گویا خود کو بیچ کر انہیں قیمت سوائے کفر کے کچھ نہیں ملی اور لفظ "ما" ہر اس چیز کی تحقیر پر دلالت کرتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دے۔ یہود نے سمجھا کہ انہوں نے خود کو متاعِ زائل، وقتی سرداری اور ختم ہونے والی عزت کے بدلے بیچ دیا ہے مگر اپنی حماقت سے انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ انہیں جو قیمت ملی وہ کفر ہے جو ہمیشہ کی ہلاکت اور تکلیف کی طرف لے جانے والا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿بَغۡيًا﴾ بغیاً هُوَ التَجَاوُزُ فِی الطَّلَبِ (طلب میں حد سے بڑھنے) کو کہتے ہیں اگر یہ طلب حق کے بارے میں ہے تو محمود ہے اور اگر یہ طلب باطل کے لیے ہے تو مذموم ہے۔ اسی وجہ سے اکثر جگہ بغی کے ساتھ بغیر الحق کی قید آتی ہے یہاں بغی سے مراد یہود کے دلوں میں چھپا ہوا حسد و کینہ ہے۔

﴿فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ﴾ یہاں دو مختلف چیزوں کے لیے دو غضبوں کا اثبات نہیں بلکہ اس سے غضب میں تاکید اور کثرت مراد ہے کیونکہ یہ کفر اگرچہ ایک ہے مگر بہت ہی بڑا ہے۔

عذاب کی صفات کا نکتہ: عذاب کی صفت جرم اور سیاق کے اعتبار سے لائی جاتی ہے کبھی عذاب کی صفت عظیم لائی جاتی ہے کیونکہ عظیم جرم کا بدلہ دینا ہوتا ہے۔ کبھی عذاب کی صفت الیم لائی جاتی ہے کیونکہ کفار مومنوں کو جسمانی اور نفسیاتی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ یہاں عذاب کی صفت مہین لائی گئی کیونکہ یہود کے کفر کا سبب بغی اور حسد تھا جو تکبر سے پیدا ہوا۔ تو تکبر کی مناسبت سے اہانت اور تذلیل کی صفت لائی گئی۔

﴿فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ﴾ **کا نکتہ:** اس سے مراد ماضی میں انبیاء کا قتل تھا مگر صیغۂ مضارع سے اسے بیان کیا گیا جس میں دلیل یہ ہے کہ جو شخص گناہ پر راضی ہو وہ گناہ کرنے والے کی طرح ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود اپنے پیشروؤں کی طرح قتلِ انبیاء سے راضی تھے تو اللہ نے انہیں بھی قاتل کہہ دیا۔

﴿بِالۡبَیِّنٰتِ﴾ **تسع آیات:** مفسرین نے کہا ہے کہ وہ ۹ نشانیاں یہ ہیں:

(۱) عصا (۲) ید بیضا (۳) قحط (۴) پھلوں کی کمی (۵) خون (۶) طوفان (۷) ٹڈی (۸) جوں (۹) مینڈھک

﴿سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا﴾ بعض مفسرین نے کہا کہ جب اللہ نے پہاڑ کو ان کے سر پر مسلط کر دیا تو انہوں نے سَمِعۡنَا کہا اور جب پہاڑ کو ان کے اوپر سے ہٹا دیا تو عَصَیۡنَا کہا۔ حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں سَمِعۡنَا کا مطلب ہے زبان سے ہم نے اقرار کیا اور عَصَیۡنَا کا مطلب ہے ہم نے دل سے انکار کیا۔

﴿وَاُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِکُفۡرِهِمۡ﴾ کہا جاتا ہے "ضُرِبُوۡا فِیۡ رُؤُوۡسِهِمۡ" پہلے ضرب کی نسبت ان کی طرف کی گئی پھر محل ضرب (مار پڑنے کی جگہ) کو بیان کیا اسی طرح اشراب کو یہود کی طرف منسوب کیا گیا پھر محل اشراب (قلوب) کو ذکر کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ بچھڑے کی محبت اس طرح ان کے دل میں سرایت کر گئی تھی جیسے رنگ کپڑے میں سرایت کر جاتا ہے جو شدت ملازمت کی دلیل ہے۔

﴿بِئۡسَمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِهٖۤ اِیۡمَانُکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۳﴾﴾

اگر تم کہتے ہو کہ تم مومن ہو تو یہ کتنا برا ایمان ہے جو کفر کا حکم دیتا ہے یہ ان کی تکذیب ہے کیونکہ وہ گمان کرتے تھے کہ وہ مومن ہیں کہ جب یہود نے کہا ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے اوپر نازل ہوئی تو اللہ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے آباء نے ایمان کا دعویٰ کیا مگر بچھڑے کی پوجا کی۔

Scanned by CamScanner

﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ ایک ہی جگہ اس قول کا دومرتبہ ذکر ان کے اس ایمان کی حقیقت کا پول کھول رہا ہے جس ایمان کا وہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ ایمان تو شک اور نفاق کی شراب میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایسا ایمان اللہ قبول نہیں کرتا ہے اور نہ ایسے ایمان والوں کو مومنین کے زمرے میں داخل کیا جاتا ہے۔

''سمع'' کے معانی:

(۱) ''قوة في الأذن'' کان میں سننے کی قوت (قوت شنوائی)

(۲) ''کان۔ ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ﴾ (سورہ بقرہ:۷)

(۳) ''فعل سماع'' (مصدر) یعنی سننا ﴿اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ﴾ (سورہ شعراء:۲۱۲)

(۴) ''فہم'' (سمجھنا) ﴿وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَآ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ﴾ (سورہ انفال:۳۱) ﴿سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا﴾ (نساء:۴۶) کہ ہم نے آپ کی بات سمجھ لی لیکن بات نہیں مانی۔ ﴿اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ﴾ (سورہ نمل:۸۰) میں اسماع افہام (سمجھانا) کے معنی میں ہے کہ انہیں آپ نہیں سمجھا سکتے کیونکہ یہ اپنے برے عملوں کی وجہ سے اس قوت عاقلہ (سمجھنے والی قوت) کو کھو بیٹھے ہیں۔

''وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ'' کا مطلب

(۱) ''دُعَاءٌ عَلَى الۡاِنۡسَانِ بِالصَّمَمِ'' کسی کو بہرے ہونے کی بددعا دینا جیسے کہا جائے ''اَسۡمَعَكَ اللّٰهُ أَيۡ جَعَلَكَ اللّٰهُ اَصَمَّ: أَسۡمَعَكَ اللّٰهُ'' کا مطلب ہے کہ اللہ تجھے بہرا کردے۔

(۲) ''نَفۡيُ تَوَجُّهِ السِّبَابِ لَهُ'' (اس کے لیے برا بھلا کہنے کی توجہ کی نفی) وہم ہو کہ آیا وہ تعظیم کر رہا ہے یا اس کو دعا دے رہا ہے مگر وہ بددعا دے رہا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے ''أَسۡمَعۡتُ فَلَانًا إِذَا سَبَبۡتَهُ''

﴿اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى﴾ جو حیات، انسانیت کے ساتھ خاص ہے جس کے ذریعے وہ نفع اور نقصان پہنچانے والی چیزوں میں فرق کرتے ہیں تو یہ ارواح اور قلوب اور ضمائر کے مردے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ﴿اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا﴾ (سورہ مریم:۳۸) کہ وہ قیامت کے دن وہ تمام چیزیں سن اور دیکھ لیں گے جو دنیا میں ان پر مخفی رہی ہیں اور آج جس سے وہ اپنے اوپر ظلم کی وجہ سے غافل ہیں اور غور وفکر کو چھوڑ رکھا ہے۔

﴿فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ یہود کا دعویٰ یہ تھا کہ جنت صرف انہیں کے لیے ہے اور آخرت کی کامیابی صرف اُنہیں کے لیے مخصوص ہے۔ اس آیت میں ان کے دعوے کا کئی وجوہ سے رد ہے۔

(۱) مخالف کے خلاف دلیل میں یہ کہنا درست نہیں۔ ''إِنۡ كَانَ كَذَا وَكَذَا فَافۡعَلۡ كَذَا'' اگر ایسا ایسا ہو تو میں ایسا ایسا کر لیا کروں گا۔ یہ علم مناظرہ کا بنیادی اصول ہے اور یہودیوں کے بارے میں آیت ﴿اِنۡ كَانَتۡ﴾ سے شروع ہوئی ہے۔

(۲) یہود کہتے تھے ﴿وَقَالُوۡا لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى﴾ (سورہ بقرہ:۱۱۱) جنت میں

صرف یہودی جائیں گے اور کہتے تھے کہ ﴿نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (سورہ مائدہ:۱۱۸) ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔اور کہتے تھے ﴿وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً﴾ (سورہ بقرہ:۸۰) جہنم کی آگ ہمیں چند دن چھوئے گی۔تو اللہ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو تم موت کی تمنا کرو۔

(۳) ان کا عقیدہ تھا کہ وہی حق پر ہیں اور سارے فرقے باطل ہیں اللہ نے انہیں ظالم کہا۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ﴾ (سورہ بقرہ:۹۵)

(۴) ان کا یہ عقیدہ کہ وہ نبیوں کی اولاد ہیں یہ انتساب انہیں عذابِ جہنم سے چھٹکارا دلا دے گا ﴿وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ﴾ (سورہ بقرہ:۹۶) سے ان کے اس عقیدے کا رد کیا گیا۔

خود یہود کے مطابق دین یہودیت کی بنیاد چار اصولوں پر ہے:

(۱) وہ اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں، ''شعب اللہ المختار'' ہیں۔

(۲) وہ اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔

(۳) صرف یہودیوں کی عبادت ہی قبول ہوتی ہے اس لیے صرف وہی مومن ہیں۔

(۴) یہود اللہ کے نفس سے پیدا ہوئے ہیں ان کا اور اللہ کا عنصر ایک ہی ہے۔لہٰذا جوہر کے اعتبار سے وہ اس کے پاک بیٹے ہیں جب کہ دوسرے انسان گویمس (Goims) پیدا کئے گئے ہیں اور ان کی تخلیق شیطانی مٹی یا ناپاک حیوانیت سے ہوئی ہے اور یہ گویمس صرف یہود کی خدمت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور انہیں بشری صورت اس وجہ سے دی گئی تاکہ وہ ان کا اکرام کریں اور دونوں گروہوں کے درمیان تعامل آسان ہوجائے۔عالم کے رفتار حالات پر نظر رکھنے والا یہودیوں کی مجرمانہ سرگرمیوں سے ان کے ان عقائد کا اندازہ کرسکتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ علیہ نے کہا: جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے یہود کے قول کے فاسد اور باطل ہونے پر انہیں کے قول سے دلیل پکڑی ہے۔فرمایا ﴿قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ (سورہ بقرہ:۹۴) کہ دنیا کی نعمتیں قلیل اور فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں باقی ہیں اور یہودیوں کو جو دنیا کی تھوڑی نعمتیں ملی ہیں وہ محمد ﷺ کے آنے کی وجہ سے کڑوی ہوگئی ہیں تو جو شخص معمولی نعمتوں میں ہو اور وہ بھی کڑوی ہوں اور اسے یقین ہو کہ موت کے بعد صرف اسی کے لیے جنت کی عظیم نعمتیں ہیں تو انہیں لازماً موت کی رغبت ہونی چاہئے۔پھر اللہ نے یہ فرمایا ﴿وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ﴾ (سورہ بقرہ:۹۵) کہ وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اس وقت یہود کے دعوے کا بطلان قطعی طور پر ثابت ہوگیا اور اللہ کا یہ فرمان ﴿وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ﴾ کے بعد ﴿اَبَدًا﴾ کہہ کر یہ بتایا گیا کہ وہ موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے یہ قطعی خبر ہے کہ وہ مستقبل میں بھی موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے۔اور علامات اس بات پر شاہد ہیں۔کم از کم اس آیت کو جھٹلانے کے لیے وہ موت کی تمنا کر لیتے۔یہ قرآن حکیم کا عظیم اعجاز ہے۔

Scanned by CamScanner

نکتہ عجیبہ: سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ﴾ ہے اور سورہ جمعہ کی آیت میں ﴿وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ﴾ ہے۔تو سورۂ بقرۃ میں ''لَنْ '' اور سورہ جمعہ میں ''لَا '' کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں یہود کا قول یہ ہے کہ جنت صرف انہیں کے لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں ہے اور ''سورۂ جمعہ'' میں انہوں نے کہا وہ اللہ کے اولیاء ہیں اور دوسرے لوگ اولیاء اللہ نہیں ہیں۔تو ''سورۂ بقرہ'' کی آیت میں یہود کا دعویٰ ''سورۂ جمعہ'' کی آیت میں موجود دعویٰ سے بڑا ہے کہ جنت کا حصول دارِثواب (آخرت) میں ہے اور ولایت اگر سچی ہے تو وہ جنت کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ظاہر ہے کہ راستہ اور منزل میں بڑا فرق ہوتا ہے لہٰذا سورۂ بقرہ میں یہود کا دعویٰ چونکہ ''سورۂ جمعہ'' کے دعویٰ سے بڑا تھا لہٰذا ان کے دعویٰ کے بطلان کے لیے ''لَنْ '' لایا گیا جو الفاظ نافیہ میں سب سے زیادہ قوی ہے اور دوسرا دعویٰ چونکہ زیادہ عظیم نہ تھا تو اس کو رد کرنے کے لیے ''لَا'' ہی پر اکتفا کیا گیا کیونکہ لفظ ''لَا'' نفی کے معنی کا فائدہ دینے کے لیے قوت کی انتہا نہیں رکھتا۔

﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ (سورہ بقرہ:۹۶) معنی اَلاِشْرَاكُ ''عِبَادَةُ غَيْرِاللهِ مَعَ اللهِ'' اشراک کا معنیٰ اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ یہود تمام لوگوں، یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ موت کو ناپسند کرتے ہیں اور سب سے زیادہ زندگی پر حریص ہیں۔

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ﴾ یہ عقل اور عقیدے کا عجیب انحطاط ہے کہ جبریل اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں یہ ان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محمد ﷺ پر وحی لاتے تھے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ سے یہ بتایا کہ یہی جبریل فرشتہ تمام نبیوں پر اترتا تھا اور قرآن پچھلی کتابوں کا مخالف نہیں بلکہ ان کی تصدیق کرتا ہے تو انہیں قرآن سے، جبریل سے اور محمد ﷺ سے محبت کرنی چاہئے نہ کہ ان سے عداوت رکھنی چاہئے۔

﴿نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ، كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ (سورہ بقرہ:۱۰۱)

تورات کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور کسی چیز کے پیٹھ کے پیچھے پھینکنے کا مطلب ہے کہ وہ چیز قابل التفات نہیں ہے۔

﴿كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ علماء یہود جانتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور قرآن اللہ کی کتاب ہے مگر وہ تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں یعنی جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں۔لفظ نَبَذَ جو پے در پے دو آیتوں میں آیا ہے اس پر غور کریں پھر ﴿وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ پر غور کریں اور پھر لفظ کلما کو دیکھیں جو تکرار پر دلالت کرتا ہے کہ یہود نے کتاب کو پھینک دیا۔کسی چیز کو پھینک دینا اس کو بے قدر و قیمت سمجھنے اس کی ناقدری ہے۔دوسرے پیٹھ کے پیچھے پھینکنا اس کو بالکل ناقابل التفات سمجھنا ہے اور کلما کا مطلب 'جب جب' ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اللہ کے عہد کو توڑا ہے۔

﴿وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ (سورہ بقرہ:۱۱۴) خراب (اجاڑنا) کی دو قسمیں ہیں: (۱) خراب حسی (۲) خراب معنوی **خراب حسی:** اسے منہدم کرنا **اور خراب معنوی:** اللہ کا ذکر کرنے والوں کو اس میں آنے سے روکنا۔

﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سورہ بقرہ:۱۱۹) ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور جو صرف بشارتوں پر اکتفا کرلے وہ غلطی

Scanned by CamScanner

پر ہے اور جو شخص صرف ڈراوے پر اکتفا کرے اس نے بھی غلطی کی۔ جس نے ان دونوں پر توجہ دی تو درستگی کو پہنچا۔

﴿اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ (سورہ بقرہ:۱۲۰) ہدایت صرف قرآن وحدیث میں ہے۔

﴿قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ﴾ (سورہ بقرہ:۱۲۶) رزق دنیوی رحمت ہے جو مومنین کے ساتھ خاص نہیں بخلاف امامت کے کہ وہ مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ نیز عادل، امامت کا اہل ہوگا نہ کہ ظالم۔

﴿وَتُبْ عَلَيْنَا﴾ (۱۲۸) تو ہماری توبہ کو قبول فرما چونکہ ہر آدمی سے قصور ہوتا ہے لہٰذا اسے توبہ کی ضرورت ہے۔

توبہ کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ''تَوْبَةُ عَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ'' گناہ پر ندامت پھر اسے نہ کرنے کا عزم۔

(۲) ''تَوْبَةُ الْخَوَاصِ'' اعمال میں کچھ کمی کی وجہ سے۔

(۳) ''تَوْبَةُ خَوَاصِ الْخَوَاصِ'' رفع درجات کے لیے۔

﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (۱۳۲) جو جس چیز پر جیتا ہے غالباً اسی چیز پر اس کی موت آتی ہے۔

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا﴾ (سورہ بقرہ:۱۳۴/۱۴۱) اس آیت کو دوبار لایا گیا کیونکہ اس میں تہدید وتخویف ہے کہ انبیاء کرام جیسے مقربین بارگاہ الٰہی کو ان کی امامت وفضیلت کے باوجود ان کے کسب وعمل پر بدلہ دیا جائے گا تو تم تو بدرجۂ اولیٰ اس کے لائق ہو۔

﴿كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ (۱۳۵) مومن کو نعروں اور دعووں پر نہیں بلکہ حقائق پر توجہ دینی چاہئے۔

﴿وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ (۱۳۶) دین کا عطیہ حقیقی عطیہ ہے۔ اللہ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم انبیاء کے ملک اور مال وغیرہ پر ایمان لائیں بلکہ ہمیں حکم دیا ہے کہ ان پر جو شریعتیں نازل ہوئی ہیں ان پر ایمان لائیں۔

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ (سورہ بقرہ:۱۳۶) ایمان باللہ کو مقدم کیا کیونکہ شریعتوں کے بدلنے سے ایمان باللہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ نیز اس میں یہ بھی حکم ہے کہ حق کا اعلان کیا جائے۔

﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ:۱۳۶) فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لوگوں کے لیے (یعنی ڈر سے) عمل چھوڑ دینا ''ریا'' ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے۔ اور جسے اللہ ان دونوں چیزوں سے بچالے تو اسے اخلاص کی دولت مل گئی۔

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ﴾ (آیت:۱۴۲) عقل مند آدمی بیوقوفوں کی باتوں پر دھیان نہیں دیتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے احکام پر اعتراض کرنے والا جاہل اور بیوقوف ہوتا ہے۔

﴿وَسَطًا﴾ (سورہ بقرہ:۱۴۳) امت محمدیہ کو اللہ نے امتِ وسط بنایا ہے۔ اسی وجہ سے اسے شریعت بھی ایسی دی جو افراط وتفریط سے پاک ہے۔

نکتہ: یہ آیت نمبر ۱۴۳ بیچ والی آیت ہے، کیونکہ سورہ بقرہ میں کل ۲۸۶ آیتیں ہیں۔ امت وسط والی آیت اس سورہ کے بیچ میں رکھی گئی ہے۔

﴿بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ﴾ (سورہ بقرہ:۱۵۳) مصیبت کے وقت سب سے بہترین علاج نماز اور صبر ہے۔

﴿بَلْ اَحْيَآءٌ﴾ (سورہ بقرہ:۱۵۴) یہ قاعدہ ہے کہ عقلمند آدمی اپنی کسی محبوب چیز کو اس وقت تک نہیں چھوڑ تا جب تک اسے اس سے اچھی چیز نہ مل جائے۔ تو دنیا کی محبوب زندگی اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک اسے اس سے اچھی حیات نہ مل جائے۔ معلوم ہوا کہ حیات اخروی حیات دنیوی سے کہیں اعلیٰ و افضل ہے۔

﴿بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ﴾ (سورہ بقرہ:۱۵۵) تھوڑے سے خوف اور بھوک وغیرہ سے آزمائش کی جاتی ہے۔ مکمل طور پر اگر آزمائش کی جاتی تو ہلاک ہو جاتے۔

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (۱۵۶) اس کلمے میں اللہ کی توحید اور اس کی عبودیت کا اقرار اور اس بات کا یقین ہے کہ سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے یہ کلمات محمد ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اگر یعقوب کو یہ کلمات معلوم ہوتے تو یَآ اَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ (ہائے یوسف!) نہ کہتے۔ (جامع الاحادیث للسیوطی:۴۳۹۰۱)

﴿وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ:۱۵۹) علماء سوء پر کائنات کی ہر شئے لعنت کرتی ہے۔

﴿يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ (سورہ بقرہ:۱۶۵) اگر اللہ کی محبت دل میں گھر کر جائے تو اس کے اثرات اعضاء پر بھی ظاہر ہوتے ہیں اور وہ اللہ کی مرضی پر عمل کرے گا۔ اسے اس سے ملاقات کا شوق ہوگا اور اس کے ذکر سے انسیت ہوگی اور غیر اللہ سے وحشت ہوگی۔ اور دنیا اس کے دل سے نکل جائے گی۔ پس جس عالم کو دیکھو کہ وہ دنیا میں مسابقت کر رہا ہے اور اس کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقے اختیار کر رہا ہے وہ عالم، علماء سوء میں سے ہے۔

﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ (آیت:۱۷۴) قیامت کے دن اللہ ان کا تزکیہ نہیں کرے گا کیونکہ انہوں نے دنیا میں علم چھپالیا اور لوگوں کا تزکیہ نہیں کیا۔

﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ (آیت:۱۷۷) مال کی محبت کے باوجود اسے اللہ سے تقرب کے لیے خرچ کرنا ایمان کی دلیل ہے اسی طرح تنگدستی میں صدقہ کرنا افضل ہے۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (آیت:۱۸۸) روزوں کے مسائل اور فضائل کے بیان کے بعد اکل حرام سے منع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حرام کھانے سے روزہ و اعتکاف عند اللہ مقبول نہیں ہوتے۔

﴿حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (۱۹۳) اس سے مقصود کفار کا خون بہانا نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ کا دین تمام ادیان پر غالب آجائے۔

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (آیت:۱۹۵) اللہ کی راہ میں خرچ کرنا فرد اور معاشرہ کے لیے امان ہے اور خرچ سے رک جانا ہلاکت ہے۔

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ (آیت:۱۹۷) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حج مبرور یہ ہے کہ آدمی جب حج کر کے لوٹے تو دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کی طرف رغبت رکھے۔

﴿اَلْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (آیت:۱۹۷)

Scanned by CamScanner

(جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے (اسے خبردار رہنا چاہیے کہ) حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی اور کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو جائے) جس طرح زندہ رہنے کے لیے آدمی مادی اسباب جیسے کھانا پینا وغیرہ پر توجہ دیتا ہے اسی طرح دل کی زندگی کے لیے اسے اسباب شرعیہ اختیار کرنا چاہیے۔

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ نیکی کتنی ہی چھوٹی ہو اسے چھوٹی نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ تمہاری آنکھوں میں کوئی چھوٹی چیز اللہ کے نزدیک بڑی ہو سکتی ہے۔

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ (آیت:۱۹۹)

ہر عبادت اور نیک عمل کے بعد اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے استغفار کرنا چاہیے۔

﴿وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (آیت:۲۰۲) علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ اتنے زیادہ لوگوں کا حساب کیسے لے گا؟ تو انہوں نے جواب دیا جیسے وہ سب کو روزی دیتا ہے۔

﴿ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (آیت:۲۰۸) آدمی پورے اسلام میں اسی وقت داخل ہو سکتا ہے جب کہ وہ اپنی خواہشات کو دین کے تابع کر دے۔

﴿اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ﴾ (آیت:۲۱۸) عمل کتنا ہی بڑا ہو، بندے کو اس پر بھروسہ نہیں بلکہ اللہ کی رحمت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ (آیت:۲۲۱) مشرک اور بدعتی اور برے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ جب شادی جائز نہیں جس کے اندر بے شمار مصلحتیں ہیں تو محض صحبت تو بدرجہ اولیٰ جائز نہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ (آیت:۲۲۱) مومن کو ہر اس چیز سے بچنا چاہیے جو اسے آخرت میں نقصان پہنچائے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (آیت:۲۲۲) لفظ ''توابین'' کا مطلب ہے، بہت زیادہ توبہ کرنے والے۔ یہ لفظ ان لوگوں کے دلوں کی وحشت کو دور کرنے کے لیے لایا گیا ہے جو توبہ کر کے پھر گناہ کر بیٹھتے ہیں کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں ان پر جھوٹ نہ لکھ لیا جائے اور یہ اللہ سے ایک قسم کا مذاق نہ ہو جائے۔ اور وہ اللہ کی نظروں سے گر نہ جائیں اور یہ چیز انہیں توبہ سے روک نہ دے۔

﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (آیت:۲۲۵) دل کے علم میں آئے بغیر انسان کے کسی قول و فعل پر مواخذہ نہیں ہوتا۔

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (آیت:۲۲۸) (البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے) کیونکہ عورت مرد سے پیدا ہوئی ہے اور مرد اس کی اصل ہے۔

﴿فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾ (آیت:۲۲۹) یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقہ سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔

﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (آیت:۲۳۴) مُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا (جس عورت کا شوہر مر گیا ہو) کی عدت

چار مہینے دس دن ہے۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اس مدت کی حکمت یہ ہے کہ اس میں بچے کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اتنی مدت میں بچہ پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) اس عموم میں حاملہ عورتیں مخصوص ہیں لہٰذا ان کی عدت وضع حمل ہے۔ اسی طرح لونڈی کی عدت نصف یعنی دو ماہ اور پانچ دن ہے۔

﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ (آیت: ۲۳۷) اللہ نے شوہر کو مرد بنایا اس کی مردانگی کا تقاضا یہ ہے کہ خود (مہر) معاف کرے عورت سے معاف نہ کروائے۔ اس آدمی سے زیادہ خراب کون ہوسکتا ہے جو عورت کو اپنی دی ہوئی چیز لوٹانے پر مجبور کرے۔

﴿نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ﴾ (آیت: ۲۴۷) (اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے عہدہ حاصل کرنے کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ یہ فتنہ ہے۔

﴿زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ (آیت: ۲۴۷) علم کو جسم پر مقدم کیا کیونکہ روحانی فضائل، جسمانی فضائل سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔

﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (آیت: ۲۵۴) عطاء بن دینار رحمہ اللہ نے کہا ہے: کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (کافر ہی ظالم ہیں) کہا، "وَالظّٰلِمُوْنَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ" (ظالم ہی کافر ہیں) نہیں کہا۔

﴿كَفَّارٍ اَثِيْمٍ﴾ (آیت: ۲۷۶) شریعت نے کمائی کے جو حلال طریقے مقرر کئے ہیں انہیں چھوڑ کر حرام طریقے اختیار کرنا اللہ کی نعمت کا انکار ہے۔ اسی وجہ سے "کَفَّار" (بہت بڑا ناشکرا) کہا گیا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کی وجہ سے اَثِیْمٍ (بہت بڑا گناہگار) کہا گیا۔

﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ﴾ (آیت: ۲۸۵) ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں) یہاں سمع وطاعت یعنی سننا اور ماننا کو طلب مغفرت سے پہلے لایا گیا کیونکہ مانگی گئی چیز پر وسیلے کو مقدم کرنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

﴿وَاعْفُ عَنَّا﴾ اے اللہ تیرے اور ہمارے درمیان جو ہماری کوتاہیاں ہیں انہیں معاف کردے۔

﴿وَاغْفِرْ لَنَا﴾ ہمارے اور تیرے بندوں کے درمیان جو ہماری کوتاہیاں ہیں انہیں معاف کردے۔

﴿وَارْحَمْنَا﴾ آئندہ اپنی توفیق سے ہمیں کسی گناہ میں نہ گرنے دینا۔

گنہگار کو تین ہی چیزوں کی ضرورت ہے:

(۱) اس کے اور اللہ کے درمیان جو ہے، اللہ اسے مٹادے۔

(۲) اس کے اور اللہ کے درمیان جو ہے اللہ سے چھپادے، تاکہ اس کی وجہ سے وہ ان کے درمیان رسوا نہ ہو۔

(۳) اللہ اس کی حفاظت کرے تاکہ وہ آگے کسی گناہ میں مبتلا نہ ہوجائے۔

Scanned by CamScanner

نکات سورۃ البقرۃ (ب)

سورۃ بقرۃ ہجرت کے بعد نازل ہوئی، لہٰذا یہ مدنی ہے کیونکہ جو سورہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی وہ مدنی ہے اور جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی وہ مکی ہے، یہی صحیح ہے، کیونکہ اعتبار زمان کا ہے نہ کہ مکان کا۔

﴿الٓمٓ﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور تمام اہل علم کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حروف مقطعات میں قرآن کے اعجاز کو ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن نے کوئی نئے حروف تو استعمال نہیں کئے ہیں اس کے باوجود وہ فصحاء اور بلغاء جنہیں اپنی زبان دانی پر بڑا ناز اور غرّہ تھا قرآن کے معارضے سے عاجز رہے۔

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ متقیوں کے لیے ہدایت کس چیز کے لیے ہے؟ جواب: دنیا اور آخرت کے تمام فائدوں کے لیے ہے۔

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ ایمان بالغیب قلب کا حصہ اور نماز بدن کا حصہ ہے اور انفاق مال کا حصہ ہے۔

﴿يُوْقِنُوْنَ﴾ یقین علم کا اعلیٰ درجہ ہے اس میں کسی بھی طرح شک کی گنجائش نہیں ہوتی۔

﴿أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ آدمی متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان صفات سے متصف نہ ہو۔

﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ﴾ لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) خالص مومن (۲) خالص کافر (۳) منافق (ظاہر میں مسلمان، باطن میں کافر)۔

اللہ نے پہلے "طیب" کا تذکرہ فرمایا، پھر "خبیث" کا پھر "اخبث" کا۔

طیب مومن ہے خبیب اور کافر ہے اخبث (سب سے زیادہ خبیث) منافق ہے۔

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔ اس سے خیر نہ نکلتا ہے نہ داخل ہوتا ہے کیونکہ کسی شئ کو بند کر کے مہر لگا دی جائے تو اس سے کوئی چیز نہ نکلتی ہے نہ داخل ہوتی ہے۔ جس کے دل اور کانوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا تو پھر اس کی ہدایت کی امید نہیں کی جاسکتی۔

﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ صرف ایمان باللسان کی کوئی اہمیت نہیں۔

انبیاء کے پیغام کو امت تک پہنچانے کے لیے بصری وسائل سے زیادہ اہم سمعی وسائل ہیں اسی وجہ سے سمع کو بصر پر مقدم کیا گیا۔ گناہ جب دلوں پر مسلسل آتے رہیں تو دلوں کو بند کر دیتے ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے مہر آجاتی ہے پھر کفر سے چھٹکارے اور ایمان تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔

﴿فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ جیسے گناہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اسی طرح ایمان بھی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ زیادتی

Scanned by CamScanner

کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا جب تک اس کے مقابلے میں نقصان نہ ہو۔

﴿بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ سزا بلا سبب نہیں ہوتی یعنی اللہ کسی کو بغیر گناہ کے سزا نہیں دیتا ہے اور کذب منافقین کی خصلت ہے۔

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ وہ اللہ کو کیسے دھوکا دے سکتے ہیں؟ وہ تو ان کے دلوں کے احوال سے واقف ہے۔

جواب: جب انہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کیا تو گویا انہوں نے اللہ کو دھوکا دیا کیونکہ اس حالت میں ان پر اسلام کے احکام جاری ہوں گے، وہ اللہ کے حکم میں پناہ لیتے ہیں اور ان کے جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں۔

﴿اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ ہمارا کام صرف اصلاح کا ہے فساد کا نہیں۔

نکتہ: ﴿نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ کہا۔ ''نَحْنُ الْمُصْلِحُوْنَ'' نہیں کہا ورنہ ''نَحْنُ الْمُصْلِحُوْنَ'' کا مطلب ہوتا کہ ان کے علاوہ کوئی مصلح ہے ہی نہیں۔ صرف وہی مصلح ہیں یعنی انہوں نے یہ کہا کہ ہمارا حال صرف اصلاح ہے انہوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صرف وہی مصلح ہیں۔ یہ اللہ کی توفیق ہے کہ انہیں یہ نہ سوجھا کہ ''نَحْنُ الْمُصْلِحُوْنَ'' کہتے۔

﴿هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ﴾ وہی فسادی ہیں یعنی منافقین کے فساد سے بڑا دنیا میں کوئی فساد نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی چیز کا دعویٰ کرے تو ضروری نہیں کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو۔ کیونکہ انہوں نے جب ﴿اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ کہا تو اللہ نے ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ﴾ کہا۔

﴿لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ یعنی انہیں احساس نہیں کہ وہی فسادی ہیں کیونکہ فساد ایک محسوس شئی ہے جسے شعور واحساس سے سمجھا جاتا ہے۔ مگر اپنی حماقت کی وجہ سے انہیں شعور نہیں کہ وہی فسادی ہیں۔ اور ان کے علاوہ کوئی فسادی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان فساد فی الارض میں مبتلا ہوتا ہے مگر اس کا فساد اس پر مخفی رہتا ہے یعنی اسے پتہ نہیں رہتا کہ وہ فساد پھیلا رہا ہے۔

﴿كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ﴾ ''اَلسَّفِيْهُ لَيْسَ لَهٗ رُشْدٌ وَّ عَقْلٌ'' جس کے پاس رشد و عقل نہ ہو اسے سفیہ کہتے ہیں۔ یعنی منافقین کو اپنے اوپر بڑا ناز تھا۔ ہر زمانے میں اللہ کے دشمنوں کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ اللہ کے اولیاء کو ایسی چیزوں سے موصوف کرتے تھے کہ لوگ ان سے نفرت کریں۔

﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ﴾ جو بھی ایمان نہ لائے وہ بیوقوف ہے۔ اللہ ایمان والوں کی مدافعت کرتا ہے جیسے سورۂ حج میں فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (سورہ حج: ۳۸) بیشک اللہ ان لوگوں کا دفاع کرے گا جو ایمان لے آئے ہیں۔

﴿وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ﴾ ان کے اکابر کو شیاطین اس وجہ سے کہا گیا کیونکہ ان کی سرکشی ظاہر تھی اور ہر شیطان، مارد (سرکش) ہوتا ہے۔

﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۵﴾

Scanned by CamScanner

’’استہزاء‘‘ کو اللہ کی جانب منسوب کرنے کی چار شکلیں ہیں:

(۱) صفت کمال ہے مگر اس سے نقص صادر ہوتا ہے۔ اس سے اللہ کو موسوم نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں موصوف کیا جا سکتا ہے جیسے متکلم، مرید وغیرہ کہ متکلم اور مرید دونوں اللہ کے اسماء نہیں ہیں لیکن اس کو متکلم سے موصوف کیا جانا صحیح ہے کیونکہ کلام کبھی خیر کے ساتھ ہوتا ہے کبھی شر کے ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی سچ کے ساتھ ہوتا ہے کبھی جھوٹ کے ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی عدل کے ساتھ ہوتا ہے کبھی ظلم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح ارادہ ہے۔

(۲) مطلق کمال ہے لیکن تقسیم نہیں ہوتا۔ اس سے اللہ کو موسوم کیا جا سکتا ہے جیسے الرحمٰن الرحیم، الغفور، السمیع، البصیر وغیرہ۔ یہ صفت کو متضمن ہیں۔ لیکن ہمارے اس قول، کہ اللہ کو اس سے موسوم کیا جا سکتا ہے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس سے اس کا نام ایجاد کریں کیونکہ اللہ کے اسماء توقیفی ہیں بلکہ ہمارے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اس سے موسوم ہے۔

(۳) علی الاطلاق کمال نہیں ہوتا مگر مقید کے ساتھ کمال بن جاتا ہے۔ اس صورت میں بلا قید اس سے اللہ کو موصوف نہیں کیا جا سکتا جیسے خداع، مکر، استہزاء، کید۔ تو ہم نہیں کہہ سکتے اللہ ماکر، بلکہ یوں کہیں گے ’’إِنَّ اللّٰهَ مَاكِرٌ بِمَنْ يَمْكُرُ بِهِ‘‘ اللہ اس کے ساتھ مکر کرتا ہے جو اس کے ساتھ مکر کرتا ہے۔

(۴) جو مطلق نقص کو متضمن ہیں تو اس سے اللہ کو کبھی موصوف نہیں کیا جا سکتا جیسے العاجز، الضعیف وغیرہ۔ ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ میں ’’إِسْتِهْزَاءُ‘‘ اپنی حقیقت پر ہے کیونکہ اللہ کا استہزاء منافقین کے استہزاء کے ساتھ کمال پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ مستہزئین کے مقابلے میں صفت کمال ہے۔

﴿فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ سرکش کو اللہ کی نعمتوں پر مغرور نہیں ہونا چاہئے کیونکہ کبھی کبھی نعمتیں استدراج (ڈھیل دینا) کی شکل میں ہوتی ہیں۔ اللہ اسے ڈھیل دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو وہ بھاگ نہیں سکتا۔

سوال: کیسے سمجھا جائے کہ یہ نعمت جزاء ہے یا استدراج ہے؟

جواب: اگر انسان شریعت پر قائم ہے تو یہ جزاء ہے لیکن اگر مسلسل نعمتوں کے باوجود اللہ کی معصیت پر قائم ہے تو یہ استدراج ہے۔ بصیرت کا اندھاپن (عمی) آدمی کو طغیان میں مبتلا کرتا ہے اور طغیان آدمی کو معرفت حق سے روک دیتا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ﴾ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ ہے۔ اس کا مشار الیہ منافقین ہیں اور اُولٰٓئِكَ اشارہ بعید ہے۔ یہ صیغۂ بعید منافقین کے مقام کی پستی کی دوری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

﴿بِالْهُدٰى﴾ میں باء عوض ہے یعنی انہوں نے ہدایت دی اور عوض میں ضلالت لی۔ کہا جاتا ہے ’’إِشْتَرَيْتُ الثَّوْبَ بِدِرْهَمٍ‘‘ (میں نے کپڑے کو ایک درہم کے بدلے خریدا) یہ منافقین کی حماقت اور ان کے ضلالت سے گہری دلچسپی وشغف کا بیان ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اچھا عمل کیا حالانکہ اس نے برا عمل کیا ہوتا ہے۔ منافقین نے ہدایت دے کر ضلالت لے لی۔

Scanned by CamScanner

﴿وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں اس لیے وہ نہیں لوٹیں گے۔اسی طرح ہر فاسق وبدعتی یہی سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اس لیے وہ حق کی طرف نہیں پلٹتا۔

﴿اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ دنیوی نفع کے لیے ایمان کا دعویٰ نور کے مشابہ ہے اور آخرت کا عذاب ظلمت کے مشابہ ہے۔

﴿اسْتَوْقَدَ﴾ دوسرے سے آگ جلوائی یا دوسرے سے آگ مانگ کر خود جلائی۔

﴿أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ﴾ آگ، آگ جلانے والے کے آس پاس ہی رہی۔اپنے کمزور ہونے کی وجہ سے زیادہ دور تک نہیں پھیلی۔اللہ نے اس کی روشنی ختم کر دی اور حرارت باقی رکھ دی۔

ایک نحوی نکتہ: ﴿اسْتَوْقَدَ﴾ فعل ماضی واحد ہے۔﴿مَا حَوْلَهُ﴾ میں ضمیر ''ہ'' واحد ہے لیکن ﴿بِنُورِهِمْ﴾ اور ﴿تَرَكَهُمْ﴾ میں ضمیر جمع کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ اسم موصول عموم کا فائدہ دیتا ہے تو یہ واحد جمع دونوں کے مناسب ہے۔﴿اسْتَوْقَدَ﴾ اور ﴿مَا حَوْلَهُ﴾ کی ضمیر اسم موصول الذی کی طرف لفظ کے اعتبار سے راجع ہے اور ﴿نُورِهِمْ﴾ اور ﴿تَرَكَهُمْ﴾ کی ضمیر، اسم موصول کی طرف باعتبار معنی راجع ہے۔گویا آگ جلانے والا یا جلوانے والا اپنے ساتھیوں کے ساتھ تھا تو اس نے یہ آگ اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے جلائی اور جلاتے ہی روشنی ختم ہوگئی اور انہیں تاریکیوں میں چھوڑ دیا۔ایک تاریکی تو رات کی تاریکی، دوسرے فضا کی تاریکی، کیونکہ فضا ابر آلود تھی، تیسرے وہ تاریکی جو روشنی کے چلے جانے کے بعد پیدا ہوئی۔

یہ قرآن کی بلاغت ہے کہ وہ معقولات کے لیے محسوسات کی مثالیں دیتا ہے کیونکہ محسوس شئے، معقول شئے کے مقابلے میں اقرب الی الفہم ہوتی ہے۔اس آیت سے قیاس کا بھی ثبوت ملا کیونکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے حال کو اس آگ جلانے والے کے حال پر قیاس کریں۔لہٰذا قرآن کی ہر مثال قیاس کے ثبوت پر دلیل ہے۔

منافق جب حقیقی مومن کے ساتھ بیٹھتا ہے اور ایمان حقیقی کے لیے، اس سے بات کرتا ہے اور اس کو دعوت دیتا ہے تو اس کے دل میں اثر کرتا ہے۔مگر یہ اثر جلد ہی زائل ہو جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ایمان ایک نور ہے اور اس کی ایک تاثیر ہے۔یہاں تک کہ منافق کا دل بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔لیکن منافق کے دل میں جب وہ کوئی بنیاد نہیں پاتا تو ٹھہرتا نہیں۔

﴿أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ﴾ ''ک'' حرفِ تشبیہ ہے اور ''صَيِّبٍ'' کا مطلب ''اَلْمَطَرُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ'' (آسمان سے نازل ہونے والی بارش) اور سماء سے مراد علو یعنی بلندی ہے۔

یہاں تین ظلمتیں ہیں۔(۱) ظلمۃ اللیل (۲) ظلمۃ السحاب (۳) ظلمۃ المطر

اور بادل جب تہہ بہ تہہ ہوتا ہے تو اس سے تاریکی پر تاریکی ہوتی ہے اور نازل ہونے والی بارش میں کثافت ہوتی ہے جس سے تاریکی پیدا ہوتی ہے اور بھی تاریکی ہو سکتی ہے جیسے فضا غبار آلود ہو۔

﴿رَعْدٌ﴾ ''هُوَ الصَّوْتُ الَّذِي نَسْمَعُهُ مِنَ السَّحَابِ'' بادل سے سنی جانے والی آواز کو رعد کہتے ہیں۔
''وَالْبَرْقُ فَهُوَ النُّوْرَ الَّذِي يَلْمَعُ فِي السَّحَابِ'' اور بادل میں چمکنے والی روشنی برق کہلاتی ہے۔قرآن ''صَيِّبٍ''

Scanned by CamScanner

(بارش) ہے۔ ''رَعْدٌ'' (بادل کی کڑک) قرآنی وعیدیں ہیں اور برق قرآن کے وعدے ہیں۔

﴿صَوَاعِقِ﴾ صاعقہ کی جمع ہے۔ ''فَهِيَ نَارٌ تَنْطَلِقُ مِنَ الْبَرْقِ'' صاعقہ وہ آگ ہے جو برق سے چھوٹتی ہے۔ اگر کسی کو لگ جائے تو وہ جل کر خاک ہو جائے۔ یہ اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں تاکہ اس سے مر نہ جائیں۔ ان کی مثال اس شترمرغ کی ہے جس نے شکاری یا طوفان کو دیکھ کر اپنا سر ریت میں داخل کر لیا اور سمجھ لیا کہ شکاری یا طوفان نے اسے نہیں دیکھا۔

﴿كُلَّمَآ﴾ کُلَّمَا کا مفادیہ ہے کہ یہ روشنی سے ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرتے جیسے ہی روشنی ہوتی ہے خواہ معمولی ہی روشنی ہو اس میں چلنے لگتے ہیں۔ ایک لمحہ نہیں گنواتے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ﴾ اللہ بغیر صاعقہ اور بجلی کے بھی ان کی سماعت اور بصارت لے جا سکتا ہے۔ کافروں کا تذکرہ تین آیتوں میں اور منافقین کا تذکرہ تیرہ آیتوں میں کر کے یہ بتایا گیا کہ منافقین کافروں سے زیادہ خطرناک ہیں۔

﴿اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ﴾ ایمان کا حکم منکر کے لیے اور توحید کا حکم مشرک کے لیے اور اطاعت کا حکم مومن کے لیے ہے۔

﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ (اور ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) ''قَالَ مَعَاذٌ، اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ الَّذِيْ فِيْهِ أَرْبَعَةُ أَشْيَاءٍ، اَلْعِلْمُ وَالنِّيَّةُ وَالصَّبْرُ وَالاِخْلَاصُ'' (بغوی)

معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عملِ صالح کے اندر چار چیزیں ہوتی ہیں: علم، نیت، صبر اور اخلاص۔

﴿مُّطَهَّرَةٌ﴾ یہ نہیں کہا کہ فلاں فلاں عیب سے پاک ہوں گی تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ ان کے اخلاق، ان کا جسم، ان کی زبان اور ان کی آنکھیں سب پاک ہوں گی۔

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ کچھ لوگ قرآن سے بھی گمراہ ہو جاتے ہیں جیسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے خوارج کو فاسقین کہا کیونکہ وہ قرآن کی وجہ سے گمراہ ہوئے اور جو قرآن سے گمراہ ہو وہ فاسق ہے۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾

شک اور ریب میں فرق: ''اَلشَّكُّ فِي الْأُمُوْرِ الْهَيِّنَةِ، إِنَّمَا يُقَالُ فِي الْأُمُوْرِ الْعَظِيْمَةِ الَّتِيْ إِذَا شَكَّ فِيْهَا الإِنْسَانُ وَجَدَ فِيْ دَاخِلِ نَفْسِهِ قَلَقًا وَاضْطِرَابًا'' شک معمولی چیزوں میں ہوتا ہے اور ریب بڑی چیزوں میں ہوتا ہے کہ اگر انسان ان چیزوں میں شک کرے گا تو اپنے دل کے اندر الجھن، قلق و اضطراب پائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ریب، شک مع القلق کو کہتے ہیں۔

﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ النَّاسُ کو ''حجارۃ'' سے پہلے لایا گیا کیونکہ انسان تکلیف کا احساس کرنے اور جلنے میں جماد سے بڑھ کر ہے کیونکہ انسان میں جلد، گوشت، چربی وغیرہ ہوتا ہے۔

﴿اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ظاہری و باطنی آلائشوں سے پاک ہوں گی۔

﴿مُّطَهَّرَةٌ﴾ کا نکتہ: مطہرۃ میں بہ نسبت طاہرہ، مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے انہیں خود پاک

Scanned by CamScanner

کیا ہے۔ جنت کی عورت زمین پر جھانک بھی لے تو آسمان سے زمین تک اس کی چمک اور خوشبو پھیل جائے اور وہاں کی عورت کے سر کا دوپٹہ بھی دنیا اور اس کی ساری نعمتوں سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر: ۲۷۹۶)

﴿فَمَا فَوْقَهَا﴾ **کا دو مفہوم:** مچھر سے جثہ میں زیادہ، جیسے مکھی، مکڑی وغیرہ۔ تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ مچھر تک کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا چہ جائے کہ اس سے بڑی شئے ہو اور دوسرا مطلب ہوگا، مچھر سے جثہ میں کم ہو تب بھی اس کی مثال بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا۔

کفار نے مذاق کے طور پر کہا کہ اللہ کو ایسی مثال کی کیا غرض پڑی تھی؟ تو جواب میں ارشاد ہوا ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾ یعنی مومنوں کو شبہ نہیں ہوتا تو ہدایت پاتے ہیں اور کفار اسے نہیں مانتے اور انکار کرتے ہیں تو گمراہ ہوتے ہیں۔

﴿الْفَاسِقِينَ﴾ فسق کے تین درجے ہیں۔

(۱) جن امور پر ایمان لانا واجب ہے اس کا انکار کردے، یہ فسق کا اعلیٰ درجہ ہے۔

(۲) کبیرہ گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو۔

(۳) کبیرہ گناہوں میں ڈوبا ہوا تو نہ ہو مگر کبیرہ گناہ کا مرتکب یا یہ کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار کرتا ہے، مگر گناہوں کو برا سمجھتا ہو۔

﴿يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ﴾ نقض کے اصلی معنی رسی کے بل کھولنے کے ہیں۔ پھر اس کا استعمال عہد توڑنے پر ہونے لگا کیونکہ عہد کو بھی رسی (حبل) سے تعبیر کرتے ہیں اور تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ جیسے رسی سے دو چیزوں میں تعلق اور وابستگی پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح عہد سے بھی آپس میں عہد کرنے والوں کا تعلق اور ارتباط ہو جاتا ہے۔

﴿مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ﴾ میثاق سے مراد وہ "آیات" اور "کتابیں" ہیں جن سے اس عہد کو تقویت دے کر یاد دلایا گیا ہے۔

﴿مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ﴾ میں "من" ابتداء غایت کے لیے ہے کیونکہ عہد توڑنے کی ابتداء اس کے محکم و مضبوط کرنے کے بعد ہی واقع ہوئی ہے تو جس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا اس نے عہد کو میثاق کے بعد توڑ دیا۔

﴿وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ (وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں) معاصی (گناہ) فساد فی الارض کا سبب ہیں۔

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ تم کیسے اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ﴾ شدتِ انکار کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تعجب کی حد تک پہونچ گیا ہے کہ وہ کفر کرتا ہے حالانکہ اسے اپنا حال اور انجام معلوم ہے۔

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں) مسلمانوں کا ایک امیر ہونا چاہئے کیونکہ مسلمانوں کا بغیر امیر رہنا گناہ ہے کیونکہ اس کے مفاسد کثیر ہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿تُقَدِّسُ﴾ تقدیس، تطہیر کے معنی میں ہے اور یہ تنزیہ پر امر زائد ہے کیونکہ تنزیہ تبرہٗ (بَری کرنا) اور تخلیہ (خالی کرنا) ہے اور تطہیر امر زائد ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے پاس کوئی خیر ہے تو اس سے خود کو موصوف کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ مقصود خبر ہو، فخر نہ ہو۔

﴿اَتَجْعَلُ فِیْهَا؟﴾ فرشتوں کا سوال بطور اعتراض نہ تھا بلکہ انسان کی تخلیق کی حکمت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے تھا۔

﴿مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ (جو زمین میں فساد مچائے اور خون خرابہ کرے) فرشتوں کو زمین میں فساد اور خون خرابے سے نفرت ہے۔

''فسادٌ فی الاَرض''، یعنی گناہوں میں ڈوب جانا اور قتل کرنا۔ یہ دونوں امت میں پھیل جائیں تو امت کی تباہی یقینی ہے۔

﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ ''مایحتاج إلیها آدم وبنوه فی ذلك الوقت'' تمام اسماء مراد نہیں بلکہ اس وقت آدم اور ان کی اولاد کو جن اسماء کی ضرورت تھی وہ اسماء مراد ہیں۔

﴿اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ﴾ اس میں انسان کے امتحان کا جواز ہے جس میں وہ ماہر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ نیز امتحان میں طلباء سے مشکل سوالات پوچھے جاسکتے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا انسان کو ایسے علم کا دعویٰ نہیں کرنا چاہئے جس کا اسے علم نہ ہو۔

﴿لَا عِلْمَ لَنَاۤ﴾ کسی سے سوال کیا جائے اور اسے جواب معلوم نہ ہو تو ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ'' یا ''لَا اَدْرِیْ'' کہہ دے۔ اس میں فرشتوں کی اقتداء ہے۔

﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ علماء کی قدر کرو کیونکہ علم کی بنا پر فرشتوں کو آدم کے آگے سجدے کا حکم دیا گیا۔

﴿فَسَجَدُوْۤا﴾ میں ''فا'' تعقیب کے لیے ہے کہ فرشتوں نے بلا تاخیر فوراً سجدہ کیا۔ یہاں سجدہ سے مراد رکوع نہیں بلکہ سجدہ ہے، کہ ساجد اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے۔ اس سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ اللہ کا حکم ہو تو غیر اللہ کا سجدہ جائز ہے اور اللہ جو چاہے حکم دے سکتا ہے۔

﴿اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ (سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا اور متکبرانہ رویہ اختیار کیا اور کافروں میں شامل ہو گیا) ابلیس کی تمام صفات مذمومہ کو ذکر کیا گیا۔

(۱) حکم سے انکار (۲) حق سے استکبار (۳) خلق سے استکبار کہ ''اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ'' کہا یعنی خود کو بڑا سمجھا اور آدم کو حقیر سمجھا۔

نحوی قاعدہ: ﴿اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ﴾ میں استثناء منقطع ہے کیونکہ ابلیس، مستثنیٰ منہ (اَلْمَلٰٓئِكَةُ) میں داخل نہ تھا۔

﴿اَنْتَ وَزَوْجُكَ﴾ نکاح قدیم سنت ہے۔

سوال: حوا کس کی بیٹی ہیں؟

جواب: آدم کی پسلی سے پیدا کی گئیں۔

سوال: تب تو وہ آدم کی بیٹی ہوئیں تو بیٹی سے نکاح کیسے کیا؟

Scanned by CamScanner

جواب: اللہ جو چاہے حکم کرے، جب وہ آدم کی اولاد میں پہلے بھائی اور بہن سے نکاح کرواسکتا تھا، اسی طرح آدم کے لیے اللہ نے جائز کر دیا کہ وہ اس سے شادی کرلیں جوان کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔

نحوی نکتہ: ﴿وَكُلَا مِنۡهَا﴾ (تم دونوں اس سے کھاؤ) امر میں اصل یہ ہے کہ وہ طلب کے لیے آتا ہے مگر جب دلیل قائم ہوتو اباحت (جواز) کے لیے آتا ہے۔

﴿فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ اللہ کی نافرمانی نفس پر ظلم ہے۔

﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ﴾ شیطان بڑے گناہوں کوانسان کی نظر میں چھوٹا بنا کر پیش کرتا ہے اور اگر کسی بڑے گناہ کو چھوٹا بنا کر پیش نہیں کر پاتا تو تمناؤں میں الجھا دیتا ہے کہ گناہ کرے۔ ابھی پوری عمر پڑی ہے اور توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، توبہ کرلینا۔

﴿لَا تَقۡرَبَا﴾ کسی گناہ کے قریب جانا ممنوع ہوتو اس کا ارتکاب بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

﴿وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ﴾ (اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے) بنی آدم کو دنیا میں دوام نہیں اور کفار کی یہ کوشش کہ زمین کے علاوہ کسی سیارے میں جا کر رہیں گے ایک مایوس کن کوشش ہے ان کا مستقر زمین ہی رہے گا۔

﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ (پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے) گناہ کا اعتراف توبہ کی قبولیت کا سبب ہے۔

آدم علیہ السلام کی دعا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ﴾ (سورۂ اعراف: ۲۳)

وسیلے کے چار طریقے ہیں:

(۱) اَلتَّوَسُّلُ بِالرُّبُوۡبِيَّةِ (۲) اَلتَّوَسُّلُ بِحَالِ الۡعَبۡدِ

(۳) تَفۡوِيۡضُ الۡاَمۡرِ اِلَى اللهِ (۴) ذِكۡرُ حَالِ الۡعَبۡدِ اِذَا لَمۡ تَحۡصُلۡ لَهٗ مَغۡفِرَةُ اللهِ وَرَحۡمَتُهٗ

(۱) "اَلتَّوَسُّلُ بِالرُّبُوۡبِيَّةِ - رَبَّنَا" (اے ہمارے رب)

(۲) "اَلتَّوَسُّلُ بِحَالِ الۡعَبۡدِ - ظَلَمۡنَا اَنۡفُسَنَا" (ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا)

(۳) "تَفۡوِيۡضُ الۡاَمۡرِ اِلَى اللهِ - اِنۡ لَمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا" (اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا)

(۴) "ذِكۡرُ حَالِ الۡعَبۡدِ اِذَا لَمۡ تَحۡصُلۡ لَهٗ مَغۡفِرَةُ اللهِ وَرَحۡمَتُهٗ - لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخَاسِرِيۡنَ" (تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہوجائیں گے)

آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت پر اللہ کے احسانات:

(۱) "اَلتَّوۡفِيۡقُ لِلتَّوۡبَةِ حَيۡثُ تَلَقَّى الۡكَلِمَاتَ مِنَ اللهِ" اللہ نے توبہ کی توفیق دی اور اپنی طرف سے آدم کو کلمات سکھائے۔

(۲) قُبُوۡلُ التَّوۡبَةِ - ﴿فَتَابَ عَلَيۡهِ﴾ چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔

﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ "اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْاَمْرِ"، حکم کا انکار کیا۔

﴿وَكَذَّبُوْا﴾ خبر کو جھٹلایا۔جحود اور استکبار یہی دونوں کفر کی اساس ہیں، کیونکہ کفر دو چیزوں پر گھومتا ہے:

(۱) استکبار (۲) جحود۔ کفر ابلیس، کفر استکبار تھا۔ کفر فرعون، کفر جحود تھا۔ ابلیس کا کفر، کفر استکبار اس وجہ سے تھا کیونکہ وہ اللہ کا اقرار کرتا تھا لیکن اس نے استکبار کیا۔ اور فرعون اور اس کی قوم کا کفر، کفر جحود اس وجہ سے تھا کیونکہ وہ زبان سے جھٹلاتے تھے اور دل سے تصدیق کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان دو اوصاف (کفر اور تکذیب) سے جو متصف ہو وہ جہنمی ہے اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک سے متصف ہو تو دلیل ہے کہ مکذب جہنمی ہے اور اگر انکار کرتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس کا یہ کفر ملت سے خارج کرنے والا ہے یا نہیں؟ اگر ملت سے خارج کرنے والا ہے تو جہنمی ہے اور ملت سے خارج کرنے والا نہیں ہے تو مخلد فی النار نہیں ہوگا۔ یعنی ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ﴾ نعمت کا یاد دلانا قبول حق کی طرف دعوت دیتا ہے۔

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ کہا گیا۔ اس میں ابھارا گیا ہے کہ تم ایک نیک باپ کے بیٹے ہو تو تم حق کی پیروی میں باپ کے مثل بنو۔

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ضلالت سامان ہے اور ہدایت قیمت ہے۔ قیمت دے کر انہوں نے سامان لے لیا۔ علم اور حق بات کی تبلیغ سے زیادہ اہم دنیا کو مت سمجھو۔

﴿لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ﴾ عالم کو حق کا اظہار کرنا واجب ہے اور اس کا چھپانا حرام ہے۔

﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ جماعت سے نماز پڑھنے کے حریص بنو۔

﴿وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ جب عالم حق کی مخالفت کرے تو جاہل سے زیادہ قابلِ ملامت ہوتا ہے یہاں تک کہ عام لوگ اگر کسی عالم کو کوئی منکر (برا) کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں عالم ہوتے ہوئے تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ اسی طرح جو بھلائی کا حکم دے مگر خود نہ کرے اور کسی منکر سے روکے اور وہ خود اس میں ملوث ہو تو وہ یہودیوں کے طریقے پر چل رہا ہے۔

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ بندے کا اللہ کی مدد کے بغیر کسی عمل خیر کا کرنا ممکن نہیں۔

﴿الْخٰشِعِيْنَ﴾ جو "خاشع" ہو اس پر نماز بھاری نہیں۔

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو) نماز مددگار کیسے ہو گی؟ جب وہ کامل طریقے سے نماز ادا کی جائے گی۔ آج اکثر لوگوں کی نماز، نماز بدن ہے، نماز قلب نہیں۔

﴿فَارْهَبُوْنِ﴾ "رہبت" کو پہلے لایا گیا اور ﴿فَاتَّقُوْنِ﴾ "تقویٰ" کو بعد میں لایا گیا کیونکہ رہبت اس خوف کو کہتے ہیں جو ابتداء تقویٰ میں ہو، گویا رہبت، تقویٰ کا مقدمہ ہے اور تقویٰ، رہبت کے بعد ہوتا ہے۔

﴿فَارْهَبُوْنِ﴾ "رہبت" کو پہلے لایا گیا اور ﴿فَاتَّقُوْنِ﴾ "تقویٰ" کو بعد میں لایا گیا کیونکہ رہبت اس خوف کو کہتے ہیں جو ابتداء تقویٰ میں ہو، گویا رہبت، تقویٰ کا مقدمہ ہے اور تقویٰ، رہبت کے بعد ہوتا ہے۔

﴿اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ یہ نعمتیں تمہیں وراثت میں نہیں ملیں بلکہ اللہ نے تمہیں عطا کیں۔

Scanned by CamScanner

﴿فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی) چونکہ وہ اس وقت اہل ایمان تھے لہٰذا وہ اپنے زمانے میں سب سے افضل تھے مگر اس وقت وہ افضل العالمین نہیں ہیں۔

﴿يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ (تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے) کسی قوم کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور صرف عورتیں باقی رہ جائیں تو ایسی قوم ذلیل ہو جاتی ہے اور اس کی شوکت ٹوٹ جاتی ہے اور اس کا رعب و دبدبہ ختم ہو جاتا ہے اور اس وقت چونکہ عورتوں کی طرف سے کوئی مدافعت کرنے والا نہیں رہتا۔ تو وہ غیروں کی عیاشیوں کا سامان بن جاتی ہیں۔

﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ (تمہیں برا عذاب دیتے تھے) ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ ''اَلْاِبِلُ السَّائِمَةُ'' (باہر پھرنے والے اونٹ) سے ماخوذ ہے یعنی فرعون، بنی اسرائیل کو طرح طرح کے عذاب کی گردش میں رکھتا تھا۔

﴿وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ جب کسی ظالم کا ظلم حد سے گذر جائے تو اس کی حکومت کا زوال قریب اور یقینی ہو جاتا ہے۔

﴿بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ﴾ موسیٰ کوہِ طور پر چلے گئے تو ان کی غیر موجودگی میں ان کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ علماء اور صالحین اگر معاشرے سے غائب ہو جائیں تو پورے معاشرہ کے سیدھی راہ سے منحرف ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ﴾ ب، ر، ء کے مادے میں ایک شئے کو دوسری سے جدا اور خاص کر لینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ''بَرِئَ الْمَدْيُوْنَ'' قرض دار قرض سے علیحدہ ہو گیا۔ بَرِئَ الْمَرِيْضُ مریض، مرض سے جدا ہو گیا یا ایک شئے کو دوسری شئے سے ایجاد و اختراع کے طور پر خاص کرنا جیسے کہا جاتا ہے۔ ''بَرَأَ اللّٰهُ آدَمَ مِنَ الطِّيْنِ'' یعنی اللہ نے نمناک مٹی سے آدم کو خاص اور علیحدہ کر لیا۔ اس مفہوم کے اعتبار سے ''باری'' کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ نے تمام انسانوں کی شکل و صورت جدا اور ممیز بنائی ہے۔

﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ بندے کی توبہ کو قبول کرتا ہے خواہ گناہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو۔

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ (آیت: ۵۷) (اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا) اللہ کا کتنا بڑا احسان ان کے اوپر تھا کہ انہیں چلتا پھرتا ایر کنڈیشنڈ گھر عطا کر دیا یعنی وہ جہاں جاتے بدلیاں ان کے اوپر سایہ فگن رہتیں کیونکہ بادل سے رطوبت گرتی ہے جس کی وجہ سے فضا ٹھنڈی رہتی ہے۔ اور کھانے کے لیے ''مَنّ'' جو شہد کے مشابہ ہوتا تھا اور ''سَلْوٰى'' (بٹیر) جس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے اور بہت ہی خوبصورت پرندہ ہوتا ہے۔ ''من'' اور ''سلویٰ'' کا مفہوم بھی بڑا عجیب ہے کہ خالص اللہ کا احسان تھا کہ بغیر تھکن اور مشقت کے حاصل ہو جاتا تھا۔ نیز پرندوں کا گوشت سب سے بہتر ہوتا ہے۔ اور یہ اہل جنت کی بھی غذا ہوگی جیسا کہ اللہ نے سورۂ واقعہ میں فرمایا ﴿وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ (سورہ واقعہ: ۲۱) اور اللہ نے جو رزق انسان کے لیے جائز قرار دیا ہے وہ رزق طیب ہے اور جس رزق کو حرام کر دیا وہ رزق خبیث ہے اور رزق طیب استعمال کرنے سے آدمی کا مزاج طیب بنتا ہے اور رزق خبیث استعمال کرنے سے آدمی کا مزاج خبیث بنتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿خَطِيٰكُمْ﴾ "اَلْخَطِيْئَةُ مَا يَرْتَكِبُهُ الْاِنْسَانُ مِنَ الْمَعَاصِيْ عَنْ عَمْدٍ وَاِنَّمَا يَرْتَكِبُهُ عَنْ غَيْرِ عَمْدٍ فَيُسَمّٰى اِخْطَاءً وَلِهٰذَا يُفَرِّقُ بَيْنَنَا مُخْطِئٍ وَخَاطِئٍ. اَلْخَاطِئُ مَلُوْمٌ وَالْمُخْطِئُ" معذور جس گناہ کا ارتکاب انسان جان بوجھ کر کرے وہ "خَطِيْئَةٌ" ہے اور جس کا ارتکاب جان بوجھ کر نہ کرے۔ وہ "اِخطاء" ہے لہٰذا "خاطی" قابل ملامت ہے اور "مخطی" معذور ہے۔

﴿وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ حِطَّةٌ کا مطلب ہے "بخش دے"۔ تو وہ "حِطَّةٌ" کی جگہ "حِنْطَةٌ" کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ اور جھکے جھکے جاؤ تو وہ اپنی سرینوں کے بل چلتے ہوئے داخل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تحریف انتہائی قبیح (بری) چیز ہے خواہ وہ لفظی ہو یا معنوی ہو۔ لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفات ملاحظہ کرنا ہو تو آج کل کے بدعتی علماء کو دیکھ لیا جائے۔

﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور تبدیل کلمہ ظلم ہے۔

﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ (اس وجہ سے کہ وہ فسق کرتے تھے)۔

فسق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) فسق اکبر (۲) فسق اصغر۔ فسق اکبر کی ضد ایمان ہے اور فسق اصغر کی ضد عدالت ہے۔ لہٰذا فسق اکبر کے ارتکاب سے آدمی ملت سے نکل جاتا ہے اور فسق اصغر کے ارتکاب سے آدمی ملت سے نہیں نکلتا۔

﴿فَانْفَجَرَتْ﴾ اِنْبَجَسَ اور اِنْفَجَرَ میں فرق: اِنْبَجَسَ کا مطلب ہے "رِسنا" اور اِنْفَجَرَ کا مطلب ہے "بہہ نکلنا"۔

﴿اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ بظاہر لاٹھی، پتھر اور پانی میں کوئی جوڑ نہیں، کیونکہ لاٹھی سے پتھر نہیں پھٹتا۔ اور پتھر سخت چیز ہے اس سے نرم وسیال چیز یعنی پانی نہیں نکل سکتا۔ اس میں درس ہے کہ انسان جائز تدبیر اختیار کرے مگر اسے موثر بالذات نہ سمجھے۔ بلکہ موثر بالذات اللہ کو سمجھے تو اللہ مشکل حالات (پتھر) سے اچھے حالات (پانی) نکال دیتا ہے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں پتھر سے پانی نکلنے کا معجزہ ظاہر کیا مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی نکال دیا جو موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے بھی بڑا ہے کیونکہ پتھر سے پانی تو نکلنا ممکن ہے مگر انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی نکلنا عادتاً محال ہے۔ نیز اس واقعے میں یہ تعلیم دی گئی کہ عداوت اور نا اتفاقی سے دور رہنا چاہئے۔

﴿لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ﴾ کہا جاتا ہے "فَرَضَتِ الْبَقَرَةُ فُرُوْضًا" (گائے بوڑھی ہوگئی) بوڑھی کو فارض اس وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ فرض کا مطلب قطع یعنی کاٹنا ہے۔ گویا اس کی عمر کے بہت سے سال منقطع ہو گئے۔

﴿بِكْرٌ﴾ "ب، ک، ر" کے مادے میں اولیت کے معنی پائے جاتے ہیں چنانچہ "باکورہ" اس پھل کو کہتے ہیں جو پہلے پہل نکلے۔

﴿عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ یہ "عَوَنَتِ الْمَرْاَةُ" (عورت ادھیڑ ہوگئی) سے ماخوذ ہے، یعنی گائے ایسی ذبح کرو جو نہ فارض (بوڑھی) ہو نہ بکر (اتنی چھوٹی کہ بچہ دینے کے قابل نہ ہو) ہو بلکہ عوان (بیچ کی راس) ہو۔

﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ (اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرنا) تَعْثَوْا، عُثُوٌّ سے ماخوذ ہے۔ چونکہ کبھی کبھی عُثُوٌّ کے مفہوم میں عدمِ فساد بھی پایا جاتا ہے، اس لیے مفسدین لایا گیا۔

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ یہود بدن سے ذلیل اور دل سے مسکین ہیں۔

﴿الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ ان (یہود) میں ذلت ہے یعنی بزدل ہیں دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور مسکنت یعنی فقر ہے یعنی نہ یہ بہادر ہیں اور نہ ان کے پاس مال ہے۔ لہٰذا دنیا میں یہودیوں سے زیادہ بزدل اور بخیل کوئی قوم نہیں ہے۔ ان کے پاس ہتھیار ہیں مگر شجاعت نہیں ہے اور ان کے پاس مال کثیر ہے لیکن ان کے دل فقیر ہیں۔

﴿اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ﴾ آج اکثر مسلمانوں نے حلال کو حرام سے بدل لیا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ بنی اسرائیل چھوٹے گناہوں سے بڑے گناہ، جیسے کفر اور قتل انبیاء تک پہنچ گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ "اَلذَّنْبُ يَجُرُّ الذَّنْبَ" گناہ، گناہ کو کھینچتا ہے۔

﴿عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ جب معصیت اور اعتداء دونوں ساتھ آئیں تو معصیت کا مطلب "فِعْلٌ مَنْهِيٌّ عَنْهُ" (جس کام سے اللہ نے روکا ہے) اور اعتداء سے مراد "تَجَاوَزَ مَا اُمِرَ بِهٖ" (جس کا حکم دیا گیا ہے اس سے تجاوز کرے) ہے۔ جیسے چار رکعات والی نماز کو پانچ رکعات پڑھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ "اِنَّ الْمَعْصِيَةَ تَرْكُ الْمَاْمُوْرِ وَالْعُدْوَانِ فِعْلُ الْمَحْظُوْرِ" کہ جس چیز کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کا ترک کرنا معصیت ہے اور جس چیز سے منع کیا ہے اس کا کرنا عدوان ہے۔ یعنی یہودیوں نے نہ تو واجبات ادا کئے نہ حرام سے باز رہے۔

﴿لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کرنا، جیسے حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنا یہودیوں کا طریق ہے۔

﴿مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ﴾ یہاں اگانے کی نسبت زمین کی طرف کی گئی ہے جب کہ زمین سے اگانے والا اللہ ہے۔

عقیدہ۔ اس کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) اس چیز کو صرف اللہ کی طرف منسوب کرے، یہ جائز ہے۔

(۲) اللہ کی طرف اس کا انتساب سببِ معلوم کو ملا کر کرے جیسے "لَوْلَا اَنَّ اللّٰهَ اَنْجَانِيْ بِفُلَانٍ لَغَرِقْتُ" اگر اللہ نے فلاں کے ذریعے مجھے نجات نہ دی ہوتی تو میں ڈوب جاتا۔ یہ جائز ہے۔

(۳) صرف سبب معلوم کی طرف نسبت کرے مگر اعتقاد رکھے کہ اللہ ہی مسبب ہے جیسے نبی نے فرمایا عَنْ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هَلْ نَفَعْتَ اَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ، فَاِنَّهٗ كَانَ يَحُوْطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ؟ قَالَ: "نَعَمْ، هُوَ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، لَوْلَا اَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" (صحیح بخاری، کتاب الادب: ۶۲۰۸) اگر میں نہ ہوتا تو وہ (ابوطالب) جہنم کے نچلے طبقے میں ہوتا۔ یہ جائز ہے۔

(۴) اللہ کی طرف سببِ معلوم کو ثُمَّ (پھر) کے ساتھ ملا کر نسبت کرے "لَوْلَا اللّٰهُ ثُمَّ فُلَانٌ لَغَرِقْتُ" اگر اللہ نہ ہوتا پھر فلاں نہ ہوتا تو میں ڈوب جاتا۔ یہ جائز ہے۔

(۵) اللہ اور سببِ معلوم دونوں کی طرف واؤ کے ساتھ ملا کر نسبت کرے جیسے کہے "لَوْلَا اللّٰهُ وَفُلَانٌ لَغَرِقْتُ" اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتے تو میں ڈوب جاتا، یہ شرک ہے۔

Scanned by CamScanner

(۶) اللہ اور سببِ معلوم کی طرف حرف فاء کے ساتھ ملا کر نسبت کرے جیسے کہے "لَوْلَا اللّٰهُ فَفُلَانٌ لَغَرِقْتُ" اگر اللہ پس فلاں نہ ہوتا تو میں ڈوب جاتا۔ جواز کا بھی احتمال ہے اور عدم جواز کا بھی۔

(۷) اس کی نسبت سببِ موہوم کی طرف کرے جو شرعاً اور حساً ثابت نہ ہو یہ شرک ہے۔

یعنی پہلی چار صورتیں جائز ہیں۔ پانچویں صورت شرک ہے۔ چھٹی صورت محلِ نظر ہے اور ساتویں صورت بھی شرک ہے۔

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ کہا جاتا ہے "ضُرِبَتِ الطِّيْنُ عَلَى الْحَائِطِ" دیوار پر مٹی پوت دی گئی۔

﴿اَلْمَسْكَنَةُ﴾ سُكُوْنٌ سے ماخوذ ہے۔ مسکنت ایسا فقر ہے جو آدمی کو نچلا بٹھا دیتا ہے اور ساکن کر دیتا ہے اور اس کا سارا چلبلا پن جاتا رہتا ہے۔ آج بھی یہودیوں کی حالت دیکھو اگرچہ وہ کتنے ہی مالدار ہوں پھر بھی فقیر و گدا گر معلوم ہوتے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ﴾ جب بنی اسرائیل کی نافرمانیاں اور برائیاں ذکر کی گئیں اور ان کی مذمت کی گئی تو بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ کیا یہ مذمت سب کو شامل ہے؟ تو اللہ نے ان کا ذکر کیا جو اس مذمت میں شامل نہ تھے۔

﴿الصّٰبِئِيْنَ﴾ کہا جاتا ہے "صَبَأَ نَابُ الْبَعِيْرِ" (اونٹ کا دانت نکلا) فرقۂ صابئین کو صابئین اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر دین سے نکلے ہوئے تھے اور کسی بھی دین میں داخل نہیں ہوتے تھے۔

﴿اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (سو وہ پتھر کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت) بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے سوتے نکلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے پہاڑ سے نیچے آ رہتے ہیں۔

"تَفَجُّرْ" اور "تَشَقُّقْ" میں فرق: تَفَجُّرْ-اَلشَّقُّ الْوَاسِعُ (وسیع شگاف) کو کہتے ہیں۔ تَفَجُّرْ میں وسعت کا مفہوم ہے۔ "عُبِّرَ بِهِ عَنْ خُرُوْجِ الْأَنْهَارِ مِنَ الصُّخُوْرِ الْكِبَارِ" یعنی بڑی بڑی چٹانوں سے نہروں کا نکلنا۔ تَشَقُّق عام ہے اس سے تھوڑا پانی بھی نکلتا ہے۔

﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ جو کسی خوفناک چیز کی توقع کر رہا ہو تو اسے خائف کہا جاتا ہے۔ اور ماضی میں فوت شدہ کسی پسندیدہ چیز پر غمزدہ کو محزون کہا جاتا ہے۔ اور کبھی آئندہ کسی چیز سے خوف پر بھی حزن کا اطلاق ہوتا ہے جیسے نبی ﷺ کا قول ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جب وہ دونوں غار میں تھے ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (سورۃ توبہ:۴۰)

﴿كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾ (ذلیل بندر بن جاؤ) جنہوں نے سبت (سنیچر) کی حرمت کو پامال کیا انہیں بندر بنا دیا گیا اور جن لوگوں نے ان کے غلط عمل پر انہیں روکا، وہ بچ گئے۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ شریک نہیں ہوئے اللہ نے ان سے سکوت اختیار کیا ہے۔ تو ہمیں بھی ان کے بارے میں سکوت اختیار کرنا چاہیے۔

﴿بَقَرَةً﴾ گائے کو کسی صفت کے ساتھ متعین نہیں کیا تو وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو حکم بجا لانے والے ہو جاتے۔ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی عدم صراحت، صراحت سے زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ آمُرُكُمْ (میں تمہیں حکم دیتا ہوں) نہیں کہا۔ نہ اِذْبَحُوْا (ذبح کرو) کہا بلکہ یہ کہا کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو تا کہ ان کے دلوں میں زیادہ اثر ہو۔

﴿اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ کیا تم ہم کو مذاق بنا رہے ہو۔ یہ "کیا تم ہم سے مذاق کر رہے ہو" سے زیادہ بلیغ ہے یعنی اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا؟ أتَسْتَهْزِئُ بِنَا سے زیادہ بلیغ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا مذاق اُڑانا جہالت اور حماقت ہے۔

﴿يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ﴾ اس مطالبے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ "بقرۃ" مطلق ہے مجمل نہیں ہے کہ اسے بیان کی ضرورت ہو، جیسے آپ کہیں "أَكْرِمْ رَجُلاً" کسی آدمی کا اکرام کرو۔ تو آپ کسی بھی آدمی کا اکرام کر دیں تو مقصود حاصل ہو جائے گا۔ آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "مَاصِفَةُ هٰذَا الرَّجُلِ؟" وہ آدمی کیسا ہو؟ تو وہ کسی بھی گائے کو ذبح کر دیتے تو معاملہ ختم ہو جاتا۔

﴿اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا﴾ عجیب بات ہے، گائے کا رنگ اور اس کی عمر بتا دی گئی تو پھر اشتباہ کیا رہا؟ دراصل اللہ کے حکم کی تعمیل میں یہ ان کا عناد اور سستی تھی۔

﴿لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾

سوال: گائے کیسی ہو؟

جواب:

(۱) صَفْرَاء - زرد ہو۔

(۲) لَيْسَ فِيْهَا سَوَاد - اس میں سیاہی نہ ہو۔

(۳) لَا فِيْهَا بَيَاض - اس میں سفیدی نہ ہو۔

(۴) لَا فِيْهَا اَيُّ لَوْنٍ آخر - اس میں اور کوئی رنگ نہ ہو۔

(۵) لَيْسَتْ سَانِيَة - کنوئیں سے پانی لا کر کھیتوں کو سیراب کرنے والی نہ ہو۔

(۶) لَيْسَتْ حَارِثَة - کھیت جوتنے والی نہ ہو۔

(۷) فَاقِعٌ لَوْنُهَا - رنگ چٹکیلا ہو۔

(۸) تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ لَا مُسْتَكْرَهَة - دیکھنے والوں کو اچھی لگے۔ خراب نہ لگے۔

(۹) لَا بِكْر - باکرہ نہ ہو یعنی ایسی نہ ہو کہ سانڈ نے اس سے جفتی نہ کی ہو۔

(۱۰) لَا فَارِض - اَلْمُسِنَّةُ الْكَبِيْرَةُ - یعنی بہت بوڑھی نہ ہو۔

قرآن حکیم کے اس بیان کے بعد ہمیں ضرورت نہیں کہ اس قصے کو بیان کریں جسے بہت سے مفسرین نے اسرائیلیات سے بیان کیا ہے کہ یہ گائے ایک ایسے آدمی کے پاس تھی جو اپنی ماں کا بڑا فرمانبردار تھا جہاں تک اسرائیلی روایات کا معاملہ ہے، ہم اس کی نہ تو تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب کرتے ہیں۔ لیکن اس مقام پر قرآن کا ظاہر اس اسرائیلی روایت کا جھوٹ ہونا بتلا

Scanned by CamScanner

رہا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو واقعہ نقل کیا جاتا کیونکہ اس سے والدین کی فرمانبرداری پر ترغیب ہوتی اور ہم اس سے سبق لیتے۔

﴿إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ﴾ کہا جاتا ہے کہ آخر میں جب انہوں نے ان شاء اللہ کہا تو انہیں رہنمائی مل گئی مگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ شیطان کی طرح انہوں نے تقدیر سے احتجاج کا ارادہ کر لیا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَشَأْ اَنْ نَھْتَدِیَ اللہ نے نہیں چاہا کہ ہم کو رہنمائی ملے۔

﴿اِدّٰرَأْتُمْ﴾ اس قتل کے معاملے کو ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ ''اَلْعَقْلُ هُوَمَا يَحْجُزُ الْاِنْسَانَ عَنْ فِعْلٍ مَالَا يَنْبَغِيْ'' عقل وہ ہے جو انسان کو نامناسب کاموں سے روکتی ہے یہ ذکاء (ذہانت) کے خلاف ہے کیونکہ ذکاوت تیز فہمی کو کہتے ہیں۔ کبھی انسان تیز فہم ہوتا ہے لیکن عقل مند نہیں ہوتا۔

﴿وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ انہوں نے ناگواری سے کیا۔

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ ''تَشْبِيْهُ الْمَعْقُوْلِ بِالْمَحْسُوْسِ'' ہے۔ دل کی سختی جو امر معقول ہے اسے پتھر سے جو امر محسوس ہے تشبیہ دی گئی۔

﴿كَالْحِجَارَةِ﴾ ان کے دلوں کو پتھر سے تشبیہ دی گئی۔ لوہے سے نہیں دی گئی یعنی ''كَالْحَدِيْدِ'' نہیں کہا کیونکہ لوہا آگ میں پگھل جاتا ہے مگر پتھر پھٹ جاتا ہے لیکن نرم نہیں ہوتا نہ پگھلتا ہے۔

﴿يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ﴾ (بعض (پتھر) پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جاری ہو جاتا ہے) جیسے کنوئیں وغیرہ کے پتھر۔

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ﴾ ''اَلطَّمَعُ:مَعْنَاهُ اَلرَّجَاءُ مَقْرُوْنٌ بِالرَّغْبَةِ الْاَكِيْدَةِ'' مضبوط خواہش سے ملی ہوئی امید کو ''طمع'' کہتے ہیں۔

﴿كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ ''اِنَّ اللّٰهَ يَتَكَلَّمُ بِحُرُوْفٍ وَّاَصْوَاتٍ مَسْمُوْعَةٍ: اللہ کے کلام میں حروف اور آوازیں ہوتی ہیں اور وہ آوازیں سنی جاتی ہیں۔

کلام اللہ آحاد کے اعتبار سے صفت فعلیہ ہے اور اصل صفت کے اعتبار سے صفت ذاتیہ ہے۔ صفتِ ذاتیہ وہ صفت ہے جو ازلی اور ابدی طور پر اللہ کی ذات کے لیے لازم ہے اور صفت فعلیہ وہ صفت ہے جو اللہ کی مشیت سے متعلق ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہے تو ہوتی ہے جیسے ''اِسْتِوَاءٌ عَلَى الْعَرْشِ'' اور ''نُزُوْلٌ اِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا'' وغیرہ۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ﴾ جاہل کی غلطی کے مقابلے میں عالم کی غلطی زیادہ قبیح ہے۔

﴿لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ اس میں اللہ کی کتاب کا علم نہ رکھنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

﴿لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ اس میں بغیر سمجھے تلاوت قرآن کرنے والوں کی مذمت ہے۔

﴿اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ جو کتاب اللہ کا معنی نہیں سمجھتا وہ بات کرے گا تو ظن (گمان) سے بات کرے گا اور گمان سے حکم لگانا یہودیوں کی صفت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقلد عالم نہیں ہوتا۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ علیہ نے کہا ''اِنَّ الْعُلَمَاءَ

اَجْمَعُوْا اَنَّ الْمُقَلِّدَ لَا یُعَدُّ مِنَ الْعُلَمَاءِ ''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مقلد عالم نہیں ہوتا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ: ۴۴۶)

﴿یَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ اس میں دین کو بیچ کر، دنیا خریدنے والوں کے لیے وعید ہے۔

﴿فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ﴾ ''اَلْكَسْبُ: مَعْنَاهُ حُصُوْلُ الشَّیْءِ نَتِیْجَةً لِعَمَلٍ'' کسی عمل کے نتیجے میں حاصل شدہ کمائی کو ''کسب'' کہا جاتا ہے۔ حرام کمائی سے کی جانے والی کمائی بھی حرام ہے۔

﴿اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓئَتُهٗ﴾ (اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا) ''اَحَاطَتْ'' ''حَائِطٌ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی دیوار کے ہیں تو جس طرح دیوار ہر جانب سے گھیر لیتی ہے۔ اسی طرح گناہ انسان کو ہر جانب سے گھیر لیتا ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں سَیِّئَةٌ سے مراد کفر ہے اور خَطِیْئَةٌ سے مراد وہ گناہ ہیں جو اس کے علاوہ ہیں۔ اس سے ایک نکتہ یہ بھی معلوم ہو کہ گناہ پھیلتے اور بڑھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ برائیاں جس کو گھیر لیں اس کے پاس نیکیاں نہیں رہ جاتیں۔

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ﴾ عہد کو میثاق کہا جاتا ہے کیونکہ وَثَاقٌ اور مِیْثَاقٌ اس رسی کو کہتے ہیں جس سے مجرم کے ہاتھوں اور پیروں کو باندھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسی مجرم کو لازم رہتی ہے۔ اسی طرح عہد کو پورا کرنا لازم ہے۔

﴿وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اعراض (بے رخی) دو طرح کا ہوتا ہے (۱) بدن کا اعراض (۲) بدن کے ساتھ دل کا اعراض اور اگر معاملہ ''تَوَلِّیْ مَعَ الْاِعْرَاضِ'' (بدن کے ساتھ دل کی بے رخی) تک پہنچ جائے تو آدمی کے پلٹنے کی امید نہیں ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے ''تَعَرَّضَ الشَّیْءُ'' (چیز ٹیڑھی ہوگئی) اور کہا جاتا ہے ''تَعَرَّضَ الرَّجُلُ فِیْ سَیْرِهٖ'' (آدمی ٹیڑھا میڑھا چلا) تو اگر آدمی صرف بدن سے ٹیڑھا ہو تو اس کے سیدھا ہونے کا امکان ہے مگر بدن کے ساتھ اس کا دل بھی ٹیڑھا ہو گیا تو یہ پوری طرح ٹیڑھا ہو گیا۔ اب اس کے سیدھا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

﴿بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اِثْمٌ: معصیت (نافرمانی) کو کہتے ہیں اور کسی پر ناحق زیادتی کو عُدْوَانٌ کہتے ہیں ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ''فَكُلُّ عُدْوَانٍ مَعْصِیَةٌ وَلَیْسَتْ كُلُّ مَعْصِیَةٍ عُدْوَانًا'' ہر عدوان معصیت ہے اور ہر معصیت عدوان نہیں۔

﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ (پھر یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشاتِ نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا تو تم نے اس کے مقابلہ میں سرکشی ہی کی)

رسولوں کے تعلق سے یہودیوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) رسولوں کو جھٹلا دیا (۲) جھٹلانے کے ساتھ انہیں قتل بھی کر دیا۔

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ فطری طور پر دلوں پر پردہ نہیں ہوتا وہ کھلے ہوئے ہوتے ہیں مگر حالات اور رکاوٹیں ان پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ اس سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ اسباب کے اپنے مسببات میں تاثیریں ہوتی ہیں مگر یہ تاثیر اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔

﴿فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ ان پر غضب کے تین اسباب تھے۔

(۱) حق کو پہچاننے کے بعد اس کا انکار۔

(۲) اپنی خواہشات کی بنا پر حق کے قبولیت سے استکبار۔

Scanned by CamScanner

(۳) انبیاء کی تکذیب اوران کا قتل۔

﴿فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ اس آیت سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ کسی معین آدمی پر لعنت نہیں کرنی چاہئے جیسے اس طرح کہے ''اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا'' اے اللہ فلاں پر لعنت کر کیونکہ معین کافر ہوسکتا ہے کہ ہدایت پا جائے۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فِي الْأَخِيرَةِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ} (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: ۷۳۴۶)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فجر کی نماز کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد'' ربنا لك الحمد'' کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا'' اے اللہ! لعنت بھیج فلاں، فلاں اور فلاں پر راوی کہتا ہے کہ میں نے اپنے کان سے سنا کہ اس وقت یہ آیت ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۲۸) اللہ نے نازل فرمائی کہ اے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں کچھ نہیں اللہ چاہے گا تو ان پر مہربانی فرمائے گا یا عذاب دے گا تحقیق کہ وہ ظالم ہیں۔

''عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ۱۳۹۳) عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کو برا بھلا نہ کہو، اس لیے کہ وہ اس چیز کے پاس پہنچ گئے جو انہوں نے کیا تھا۔

﴿اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بناء پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے اپنے جس بندے کو خود چاہا نواز دیا) نبوت ملنے کے بعد بھی نبی بندہ ہی ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا'' (صحیح بخاری، کتاب التہجد: ۱۱۳۰)

﴿فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ (سو وہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے) گناہوں کے اعتبار سے سزاؤں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

﴿بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ یہاں ''مَا اَنْزَلَ الله'' سے مراد قرآن ہے اللہ نے اس کو نازل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ عین قائم بالذات تھا۔ (قَائِمٌ بِهٖ نَفْسُهٗ) ذات نہیں بلکہ یہ صفت ہے۔

﴿نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ جسے حق کی طرف بلایا جائے اور وہ کہے کہ میرا مذہب یہ اور وہ ہے۔ وہ یہود کے مشابہ ہے۔

﴿اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ (تم نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ہو ہی ظالم) معلوم ہوا کہ کسی فعل کو برا سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کرنا ظلم ہے۔

﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ ''اَلْعِصْيَانُ هُوَ الْخُرُوْجُ عَنِ الطَّاعَةِ بِتَرْكِ الْمَامُوْرِ اَوْفِعْلِ الْمَحْظُوْرِ'' جس

چیز کا حکم دیا گیا اسے چھوڑ کر اور جس چیز سے منع کیا گیا اسے کر کے اطاعت سے نکل جانا ''عصیان'' کہلاتا ہے۔

﴿بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ﴾ (یہ عجیب ایمان ہے جو ایسی بری حرکات کا تمہیں حکم دیتا ہے) معلوم ہوا کہ حقیقی ایمان، اللہ کی اطاعت پر ہی ابھارتا ہے۔

﴿اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ﴾ ''اَلْحِرْصُ اَنْ يَكُوْنَ الْاِنْسَانُ طَامِعاً فِي الشَّيْءِ مُشْفِقًا فِيْ فَوَاتِهٖ وَالْحِرْصُ يَسْتَلْزِمُ بَذْلَ الْمَجْهُوْدِ'' انسان کسی چیز کا خواہش مند ہو اور اسے ڈر ہو کہ کہیں اس کے ہاتھ سے وہ نکل نہ جائے۔ اسے حرص کہتے ہیں اور حرص میں کوشش کرنا لازم ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ، قَالَ: ''مَنْ طَالَ عُمُرُهُ، وَحَسُنَ عَمَلُهُ''، قَالَ: فَأَيُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ: ''مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ'' (سنن ترمذی، ابواب الزہد: ۲۳۳۰، صحیح)

ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل اچھا ہو۔ اس نے پوچھا سب سے برا آدمی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل برا ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ علیہ نے ناپسند کیا ہے کہ کوئی کسی انسان کے لیے ''أَطَالَ اللهُ بَقَاءَكَ'' (زندہ باد) کہے۔

﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ﴾ معلوم ہوا کہ کافر موت کو ناپسند کرتا ہے۔

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ﴾ اس آیت میں جبریل علیہ السلام کی فضیلت ہے کیونکہ اللہ نے ان کی طرف سے دفاع کیا ہے۔

﴿اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ ''اَلْبَيِّنَةُ: اَلْوَاضِحَةُ فِيْ ذَاتِهَا وَدَلَالَتِهَا'' جو فی نفسہ واضح ہو اور اس کی دلالت بھی واضح ہو۔ اسے ''بَيِّنَة'' کہتے ہیں۔

﴿وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ اپنے سامنے یا دائیں بائیں پھینکتے تو ہو سکتا تھا کہ وہ اسے اٹھا لیں لیکن پیٹھ کے پیچھے پھینکنے سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اس کی طرف رجوع کرنے والے نہیں ہیں۔

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾ سلیمان علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام سے پہلے نبی تھے۔ اور سلیمان علیہ السلام نبی، رسول اور بادشاہ تھے۔ یہود کہتے ہیں کہ وہ صرف بادشاہ تھے۔

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ سحر (جادو) عمل شیطان ہے اور جادو سیکھنا اور سکھانا کفر ہے۔ جادو کے بڑے اثرات میں ایک بڑا اثر میاں بیوی کے درمیان تفریق کرنا ہے۔ اور جادو میں تاثیر اللہ نے رکھی ہے اور بغیر اللہ کے اذن کے جادو اثر نہیں کر سکتا اور کسی پر جادو کیا گیا ہو تو اس کے اوپر ضروری ہے کہ اسے رفع کرنے کے لیے اسباب (رقیہ شرعیہ) اختیار کرے۔ ہر چیز جب اللہ کے اذن سے ہوتی ہے تو نفع کے حصول اور مضرات کے دفع کے لیے ہمیں اللہ کی پناہ لینا چاہئے۔ جادو میں صرف ضرر ہے اس میں خیر نہیں ہے۔ جادوگر ملت سے نکل جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

جادوگر کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ جادو جیسے عمل کو اختیار کرنے پر ان کی مذمت کی گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کے علم کی وجہ سے دنیا کو صرف ضرر پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔

﴿لَمَثُوبَةٌ﴾ مثوبۃ کے معنی ''ثواب'' کے ہے اور ثواب کے معنی بدلے کے ہیں۔ یہ ''ثاب یثوب'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی رجوع یعنی لوٹنے کے ہوتے ہیں، گویا بدلہ انسان کا وہی عمل ہے جو اس کی طرف لوٹ آیا۔

﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (اللہ کے پاس سے) یہ بدلہ ایسا ہوگا کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کیونکہ بڑے کا عطیہ بھی بڑا ہوتا ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ''رَاعِنَا'' نہ کہا کرو بلکہ ''اُنْظُرْنَا'' کہو) ایمان، اخلاق فاضلہ کا تقاضا کرتا ہے اور گفتگو اور الفاظ کے انتخاب میں ادب کی رعایت اخلاق فاضلہ میں سے ہے۔ نیز انسان کو کسی چیز سے روکا جائے تو اس کا جائز بدل بھی بتلانا چاہیے۔ ''رَاعِنَا'' مراعاۃ سے ہے یعنی ہماری رعایت کیجیے مگر یہود نے ''رَاعِنَا'' کو رعونت سے ماخوذ کیا کہ رسول ''رَاعِنٌ'' یعنی معاذ اللہ احمق ہیں۔ چونکہ لفظ دو معانی کا احتمال رکھتا تھا اس لیے اللہ نے سوءِ ظن سے بچنے کے لیے اس لفظ کو بولنے سے منع کر دیا اور اس کی جگہ پر ''اُنْظُرْنَا'' کہنے کا حکم دیا۔

﴿رَاعِنَا﴾ جو جائز کسی حرام چیز کا وسیلہ بنے وہ مَنْهِيٌّ عَنْهُ (ممنوع) ہے۔

﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ یہاں عظیم میں کمیت اور کیفیت دونوں ہے۔ اللہ کا فضل دوسروں کے فضل کی طرح نہیں کہ اللہ کا فضل غیر محدود اور ماسوی اللہ کا فضل محدود ہے۔

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اپنے ہر طرزِ عمل اور اپنی ہر کارروائی اور اپنے ہر اقدام میں کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہر خیر سے دور رکھیں اور ہر ترقی سے باز رکھیں اور انہیں ہر میدان میں پیچھے دھکیل دیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ان سے موالات نہ رکھیں۔

﴿نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا﴾ (ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں) ناسخ، منسوخ سے بہتر ہوتا ہے اور نسخ کسی مصلحت کی بنا پر ہوتا ہے۔

سوال: اگر ایک حکم کو بدل کر ویسا ہی حکم لے آیا گیا تو اس میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس میں ''انسان مکلف'' کا حکم بجالانے میں امتحان ہے جیسے تحویلِ قبلہ، کہ اس میں صرف دائیں بائیں پھرنا ہی ہے۔ لیکن حکمت یہ ہے کہ کون اس حکم کو بجالاتا ہے اور کون ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے؟ مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ جس طرف اسے پھیرے فوراً پھر جائے۔

﴿اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ﴾ پریشان کرنے اور مشقت میں ڈالنے اور ایک عالم کی رائے کو دوسرے عالم کی رائے سے ٹکرانے کے لیے سوال مذموم ہے۔

﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ ''اَلْوَدُّ خَالِصُ الْمَحَبَّةِ'' خالص دلی محبت کو ''وَدّ'' کہتے ہیں، یعنی بہت سے اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں (يَوَدُّوْنَ بِكُلِّ قُلُوْبِهِمْ) کہ تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں اور یہ چاہت صرف حسد کی وجہ سے

Scanned by CamScanner

ہے کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے۔ ''اَلْحَسَدُ كَرَاهَةُ نِعْمَةِ اللهِ عَلَى الْغَيْرِ'' دوسرے پر اللہ کی نعمت کو ناپسند کرنا ''حسد'' ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حسد یہود و نصاریٰ کی صفت ہے، اگر یہ ان کی صفت نہ بھی ہوتی تو بھی اس سے نفرت لازم تھی۔

﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾ جب مسلمانوں کے پاس قوت نہ ہو تو کفار سے عارضی صلح جائز ہے۔

﴿حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ اسباب مادی اور عددی قوت کی عدم موجودگی میں قتال حکمت کے خلاف ہے۔

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ اپنے زعم کے مطابق اگر وہ سچے ہیں کہ یہودی ہی جنت میں جائے گا یا نصرانی ہی جنت میں جائے گا تو انہیں دلیل پیش کرنی چاہئے اور وہ ہرگز کوئی دلیل نہیں لا سکتے تو وہ جھوٹے ٹھہرے۔ عَنْ أَبِي يَعْلَى شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ، مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا، ثُمَّ تَمَنَّى عَلَى اللهِ'' (سنن ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ: ۲۴۵۹، ضعیف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کر لے اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرے اور بیوقوف وہ ہے جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلے اور اللہ سے آرزوئیں باندھ لے۔

﴿مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ اللہ کی طرف مضاف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مضاف صفت ہو جیسے کلام اللہ، یہ غیر مخلوق ہے۔

(۲) مضاف بذاتِ خود قائم ذات عین (قَائِمَةٌ بِنَفْسِهَا) ہو۔ مساجد اللہ، یہ مخلوق ہے۔

(۳) مضاف اعیان مخلوقہ یا ذوات مخلوقہ سے متعلق ہو جیسے ﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ (سورہ ص: ۷۲) (اور اس میں اپنی روح پھونک دیا) میں ''روح'' مخلوق ہے۔

﴿اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ ذکر لسانی اللہ کے نام کے ساتھ ہو، ضمیر مفرد جیسے ''هُوْ هُوَ'' کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے۔ مساجد سے اور اس میں اللہ کے ذکر سے روکنے اور اسے ویران کرنے کی کوشش کرنے والے کی سزا دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔

﴿لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ ''اَلْيَقِيْنُ هُوَ الْعِلْمُ الَّذِيْ لَا يُخَالِجُهُ شَكٌّ''، یقین وہ علم ہے جس میں شک راہ نہ پائے۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ قرآن کے منکر کو دنیا کتنی بھی مل جائے وہ گھاٹے ہی میں رہے گا۔

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ﴾ ابتلاء کے اصل معنی کسی امر شاق کی تکلیف دینے کے ہیں یہ بلاء سے مشتق ہے اور تکلیف دینا آزمائش کو مستلزم ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا نام قرآن میں ۶۷ جگہ آیا ہے۔

﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾ بیت الحرام کی فضیلت دو وجہوں (مَثَابَتْ اور اَمْن) سے ہے۔ مَثَابَةٌ کے معنی مرجع کے ہیں کہ چاروں طرف سے لوگ وہاں آتے ہیں یا یہ ثواب کی جگہ بنا دی گئی ہے۔ دوسرے یہ جائے امن ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ مقام سے مراد تمام مناسک حج ہیں جیسے وقوف بعرفۃ، طواف، سعی بین الصفا والمروہ وغیرہ۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَاسْتَلَمَ الْحَجَرَ، ثُمَّ مَضَى عَلَى يَمِينِهِ، فَرَمَلَ ثَلَاثًا، وَمَشَى أَرْبَعًا، ثُمَّ أَتَى الْمَقَامَ، فَقَالَ: "{وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى}"، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَالْمَقَامُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ، ثُمَّ أَتَى الْحَجَرَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا، أَظُنُّهُ قَالَ: {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ} (سنن ترمذی، ابواب الحج: ۸۵۶، صحیح)

جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، یعنی اگر مقام کو عام مراد لیں تو مقام سے مراد تمام مناسک حج ہیں اور مقام کو خاص مراد لیں تو وہ معین پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، پہلے یہ پتھر کعبے سے ملا ہوا تھا، عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس جگہ سے ہٹا دیا۔

﴿بَلَدًا اٰمِنًا﴾ شہر والے نہیں بلکہ شہر ہی امن والا ہے اور جب شہر ہی امن والا ہو جائے تو وہاں کے رہنے والے بدرجہ اولیٰ امن والے ہوں گے۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ انسان کتنے ہی مرتبے والا ہو وہ دعا سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ﴾ "اَلْقَبُوْلُ: أَخْذُ الشَّيْءِ وَالرِّضَا بِهٖ" کسی چیز کو لینا اور اس سے راضی ہو جانا "قبول" ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقت میں اہمیت قبولیت کی ہے، عمل کی نہیں۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ" (سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام: ۱۶۹۰، صحیح)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے روزے دار ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے روزوں سے سوائے بھوک کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور بہت سے رات میں قیام کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جنہیں سوائے بیداری کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کتنے اعمال کثیرہ کرنے والے لوگ ہیں کہ انہیں تھکان کے سوا کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کے مناسب اللہ کے اسماء و صفات کا وسیلہ لینا چاہیے۔

﴿وَتُبْ عَلَيْنَا﴾ ہماری توبہ قبول کر۔

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾ (اور ابراہیم علیہ السلام) کے طریقے سے وہی نفرت کرے گا جو احمق ہو گا) معلوم ہوا کہ عقل مند وہ ہے جو انبیاء کی لائی ہوئی باتوں پر چلے۔

﴿اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ﴾ (جس وقت یعقوب کو موت پہنچی) یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کو بھی موت آتی ہے۔

﴿وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ﴾ موت کے وقت وصیت کا جواز ثابت ہوا۔

﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ﴾ توحید انبیاء کی وصیت ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ﴾ باپ دادا کے اعمال پر بھروسہ کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے۔اس میں درس ہے کہ ہمیں صحابہ کے مشاجرات پرسکوت اختیار کرنا چاہئے۔

﴿وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ اللہ نے ان نبیوں کو جو آیات کونیہ (معجزات) اور آیات شرعیہ (کتابیں اور قوانین) عطا کیں۔ کہو کہ ہم ان پر بھی ایمان لائے۔

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ (ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے) ''أَيْ فِي الْإِيْمَانِ وَلَيْسَ فِي الْاِتِّبَاعِ'' ایمان میں، اتباع میں نہیں، کہ سب اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول تھے اور وہ سب سچے تھے، لیکن اتباع میں ہم صرف شریعت محمدیہ پر مامور ہیں جس نے تمام ادیان کو منسوخ کر دیا ہے۔

﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ یہاں اسلام ''اِسْتِسْلَامٌ لِلّٰهِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا'' (ظاہر اور باطن میں اللہ کے آگے جھک جانا) کے معنی میں ہے۔

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ﴾ (اگر وہ روگردانی کریں تو بس وہ مخالفت ہی میں لگے ہوئے ہیں) ''فِي'' ظرف کے لیے ہے اس صورت میں معنی یہ ہوا کہ اختلاف نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور یہ اس میں ڈوب گئے ہیں۔

﴿فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ﴾ (پس عنقریب اللہ آپ کی طرف سے ان کے لیے کافی ہوگا) شریعت محمدیہ سے منہ موڑنے والوں کے لیے اس میں بڑی سخت وعید ہے اور الحمدللہ یہ کام جلد ہو گیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو مدینہ سے نکال دیا اور سات ہجری میں خیبر میں ان کے قلعوں کو فتح کر لیا اور انہیں عمال (مزدور) بنا لیا اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انہیں خیبر سے بھی نکال دیا گیا اور اس طرح اللہ نے ان کے شر سے مومنوں کو نجات بخشی۔

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ صبغۃ اللہ سے اللہ کا دین مراد ہے اور دین کو صبغۃ اس وجہ سے کہا گیا کہ اس پر عمل کرنے والے پر اس کا اثر ظاہر ہو۔ اس کے چہرے سے اور اس کے ہر طرز عمل سے۔ جیسے رنگ کپڑے پر ظاہر ہوتا ہے اور کپڑے کے ہر ہر جز میں پیوست ہوتا ہے۔ نیز وہ کپڑے کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا دین ہمارے رگ وریشے میں پیوست ہو۔ یہ اغراء کی بنا پر منصوب ہے۔ نحو میں اغراء کا مطلب ہے، مخاطب کو کسی پسندیدہ کام پر ابھارنا۔ جیسے ''اَلصِّدْقُ'' سچ کو لازم پکڑ۔ یہ اصل میں ''اَلْزِمُوْا الصِّدْقَ'' ہے اور جس پسندیدہ کام پر ابھارا جائے اسے ''مُغْرَىٰ بِهٖ'' کہتے ہیں۔

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ دین پورے وجود میں اس طرح رچ بس جائے جیسے رنگ پورے کپڑے میں پیوست ہو جاتا ہے۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ (اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے؟) یہ استفہام منفی ہے، جو نفی مجرد سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے کیونکہ استفہام منفی میں چیلنج بھی ہوتا ہے جیسے ''مَنْ مِثْلُ زَيْدٍ مِنَ الْبَشَرِ'' (زید جیسا کون آدمی ہے؟) ''لَيْسَ مِثْلَ زَيْدٍ بَشَرٌ'' (زید جیسا کوئی انسان نہیں ہے) سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ اس میں مخاطب کو چیلنج ہے کہ کوئی اس کے مثل لا کر بتائے۔

﴿اَتُحَاجُّوْنَنَا﴾ ''اَلْمُحَاجَّةُ: هِيَ اَنْ يُدْلِيَ كُلُّ خَصْمٍ بِحُجَّةٍ لِيَنْقُضَ حُجَّةَ الْخَصْمِ الْاٰخَرِ'' ہر فریق

Scanned by CamScanner

اپنی دلیل پیش کرے تا کہ مخالف کی دلیل کو توڑ دے تو اسے محاجۃ کہتے ہیں۔

﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾ ''الإخلاص: تَنْقِيَةُ الشَّيْءِ مِنْ كُلِّ الشَّوَائِبِ الَّتِي قَدْ تَعَلَّقَ بِهِ'' کی چیز کو تمام ملاوٹوں سے صاف کرنا اخلاص ہے۔

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

اس آیت کو دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔اول میں تمام انبیاء کا ملت اسلام پر ہونا اور یہود و نصاریٰ کا اس ملت سے اعراض کرنا اور اس کی وجہ سے ان کا اللہ کے نزدیک غیر مقبول ہونا بیان ہوا اور اس کے بعد ان کے اس فخر کا کہ اللہ کے مقبول بندوں سے انتساب آخرت میں نجات کے لیے کافی ہے۔اس کا جواب دینے کے لیے دوسری مرتبہ اس آیت کو ذکر کیا گیا۔غرض کہ مختلف ہونے کی وجہ وہی مضمون کہ سابق میں ان کو ابتدائی جواب دینا مقصود تھا اور آخری جواب اس مقام پر بھی آیا ہے جس پر اسی فخر کا پھر موقع تھا۔اس لیے تاکید اور ان کے اس زعم میں غلط کاری کی تجدید کے لیے وہی آیت مکرر ارشاد فرمائی گئی۔

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ﴾ ''سَفِيْهٌ: وَهُوَ الَّذِي لَا يُحْسِنُ التَّصَرُّفَ لِنَفْسِهِ، وَكُلُّ مَنْ خَالَفَ الْحِكْمَةَ فِي تَصَرُّفِهِ فَهُوَ سَفِيْهٌ'' وہ شخص جو اپنے کسی معاملے میں اچھی کارروائی نہ کر سکے، اُسے سفیہ کہتے ہیں۔اور جو شخص اپنی کسی کارروائی میں حکمت کو پیش نظر نہ رکھے تو اسے بھی سفیہ کہا جاتا ہے۔

﴿إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ جس طرح شریعت پر اعتراض بیوقوفی ہے اسی طرح گمراہی بھی ہے کیونکہ شریعت صراط مستقیم ہے۔وہی ہدایت ہے اس کے علاوہ سب گمراہی ہے۔

﴿يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ انسان کا تعلق اپنے بیٹے سے بیٹی کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوتا ہے۔

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ نیکیوں میں مسابقت کرنی چاہئے۔

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ﴾ (تا کہ لوگوں کو تمہارے خلاف کوئی حجت نہ ملے) تحویل قبلہ کے معاملے میں یہود، مشرکین اور منافقین مسلمان کے خلاف دلیل پکڑتے۔یہود کہتے:

(۱) اس آدمی نے ہماری ملت کو چھوڑ دیا اور اپنے آباء کی ملت کو پکڑ لیا۔

(۲) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس ہی کا استقبال کرتے تو یہود کہتے کہ یہ وہ نبی نہیں ہے جس کا وصف توراۃ میں ہے۔

(۳) مشرکین کہتے کہ یہ اپنی خواہشات کا پیرو ہے کہ پہلے یہودیوں کے قبلے کو اپنا قبلہ مانا اور جب مدینہ پہنچا تو ہمارے قبلے کی طرف پلٹ گیا تو عنقریب یہ ہمارے دین کی طرف پلٹ آئے گا۔

(۴) منافقین کہتے کہ یہ آدمی اپنے دین پر ثابت قدم نہیں ہے۔اگر یہ برحق ہوتا تو اپنے دین پر ثابت قدم رہتا۔

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يُحَدِّثُ عَنْ رَبِّهِ، قَالَ: ... ''إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ هُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ'' (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء: ۲۶۷۵)

حدیث قدسی ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرے گا میں اسے اپنے دل میں یاد کروں گا اور جو مجھے

Scanned by CamScanner

لوگوں کی جماعت میں یاد کرے گا تو میں اسے اس سے زیادہ اور اچھی جماعت میں یاد کروں گا۔

﴿اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ - وَلَا أَحْفَظُ حَدِيثَ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ - أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ رَدِيفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "يَا غُلَامُ، أَوْ يَا غُلَيِّمُ، أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِنَّ؟" فَقُلْتُ: بَلَى! فَقَالَ: "احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ، تَعَرَّفْ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ، يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ، وَإِذَا سَأَلْتَ، فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ، فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ، فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَرَادُوا أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ، وَإِنْ أَرَادُوا أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلَى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيرًا، وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" (مسند احمد: ۲۸۰۳، صحیح) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مدد صبر کے ساتھ ہے۔

﴿بَلْ اَحْيَآءٌ﴾ حیات برزخیہ، حیات دنیویہ سے زیادہ کامل ہے (عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ) مگر اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں (لَا تَشْعُرُوْنَ)

﴿بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ﴾ خوف کی دو قسمیں ہیں: (۱) خوف عام (۲) خوف خاص

خوف عام جیسے شہر دشمن کی وجہ سے خطرے میں ہو۔ خوف خاص جیسے انسان خود کسی خوفناک چیز میں مبتلا ہو۔

﴿وَالْجُوْعِ﴾ اس کے کئی اسباب ہیں:

(۱) قلت طعام (۲) قلت مال (۳) یا انسان ایسی بیماری میں مبتلا ہو جو اس کو کھانے سے روک دے۔

﴿اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ مصیبت کے وقت لوگوں کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔ (۱) صابر (۲) ساخط

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "عِظَمُ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ" (سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن: ۴۰۳۱، حسن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے اتنا ہی بڑا اس کا بدلہ ہوتا ہے۔ تو جب اللہ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ تو جو راضی ہو گیا تو اس کے لیے رضا ہے، جو ناراض ہو گیا اس کے لیے ناراضگی ہے۔ صابرین کی علامت یہ ہے کہ اپنے دلوں سے اور زبانوں سے اپنے معاملوں کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔

﴿شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ اللہ کا شکر یہ ہے کہ وہ بندے کو اس کے عمل سے زیادہ اجر دیتا ہے۔

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ "اَلتَّوْبَةُ فِي اللُّغَةِ: اَلرُّجُوْعُ وَفِي الشَّرْعِ: اَلرُّجُوْعُ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ اِلٰى طَاعَةٍ" لغت میں توبہ کا معنی "لوٹنا" ہے اور شریعت میں اللہ کی نافرمانی سے اطاعت کی طرف لوٹنا ہے۔

﴿وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ کافر بھی کافر پر لعنت کرتا ہے۔

﴿حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ "اَلْحَلَالُ مَا كَانَ حَلَالًا فِيْ كَسْبِهِ وَالطَّيِّبُ مَا كَانَ طَيِّبًا فِيْ ذَاتِهِ" حلال وہ ہے جو اپنی کمائی میں حلال ہو اور طیب وہ ہے جو فی ذاتہ طیب ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ وہ آدمی عقل مند کیسے ہوسکتا ہے جو کسی کی دشمنی پر یقین رکھے اور ہمیشہ اسی کی پیروی کرے۔

﴿ دُعَآءً وَّنِدَآءً ﴾ جب راعی (چرواہا) کسی جانور کو معین نام سے پکارے تو یہ پکار ''دُعاء'' ہے۔ اور ''نداء'' عام ہے، یہ تمام جانوروں کو شامل ہے۔

﴿ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) غیر اللہ کا نام لے جیسے ''بِاسْمِ الْمَسِيْحِ''

(۲) اللہ اور غیر اللہ دونوں کا نام لے جیسے ''بِاسْمِ اللّٰهِ وَاسْمِ مُحَمَّدٍ ﷺ''

(۳) اللہ کا نام لے اور تقرب و تعظیم غیر اللہ کے لیے ہو۔

(۴) نہ اللہ کا نام لے نہ غیر اللہ کا نام لے۔

ان چاروں صورتوں میں ذبیحہ حرام ہے۔

﴿ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾ مسکین کو کھانا کھلانا روزوں کا بدل ہے یعنی کوئی روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ مسکین کو کھانا کھلائے۔ اس آیت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے ''عَنْ عَطَاءٍ، سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقْرَأُ ''وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ فَلاَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ'' قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ''لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ هُوَ الشَّيْخُ الكَبِيرُ، وَالمَرْأَةُ الكَبِيرَةُ لاَ يَسْتَطِيعَانِ أَنْ يَصُومَا، فَيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا'' (صحیح بخاری، کتاب التفسیر: ۴۵۰۵) یہ آیت کریمہ انتہائی بوڑھے مرد اور انتہائی بوڑھی عورت کے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: ''فُصِلَ الْقُرْآنُ مِنَ الذِّكْرِ فَوُضِعَ فِي بَيْتِ الْعِزَّةِ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَجَعَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُنَزِّلُهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴾ (مجمع الزوائد للهیثمی، جلد: ۷/۱۶۰، ضعیف)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اثر ضعیف ہے تو ﴿ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ کا مطلب ہے ''اُبْتُدِیَ فِيْهِ إِنْزَالُهُ'' اسی مہینے میں قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔

﴿ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ﴾ جہاں مہینہ موجود نہ ہو (جیسے قطبین پر جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے) وہاں تعداد مکمل کرلو۔

﴿ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ﴾ محرمات (حرام کردہ چیزوں) کے قریب نہ جاؤ۔

﴿ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ واجبات میں اعتداء (تجاوز، آگے بڑھنا) مت کرو۔

﴿ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ﴾ اعتکاف ایسی مسجد میں جائز ہے جس میں جماعت کا اہتمام ہو اور اعتکاف تین مساجد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مسجد میں جائز ہے، حالت اعتکاف میں بیوی سے جماع ممنوع ہے۔ عورتوں کے لیے

Scanned by CamScanner

بھی اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے۔ گھروں میں اعتکاف درست نہیں۔

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ایام معدودات سے ایام تشریق گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ مراد ہیں۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ﴾ (لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے) انسان کے ظاہر حال سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

﴿وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ (اور کھیتی کو اور نسل کو برباد کرے) گناہ کھیتی اور نسل کی تباہی کا موجب ہے۔

﴿اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ﴾ (تو جھوٹی عزت نفس اس کو گناہ پر اور جما دیتی ہے) "فَكُلُّ ذَنْبٍ مُوْجِبٌ لِلْعُقُوْبَةِ فَهُوَ اِثْمٌ" (ہر گناہ جو سزا کا موجب ہو اس کو "اثم" کہا جاتا ہے) معلوم ہوا کہ جھوٹا غرور نفس آدمی کو گناہ پر ابھارتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عمل دخول جہنم کا سبب ہے۔

﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ) صحیح یہ ہے کہ كَآفَّةً، السِّلْمِ سے حال واقع ہے۔ مطلب ہوگا۔ "اُدْخُلُوْا فِي الْاِسْلَامِ كُلِّهٖ" پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور اسلام کے تمام احکام کو نافذ کرو۔ ایمان کا مقتضی ہے کہ انسان اسلام کے تمام شرائع پر عمل کرے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ یہ امر کے بعد نہی ہے، کیونکہ شیطان کے قدموں کی اتباع پورے اسلام میں داخل ہونے کے خلاف ہے۔ "خُطْوَةٌ" دو قدموں کے درمیان کے فاصلے کو کہتے ہیں۔

﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ شیطان کی بنی آدم سے دشمنی بالکل واضح ہے کہ اللہ نے آدم کے لیے سجدے کا حکم دیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس میں سبق ہے کہ کفار کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔

﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر کوئی خاص سزا ہو جیسے لعنت، غضب، دنیا میں حد یا ایمان کی نفی وغیرہ اور جیسے عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا" (صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۱۰۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔ تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور جب کہا جائے "لَا تَفْعَلْ كَذَا" (ایسا نہ کر) یا "حُرِّمَ عَلَيْكَ كَذَا" (ایسا کرنا تمہارے اوپر حرام ہے) وغیرہ اس گناہ میں کوئی خاص سزا نہیں بیان کی گئی۔ تو یہ گناہ صغیرہ ہے۔

﴿اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ "اَلْفِتْنَةُ وَهِيَ صَدُّ النَّاسِ عَنْ دِيْنِهِمْ" لوگوں کو ان کے دین سے روکنا فتنہ ہے۔

﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾ کوئی مومن مرتد ہو جائے پھر ارتداد کے بعد ایمان لے آئے تو اس کے پہلے کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ توبہ، تطہیر باطن ہے اور تَطَهُّرْ پاکی، صفائی تطہیر ظاہر ہے۔

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ مردوں کے حقوق بھی عورتوں کے حقوق سے زیادہ ہیں اسی وجہ سے عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے مگر شوہر پر واجب نہیں کہ وہ عورت کی اطاعت کرے۔ درجہ کے معنی یہی ہیں۔ اس کے علاوہ مردوں کا درجہ عورتوں پر کئی وجوہات سے زیادہ ہے:

Scanned by CamScanner

(۱) عقل کے اعتبار سے، مرد کی عقل عورت کی عقل سے کامل ہے۔اسی وجہ سے ایک مرد کی گواہی دوعورتوں کی گواہی کے برابر ہے۔
(۲) جسم کے اعتبار سے۔جسم کے اعتبار سے بھی مرد، عورت سے زیادہ قوی ہے۔
(۳) دین کے اعتبار سے۔دین کے اعتبار سے بھی مرد زیادہ کامل ہے کیونکہ عورت پر جہاد نہیں۔اسی طرح حیض ونفاس کی حالت میں نماز وروزہ نہیں ہے۔
(۴) ولایت کے اعتبار سے۔عورت ولی نہیں بن سکتی۔
(۵) انفاق کے اعتبار سے۔مرد، عورت پر خرچ کرے۔
(۶) میراث کے اعتبار سے۔لڑکے کا دوحصہ اورلڑکی کا ایک حصہ ہے۔

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ (طلاق دومرتبہ ہے) آپ نے اپنی بیوی سے کہا''اَنْتِ طَالِقٌ''(تجھ پر طلاق ہے) تو اس پر طلاق پڑگئی، پھر آپ اس سے کہہ رہے ہیں کہ''اَنْتِ طَالِقٌ''(تجھ پر طلاق ہے) تو آپ مطلقہ کو طلاق کیسے دے رہے ہیں؟ کیونکہ طلاق تو اس عورت کو دیا جاتا ہے جو مطلقہ نہ ہو۔دوسری طلاق بغیر رجوع کے کیسے دی جاسکتی ہے؟ کیونکہ ایک طلاق کے بعد جب تک رجوع نہیں کیا جائے دوسری طلاق نہیں دی جاسکتی۔

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے)
(۱) نبیوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔
(۲) رسولوں کے متبعین میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾

ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت دینے کی ممانعت اس وقت ہے جب یہ فضیلت بطور افتخار ہو۔فرمایا گیا''لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الأَنْبِيَاءِ''(صحیح بخاری، کتاب التفسیر:۴۶۳۸) لیکن اگر فضیلت خبر کے طور پر ہے تو کوئی حرج نہیں فرمایا گیا۔''عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ وَلَا فَخْرَ''
(سنن ترمذی، ابواب تفسیر القرآن:۳۱۴۸، صحیح)

﴿وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ (ہم نے روح القدس سے ان کی مدد فرمائی) اس میں نصاریٰ کے اس عقیدے کا رد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام معبود ہیں کیونکہ معبود کو کسی کی تائید اور مدد کی حاجت نہیں ہوتی۔

﴿لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ (جس دن نہ کوئی سودا ہوگا نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش ہوسکے گی)''خُلَّةٌ''محبت کے اعلیٰ درجے کو کہتے ہیں۔یہ شاعر کے اس قول سے مشتق ہے۔

قَدْ تَخَلَّلْتِ مَسْلَکَ الرُّوْحِ مِنِّی
وَبِذَا سُمِّیَ الْخَلِيْلُ خَلِيْلًا

تم روح کی طرح میرے روئیں روئیں میں سما گئی ہو۔اسی وجہ سے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔یہ محبت روح میں مل گئی اور زندگی کی طرح ہوگئی۔

﴿اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ﴾ ''حَیّ'' میں کمال اوصاف ہے اور ''قَیُّوۡمُ'' میں کمال افعال ہے۔ قیوم کا مطلب ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہیں اور ہر مخلوق اس کی محتاج ہے۔

﴿فَھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ﴾ اعمال میں تفاضل کئی وجھوں سے ہے:۔

(۱) جنس۔ جیسے نماز، زکوٰۃ سے افضل ہے۔

(۲) نوع۔ جیسے فرض، نفل سے افضل ہے۔

(۳) عامل۔ جیسے صحابہ کا خرچ کرنا دوسروں کے خرچ سے افضل ہے۔

(۴) زمان۔ جیسے لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

(۵) مکان۔ جیسے مسجد حرام میں نماز ایک لاکھ کے برابر ہے۔

(۶) کیفیت۔ جیسے سات قسم کے لوگ اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے۔

(۷) جودت (عمدگی) جیسے قرآن کا ماہر فرشتوں کے ساتھ ہے۔

﴿لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ ۫ یَحۡسَبُھُمُ الۡجَاھِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُھُمۡ بِسِیۡمٰھُمۡ ۚ لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ﴾ (یہ صدقات) ان محتاجوں کے لیے ہیں جو اللہ کے راستے میں روکے گئے ہیں، زمین میں سفر نہیں کر سکتے، ناواقف انہیں سوال سے بچنے کی وجہ سے مال دار سمجھتا ہے، تم انہیں ان کی علامت سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، اور تم خیر میں سے جو خرچ کروگے سو یقیناً اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔

مستحقین صدقہ وہ ہیں جن میں چھ اوصاف ہوں:

(۱) فقیر۔اشتقاق اکبر میں فقر ہے اور فقر کا معنی ''اَلۡاَرۡضُ الۡخَالِیَۃُ'' (خالی زمین) ہے تو فقیر کا مطلب ہے جس کا ہاتھ خالی ہو۔

(۲) اللہ کے راستے میں روک لیے گئے۔

(۳) کسی مجبوری کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتے۔

(۴) جاہل انہیں مالدار سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اپنی مسکینی ظاہر نہیں کرتے۔

(۵) ظاہر میں وہ مالدار دکھائی دیں گے مگر ان کی حالت پر باریکی سے نگاہ ڈالیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ فقیر ہیں۔

(۶) وہ لپٹ کر نہیں مانگتے۔

﴿یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا﴾ (اللہ سود کو مٹاتا ہے) سودی کاروبار میں برکت نہیں ہے۔

﴿وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ﴾ (اور صدقات کو بڑھاتا ہے) صدقہ میں برکت ہے۔

﴿وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا﴾ (سود میں سے جو باقی ہے چھوڑ دو) شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ بینکوں سے حاصل ہونے والے سود کو وہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ رہا یہ مسئلہ کہ اس پیسے کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے تو جواب

Scanned by CamScanner

نے ہمیں کرنے کے لیے کہا ہے۔ سود کا پیسہ ہمارا نہیں
یہ ہے کہ نتائج ہمارے اختیار میں نہیں۔ ہمیں اتنا ہی کرنا ہے جتنا شریعت
تو ہماری ملکیت میں وہ داخل نہیں ہوا کیونکہ اگر آپ نے سود کا پیسہ لیا اور اس کو کہیں خرچ کیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ خرچ
تقرب کے لیے ہوگا یا تخلص (چھٹکارا پانا) کے لیے ہوگا۔ اگر تقرب الی اللہ کے لیے ہے تو یہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا اور اگر
تخلص کے لیے ہے تو اپنا ہاتھ گندگی میں ڈال کر پھر اسے دھلنے کا کیا فائدہ ہے۔

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ، ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا) بچے کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے لیکن برائی پر اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمُبْتَلَى حَتَّى يَبْرَأَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَكْبُرَ" (سنن ابوداود، کتاب الحدود: ۴۳۹۸، صحیح)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾﴾

﴿إِذَا تَدَايَنتُمْ﴾ (جب تم ادھار دینے کا معاملہ کرو) **قرض کے معاملے کی تین قسمیں ہیں:**

(۱) مقروض سے سود لیں۔ یہ حرام ہے۔

(۲) مقروض تنگدست ہو تو اس سے مطالبہ جائز نہیں اور اس سے اس وقت تک مطالبہ نہ کیا جائے جب تک اس کی تنگدستی دور نہ ہو جائے۔

(۳) مقروض کے قرض کو معاف کر دیا جائے۔ یہ سب سے اعلیٰ قسم ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿فَاكْتُبُوْهُ﴾ آئندہ نزاع کو دور کرنے کے لیے اور معاملہ کو پختہ کرنے کے لیے عقد کو مع تفصیل لکھ لیا کرو۔

﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ﴾ لکھنے والا طرفین کے حقوق کا لحاظ رکھ کر تحریر لکھے، کمی بیشی نہ کرے۔ سمجھدار، دیندار کاتب کا انتخاب کریں۔

﴿وَلَا يَاْبَ﴾ جس کو لکھنا آتا ہو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اللہ نے اپنے کرم سے اس کو لکھنا سکھایا ہے ویسا ہی وہ بھی دوسروں کو اپنے فن سے فائدہ پہنچائے۔

﴿وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ﴾ مدیون (مقروض) لکھوائے اسی کا اقرار حجت الزامی ہے۔ قرض دینے والے کا قول اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک قرض لینے والا اقرار نہ کرے۔ لکھوانے والا اور لکھنے والا اللہ سے ڈرتا رہے۔

﴿اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ﴾ یا خود کسی وجہ سے نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کا ولی لکھوا دے۔

﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ﴾ شہادت میں متہم نہ ہو۔

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ گواہ کو ادائے شہادت کے لیے بلایا جائے اور اس نے شہادت کو چھپا لیا تو وہ جھوٹی گواہی دینے والے کی طرح ہوگا۔

﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً﴾ اگر دست بدست تجارت ہو جس کا لین دین تم فوراً کرتے ہو تو اس کو نہ لکھنے کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔

﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ﴾ نہ کاتب کو نہ گواہ کو تکلیف پہنچائی جائے، مثلاً کاتب کو کتابت کی اجرت نہ دیں اور گواہ کو ایسی حالت میں طلب کریں کہ وہ اپنے کام میں مشغول ہو یا بیمار ہو یا کمزور ہو۔

نکتہ علمیہ: اسم الجلالۃ اللہ کو تین جملوں میں علی الترتیب تین بار ذکر کیا ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ﴾ کیونکہ ہر جملہ اپنا خاص مقصد رکھتا ہے۔ پہلے جملے میں تقویٰ کی ترغیب ہے دوسرے جملے میں وعدۂ انعام ہے اور تیسرے جملے میں اللہ کی عظمت شان کا اظہار ہے۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾ اگر تم مسافر ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تو اس صورت میں اعتماد کے لیے کوئی چیز رہن رکھ دی جائے مگر شئی مرہون سے انتفاع جائز نہ ہوگا اور اگر ایک دوسرے کو امانتدار سمجھتے ہو تو قرض جو، امانت ہے اسے ادا کردے۔

﴿وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾ اثم (گناہ) کی نسبت قلب کی طرف اس لیے کی کہ چھپانا دل ہی کا فعل ہے۔

یہاں کوئی سوال کرسکتا ہے کہ دل کے ارادے پر آدمی کا مواخذہ نہیں کیا جاسکتا جیسے کسی شخص نے برائی کا ارادہ کرلیا مگر کیا نہیں تو اس پر کچھ بھی نہیں لکھا جاتا تو گواہی نہ دینے پر وہ گناہ کیسے ہوگیا؟ وہ صرف قلبی عمل ہے جس کا جوارح پر کوئی اثر نہیں۔

جواب: ہر برا قلبی عمل ہمیشہ معاف نہیں کیا جاتا۔ صرف اسے ہی معاف کیا جاتا ہے جو صرف دل میں ہی گردش کرے مگر ارادہ مضبوط ہو جائے اور کسی امر خارج کی وجہ سے وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے جیسے کوئی شخص کسی آدمی کو قتل کے پکے

Scanned by CamScanner

ارادے سے نکلا مگر وہ شخص اس کے ہاتھ سے نکل گیا ایسی صورت میں گناہ مانا جائے گا۔ جیسے کوئی کسی اندھے آدمی کو کنوئیں میں گرتا دیکھے اور اسے مرنے کے لیے چھوڑ دے اور کوئی کسی کو بھوک سے مرتا دیکھے اور اس کے پاس مال ہو مگر اس کی بھوک نہ مٹائے۔ شہادت کا چھپانا اسی نوعیت کا ہے۔ یہ واجب کا ترک ہے اور اس ترک کی وجہ سے وہ گناہ اور جرم ہے۔

"دَین" (قرض) کی تین قسمیں ہیں:

(۱) موجل باجل مسمی - ادھار ہو اور مدت متعین ہو۔

(۲) موجل باجل مجہول - ادھار ہو مگر مدت نامعلوم ہو۔

(۳) غیر موجل - نقد ہو، ادھار نہ ہو۔

مثلاً کوئی کہے میں تم سے یہ سامان خریدتا ہوں اور میں اس کی قیمت نہیں دوں گا۔ نہ اس کی مدت متعین کروں گا۔ یہ دین غیر موجل ہے، یہ جائز ہے۔ اس صورت میں سودا ختم ہوتے ہی اس سے رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اور کوئی کہے کہ یہ سامان میں نے خریدا زید کے آنے تک۔ تو زید کا آنا مجہول ہے اس کے اندر غرر (دھوکا) ہے۔ یہ دَيْنٌ إِلَىٰ أَجَلٍ غَيْرُ مُسَمًّى ہے، یہ صحیح نہیں۔

آیتِ دین کے فوائد:

(۱) قرض کو لکھ لیا جائے۔

(۲) قرض دینے والا اور قرض لینے والا دونوں کتابت کے وقت موجود ہوں۔

(۳) کاتب خوشخط ہو۔

(۴) کاتب عادل ہو۔

(۵) کسی معین کاتب کی شرط نہ لگائی جائے۔

(۶) کاتب شریعت کے علم کے مطابق لکھے۔

(۷) کاتب کو لکھنے کے لیے ٹال مٹول نہیں کرنا چاہیے۔

(۸) دو مرد گواہ ہوں۔

(۹) یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں۔

(۱۰) گواہ بلایا جائے تو اسے ضرور آنا چاہیے۔

﴿لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ مستعار ہے جسے لوٹانا ہے، حقیقت میں اس کا مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ لہٰذا مالدار کو اپنے مال پر غرور نہیں ہونا چاہیے۔

﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کر دیا چھپاؤ اللہ بہرحال ان کا حساب تم سے لے لے گا) اس آیت میں اظہار اور اخفاء دونوں کو محاسبہ کے لیے مساوی قرار دیا ہے۔ مواخذہ اور محاسبہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے)

ہم اپنے دلوں اور زبانوں سے رسالت کے صادق ہونے میں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔ یعنی ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ہم محمد ﷺ پر ایمان لاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ پر ایمان نہیں لاتے۔ ہم تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں مگر اتباع صرف شریعت محمد ﷺ کی کریں گے۔

Scanned by CamScanner

سورة آل عمران (مدنية)

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ﴿٣﴾

اُس نے (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) آپ پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔اور اُسی نے تورات اور انجیل نازل کی۔(۳)

یہاں قرآن کے لیے "نَزَّلَ" اور تورات وانجیل کے لیے "اَنْزَلَ" کا لفظ لایا گیا کیونکہ تورات وانجیل "مَرَّةً وَاحِدَةً" (یکبارگی) اتار دیئے گئے اور قرآن "نَجْمًا نَجْمًا" (رفتہ رفتہ) حسب وقائع ومناسبت نازل ہوا، مگر ایک جگہ تورات کے بارے میں بالتشدید آیا ہے، وہاں مبالغہ اور شدت مراد ہے اور تکثیر کا فائدہ ہے۔

قرآن میں دو قسم کی آیات ہیں: (۱) محکمات (۲) متشابہات

متشابہات میں متکلم کی مراد غیر واضح ہوتی ہے اس لیے ان آیات کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو پہلی قسم یعنی محکمات کی طرف راجع کر کے دیکھا جائے اور اس سے متکلم کی مراد وہی سمجھی جائے جو محکمات کے مخالف نہ ہو جیسے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ضمیر جمع متکلم استعمال کی ہے اس سے عیسائیوں نے استدلال کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (سورہ زخرف:۵۹) کہ وہ صرف اللہ کے بندے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾

اے اللہ! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اُس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر دینا۔ اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما۔ تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔(۸)

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا﴾ عقیدہ خراب ہونا ازاغتِ قلب ہے۔ یہاں صحت عقیدہ کی دعا کے ساتھ ساتھ طلب ہدایت، عطاء ہدایت، بقاء ہدایت اور ارتقاء ہدایت کی بھی درخواست ہے۔

﴿وَهَبْ لَنَا﴾ لِ (حرف جر) انتفاع کے لیے ہے۔اور ﴿مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً﴾ میں ''رحمت'' سے مراد رحمت خاصہ ہے، کسی عمل کے عوض میں نہیں، خالص میری طرف سے ہبہ ہے۔(ایمان پر خاتمہ) اور ہبہ بدون معاوضہ ہوتا ہے۔
﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ وہاب اللہ کی صفت ہے یعنی وہ بدونِ معاوضہ بہت ہی زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

نکتہ: جماعت اہل حدیث کی طرف جو وہابی کا انتساب کیا جاتا ہے وہ محمد ابن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کی طرف نہیں بلکہ عبدالوہاب ابن رستم الاباضی کی طرف ہے۔جو خارجی تھا۔یہ بات ذہن نشین رہے کہ سلفی جب اپنی سلفیت میں غلو کرتا ہے تو خارجی ہو جاتا ہے۔فضل رسول بدایونی نے ہندوستان میں سب سے پہلے وہابی کا لفظ سلفیوں (اہل حدیثوں) کے لیے استعمال کیا۔محمد ابن عبدالوہاب نجدی حنبلی المسلک تھے اور اہل حدیث کسی کی تقلید نہیں کرتے۔تو انہیں وہابی کیسے کہا جاسکتا ہے؟

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

لوگوں کو اُن کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی باڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔(۱۴)

اس آیت میں (۱) عورتیں (۲) بیٹے (۳) سونے اور (۴) چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر (۵) نشان لگے ہوئے گھوڑے اور (۶) مویشی (۷) کھیتی باڑی دنیاوی لذت کی چیزیں ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لے آئے پس ہمیں ہمارے گناہ معاف فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔(۱۶)

استغفار کب اور کیسے قبول ہوتا ہے؟ دعا سے پہلے تجدید ایمان کرے۔تہجد میں استغفار زیادہ موثر ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے ہیں کہ) اُس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔(۱۸)

Scanned by CamScanner

فِي هَذِهِ الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى فَضْلِ الْعِلْمِ وَشَرَفِ الْعُلَمَاءِ وَفَضْلِهِمْ، فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ أَحَدٌ أَشْرَفَ مِنَ الْعُلَمَاءِ لَقَرَنَهُمُ اللّٰهُ بِاسْمِهِ وَاسْمِ مَلَائِكَتِهِ كَمَا قَرَنَ اسْمَ الْعُلَمَاءِ: یہ آیت علم کی فضیلت اور علماء کے شرف پر دلیل ہے۔ کیونکہ اگر کوئی علماء سے اشرف ہوتا تو ملائکہ کے ساتھ اس کو ملایا جاتا۔

﴿قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ کا ابطال:

یہ کون سا عدل ہے کہ ساری دنیا کے جرائم تنہا ایک شخص پر لاد دیئے جائیں اور بے قصور کو پھانسی دے دی جائے۔

نیز عیسی ابن مریم علیہ السلام خود بشر تھے اور فرزند بھی کسی دیوی دیوتا کے نہیں بلکہ ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

اختلاف کی بنیاد ﴿بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ یعنی آپس کی ضد بازی، مفادات کا تحفظ اور چودھراہٹ کا بچاؤ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

یہ اس لیے کہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔ اور جو کچھ یہ دین کے بارے میں بہتان باندھتے ہیں اُس نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ (۲۴)

ہم کچھ بھی کریں جنت ہماری ہے۔ ہم فلاں خاندان کے ہیں، ہم فلاں کے مرید ہیں، ہم فلاں کے دامن سے وابستہ ہیں، کیا مجال کہ دوزخ ہمیں چھوئے۔ بالفرض ڈالے بھی گئے تو دُھل دُھلا کر سیدھے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اس قسم کے خیالات نے ان کو اتنا جری اور بے باک بنا دیا ہے کہ علانیہ حق سے انحراف کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں ذرا بھی اللہ کا خوف نہیں آتا۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔ (۲۷)

کافر سے مومن - جاہل سے عالم - آذر سے خلیل - نوح سے کنعان - عالم کی اولاد جاہل رہ جائے جاہل کی اولاد عالم ہو جائے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں ہاں اگر اس طریق سے تم اُن (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۲۸)

﴿ إِلَّآ أَن تَتَّقُوا۟ مِنْهُمْ تُقَاةً ﴾ دو شخصوں یا جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں:

(۱) قلبی موالات (دلی دوستی) یہ مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) مواسات: (ہمدردی، خیر خواہی، نفع رسانی) غیر مسلموں کے ساتھ بھی کرنا ہے۔

(۳) مدارات: (ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ) یہ بھی غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے جب کہ اس سے مقصود دینی نفع حاصل کرنا ہو یا ان کے شر سے بچنا ہو۔

(۴) معاملات: (جیسے تجارت، اجرت، ملازمت) یہ بھی غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے جب کہ مسلمانوں کو اس سے نقصان نہ پہنچتا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر کفار مکہ سے فرمایا: "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے غریب ذمیوں کو بیت المال سے وظیفے دیئے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَٰنَ رَبِّ إِنِّى نَذَرْتُ لَكَ مَا فِى بَطْنِى مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝٣٥

(وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے رب! جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اُس کو تیری نذر کرتی ہوں، اُسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی، تو (اُسے) میری طرف سے قبول فرما تُو تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ (۳۵)

﴿ رَبِّ إِنِّى نَذَرْتُ ﴾ مریم کی والدہ حنہ بنت یاقوذ نے ایک پرندے اور اس کے بچے کو دیکھا دعا کی پھر حمل ٹھہرا تو نذر مانی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّى وَضَعْتُهَآ أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّى سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّىٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَٰنِ الرَّجِيمِ ۝٣٦

جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ اُن کے ہاں پیدا ہوا تھا اللہ کو خوب معلوم تھا تو کہنے لگیں کہ رب میرے تو لڑکی ہوئی ہے اور (نذر کیلئے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتوان) نہیں ہوتا، اور اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ (۳۶)

﴿ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ﴾ لڑکا پیدا ہو اسی وقت نام رکھ دینا بھی جائز ہے۔ عقیقہ ساتویں دن ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ ساتویں دن کی قید قیدِ استحبابی ہے لیکن جتنی جلدی ہو جائے اتنا افضل ہے۔ بچہ پیٹ میں ہو تبھی سے نیک تمنائیں رکھنا چاہئے۔

Scanned by CamScanner

عورت بھی بچے کا نام رکھ سکتی ہے جیسا کہ مریم کی والدہ حنہ نے مریم کا نام رکھا تھا۔ اگر باپ کو کوئی اعتراض نہ ہو، ورنہ نام رکھنے کا اصل حقدار باپ ہی ہے۔ (تحفۃ المودود لابن القیم)

عقیقہ: اکثر اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو آئندہ قرض ادا کر سکتا ہو وہ قرض لے کر عقیقہ کرے عقیقہ کے گوشت میں سے خود کھائے، ہدیہ دے اور صدقہ کرے۔

اگر حمل ساقط ہو جائے اور معلوم نہ ہو کہ لڑکا تھا یا لڑکی، تو اس کا اچھا سا نام رکھا جائے جیسے ہبۃ اللہ وغیرہ اور اسی نام سے عقیقہ کیا جائے کیونکہ وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ (فتاویٰ اسلامیہ ابن عثیمین)

عقیقہ کرتے وقت یہ پڑھے: ''بِسْمِ اللّٰهِ لَكَ وَإِلَيْكَ هٰذِهِ عَقِيْقَةُ فُلَانٍ'' (بیہقی: ۹/ ۳۰۳) اللہ کے نام سے، اے اللہ یہ تیرا مال ہے اور تیرے حضور پیش ہے یا قربانی کی دعا ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (سورہ انعام: ۷۹) پڑھے۔

نومولود کے دیگر مسائل:

نومولود کے کان میں اقامت کہنے کی حدیث کو من گھڑت قرار دیا گیا ہے۔ ہاں، اذان کے بارے میں عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا ایک اثر مصنف عبد الرزاق رحمہ اللہ علیہ میں صحیح سند سے ثابت ہے۔ لڑکے کے لیے دو بکریاں اور لڑکی کے لیے ایک بکری ہے۔ لڑکے کے لیے بقدر استطاعت ایک جانور پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ ساتویں دن لڑکے یا لڑکی کے بال مونڈ دیئے جائیں اور ان بالوں کو چاندی سے وزن کر کے صدقہ کر دیا جائے۔ جہاں تک ختنہ کا مسئلہ ہے نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں نواسوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ختنہ ساتویں دن ہی کر دیا تھا۔ بعد میں بھی کرنا جائز ہے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

تو پروردگار نے اُس کو پسندیدگی کیساتھ قبول فرمایا اور اُسے اچھی طرح پرورش کیا۔ اور زکریا کو اُس کا متکفل بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اُس کے پاس جاتے تو اُس کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ بولیں کہ اللہ کے ہاں سے (آتا ہے) بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔ (۳۷)

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا﴾

بغیر موسم کے پھل: ولی کے ہاتھ پر کرامت کا صدور ہوتا ہے مگر اس کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے کرامت صادر کرے یہ اللہ کی مشیت اور حکم سے ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

سورۂ آل عمران (آیت:۴۱) میں ﴿بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾ معرفہ کے ساتھ اور سورۂ مریم (آیت:۱۱) میں ﴿سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ نکرہ کے ساتھ لایا گیا کیونکہ زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں بیٹے یحییٰ علیہ السلام کی بشارت اس بشارت سے عظیم ہے جو سورۂ مریم میں ہے لہٰذا یہ شکر کا زیادہ متقاضی ہے۔

چار عورتیں کامل گزریں:

(۱) مریم علیہا السلام (۲) آسیہ علیہا السلام (۳) خدیجہ رضی اللہ عنہا (۴) عائشہ رضی اللہ عنہا

(۱) ”خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ“ (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء:۳۴۳۲)

(۲) عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ: إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ“ (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء:۳۴۱۱) اُس امت میں مریم بنت عمران اور آسیہ امرأۃ فرعون اور اِس امت میں خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا۔ تمام عورتوں سے افضل ہیں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ باتیں اخبارِ غیب میں سے ہیں جو ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پاس بھیجتے ہیں۔ اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا متکفل کون بنے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اُس وقت ہی اُن کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ (۴۴)

﴿يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ﴾ اچھے مقصد کے لیے قرعہ اندازی جائز ہے۔

مسیح: ہاتھ پھیرنے والے، آپ ہاتھ پھیرتے تھے اور مریض باذن اللہ شفایاب ہو جاتا تھا۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکوکاروں میں سے ہوگا۔ (۴۶)

تین بچوں کے سوا کوئی گہوارے میں نہیں بولا: (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء:۳۴۳۶)

(۱) عیسیٰ علیہ السلام (۲) جریج راہب والا بچہ (۳) وہ بچہ جس نے دودھ چھوڑ کر کہا تھا اے اللہ! مجھے اس ظالم سوار کی طرح نہ بنانا۔ مسلم میں اصحاب الاخدود کے بچے کے بھی بولنے کا ذکر ہے۔

Scanned by CamScanner

ولد اور غلام میں فرق:

سورۂ آل عمران میں ﴿أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ﴾ ہے اور سورۂ مریم میں ﴿أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلَامٌ﴾ ہے کیونکہ ولد بچے کو کہتے ہیں خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی مگر غلام لڑکے کو کہتے ہیں تاکہ وہ یحییٰ علیہ السلام کی بشارت کے مناسب ہو جائے۔ ''بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى'' ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت یحییٰ علیہ السلام پر ظاہر ہے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہو کر جائیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت بہ شکل پرند بناتا ہوں پھر میں اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (سچ مچ) جانور ہو جاتا ہے اور اندھے اور جذامی کو تندرست کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے۔(۴۹)

﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے نبی تھے۔

﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (سورۂ آل عمران ۵۲)

﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ:۱۱۱)

سورۂ آل عمران میں ﴿بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ ہے اور سورۂ مائدہ میں ﴿بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾ ہے کیونکہ سورۂ مائدہ کی آیت میں ان چیزوں کی تفصیل ہے جن پر ایمان واجب ہے مگر آل عمران میں ایجاز ہے لہٰذا بِاَنَّا مناسب ہوا۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

اس وقت اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اُٹھا

Scanned by CamScanner

لوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کردوں گا اور جولوگ تمہاری پیروی کریں گے اُن کو کافروں پر قیامت تک فائق (وغالب) رکھوں گا۔ پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آ ؤ گے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں اُن کا فیصلہ کردوں گا۔(۵۵)

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ....﴾

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾ (سورہ مائدہ:۱۱۷)(پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگران رہا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے ہی) یہاں وفات سے مراد موت نہیں بلکہ رفع اور قبض ہے اور آیت میں تقابل موت و حیات کا نہیں بلکہ موجودگی اور عدم موجودگی کا ہے جس پر ''مَا دُمْتُ فِيْهِمْ ''(جب تک میں ان میں رہا) کے الفاظ صراحۃ دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ ''مَا دُمْتُ حَيًّا ''نہیں فرمایا۔''مَا دُمْتُ فِيْهِمْ '' فرمایا۔معلوم ہوا وہ اپنے زمانہ موجودگی میں امت کے ذمہ دار ہیں۔عدم موجودگی کے زمانہ میں ذمہ دار نہیں۔

﴿وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾ (سورہ مائدہ:۱۱۰)

(اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی) عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں آئیں گے تو وہ کسی مدرسے میں داخلہ لے کر قرآن نہیں پڑھیں گے۔اللہ آپ کو قرآن کی تعلیم دے کر زمین پر بھیجے گا۔آیت بالا سے یہ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے وقت میں موجود ہوں گے جب قرآن کا نزول ہو چکا ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ کسی نبی کو قرآن کی تعلیم نہیں دی کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اس دنیا میں کسی اور نبی کا آنا مقدر نہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۵

اس وقت اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اُٹھا لوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کردوں گا اور جولوگ تمہاری پیروی کریں گے اُن کو کافروں پر قیامت تک فائق (وغالب) رکھوں گا۔ پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آ ؤ گے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں اُن کا فیصلہ کردوں گا۔(۵۵)

تمام دنیا میں کہیں یہود کو نصاریٰ پر حکومت نہیں بلکہ نصاریٰ یہود پر غالب ہیں اور ہمیشہ غالب رہیں گے۔

﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ﴾ عیسیٰ علیہ السلام نے شرپسند یہودیوں سے لڑائی کا ارادہ فرمایا مگر بعض منافقین کی وجہ سے بے بس ہو گئے لیکن اس کے بعد حیرت انگیز رفتار سے عیسائیت پھیلی اور عیسائی، یہودیوں سے زیادہ طاقتور ہو گئے

Scanned by CamScanner

اور بعد کی صدیوں میں یہودیوں نے عیسائیوں سے بار بار شکستیں کھائیں۔ آج بھی اسرائیل کا اقتدار اعلیٰ امریکہ کے پاس گروی رکھا ہوا ہے اور اسرائیل، امریکہ کی ایک طفیلی ریاست ہے۔

﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ آپ کی اتباع کرنے والے قیامت تک کافروں پر غالب رہیں گے ایسا ہی ہوا آپ کے رفع کے بعد آپ کے ساتھی کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک مومن و متبع تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں اور کچھ نے "ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ" (تین میں کا تیسرا) کہا۔ عیسائیوں کے فرقہ ملکیہ نے اس کی پیروی کی انہیں یہودیوں پر غلبہ حاصل ہوا پھر محمد ﷺ کی امت آئی ان کا بھی یہی خیال و عقیدہ تھا۔

﴿وَمُطَهِّرُكَ﴾ کافروں کی صحبت سے پاک کردوں گا۔

﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾

ابن زبیر کہتے ہیں کہ نصاریٰ تا قیامت یہود پر غالب رہیں گے مشرق و مغرب میں جہاں بھی کوئی یہود ہے اس پر نصاریٰ غالب ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام دنیا میں دو ہی امتیں غالب ہیں ایک مسلمان دوسرے نصاریٰ۔ باقی تمام ملتیں مقہور و مغلوب ہیں۔

﴿لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ﴾ حسد سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش۔ سچائی کو جانتے ہوئے اس کا انکار۔

(۱) یہودیوں کی حرکتیں:

(۲) وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ: صبح ایمان لاؤ شام کو انکار کردو۔

(۳) ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ امانت میں خیانت۔ ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ (سورہ آل عمران: ۷۵) یہودی فقہاء نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا تھا کہ غیر یہودی کا مال ہڑپ کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ آج کل مسلمانوں کا ایک گروہ ہے جو کہتا ہے کہ کافروں سے سود لینا جائز ہے۔ کچھ نے یہ حیلہ تراشا ہے کہ سود وصول کرکے خیراتی کاموں میں استعمال کیا جائے اور ثواب کی امید نہ رکھی جائے۔

﴿اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ میں تمہیں وفات دوں گا یعنی یہودی تمہیں قتل نہ کرسکیں گے۔ "مُمِيْتُكَ عِنْدَ قَضَاءِ اَجَلِكَ وَرَافِعُكَ الْاٰنَ" یعنی تمہیں تمہاری مدت حیات ختم ہونے کے بعد موت دوں گا۔ اور اس وقت میں تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ اس آیت میں ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ اور ﴿رَافِعُكَ﴾ کے درمیان جو واؤ ہے وہ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لیے آیا ہے اس میں ترتیب ملحوظ نہیں۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ ﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ میں سجدے کا ذکر پہلے ہے اور رکوع کا بعد میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلے ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ کیوں کہا گیا؟ جواب یہ ہے کہ پہلے یہ آیت ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ (اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی مکر فرمایا) ہے۔ یعنی یہود کا مکر ناکام ہوگیا اور اللہ کا مکر غالب آیا۔ یعنی اللہ نے اپنے کمال قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ اب ایک سوال یہاں اٹھتا تھا کہ کیا عیسیٰ کو موت نہیں آئے گی؟ لہٰذا

﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کہہ کر اس کا جواب دیا گیا۔ اسی وجہ سے ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کو پہلے لایا گیا۔

﴿بَل رَّفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (سورہ النساء:۱۵۸) (بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے) میں رفع سے رفع جسمانی مراد لیا جائے تا کہ "بل" کے ماقبل ومابعد میں تنافی (یہ نہیں بلکہ یہ) قائم رہ سکے۔ جو بل کا تقاضا ہے۔ موت اور رفع روحانی میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کی جو دو صفات ﴿عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ ذکر ہوئیں وہ بھی رفع جسمانی پر دلیل ہیں۔ کیونکہ رفع روحانی اور رفع درجات کے لیے ان دوصفات کا ذکر بالکل بے محل ہے۔ کیونکہ روح، لطیف ہے۔ اس کا رفع امر محال نہیں۔ جس کے لیے یہ کہنے کی ضرورت ہو کہ اللہ بہت زور آور (عَزِيزًا) ہے۔ (حَكِيمًا) کی صفت میں اس شبہ کا جواب ہے کہ دیگر انبیاء کا رفع جسمانی نہیں ہوا تو عیسیٰ کا کیوں ہوا؟ جواب میں فرمایا، اللہ حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اُس نے (پہلے) مٹی سے اُن کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔ (۵۹)

نجران سے ساٹھ عیسائی آئے تین بڑے معزز تھے۔ عبدالمسیح، ایہم، ابوحارثہ۔ انہوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ بیماروں کو اچھا کر دیتے تھے۔ آدمی کیا کھا کر آیا ہے، کیا ذخیرہ کیا ہے وہ بتا دیتے تھے۔ مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو جاتی۔ گہوارہ میں کلام کیا اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا اور بلا باپ پیدا ہوئے۔ ان سب کا اقرار قرآن نے بھی کیا ہے۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام الٰہ تھے اس طرح انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت یعنی بیٹا ہونے پر استدلال کیا۔

اور مسئلہ تثلیث پر اس طرح بھی استدلال کیا کہ حق تعالیٰ نے جا بجا إِنَّا، فَعَلْنَا، خَلَقْنَا کہا اور جمع کم سے کم تین پر بولا جاتا ہے۔

جواب: باپ بیٹے کے مشابہ ہوتا ہے؟ اور اللہ بے مثل ہے اس کا کوئی مشابہ نہیں۔ اور اللہ زندہ ہے اسے موت نہیں؟ اور عیسیٰ علیہ السلام مرنے والے ہیں۔

نجران سے تقریباً ساٹھ (۶۰) عیسائیوں پر مشتمل ایک وفد آیا۔ یہ مناظرہ بازی کے لیے آیا تھا۔ ان کا طرز استدلال یہ تھا کہ تم تسلیم کرتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اس سے بڑھ کر الوہیت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ قرآن نے تفصیلی جواب دیا کہ یہ سارے معجزات اللہ کی طرف سے تھے اس میں عیسیٰ علیہ السلام کا کیا کمال تھا۔

یہ جواب ملنے پر انہوں نے پھر ایک سوال داغ دیا کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون تھا؟ جواب میں یہ آیت اتری ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ کہ بن باپ پیدا ہونا اگر الوہیت کی دلیل ہے تو پھر آدم کو بدرجۂ اولیٰ الٰہ ہونا چاہئے حالانکہ تم خود ان کو الٰہ نہیں مانتے۔

چونکہ یہ حق قبول کرنے نہیں آئے تھے چنانچہ انہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی جس پر عیسائیوں نے ڈر کر جزیہ دینا قبول کر لیا۔

Scanned by CamScanner

وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقتِ حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو اُن سے کہنا کہ آ ؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آ ؤ، پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعاو التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ (۶۱)

﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾

دعوت مباہلہ: اگر آخرت تمہارے لیے خاص ہے تو موت کی تمنا کرو۔ انہوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا۔ دونوں فریق میں سے جو جھوٹا ہے وہ مر جائے۔ مباہلہ کو تمنا کہا گیا کیونکہ ہر اہل حق کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ باطل پرست مر جائے۔

مباہلہ: دو فریقوں میں حق و باطل میں نزاع ہو اور دلائل سے ختم ہوتا نظر نہ آئے تو دونوں فریق بارگاہ الٰہی میں دعا کریں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اے اللہ اُس پر لعنت فرما۔

بن باپ کے پیدائش: ہر Cell (خلیہ) کے مرکزہ (نیوکلیس) میں ایک کوڈ ریکارڈ کیا ہوتا ہے جسے وہ خلیہ خود نہیں کھول سکتا اسے جنسی خلیے ہی کھول سکتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اشعاع iradiation اثر انداز ہوا اور کوڈ کھل گیا۔ اس طرح کہ مریم کے تخم نے اپنا کوڈ کھول دیا۔

اس سے پہلے کی وہ کوششیں بھی ہیں جو مذہبی ذہن رکھنے والے سائنسدانوں نے یہ ثابت کرنے کے لیے چوہے (ہمیسٹر) کی مادہ پر کی تھیں جن کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ اسے بغیر جوڑا ہوئے صرف گاما شعاعوں (Gama rays) کے ذریعے کس طرح حاملہ کیا جاسکتا ہے۔ ان تحقیقات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اسکاٹ لینڈ کے ایک سائنسداں ایان ولمٹ (Ian Wilmut) نے تحقیق کیا کہ نر یا مادہ جاندار کے خلیوں کو لے کر Clonning سے اس کا ہو بہو چربہ تیار کیا جاسکتا ہے۔ اس نے ایک بھیڑ اسی طرح بنائی جس کا نام اس نے ڈولی رکھا۔

وجود کی چار قسمیں ہیں:

(۱) اعیان میں (خارج میں) (۲) اذھان میں (۳) زبان میں (۴) بیان میں۔

اسی طرح تخلیق کی چار قسمیں ہیں:

(۱) عورت اور مرد دونوں نہ ہوں جیسے تخلیق آدم۔ (۲) ماں باپ دونوں ہوں جیسے عام تخلیق۔

(۳) ماں ہو باپ نہ ہو جیسے عیسیٰ کی تخلیق۔ (۴) مرد ہو عورت نہ ہو جیسے حوا کی تخلیق آدم کی پسلی سے۔

منی پاک یا ناپاک؟: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ”كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ“ (سنن ابوداود، کتاب الطہارۃ: ۳۷۲)

Scanned by CamScanner

منی خشک ہوتو کھرچنے سے پاک ہوجاتی ہے۔یہ اس کی طہارت کی علامت ہے یا نجاست کی؟ اگر کپڑے میں پاخانہ لگا ہوتو وہ نجس ہے اسے کھرچ کر اس کپڑے میں نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ پھر اگر منی بھی نجس ہوتی تو کپڑا کھرچنے سے پاک کیسے ہوا؟ دھونے کی روایت بھی ہم کو مسلّم ہے مگر ہم اسے بطور صفائی دھونا پسند کرتے ہیں۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اُس کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (اُن سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔(۶۴)

اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دی جائے ان سے مکالمہ، مباحثہ، مجادلہ، مباہلہ کیا جائے۔

(۱) مُكَالَمَةٌ: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ﴾

(۲) مُبَاهِلَةٌ: ﴿نَبْتَهِلْ﴾

(۳) مُجَادَلَةٌ: اہل کتاب سے کہنا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں غلط باتیں مت کرو۔

(۴) مُبَاحَثَةٌ: جیسے عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو خدا ہوگئے جواب یہ دیا گیا کہ آدم کی تخلیق تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے اس کے تو ماں باپ دونوں نہیں ہیں۔

ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے ہیں تو یہودی اور نصرانی کیسے ہوئے؟ ابراہیم کے زمانے میں یہ خودساختہ مذاہب یہودیت اور نصرانیت تھے ہی نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

جو لوگ اللہ کے اقراروں اور اپنی قسموں (کو بیچ ڈالتے ہیں اور اُن) کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں اُن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں، اُن سے اللہ نہ کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز اُن کی طرف دیکھے گا اور نہ اُن کو پاک کرے گا اور اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔(۷۷)

Scanned by CamScanner

ایک شخص جب ایمان لاتا ہے تو وہ اللہ سے ایک عہد کرتا ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری کرے گا اور ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرے گا جو شریعت کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہیں اب اپنے مفاد کے سامنے اس عہد کو کوئی نظر انداز کردے تو اس نے گویا آخرت دے کر دنیا خرید لی۔

﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾

جن گناہ گاروں کو بخش دینا منظور ہوگا ان کے لیے تین مراحل ہوں گے:

(۱) اللہ ان سے گفتگو کرے گا یہ اس بات کا اشارہ ہوگا کہ ان پر مہربانی ہونے والی ہے۔

(۲) پھر پردہ ہٹا کر نظر کرے گا۔

(۳) ان کا تزکیہ کیا جائے گا غالباً غسل دیا جائے گا اس کے بعد جنت میں داخل کردیا جائے گا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ (اُس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ اے اہل کتاب) تم (علمائے) ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب (اللہ) پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔(۷۹)

﴿كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ﴾ اس آیت میں ایک قاعدہ کلیہ بتایا گیا ہے کہ ایسی تعلیم جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی بندگی سکھاتی ہو وہ ہرگز نبی کی تعلیم نہیں ہوسکتی اور اگر کسی مذہبی کتاب میں ایسی تعلیم موجود ہو تو یہ دلیل ہے کہ یہ گمراہ کن عقیدہ لوگوں کی تحریفات کا نتیجہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اُس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اُس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اُس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و

Scanned by CamScanner

پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔(۸۱)

تمام انبیاء سے حق تعالیٰ کا یہ فرمانا ﴿ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ﴾ میں رسول اگر چہ نکرہ ہے (نکرہ تفخیم کے لیے ہے) مگر اشارہ مخصوص و معین کی طرف ہے کہ تم سب کے بعد ایک رسول آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان رسول کی آمد سب کے بعد ہوگی اس کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا۔ یہ عہد عالم ارواح میں لیا گیا۔ پھر عالم شہادت میں ہر نبی کے زمانے میں اس عہد کی تجدید ہوئی۔ یہ ایک حیران کن انکشاف ہے کہ ''عَهْدِ اَلَسْتُ'' میں تمام گذشتہ انبیاء کو آنے والے انبیاء پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا اس سلسلے میں انبیاء سے باقاعدہ حلف لیا گیا اس سے ثابت ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام گذشتہ انبیاء ایمان لائے۔ جب ان انبیاء کے لیے یہ ایمان لازم تھا تو پھر ان کی امتوں کے لیے بھی ایمان لانا ضروری ہوا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۗ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۹۱﴾

ہاں جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۸۹) جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے گئے، ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہ لوگ گمراہ ہیں۔(۹۰) جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے وہ اگر (نجات حاصل کرنی چاہیں اور) بدلے میں زمین بھر سونا دیں تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ان لوگوں کو دردناک عذاب ہوگا اور ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔(۹۱)

کافروں کی تین قسمیں:

(۱) جو کفر سے صحیح توبہ کریں اور اعمال صالحہ اختیار کریں ایسے لوگوں کی توبہ مقبول ہے۔

(۲) جو کفر سے توبہ کریں مگر توبہ صحیح نہ ہو بلکہ فاسد ہو مثلاً دل سے توبہ نہ کریں صرف زبان سے کسی مصلحت کی بنا پر توبہ کے الفاظ بول دیں۔ یا دم نکلتے وقت توبہ کریں تو ایسے لوگوں کی توبہ مقبول نہیں۔

(۳) جو تمام عمر کفر پر قائم رہے اور توبہ کیے بغیر مر گئے۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۴

سورۃ آلِ عمران

(آیت: ۹۲ تا ۲۰۰)

سورۃ النساء

(آیت: ۱ تا ۲۳)

مُجمّع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد الہند

Scanned by CamScanner

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾

(مومنو!) جب تک تم اُن چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے اور جو چیز تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے۔(۹۲)

سودخور جس طرح انفاق کی راہ میں نہیں پڑتا اسی طرح عیاشی کی چاٹ بھی نیکی کے کام میں خرچ کرنے کی راہ بند کر دیتی ہے۔انفاق کی راہ میں وہی لوگ پڑ سکیں گے جو سودخوری اور عیاشی کی لت سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں گے۔

ایمان کا پہلا ظہور غریبوں پر خرچ اور خیر اعلیٰ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جہاں رسمی دینداری ہوگی وہاں بظاہر کچھ نہ کچھ نیکی کے کام ہوں گے لیکن پسندیدہ مال خرچ کرنے کا جذبہ مفقود ہوگا۔اس کے برعکس جہاں حقیقی دینداری ہوگی وہاں آدمی اپنا محبوب مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بخوشی آمادہ ہوجائے گا۔یہ ایک کسوٹی ہے جس پر اللہ کی محبت کے دعویٰ کو پرکھا جاسکتا ہے۔یہود بڑے بخیل واقع ہوئے تھے اس کسوٹی نے ان کی دینداری کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا۔خودساختہ دین کی ایک پہچان ہے کہ ظاہری ڈھانچے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

﴿اَلۡبِرَّ﴾ سے مراد یہاں جنت ہے اور اس آیت کے شان نزول میں یہ حدیث ہے۔

عَنۡ أَنَسٍ أَنَّ أَبَا طَلۡحَةَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الۡمِنۡبَرِ، فَقَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: مَاذَا تَرَى نَزَلَتۡ هَذِهِ الۡآيَةُ؟ قَالَ: "إِنَّ اللهَ قَالَ: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتَّى تُنۡفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (آل عمران) وَإِنَّهُ لَيۡسَ لِي مَالٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنۡ أَرۡضِي بَيۡرُحَاءَ، وَإِنِّي أَتَقَرَّبُ بِهَا إِلَى اللهِ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ: "بَخٍ بَخٍ بَيۡرُحَاءُ خَيۡرٌ رَابِحٌ" فَقَسَمَهَا بَيۡنَهُمۡ حَدَائِقَ (مسند احمد: ۱۳۶۸۸، صحیح)

جب یہ آیت اتری تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی ﷺ میں آئے اور کہا مجھے "بَیۡرُحَاءُ" باغ زیادہ محبوب ہے، میں اسے اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا وہ بڑا نفع بخش مال ہے میری رائے ہے کہ اسے رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔انہوں نے اسے اپنے اقارب اور عم زادوں میں تقسیم کردیا۔

﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ﴾ بر کے معنی ہیں حق کی پوری ادائیگی یعنی اللہ کے حق کی پوری ادائیگی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اپنی محبوب چیز اس کے راستے میں خرچ نہ کرو۔

سورۂ بقرۃ کی آیت برّ میں نیک اعمال کی ایک فہرست دے کر سب کو برّ کہا۔مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل ترین برّ یہ ہے کہ محبوب چیز اللہ کے راستے میں خرچ کی جائے۔

یہود پر حرام کردہ طیبات کی تین قسمیں:

(۱) یہودی علماء کے فتوے جو بعد میں تورات میں شامل ہوکر اس کا جز بن گئے ان فتاویٰ میں انہوں نے بعض چیزوں کو حرام ٹھہرایا تھا۔

(۲) یہود کی کٹ حجتی اور سوال بازی کے سبب بعض طیبات حرام ہوئیں۔

Scanned by CamScanner

(۳) وہ چیزیں جو یعقوب علیہ السلام محض طبعی عدم مناسبت کی بناء پر استعمال نہیں کرتے تھے یہود نے ان کی حرمت بھی تورات کی محرمات کی فہرست میں شامل کردیا۔

یہود کا شبہ اور اس کا جواب:

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تمام انبیاء ملک شام میں ہوئے۔ ان کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ مسلمانوں نے اس قدیم قبلہ کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ بنالیا تو یہ ملت ابراہیمی کے متبع کیسے ہوسکتے ہیں؟ قرآن نے بتایا کہ دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ تو کعبہ ہے جسے ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ مقام ابراہیم کا وہ پتھر اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾

بنی اسرائیل کے لیے (تورات کے نازل ہونے سے) پہلے کھانے کی سب چیزیں حلال تھیں سوائے اُن (چیزوں) کے جو یعقوب (علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور اُسے پڑھو (یعنی دلیل پیش کرو)۔ (۹۳)

یہود کا شبہ اور اس کا جواب:

یہود کے دو شبہوں کا جواب دیا جارہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو بتاتے ہو مگر اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرتے ہو یہ تو ابراہیم پر حرام تھا۔

جواب: حرام نہیں تھا یہ افتراء علی اللہ ہے بلکہ یعقوب نے عرق النساء کی بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ (فتح الباری: ۲۸۱/۹) بطور نذر کہ اگر شفا ہوئی تو چھوڑ دوں گا (مسند احمد) اور ان کی اولاد نے ان کی پیروی میں اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۚ ﴿۹۶﴾

پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔ (۹۶)

سورۂ فتح میں مکہ میم کے ساتھ اور آل عمران میں بکہ ب کے ساتھ ہے۔ کیونکہ آل عمران کی آیت حج کے سیاق میں ہے اور بک، زحام یعنی بھیڑ کو کہتے ہیں اور حج میں لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔

یہود کا شبہ اور اس کا جواب: بیت المقدس خانۂ کعبہ سے افضل ہے کیوں کہ وہ دنیا کا پہلا عبادت خانہ ہے۔ یہ تمام انبیاء کا قبلہ تھا تو تم نے اس کو چھوڑ کر خانۂ کعبہ کو قبلہ کیوں بنایا؟

جواب:

(۱) کعبہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر ہوا۔　(۲) مبارک ہے یعنی برکتوں کا سرچشمہ ہے۔

﴿مُبَارَكًا﴾ برکت کا ایک مطلب ہے نمو (زیادتی) چونکہ اس میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ثواب کی حامل ہے۔

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِيْ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ"

(سنن ابن ماجہ، کتاب: إقامةُ الصلاةِ والسُّنَّة:۱۴۰۶، صحیح)

اور حج کرنے والا ایسا ہے گویا کہ ابھی اپنی ماں کی پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ "كَيَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ" (صحیح بخاری: کتاب الحج، ۱۵۲۱) ہو جاتا ہے۔ دوسرا مطلب دوام (ہمیشگی) ہے، یعنی کعبہ کبھی طائفین، راکعین اور ساجدین سے خالی نہیں ہوتا۔

(۳) تمام جہانوں کا قبلہ

(۴) آیات بینات یعنی جس نے اس کی بے حرمتی کی اس پر اللہ کا عذاب آ کر رہا۔

(۵) مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام خانۂ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے۔

(۶) جو اس میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے۔

(۷) صاحب استطاعت پر اس کا حج فرض ہے۔

﴿آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ﴾ اس پر تلوے اور انگلیوں کے نشان تھے۔

سوال: مسلمان بھی بت پرستی کرتے ہیں کیونکہ وہ کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔

جواب: ہم کعبہ کو بیت اللہ کہتے ہیں۔ اللہ نہیں کہتے اور کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے تخت کی طرف جھک کر سلام کرے تو سلام صاحب تخت کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بت پرست اپنے بتوں کو خانۂ خدا نہیں بلکہ بت ہی کو مقصود سمجھتے ہیں۔

﴿مُبَارَكًا﴾

(۱) خانۂ کعبہ کے آس پاس کی سرزمین خشک اور بے آب و گیاہ ہے اس کے باوجود وہاں پھلوں وغیرہ کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ یہ برکت نہیں تو اور کیا ہے۔

(۲) اور ہر سال حاجی وہاں لاکھوں جانوروں کی قربانی کرتے ہیں مگر جانوروں کی کمی نہیں ہوتی۔

(۳) اسلام کی دو عظیم عبادتیں اسی گھر سے جڑی ہوئی ہیں حج و عمرہ۔

(۴) ایک نماز ایک لاکھ کے برابر۔

﴿هُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾

(۱) توحید کا مرکز ہے۔　(۲) مہبط وحی یعنی غار حرا وہیں ہے۔

(۳) تمام عالم کے لیے قبلہ ہے اس اعتبار سے وہ ھُدًی (رہنما) ہوا۔

Scanned by CamScanner

یکجہتی کی بنیاد: مختلف بھائیوں میں نظریات، بول چال تمام چیزوں میں اختلاف ہوسکتا ہے مگر باپ پر سب کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ اسلام کا اللہ رب العالمین ہے یعنی اسلام اس ناحیے سے سارے مذاہب والوں کو بھائی مانتا ہے اور اللہ ہی رب ہے تو معبود بھی وہی ہے اور اس سبق کو ذہنوں میں تازہ اور راسخ کرنے کے لیے سب کو کعبہ کے ساتھ جوڑ دیا کہ وہ ﴿ هُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴾ ہے اور ابراہیم نے اس گھر کو خالص توحید پر بنایا تھا۔ اس طرح وہ امن قائم کرنے کا ذریعہ ہوا۔

مسجد کے آگے قبر:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح: ایسی مسجد میں نماز جائز نہیں جس کے آگے قبر ہو اور قبر اور مسجد کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہ ہو۔ عطاء ابن ابی رباح مسجد کی دیوار کو فصل کے لیے کافی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کے نزدیک مسجد کی دیوار کے علاوہ ایک اور دیوار ضروری ہے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا سعودی حکومت کو مشورہ: مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی ہیئت پر واپس کیا جائے یعنی مسجد نبوی اور قبر کے درمیان شمالاً جنوباً ایک لمبی دیوار کھینچ دی جائے جو مسجد کو قبر نبوی سے جدا کر دے۔

ستر انبیاء کا مسجد خیف میں مدفون ہونا بے بنیاد بات ہے۔ مسجد حرام میں انبیاء کی قبروں کا ہونا اور اسماعیل وغیرہ کا مدفون ہونا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔

نکتہ: قبور ظاہرہ کے اعتبار سے حکم لگایا جائے گا مگر جن کا نام ونشان مٹ چکا ہو شریعت اس پر حکم لگانے سے پرہیز کرے گی۔

(مَا بَيْنَ قَبْرِيْ وَ مِنْبَرِيْ) یعنی میری قبر اور میرے منبر کے درمیان ''رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ'' ہے یہ ثابت نہیں بلکہ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ الْمَازِنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ'' (صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ: ۱۱۹۵) یعنی میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان روضۃ من ریاض الجنۃ ہے یہ ثابت ہے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کو مخصوص مزیت حاصل ہے، جو دوسری مساجد کو حاصل نہیں کیونکہ قبر کی وجہ سے اگر نماز نہیں پڑھی تو نماز کی جو فضیلت ہے وہ حاصل نہیں ہوگی۔ اس کی تضیع (ضائع کرنا) لازم آئے گی۔ میت کو گھر میں دفن کرنا خلاف شرع ہے یہ نبی کی خصوصیت ہے کہ جہاں ان کا انتقال ہوتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر میں دفن کرنے کی وجہ یہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ ''لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ'' قَالَتْ: فَلَوْلَا ذَاكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ، غَيْرَ أَنَّهُ خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا. وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ: وَلَوْلَا ذَاكَ لَمْ يَذْكُرْ: قَالَتْ (صحیح مسلم، کتاب المساجد: ۵۲۹)

عمر رضی اللہ عنہ کا شجرۃ الرضوان کو کٹوا دینے کی روایت منقطع ہے۔ قبر نبوی کو مسجد نبوی میں ۸۸ ہجری میں ولید بن عبدالملک نے شامل کیا۔ اس وقت کوئی صحابی بقید حیات نہ تھے۔ قبر پر مسجد یا مسجد میں قبر دونوں حرام ہیں، ان میں جو بعد میں

ہے اسے ہٹا دیا جائے گا۔ قبر رسول کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا حدیث کی خلاف ورزی ہے۔ قبر رسول کی زیارت مسجد نبوی کی زیارت کے تابع ہے۔ کعبہ میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں ایک ہزار کے برابر اور مسجد اقصیٰ میں ڈھائی سو کے برابر ہے۔ ہزار کی روایت منکر اور پانچ سو کی روایت ضعیف ہے۔ نبی کی قبر کو روضہ کہنا درست نہیں۔ نافع کہتے ہیں ابن عمر سفر سے واپس ہوتے تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے، پھر قبر پر حاضر ہوتے اور سلام بھیجتے:

عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ أَتَى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: (السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ) (مصنف عبدالرزاق: ۶۵۵۳، موقوف)

پہلے نبی ﷺ پر سلام بھیجیں پھر آگے بڑھیں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام بھیجیں پھر آگے بڑھیں اور عمر رضی اللہ عنہ پر سلام بھیجیں۔

حجر اسود کو جو بوسہ لیا جاتا ہے وہ بوسۂ محبت ہے، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ اس سے مس ہوئے یہ بوسۂ تعظیمی نہیں ہے۔ نیز کوئی یہ نہیں کہتا اے کعبہ یا اے حجر اسود میری بگڑی بنا۔ جب کہ بت پرست لوگ براہ راست بتوں سے پرارتھنا کرتے ہیں اوران کے سامنے مراسم عبودیت ادا کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ (۱۰۲)

﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ اللہ سے ڈرنے کا دعویٰ سبھی کرتے ہیں مگر جہاں اپنا مفاد متاثر ہو رہا ہو یا اپنی ناک کٹ رہی ہو وہاں تقویٰ دھرا رہ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر آدمی ناک کٹوا لے مگر اللہ کا حکم پامال نہ کرے یہ ﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ ہے۔

اتحاد کی تین بنیادیں:

(۱) تَقْوٰى حَقَّ تُقٰتِهٖ (اللہ سے ایسا ڈرنا جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے)

(۲) اِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰهِ (اللہ کی رسّی یعنی کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنا)

(۳) عدم تفرق (فرقہ بندی سے دور رہنا) ان تین چیزوں کی بقا کے لیے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے والی ایک جماعت ہونی چاہئے جو مستقل دعوت کا کام انجام دیتی رہے۔

مفہوم تقویٰ: وَقَدْ قِيلَ: إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، سَأَلَ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ عَنِ التَّقْوَى، فَقَالَ لَهُ: أَمَا سَلَكْتَ طَرِيقًا ذَا شَوْكٍ؟ قَالَ: بَلَى قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ؟ قَالَ: شَمَّرْتُ وَاجْتَهَدْتُ، قَالَ: فَذٰلِكَ التَّقْوَى. (تفسیر ابن کثیر)

حق تقویٰ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾، قَالَ: (أَنْ يُطَاعَ وَلَا يُعْصَى، وَيُذْكَرَ وَلَا يُنْسَى، وَيُشْكَرَ وَلَا يُكْفَرَ) (ابن ابی شیبہ فی المصنف: ۳۵۶۹۵، موقوف)

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ اسے یاد کیا جائے اسے بھولا نہ جائے۔ اس کا شکر ادا کیا جائے اس کی ناشکری نہ کی جائے۔ (ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے)

Scanned by CamScanner

تقویٰ ایسی عبادت ہے جس کا تمام تر تعلق قلب سے ہے۔ فرائض پنجگانہ کے بعد سب سے زیادہ قرآن میں جن عبادات کا ذکر نظر آتا ہے۔ وہ ہیں تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر اور شکر۔ یہ سب قلبی عبادات ہیں۔ یہ تمام اعمال کا اصل اور جوہر ہیں۔ برائی سے بچنے کے لیے ضمیر کا احساس بیدار ہو اور دل میں خیر وشر کی تمیز کے لیے خلش ہو یہ تقویٰ ہے پھر اس کام کو صرف اللہ کے لیے کیا جائے یہ اخلاص ہے۔ پھر اس کام میں اللہ کی نصرت پر بھروسہ کیا جائے یہ توکل ہے اور اس کام میں رکاوٹیں آئیں تو ہمت نہ ہارے یہ صبر ہے اور کامیابی ملے تو اس پر مغرور ہونے کے بجائے اسے اللہ کا فضل سمجھے۔ اس کا اعتراف زبان و دل سے کرے یہ شکر ہے۔

- ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ قرآن سے فائدہ ہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو متقی ہیں۔ (سورہ بقرہ:۲)

اسباب حصول تقویٰ:

- توحید کا منشا تقویٰ کا حصول ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورہ بقرہ:۲۱)
- روزہ کا بھی یہی مقصد ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورہ بقرہ:۱۸۳)
- حج کا منشا بھی یہی ہے ﴿تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (سورۂ حج:۳۲)
- قربانی کا مقصد تقوی ہے ﴿وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾ (سورہ حج:۳۷)
- مسجد جہاں مومن کی پیشانی جھکتی ہے اس کی بنیاد تقویٰ ہے۔ ﴿عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ﴾ (سورہ توبہ:۱۰۹)

اسلام کا تمام اخلاقی نظام تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہے ﴿وَأَن تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (سورہ بقرہ:۲۳۷)
﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (سورہ مائدہ:۸)
تقوی والے ہی اللہ کے دوست ہیں ﴿إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ﴾ (سورہ انفال:۳۴)
قبولیت عمل اہل تقوی کے لیے ہے ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (سورہ مائدہ:۲۷)
تقویٰ کا مرکز و مسکن دل ہے ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (سورہ حجرات:۳)

تمام گناہوں کی جڑ فجور ہے، ٹھیک اسی طرح تقویٰ تمام نیکیوں کی جڑ، اصل اور بنیاد ہے۔ یہ دونوں بندے کے اندر فطرتاً ودیعت ہیں۔ بندہ اپنے اختیار اور کوشش سے ایک کو چھوڑتا اور دوسرے کو اختیار کرتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

Scanned by CamScanner

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾

اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اُس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گھڑے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (۱۰۳) اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائی اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔ (۱۰۴)

مرکز وحدت قرآن وسنت کی طرف دعوت دی گئی اور اشارہ کیا گیا کہ اجتماع واتحاد پوری قوم کو ایک شخص واحد میں تبدیل کر دیتا ہے پھر دعوت سے اسی اجتماع کو غذا ملتی ہے اور اسے نشو ونما دی جاتی ہے۔

فرقہ کی تعریف:

رایوں میں اختلاف کے باوجود منہج اور محور عقیدت میں اختلاف نہ ہو تو فرقہ نہیں بنتا۔ ہاں رایوں کے اختلاف سے منہج میں اختلاف ہو جائے تو فرقہ بن جاتا ہے۔

﴿نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ نعمت سے مراد اسلام ہے۔ اس کے معاً بعد ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ کا تذکرہ کر کے یہ حکم دیا گیا کہ اس نعمت کو اپنی ذات تک محدود مت رکھو دوسروں کو بھی جہنم سے بچاؤ اور اسلام کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین نے الْخَيْرِ کی تفسیر اسلام سے کی ہے۔ نعمت کو یاد دلانے کے بعد فرمایا کہ اسی نعمت (اسلام) کی بدولت تم دشمن سے بھائی بھائی بن گئے۔ گویا جہاں اسلام آئے گا بھائی چارہ آئے گا۔ معلوم ہوا کہ اسلام امن وامان کا داعی ہے نہ کہ دہشت گردی کا۔

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ کوئی برائی برداشت نہ کریں، اس کا تعلق خواص سے ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ اس کا تعلق عوام سے ہے۔ عَنْ أَبِي سعيدِ الخُدريِّ رَضِي اللّٰه عَنْهُ قالَ: سَمِعتُ رسولَ اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقولُ: "مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ" (صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۴۹)

ترمذی میں ہے تم ستّرویں (۷۰) اُمت ہو اُنہتّر (۶۹) امتیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں۔ "عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰه تَعَالَى عَنْهُ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّكُمْ تُتِمُّونَ سَبْعِينَ أُمَّةً أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ" (ترمذی، ابواب تفسیر القرآن: ۳۰۰۱، حسن)

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ قَالَ: تَسْوَدُّ أَهْلُ الْبِدَعِ وَالضَّلَالَةِ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ قَالَ: تَبْيَضُّ وُجُوهُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ. (تفسیر ابن ابی حاتم)

Scanned by CamScanner

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ اہل سنت کے چہرے سفید اور اہل بدعت کے چہرے کالے ہوں گے۔

عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ "أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُونَ وَمِائَةُ صَفٍّ، ثَمَانُونَ مِنْهَا مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ وَأَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الأُمَمِ" (سنن ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ: ۲۵۴۶، صحیح)

﴿أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ میں مرتد کے ساتھ بدعتی لوگ بھی شامل ہیں۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت (کو دیکھو گے کہ) اُن سے چمٹ رہی ہے بجز اس کے کہ یہ اللہ اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہیں اور ناداری اُن سے لپٹ رہی ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اُس کے) پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے، یہ اس لیے کہ یہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔ (۱۱۲)

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ﴾

بنی اسرائیل کے نصیبہ کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ہے کہ انہیں عارضی طور پر کہیں سہارا تو مل سکتا ہے ممکن ہے کوئی حکومت انہیں اپنی سرپرستی میں لے لے لیکن یہ قوم دنیا میں کبھی سربلند نہیں ہو سکتی وجہ ہے کہ یہ انبیاء کو قتل کرتے آئے ہیں۔ انبیاء کی بددعا ان کے جنیس Genes میں داخل ہو چکی ہے کوئی قوم جس پر کسی پیغمبر نے پھٹکار بھیجی ہو وہ دنیا میں پھل پھول نہیں سکتی۔ اللہ کا غصہ اسے ہمیشہ گھیرے میں لیے رکھتا ہے۔

یہودیوں کے پاس ہتھیار ہے، سائنس وٹکنالوجی ہے۔ اس کے باوجود وہ کمزور ہیں۔

﴿بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾

اللہ نے ذلت ورسوائی کو یہود کا مقدر بنا دیا ہے۔ یہ جہاں اور جس زمانے میں ہوں گے ذلیل ورسوا ہی رہیں گے اور تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں اور کسی زمانے میں انہیں عزت نصیب نہیں ہوئی۔ انہیں عارضی چین وسکون صرف دو صورتوں میں سے ایک ہی صورت میں ملے گا۔ جزیہ دے کر بطور ذمی زندگی گذاریں یا انہیں بڑی غیر اسلامی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ آج کل فلسطین میں یہودیوں کی ایک حکومت امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی شہ پر اور ان کی مدد سے قائم ہے۔ ابھی حال میں نومسلم مفکر رجا جارودی کا بیان شائع ہوا ہے کہ اگر امریکہ اپنا ہاتھ کھینچ لے تو اسرائیل کی حکومت عرب مسلمانوں کے سامنے چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹک سکتی۔ ان کی ذلت ورسوائی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ فلسطینی بچوں نے پتھر مار مار کر ان کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ﴾ غیر مسلم طاقتوں سے معاہدہ صلح کر کے محفوظ ہو جائیں۔اسرائیل کی آج کی حکومت غیروں کے بل پر ہے۔

إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اُس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے جی چھوڑ دینا چاہا مگر اللہ تعالیٰ اُن کا مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔(۱۲۲)

صحابہ سے کمزوری ظاہر ہوئی مگر اس کے باوجود ان کے بارے میں اللہ نے ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا﴾ (اللہ ان کا پشت پناہ ہے) کہا۔اللہ کا یہ قانون ہے کہ مسلسل کامیابیاں نہیں دیتا۔کبھی کبھی شکست سے بھی دوچار کرتا ہے۔مصلحت یہ ہے کہ مسلسل کامیابیاں دیکھ کر کہیں منافقین بھی مفاداتِ دنیویہ حاصل کرنے کے لیے ان میں شامل نہ ہو جائیں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اللہ نے جنگِ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی اور اُس وقت بھی تم بے سروسامان تھے پس اللہ سے ڈرو (اور اُن احسانوں کو یاد کرو) تاکہ شکر کرو۔(۱۲۳)

غزوہ بدر میں ملائکہ کی تعداد:

سورۂ انفال میں ایک ہزار کا وعدہ ہے اور سورہ آل عمران میں تین ہزار کا پھر پانچ ہزار کا وعدہ کیا، اس میں کیا حکمت ہے؟ مسلمانوں نے بدر میں مخالف کی تعداد ایک ہزار دیکھی اللہ سے استغاثہ کیا اس پر ایک ہزار کا وعدہ کیا، تاکہ دشمن کی تعداد کے برابر فرشتوں کی تعداد ہو۔سورہ آل عمران میں تین ہزار ہے۔بدر میں مسلمانوں کو خبر ملی کہ کرز بن جابر اپنے قبیلے کا لشکر لا رہا ہے اس وقت مخالف گروہ مسلمانوں سے تین گنا تھا تو تین ہزار کا وعدہ کیا تاکہ مسلمانوں کی تعداد مخالف کے تین گنا ہو۔پھر اس تعداد کو چند شرطوں کے ساتھ پانچ ہزار کر دیا، وہ یہ ہیں:

(۱) صبر و تقویٰ کے ساتھ رہیں۔

(۲) دشمن یکبارگی حملہ کرے۔دوسری شرط نہ ہوئی تو پانچ ہزار کا وعدہ نہ فرمایا۔

﴿وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ بعض سلف نے کہا کہ ''اَلشُّكْرُ تَقْوَى اللّٰهِ'' (تفسیر بیضاوی) شکر تقوی ہے۔متقی وہ ہے جو اللہ کی نعمتوں کا شاکر ہو۔وہ متقی نہیں جو شاکر نہیں۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

(یہ اللہ نے) اس لیے لیے (کیا) کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک یا انہیں ذلیل و مغلوب کر دے کہ (جیسے آئے تھے ویسے ہی) ناکام واپس جائیں۔(۱۲۷)

Scanned by CamScanner

﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا﴾ حق میں اللہ کی مدد کی دو صورتیں ہیں:

(۱) مخالف کے ایک حصہ کو کاٹ دینا، یہ کامیابی دعوت کی راہ سے آتی ہے اس کے اوپر حقانیت روشن ہو جاتی ہے وہ باطل صف کو چھوڑ کر حق کی صف میں آجاتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کو قوت دیتا ہے اور مخالف پر غالب کر دیتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اے ایمان والو! دُگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ نجات حاصل کرو۔ (۱۳۰)

﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾ کہہ کر سود کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو آسانی اور پریشانی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور سود سے دور رہتے ہیں۔ سودی کاروبار زر پرستی کی بدترین شکل ہے دن ورات دولت کی حرص اور اسے دوگنا چوگنا کرنے کی دھن میں دیوانہ بنا رہتا ہے، حالانکہ آدمی کو چاہئے کہ وہ رحمت الٰہی کی طرف دوڑے۔ سود خور کو دنیا کے نفع کا شوق اور متقی کو آخرت کے نفع کا شوق ہوتا ہے۔ سود خور کے نزدیک دنیوی کامیابی کا ذریعہ ہے مال بڑھانا، اور متقی کے نزدیک اخروی کامیابی کا ذریعہ ہے مال کو گھٹانا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾ سود کے بیان میں تین مرتبہ تقویٰ کا ذکر آیا ہے۔ اس کا مطلب سود نہ لینا تقویٰ کی صفت ہے اور دولت پرستی کی بدترین شکل سود ہے۔ ﴿أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾ کو سامنے رکھ کر کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ دوگنا چوگنا سود کھانا حرام ہے مگر تھوڑا سود کھانا جائز ہے جیسے ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا﴾ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک شریک ٹھہرا سکتے ہو دو چار شریک نہیں ٹھہرا سکتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں بڑھا چڑھا کرنہ ہو تو مطلق سود جائز ہے بلکہ سود کم ہو یا زیادہ، مفرد ہو یا مرکب مطلقاً حرام ہے۔ یہ قید، نہی (حرمت) کے لیے بطور شرط نہیں بلکہ واقعے کی رعایت کے طور پر ہے یعنی سود کی اس وقت جو صورت حال تھی اس کا بیان و اظہار ہے۔

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾

(۱) ثابت قدمی (صبر)

(۲) تقویٰ۔ ان دونوں کے نتیجے میں فرشتوں کی مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔

سورۂ آل عمران میں اللہ نے مسلمانوں کو چار مقامات پر صبر اور تقویٰ کا حکم دیا ہے۔

(۱) کافروں کے شر سے بچ سکتے ہیں ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ (آل عمران: ۱۲۰)

(۲) فرشتوں کی مدد مل سکتی ہے ﴿بَلَى إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ﴾ (آل عمران: ۱۲۵)

(۳) صبر اور تقویٰ کا رویہ عزم امور میں سے ہے ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (آل عمران ۱۸۶)

Scanned by CamScanner

(۴) فلاح حاصل ہوسکتی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران:۲۰۰)

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا﴾ شرط ہے اور "تنالوا ثواب اهل العزم" یہ جواب شرط عبارت اس طرح ہے ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا﴾ ﴿فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ جواب شرط کی دلیل ہے یعنی صبر وتقویٰ اولوالعزم انبیاء ورسل کی صفات ہیں، اگر تم نے ان دونوں کو اختیار کیا تو تم کو وہی ثواب ملے گا جو انبیاء ورسل کو ملا ہے۔

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ شدید مخالفین کی سازشوں اور مخالفتوں کے نتائج بد سے محفوظ رکھنے کے لیے تقویٰ اور صبر کو علاج بتایا ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾

اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (۱۳۳)

﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ﴾ مغفرت پہلے ہے۔ جنت بعد میں۔ معلوم ہوا کہ جنت کا حصول مغفرت الٰہی کے بغیر ممکن نہیں کیوں کہ ایک آدمی تمام عمر نیکیاں کرے اور معصیت سے کنارہ کش رہے پھر بھی اس کے اعمال جنت کی قیمت نہیں ہوسکتے۔

﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾ سوال یہ ہے کہ اگر جنت کا حجم آسمان وزمین کے حجم کے برابر ہے تو پھر جہنم کا محل وقوع کیا ہے؟ یہ کوئی نیا سوال نہیں۔ بعض اہل کتاب نے نبی کریم ﷺ سے یہی سوال کیا تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَرَأَيْتَ جَنَّةً عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ فَأَيْنَ النَّارُ؟ قَالَ: (أَرَأَيْتَ اللَّيْلَ الَّذِي قَدْ أَلْبَسَ كُلَّ شَيْءٍ فَأَيْنَ جَعَلَ النَّهَارَ؟) قَالَ: اللهُ أَعْلَمُ، قَالَ: كَذَلِكَ يَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ. (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۱۰۳)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا اے محمد بتائیے کہ اگر جنت کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے تو جہنم کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: بتاؤ جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے؟ سوال کرنے والے نے کہا جہاں اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر جہنم بھی وہاں ہے جہاں اللہ کی مرضی ہے۔

جب رات دنیا کے ایک طرف ہوتی ہے تو دوسری طرف دن ہوتا ہے۔ اسی طرح جنت کائنات کے ایک طرف واقع ہے یعنی اعلیٰ علیین میں اور جہنم کائنات کے دوسری طرف اسفل سافلین میں۔

جنت کی وسعت کی تمثیل:

سود سے بہت تیر مارو گے ایک کا سو بنالو گے مگر اس کا نفع بہرحال اسی زندگی تک محدود رہے گا مگر اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو ایسی وسیع جنت کے وارث بنو گے جس کی وسعت کے آگے زمین وآسمان کی وسعت گرد ہے۔ تو ایک محدود وتنگنائے کے

Scanned by CamScanner

لیے دوڑ دھوپ کے بجائے ابدی زندگی اور ناپید اکنار بادشاہی حاصل کرنے کے لیے مسابقت کیوں نہیں کرتے؟

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔ (۱۳۴)

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ ''كَظْمُ غَيْظٍ'' (غصہ پی جاتا) جتنے بھی اخلاق رذیلہ ہیں ان میں سب سے زیادہ لوگ اسی غصہ ہی کا شکار ہیں۔ قرآن میں کئی جگہ غصہ ضبط کرنے والوں کی مدح فرمائی گئی ہے۔

غصہ فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں بلکہ اس کا بے محل استعمال مذموم ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا ﴿وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ (سورۃ الشوری: ۳۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کو غصہ آتا ہے ورنہ یہ کیوں فرمایا جاتا کہ جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حسن خلق نام ہے ایمان کا اور سوء خلق نام ہے نفاق کا۔ انسان کے حسن خلق کا جب امتحان لیا جاتا ہے ان میں سب سے پہلی چیز صبر علی الاذی (تکلیف پر صبر) اور دوسری چیز احتمال جفا (زیادتی کو برداشت کرنا) اسی (صبر علی الاذی اور احتمال جفا) کا دوسرا نام ''حلم'' ہے۔

''حِلْمٌ'' ''كَظْمُ غَيْظٍ'' (غصہ پی جانا) سے افضل ہے، کیونکہ کظم غیظ کہتے ہیں تحلّم کو یعنی بتکلف حلم اختیار کرنے کو اور جب غصے کو ضبط کرنے کی عادت اور ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اسی ملکہ کا نام حلم ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ، وَإِنَّمَا الْحِلْمُ بِالتَّحَلُّمِ، وَمَنْ يَتَحَرَّ الْخَيْرَ يُعْطَهُ، وَمَنْ يَتَّقِ الشَّرَّ يُوقَهُ'' (صحیح الجامع: ۲۳۲۸، حسن)

علم آدمی کو اس وقت آتا ہے جب وہ بہت دنوں تک تعلم کرے یعنی علم سیکھے اسی طرح انسان میں حلم اس وقت پیدا ہوگا جب وہ بہت دنوں تک تحلّم سے کام لے، غصہ پینے والا بہادر ہوتا ہے اور غصہ کو قابو میں نہ رکھنے والا بزدل ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۬ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔ (۱۳۵)

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ گناہ میں مبتلا کب ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

گناہ صغیرہ و کبیرہ

اللہ کے ذکر سے غفلت کی وجہ سے۔لہٰذا گناہ سرزد ہو تو فوراً یاد تازہ کرے۔ گناہوں کی معافی کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں:
(۱) پچھلے گناہ پر ندامت اور معافی مانگنا۔ (۲) آئندہ اس کے پاس نہ جانے کا عزم۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور (دیکھو) بے دِل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔(۱۳۹)

جنگ میں جو نقصان پہنچا اس سے سست نہ ہو جاؤ نہ غم کھاؤ۔ اگر ایمانی قوت رہی تو تم ہی غالب رہو گے۔ عارضی شکست تمہاری کوتاہی کی وجہ سے ہوئی۔ اس شکست میں کئی حکمتیں پنہاں تھیں

(۱) ایمان والوں کے صبر و استقامت کو جان لے۔
(۲) کچھ کو شہادت کے درجے پر فائز کر دے۔
(۳) ایمان والوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دے۔
(۴) کافرین کو مٹا دے، یعنی وقتی فتحیابی سے ان کی سرکشی میں اضافہ ہوگا یہی چیز ان کی ہلاکت کا سبب ہوگی۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو اُن لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم اُن کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے گواہ بنائے اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔(۱۴۰)

جنگ اُحد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے جس سے مسلمانوں کو قدرتی طور پر بہت تکلیف ہوئی۔ ان آیات میں تسلی دی جا رہی ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ کوئی نئی بات نہیں ایسا ہوتا آیا ہے اور بالآخر تباہی مکذبین کا مقدر بنی ہے۔
﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ دنیا ایک حالت پر نہیں رہتی۔ بلند ہمیشہ بلند نہیں رہتا۔ پست ہمیشہ پست نہیں رہتا کبھی اونچ ہے کبھی نیچ ہے، کبھی فقر ہے کبھی غنا ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے اور کافروں کو نابود کر دے۔(۱۴۱)

﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ﴾ کبھی کبھی کفار کے ہاتھوں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی ہے۔ اس سے بہت سے مصالح ہیں:

(۱) پکے سچے مسلمانوں کا امتیاز ہو جائے۔
(۲) بعض مسلمانوں کو شہادت کا درجہ مل جائے۔
(۳) ان سے کچھ گناہ ہو گئے ہوں تو ان کو معاف فرما دے۔
(۴) کافروں کو مٹا دے، کیونکہ اللہ کے دوستوں کا جہاں خون گرتا ہے وہاں کے آدمی کیا، زمین تک برباد کردی جاتی ہے۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور (اس حالت میں) اُن کے منہ سے کوئی بات نکلتی تو یہی کہ اے رب ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں معاف فرما۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔ (۱۴۷)

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ دعاؤں میں پچھلے گناہوں کی معافی کی درخواست میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں انسان کو رنج و غم اکثر سابقہ گناہوں کے اثر کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا علاج توبہ و استغفار ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا (یعنی) اُس وقت جب کہ تم کافروں کو اُس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا اُس کے بعد تم نے ہمت ہار دی اور حکمِ (پیغمبر) میں جھگڑا کرنے لگے اور اُس کی نافرمانی کی، بعض تو تم میں سے دنیا کے طلبگار تھے اور بعض آخرت کے طالب۔ اُس وقت اللہ نے تم کو اُن (کے مقابلے) سے پھیر (کر بھگا) دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور اُس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ (۱۵۲)

جنگ اُحد پر تبصرہ اور شکست کے اسباب کی نشاندہی:

﴿فَشِلْتُمْ﴾ (عاجز ہونا، ہٹ جانا) تم نے کمزوری دکھائی۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فَشِلْتُمْ (تم ثابت قدم نہ رہے) کو ﴿وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ﴾ کا نتیجہ بتایا ہے یعنی اختلاف اور حکم رسول کی نافرمانی کے نتیجے میں فشل آیا۔

(۲) ﴿تَنَازَعْتُمْ﴾ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی یعنی حکم میں اختلاف کیا (کسی نے کہا ڈٹے رہنا چاہئے کسی نے کہا غنیمت کی طرف لپکو)

(۳) ﴿عَصَيْتُمْ﴾ مال غنیمت (دنیا) کی محبت میں رسول کی نافرمانی کی۔

(۴) ﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ﴾ شکست کی وجہ خود مسلمانوں کی ذاتی کمزوریاں تھیں تو اندرونی کمزوریوں کو دور کیا جائے۔ یہ ضابطہ (فیصلہ) ان لوگوں کے لیے بھی نہیں بدلا جنہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب کچھ قربان کر دیا۔ جب کہ صحابہ کے اختلاف میں حق مطلوب ہوتا تھا۔ ہمارا اختلاف تعصب، ہٹ دھرمی اور تنگ نظری کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

جو لوگ تم میں سے (اُحد کے دن) جب کہ (مومنوں اور کافروں کی) دو جماعتیں ایک دوسرے سے بھڑ گئیں (جنگ سے) بھاگ گئے تو اُن کے بعض افعال کے سبب شیطان نے اُن کو پھسلا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کا قصور معاف کر دیا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) بُردبار ہے۔ (۱۵۵)

﴿اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ﴾ ان سے نافرمانی کا صدور ہوا اور ان نافرمانیوں کی وجہ سے شیطان انہیں پھسلا دینے پر قادر ہو گیا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اللہ کی مہربانی سے تمہاری اُفتادِ مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، تو اُن کو معاف کر دو اور اُن کے لیے (اللہ سے) مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں اُن سے مشورہ لیا کرو اور جب (کسی کام کا) عزمِ مصمم کر لو تو اللہ پر بھروسا رکھو بیشک اللہ تعالیٰ بھروسا رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۵۹)

مبلغ کے اوصاف:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾

(۱) سخت کلامی سے احتراز
(۲) برا کہنے والے پر مشتعل نہ ہو عفو سے کام لے۔
(۳) ان کی خطاؤں کی وجہ سے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑے۔
(۴) ان سے مشورہ لے۔

Scanned by CamScanner

خوفِ الٰہی رونے اور آنسو پونچھنے کا نام نہیں بلکہ آدمی ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس پر اسے اللہ کی ناراضگی کا خطرہ ہو۔

داعی اور مسلم سربراہ کے اوصاف:

(۱) نرم دل (۲) نرم گفتار

(۳) غلطی کتنی ہی بڑی ہو شر پسندی نہ ہو تو ماتحت کو معاف کردے۔ اوپری طور پر نہیں بلکہ دل سے بھی معاف کردے۔

(۴) اتنا خیر خواہ ہو کہ ان کے حق میں اس کے دل سے دعائیں نکلیں۔

(۵) ماتحتوں کی اتنی قدر اس کی نگاہوں میں ہو کہ معاملات میں ان سے مشورہ لے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتا ہے، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھی۔ (۱۶۴)

اس آیت میں علم کے تین درجے بیان کیے گئے ہیں:

(۱) ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ﴾ ترجمہ اور مطلب جان لینا۔ یہ درجہ عربی زباندانی سے حاصل ہوجاتا ہے اور قرآن سے ذکر و نصیحت حاصل کرنے کے لیے بڑی حد تک کافی ہے۔ اس میں عمومیت پائی جاتی ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے قرآن حکیم کو آسان کہا گیا ہے۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾

(۲) ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ موقع اور محل کے لحاظ سے مفہوم متعین کرنا اور جو اصول و کلیات بیان کیے گئے ہیں انہیں برمحل منطبق کرنا اور جزئیات و فروع میں متشخص کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جانا۔ یہ درجہ سیاق و سباق پر نظر کرنے اور سورتوں کا مرکزی مضمون معلوم کرنے اور حالات و قرائن میں غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ قرآن میں تفکر و تدبر کی وقعت اور مفہوم کے تعین میں رائے کی اہمیت اسی درجے میں ہے چنانچہ ذیل کی آیت میں اسی مقام کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ ﴿فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۂ انبیاء:۷)

(۳) ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ علت اور علم تلاش کر کے تہہ تک پہنچ جانا اور اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کر کے مبدا و منتہی کو پالینا۔ یہ درجہ، قوت فکریہ اور عملیہ دونوں میں کمال کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ قرآن کی اس آیت میں اسی درجے کا ذکر ہے ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (سورۂ بقرۃ:۲۶۹)

Scanned by CamScanner

اور حدیث عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرِ بْنِ أَبِي قُحَافَةَ خَلِيلًا، وَلَكِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللهِ، وَإِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ، وَبَطْنٌ، وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ" (مسند ابی یعلی: ۵۱۴۹) میں اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ "مُطَّلَعٌ" جھروکے کو کہتے ہیں جو بلندی پر ہوتا ہے اور انسان بلندی پر چڑھ کر اس کے ذریعہ متعلقہ چیزوں سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح علم کا یہ مقام ہے کہ انسان اس بلندی پر پہنچ کر تمام مالہ وماعلیہ سے واقفیت حاصل کر کے ہر شئے کی گہرائی تک پہنچے اور سارے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مبصرانہ حیثیت سے گفتگو کرے۔ "لِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ" ہر حد کے لیے واقفیت کے مقامات ہیں

(۱) تلاوت کتاب-تحریر وتقریر-یہ عمومی ہوتا ہے۔ (۲) تزکیہ-انفرادی گفتگو-یہ متعین ہوتا ہے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

(بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب (اُحد کے دن کفار کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگِ بدر میں) اُس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے اُن پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آ پڑی۔ کہہ دو کہ یہ تمہاری ہی شامتِ اعمال ہے (کہ تم نے پیغمبر کے حکم کے خلاف کیا) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۶۵)

﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ﴾ کبھی حق بظاہر مغلوب ہو جاتا ہے اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں اس سے مسلمانوں کی جانچ ہو جاتی ہے۔ غیر مخلص چھٹ جاتے ہیں اور معلوم ہو جاتا ہے کہ کون قابل اعتماد ہے اور کون ناقابل اعتماد ہے۔ جو شہید ہوئے منافقین ان کی شہادت کو موتِ ضیاع کہتے تھے کہ انہوں نے اپنی جان بیکار ضائع کر دی۔ فرمایا گیا کہ جس کو موت کہتے ہو وہی حقیقی زندگی ہے۔ دنیا کی نعمتیں کسی کے برسرحق ہونے کی دلیل نہیں۔ نہ کسی کے مصائب میں مبتلا ہونا برسر باطل کی دلیل۔ دونوں امتحان کے نقشے ہیں نہ کہ انجام کی علامتیں۔ موت کے بعد آدمی خود کو اپنے حقیقی مقام پر کھڑا پائے گا۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے۔ اور (جب) اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کے رستے میں جنگ کرو یا (کافروں کے) حملوں کو روکو تو کہنے لگے کہ اگر ہمیں لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ

Scanned by CamScanner

رہتے۔ یہ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ (۱۶۷)

﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾ یہاں صحابہ کا ساتھ چھوڑنا ایمان چھوڑنے کے برابر اور کفر کے قریب ہونا بتایا گیا ہے۔

﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ اللہ نے قول کو کبھی منہ اور زبان کے ساتھ ذکر نہیں کیا ہے سوائے قول زور کے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کو رزق مل رہا ہے۔ (۱۶۹)

﴿بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ جنگ اُحد میں کچھ صحابہ شہید ہوئے اس پر کفار و منافقین کہنے لگے کہ اگر یہ ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ مرے نہیں وہ شہید ہو گئے ہیں اور یہ ایسی موت ہے جس پر ہزاروں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ پھر شہادت کا یہ مرتبہ بیان کیا گیا کہ اُنہیں اپنے رب کے پاس سے رزق مل رہا ہے۔

سوال: احادیث میں ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں داخل کر کے جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ کیا اس سے تناسخ (آواگون) جو ہندوؤں کا عقیدہ ہے ثابت نہیں ہوتا؟

جواب: تناسخ کا معنی ہے ''بصورت توالد کسی روح کا قانون پیدائش کے ماتحت نیا جنم اختیار کرنا، یعنی جس طرح کسی نوع کے پیدا ہونے کا قانون ہے مثلاً انسان، گائے اور بھینس وغیرہ کے بچے کا ماں کے پیٹ سے اور مرغ اور کبوتر وغیرہ کے بچے کا انڈے سے پیدا ہونا قانون قدرت ہے کسی روح کا پہلے جسم کو چھوڑ کر نیک و بداعمال کی سزا بھگتنے کے لیے نئے جسم میں داخل ہونا تناسخ (آواگون) کہلاتا ہے۔ ارواح شہداء کا جنتی طیور کے اجواف میں داخل ہونا اس کیفیت سے نہیں ہے بلکہ وہ پرندے پہلے سے موجود ہیں۔ ان سے ارواح شہداء کا تعلق صرف تفریح ہے۔ ان کی ارواح پرندوں کے لیے روح حیات نہیں ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم امیر ہیں، یہ جو کہتے ہیں ہم اُس کو لکھ لیں گے اور پیغمبروں کو جو یہ ناحق قتل کرتے رہے ہیں اُس کو بھی (قلمبند کر رکھیں گے) اور

(قیامت کے روز) کہیں گے کہ عذاب (آتش) سوزاں کے مزے چکھتے رہو۔(۱۸۱)

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾ اس آیت میں انبیاء کے قتل سے پہلے اللہ کو صفت فقر سے متصف کیا جو اللہ کی شان میں نقص ہے جو دلالت کرتا ہے کہ اللہ کو صفت نقص کے ساتھ موصوف کرنا قتل انبیاء سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، تو جو شخص آتش جہنم سے دُور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔(۱۸۵)

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ فکر آخرت سارے غموں کا علاج ہے۔

کبھی کافروں کو غلبہ ہو جائے اور انہیں دنیا کا عیش مل جائے اس کے برعکس مسلمانوں کو تنگی پیش آئے تو انہیں غمگین نہ ہونا چاہیے کیوں کہ دنیا کی راحت چند روزہ ہے اس کے بعد مسلمان ہمیشہ کے آرام میں رہیں گے اور کافر دائمی عذاب میں۔

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ دنیا پر ''دھوکے کی چیز'' کا لیبل لگا دیا گیا ہے۔ دنیا حقیر ہے بشرط کہ وہ تم کو آخرت سے غافل نہ کرے۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾

(۱) موت سے کسی کو مفر نہیں۔

(۲) دنیا میں جس نے اچھا یا بُرا کیا ہوگا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

(۳) کامیابی کا معیار بتلایا گیا کہ کامیاب وہ ہے جو جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔

(۴) دنیا کی زندگی سامان فریب ہے جو اس کے فریب میں پھنسا وہ ناکام و نامراد ہوا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

نہ گمان کریں آپ ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اس کے جو انہوں نے (کرتوت) کیے اور پسند کرتے ہیں وہ یہ کہ تعریف کیے جائیں باوجود اس کے جو نہیں کیا انہوں نے پس نہ گمان کریں آپ ان کی بابت چھوٹ جانے کا عذاب سے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے(۱۸۸)

آدمی دنیا کی طرف دوڑے اور آخرت سے بے پروا ہو جائے یہ گمراہی ہے، مگر کوئی شخص اپنے دنیوی کاروبار کو اللہ

ورسول کے نام پر کرنے لگے تو یہ گمراہی پر ڈھٹائی ہے کیونکہ یہ ایسے کام پر انعام چاہتا ہے جو اس نے کیا ہی نہیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(۱۹۰)

دانشمند کون؟ جو کائنات کا مطالعہ اس طور پر کرتے ہیں کہ ان کے پیدا کرنے والے کی معرفت حاصل ہو وہ دانشمند ہے اور جو محض اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی غرض سے کائنات کا مطالعہ کرتے ہیں ایسے لوگ آسمان کی سیر کر کے بھی خالی ہاتھ واپس آجاتے ہیں انہیں اللہ نہیں ملتا۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

ظاہر ہے جس کی منزل مقصود ''معلومات'' کا حصول ہو اس کی رسائی حقیقت تک کیوں ہونے لگی۔ حقیقت تک رسائی تو اسی کی ہو سکتی ہے جس کا سفر تلاش حقیقت کے لیے ہو۔

أُولِی الْأَلْبَابِ: لُبّ خالص عقل کو کہتے ہیں۔ ہر عقل خالص نہیں ہوتی۔ عقل عام ہے، لب خاص ہے۔

الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے رب! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا۔(۱۹۱)

تفکر فی اللہ کی ممانعت: حکم ہے تفکر فی خلق اللہ کا۔ اللہ کو عقل کی ڈبیہ میں نہیں لا سکتے۔ صراحی اپنے اندر مٹکے کو کیسے لا سکتی ہے؟ دین میں جس طرح ذکر مطلوب ہے اسی طرح فکر بھی مطلوب ہے، اگر ذکر ہو اور فکر نہ ہو تو بسا اوقات یہ ذکر صرف زبان کا ایک شغل بن کے رہ جاتا ہے اس سے معرفت کے دروازے نہیں کھلتے۔ آیت میں اولوالباب کے ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ذکر کے ساتھ فکر بھی کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے قدم درجہ بدرجہ حکمت و معرفت میں راسخ ہوتے جاتے ہیں اس لیے یہی فکر، آخرت کی یقین دہانی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ جو سوچتے ہیں انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ایک بامعنی کائنات ایک بے معنی انجام پر ختم ہو جائے اور نیک آدمی نیکی کا پھل نہ پائے اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا نہ ملے یہ خلاف عقل ہے۔

Scanned by CamScanner

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

اے رب! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لیے پکار رہا تھا (یعنی) اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے اللہ! ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کیساتھ اٹھا۔ (۱۹۳)

''آمَنْتُ بِاللهِ'' اور ''رَبَّنَآ'' میں ربط: اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سب سے محسوس اور مشاہد اسم صفت ''رب'' ہے۔ جس کو انسان شب و روز ہر قدم پر کارفرما پاتا ہے اور سب سے زیادہ یقینی طور پر جس صفت سے متعارف ہوتا ہے وہ صفت رب ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ سب سے پہلے جو کلمہ ایک حق کے متلاشی انسان کی زبان سے اس کائنات کا جائزہ لینے کے بعد نکلتا ہے وہ ''رَبَّنَآ اللهُ'' ہے اور اس کے بعد فوراً جو کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ ''آمَنْتُ بِاللهِ'' ہے۔ لہٰذا اللہ کی معرفت کا پہلا زینہ ''رَبَّنَآ اللهُ'' اور دوسرا زینہ ''آمَنْتُ بِاللهِ'' ہے۔

﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ...الخ﴾ یہ آیت کریمہ ہمارے اس بیان کی تائید کرتی ہے کہ انسان کا اللہ سے سب سے پہلا تعارف اس کی صفتِ ربوبیت کے ذریعے ہوتا ہے اور یہی تعارف انسان کے دل میں ایمان لانے کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔ سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک دن میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے اسلام کے متعلق ایسی (تسلی بخش) بات بتا دیجئے کہ پھر مجھے کسی سے اس کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ فَاسْتَقِمْ'' تم ''آمَنْتُ بِاللهِ'' کہہ لو پھر اس پر استقامت برتو۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۳۸) ''آمَنْتُ بِاللهِ'' دراصل ایک معاہدہ ہے اس امر کا کہ میں نے ہر بات کو اور اس کے ہر حکم کو مان لیا اور اس پر عمل کرنا اپنے ذمہ لے لیا۔ ''آمَنْتُ بِاللهِ'' کے بعد جو شخص اسلام کے کسی بھی عقیدے یا عبادت یا کسی حکم کو نہ مانے یا اس کا سرے سے انکار کر دے یا اس کی کوئی ایسی تاویل کرے یا معنی بتائے جو نہ اللہ نے نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے ہوں۔ تو اس نے اپنے قول ''آمَنْتُ بِاللهِ'' کی تکذیب کر دی۔

(۱) جیسے زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دے، نماز کو فوجی تربیت دینے کی ایک مشق یا پریڈ کہے اور حج کو ایک سیاسی کانفرنس بتائے اور کاروباری سود کو تجارتی منافع کہہ کر اسے حلال و جائز بتائے۔

(۲) کچھ لوگ جو مانتے سب کچھ ہیں مگر عمل کسی چیز پر نہیں کرتے نہ نماز پڑھتے ہیں نہ دین کے دیگر احکام پر عمل کرتے ہیں اور تہذیب و تمدن مشرکین جیسا اختیار کرتے ہیں۔

(۳) کچھ لوگ عبادتیں تو کرتے ہیں مگر انہیں کبھی ادا کرتے ہیں کبھی نہیں۔ یہ استقامت کے خلاف ہے۔ آخری دو قسم کے لوگ مسلمان تو کہلائیں گے مگر فساق و فجار ہوں گے۔ استقامت کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ میں شک و تذبذب راہ نہ پائے۔ عبادات پر ساری عمر اس پختگی کے ساتھ قائم رہے کہ عذر شرعی کے علاوہ عمداً کبھی کوئی عبادت نہ چھوٹنے پائے۔

اگر چھوٹ جائے تو قضا کرے یا توبہ استغفار کے ذریعے اس غفلت کی تلافی کرے۔

﴿مُنَادِيًا﴾ آیت کریمہ میں منادی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی آواز پر لبیک کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

اے اہلِ ایمان! (کفار کے مقابلے میں) ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور (مورچوں پر) جمے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ مراد حاصل کرو۔(۲۰۰)

صبر: مزاحمتوں کے مقابل خود کو حق پر جمائے رکھنا۔ یہ مزاحمتیں اندرونی ہوں یا خارجی۔

مصابرت: حریف کے مقابلے میں ثابت قدمی کا مظاہرہ۔(اخلاقی تیاری)

مرابطت: جنگی ساز و سامان تیار رکھنا۔(مادی تیاری)

تقویٰ: اللہ کے حدود کی اخلاص کے ساتھ نگرانی کرنا۔

''اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا'' (مسلم: ۲۵۶۴) یعنی تقویٰ دل کی پاکیزہ کیفیت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کی محرک ہے۔ اللہ نے صدہا خود ساختہ اعزازی مرتبوں کو مٹا کر صرف ایک ''امتیازی معیار'' قائم کر دیا جس کا نام تقویٰ ہے۔ ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

مذکورہ آیت میں چار باتیں ہیں جن کے لیے اللہ نے ایمان والوں کو خطاب کیا ہے:

(۱) صبر (۲) مصابرہ (۳) مرابطہ (۴) تقویٰ

صبر: جو بات نفس کو ناگوار ہو نفس کو اسی پر جمائے رکھنا۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) الصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَاتِ (۲) الصَّبْرُ عَنِ الْمَعَاصِيْ (۳) الصَّبْرُ عَلَى الْبَلَايَا

مُصَابَرَةٌ: دشمن بھی صابر ہو اور ایمان والا بھی صابر ہو مگر ایمان والا دشمن کے مقابلے میں زیادہ ثابت قدم ہو۔

مُرَابَطَةٌ: اسلامی سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور جنگی ساز و سامان تیار رکھنا۔

اس آیت میں ایسی چار تدبیریں اور چار ہدایتیں ہیں جن سے کافروں پر غلبہ پایا جا سکتا ہے۔

(۱) **صبر:** اوامر و منہیات اور مصائب پر صبر - اس صبر کا تعلق اپنی ذات سے ہے۔

(۲) **مُصَابَرَةٌ:** (ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا) ابن عاشور نے کہا کہ مصابرہ یعنی ''الصَّبْرُ فِيْ وَجْهِ الصَّابِرِ'' (تفسیر القرآن، التحریر والتنویر) یعنی صابر کے مقابلے میں زیادہ صبر کرنا یعنی استقامت رکھنا۔ جیسے میدان جنگ میں کوئی پامردی سے لڑ رہا ہے تو اس کے مقابلے میں زیادہ پامردی کا مظاہرہ کرنا۔ مصابرہ کا ایک اور مطلب ہے کہ جب ہم صبر کریں گے اور حق پر جمے رہیں گے تو طرح طرح کے فتنے اور وسوسے دل میں آئیں گے تو اس وقت دل کو حق پر جمائے رکھنا۔

(۳) **مُرَابَطَةٌ:** ''رَبْطُ الْخَيْلِ لِحِرَاسَةٍ فِيْ غَيْرِ الْجِهَادِ خَشْيَةَ أَنْ يُفْجَأَهُمُ الْعَدُوُّ أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ الْمُسْلِمِيْنَ

Scanned by CamScanner

لِيَكُونُوْا دَائِمًا عَلٰى حِذْرٍ مِّنْ عَدُوِّهِمْ ''یعنی جہاد کے علاوہ اوقات میں بھی گھوڑے کو باندھے رکھنا اس ڈر سے کہ کہیں دشمن اچانک ان پر حملہ نہ کر دے لہٰذا اللہ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ہمیشہ اپنے دشمنوں سے چوکنا رہیں۔

(۴) **تقویٰ:** تقویٰ کی چار قسمیں ہیں۔(۱) مفہوم تقویٰ، (۲) حصولِ تقویٰ، (۳) حقِ تقویٰ اور (۴) بقائے تقویٰ۔

دراصل سورۂ بقرہ کی آخری آیت دعا ﴿فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (بقرہ:۲۸۶) کا جواب ہے کہ مذکورہ چار تدبیریں کافروں پر غلبے کی ضامن ہیں۔

نکاتِ سورۂ آل عمران

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾

مُحْكَمٌ - أَنْ نَعْمَلَ بِهٖ: محکم اترا ہے عمل کے لیے۔

مُتَشَابِهٌ - أَنْ نُؤْمِنَ بِهٖ: متشابہ اترا ہے ایمان لانے کے لیے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ جب ہم اوامر کو اللہ سے لیں تو اس کی علت نہ پوچھیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ علت پر ایمان رکھتے ہیں۔ حقیقی مومن وہ ہے جو حکم پر ایمان لائے اگرچہ اس کی سمجھ نہ آئے۔

هَوٰى: هَوٰى، يَهْوِىْ سے مشتق ہے جو ''سَقَطَ'' کے معنی میں ہے۔ ''هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الَّذِىْ يَتْبَعُ هَوَاهُ لَابُدَّ اَنْ يَسْقُطَ'' یہ بتلاتا ہے کہ جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے وہ گرتا ضرور ہے۔

هَوٰى: (خواہش نفس) دلوں کو مائل کرتی ہے اور ہر خواہش کی ایک چابی ہوتی ہے تو کسی کی چابی عورت ہے کسی کی اولاد وغیرہ۔

﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ''الدَّاْبُ هُوَ الْعَمَلُ بِكَدٍّ وَبِلَا اِنْقِطَاعٍ'' وہ کام جس میں مشقت کے ساتھ تسلسل ہو اسے ''دَاْبٌ'' کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ''فُلَانٌ دَاْبُهٗ اَنْ يَفْعَلَ كَذَا أَيْ هُوَ مُعْتَادٌ دَائِماً أَنْ يَفْعَلَ كَذَا. فُلَانٌ دَاْبُهٗ أَنْ يَفْعَلَ كَذَا'' کا مطلب ہے کہ وہ ایسا کرنے کا عادی ہے۔

آل فرعون کا طریقہ تکذیب اور طغیان تھا اور فرعون کا دعویٰ الوہیت کرنا تھا۔

﴿بِئْسَ الْمِهَادُ﴾ مَهْدٌ کا معنی ''بچے کا گہوارہ'' ہے اور بچے کو سونے کے لیے کسی بھی جگہ رکھ دیا جائے تو وہ مزاحمت نہیں کر پاتا۔

﴿فِئَةٌ﴾ ''جَمَاعَةٌ مِنَ النَّاسِ فِي عَمَلِيَّةٍ وَاحِدَةٍ'' ایک ہی کام میں لگی ہوئی لوگوں کی ایک جماعت پر فِئَةٌ کا اطلاق ہوتا ہے۔

﴿اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ بِمَعْنَى الْأَصْلُ: متشابہ کی تاویل کے لیے اس (اُم) کی طرف لوٹا جائے۔

Scanned by CamScanner

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ کائنات کا کوئی ذرّہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ وہ بندے کی سانسوں اور دل کی دھڑکنوں کے شمار سے واقف ہے۔ لہٰذا کوئی بھی اپنی حاجت اس کے پاس لے جاتا ہے تو وہ اسے پورا کرتا ہے اور کوئی کسی مصیبت میں اس سے رجوع کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ (آل عمران: ۷) جس کے اندر چار باتیں ہوں وہ راسخ فی العلم ہے۔

(۱) اَلتَّقْوٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ- اس کے اور اللہ کے درمیان تقویٰ ہو۔

(۲) اَلتَّوَاضُعُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْخَلْقِ- اس کے اور مخلوق کے درمیان تواضع ہو۔

(۳) اَلزُّهْدُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الدُّنْيَا- اس کے اور دنیا کے درمیان زُہد ہو۔

(۴) اَلْمُجَاهَدَةُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ نَفْسِهٖ- اس کے اور اس کے نفس کے درمیان مجاہدہ ہو۔

﴿وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ﴾ عام طور پر عربی زبان میں ایک لفظ کے ساتھ اسی جنس کا لفظ جوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اس میں قوت پیدا ہو جائے جیسے ''ظِلٌّ ظَلِيْلٌ'' - گھنا سایہ۔ ''دَنَانِيْرُ مُدَنَّرَةٌ''، بہت سارے دینار۔ ''لَيْلُ اللَّيْلِ'' انتہائی تاریک رات ''عَنْ قَتَادَةَ: هِيَ الْكَثِيْرَةُ الْمُنَضَّدَةُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ كَأَنَّهَا الْمَدْفُوْنَةُ يُقَالُ: قَنْطَرَ إِذَا كَثُرَ'' (تفسیر ثعلبی) قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قنطرہ کا معنی اوپر نیچے رکھی ہوئی بہت زیادہ چیز کو کہا جاتا ہے۔ گویا کہ وہ دفن کی ہوئی ہو۔ قنطر اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی چیز بہت زیادہ ہو جائے۔

﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ مُسَوَّمَةِ- سام یسوم سے ہے یعنی وہ گھوڑے جو چراگاہوں میں جہاں چاہیں چریں۔ وہ گھوڑے نہیں، جو بندھے ہوئے ہوں اور ان کے سامنے چارہ ڈالا جاتا ہو۔

﴿اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً﴾ تُقَاةٌ کا مطلب تقیہ، یعنی مدارات ظاہرہ ہے۔ کہ ان کے شر سے بچنے کے لیے زبان سے محبت کا اظہار کرے کیونکہ دل میں اللہ کی محبت اور اس کے دشمنوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی۔

﴿وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾ (آل عمران: ۱۷) منفق خرچ کرنے والا۔ یہ لفظ نفق سے بنا ہے کہا جاتا ہے ''نَفَقَ الحِمَارُ أيُ مَاتَ'' (گدھا مر گیا) اور نفقہ اسی سے ماخوذ ہے جو احساس دلاتا ہے کہ انسان جس وقت خرچ کرتا ہے تو وہ اپنے نفس سے اس چیز کو مار دیتا ہے۔ تو وہ یاد نہیں کرتا کہ اس نے فلاں پر ایسا خرچ کیا ہے اور وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ جس چیز کو اس نے خرچ کیا ہے وہ اسی کا رزق تھا، جس پر اس نے خرچ کیا ہے۔ اور اسے اس چیز کو اس تک پہنچانے کا ہی اجر ملے گا۔ اس لیے احسان جتانے اور اسے ذلیل کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

﴿بِالْاَسْحَارِ﴾ صبح میں وہی اٹھے گا جس نے رات میں سکون حاصل کیا ہے۔ اگر رات میں وہ لہو ولعب میں مشغول رہا اور دیر سے سویا تو اس سے کیسے مطالبہ کیا جا سکتا کہ وہ صبح کے وقت بیدار رہو۔

﴿وَالْقٰنِتِيْنَ﴾ قنوت ایسی عبادت کو کہتے ہیں جس میں خشوع، اطمینان اور دوام ہو۔

﴿عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ پہلے امتوں کا اسلام وصفاً (صفت کے طور پر) ہے اور امت محمدیہ کے لیے علماً (نام کے طور پر) ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ﴾ اُوۡتُوۡا کا مطلب دیئے گئے، اس کا مطلب یہ چیز دوسری طرف سے آئی ہے۔ادھر سے دینے والا کون؟ اللہ۔اور جب اللہ نے دیا ہے تو اس میں اختلاف ممکن نہیں۔

﴿مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ﴾ (آل عمران:۱۹) کوئی چیز قطعی ہو اور واقعی موجود ہو اور ہم اس پر دلیل لاسکیں تو اسے علم کہتے ہیں۔ ''اَلْعِلْمُ يُطْلَقُ عَلَى الْقَضِيَّةِ الْمَجْزُوْمِ بِهَا وَهِيَ وَاقِعَةٌ فِي الْوُجُوْدِ وَنَسْتَطِيْعُ اَنْ نُدَلِّلَ عَلَيْهَا'' لیکن اگر مسئلہ قطعی اور واقع میں موجود بھی ہو مگر ہم اس پر دلیل نہ لاسکیں تو یہ تقلید ہے اور جزم اور عدم کی نسبت مساوی ہو تو شک ہے اور جزم کا معاملہ عدم جزم پر راجح ہو تو یہ ظن ہے اور اگر عدم جزم راجح ہو تو وھم ہے۔

﴿بَغۡيًا بَيۡنَهُمۡ﴾ ''مَاهُوَ الْبَغْيُ؟ اَلْبَغْيُ هُوَ الْاِسْتِعْلَاءُ'' بغی کسے کہتے ہیں؟ بغی ناحق کسی کے اوپر برتری جمانا۔مگر یہ بات ملحوظ ہے کہ استعلاء (غلبہ اور بلندی چاہنا) فی نفسہ بری چیز نہیں مگر اگر یہ ناحق ہو تو مذموم ہے۔لہٰذا جو استعلاء بغیر حق کے پسند کرتا ہے وہ بغی کی کوشش کرتا ہے مثلاً کوئی مفتی اپنے مسلک کی تائید کے لیے احکام الٰہیہ کو چھپا دے تو یہ بغی ہے۔

﴿اَلۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ حکمۃ لگام کو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ حکیم ہے تو اس کے سارے قوانین حکیمانہ ہیں اگر نفس کا گھوڑا غلط سمت میں دوڑنے کی کوشش کرے تو قوانین الٰہیہ کی لگام سے قابو کیا جاسکتا ہے۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (آل عمران:۱۸) توحید پر تین قسم کی گواہیاں

(۱) (شَهَادَةُ الذَّاتِ لِلذَّاتِ) (ذات کی گواہی ذات کے لیے) اللہ کی گواہی اپنی ذات پر۔

(۲) (شَهَادَةُ الْمُشْهِدِ) فرشتوں کی گواہی۔

(۳) (شَهَادَةُ الْاِسْتِدْلَالِ) اہل علم کی گواہی۔

اس لیے کہ فرشتوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اللہ کے علاوہ انہیں کوئی اور احکام دیتا ہے۔اور ''اُولُوْ الْعِلْمِ'' کی گواہی ''شَهَادَةُ الْمُشْهِدِ'' ہے اور فرشتوں کے ساتھ اولوالعلم کا تذکرہ کیا گیا جو اہل علم کے عظیم المرتبت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اہل علم غور و فکر کرتے ہیں اور توحید کے دلائل نکالتے ہیں یہ ''شَهَادَةُ الْاِسْتِدْلَالِ'' ہے۔

﴿قَآئِمًاۢ بِالۡقِسۡطِ﴾ فرشتے بھی قسط (عدل) پر پیدا کیے گئے ہیں نیز اہل علم بھی قسط پر پیدا کیے گئے ہیں اسی طرح تمام لوگ قسط پر پیدا کیے گئے ہیں کہ کچھ اپنی عقلوں سے کام کرتے ہیں کچھ لوگ اپنے اعضاء سے کام کرتے ہیں۔کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کے اندر وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں کہ زندگی جن کا تقاضہ کرتی ہے یہ تینوں گواہیاں بتاتی ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔لہٰذا کوئی بھی فیصلہ اس کی عدالت میں ڈالا جائے تو وہ قائم بالقسط ہے۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِى الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ﴾ (آل عمران:۲۶)

لفظ جلالہ ''اللہ'' کی خصوصیات:

(۱) جتنے بھی معرف باللام اسماء ہیں ان کے شروع میں حرف ندا ''یا'' داخل ہو تو حرف ندا اور منادی کے درمیان ''اَيُّهَا'' کی فصل

ہوگی جیسے یَاَیُّهَا الْعَبَّاسُ، یَاَیُّهَا الرَّجُلُ وغیرہ۔مگر لفظ الجلالہ ''اللہ'' کے ساتھ ایسا نہ ہوگا بلکہ یا اللہ کہا جائے گا۔

(۲) دوسری خصوصیت ہے کہ ابتداسے حرف ندا کو حذف کر کے آخر میں اس کا بدل، میم مشدد (تشدید والا میم) لاتے ہیں جیسے ''اللّٰھم'' جبکہ دوسرے میں ایسا نہیں ہوتا۔

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ حرف قسم ''ت'' صرف لفظ الجلالہ اللہ کے شروع میں آئے گا اور تاللہ کہا جائے گا دوسرے اسماء کے شروع میں تاء قسم کا دخول نہیں ہوگا۔

مِلْكٌ اور مُلْكٌ: مِلْكٌ بکسر المیم کا مطلب ہے کہ بعض چیزیں انسان کی ملکیت ہیں جیسے اس کا کپڑا، کتابیں اور دیگر چیزیں۔یہ مِلك بکسر المیم (میم کے زیر کے ساتھ) ہے۔

لکِنَّ الذی یَملِکُ مَالِكَ هٰذا المِلْكِ لیکن جو اس ملکیت والے کا مالک ہے اسے مُلک کہتے ہیں اور اگر یہ ملکیت ایسی چیز کی ہے جو ہمارے لیے ظاہر ہے تو اسے ''عالم المُلک'' کہتے ہیں اور یہ ملکیت کسی امر خفی میں ہو تو اسے ''عالم ملکوت'' کہتے ہیں۔

﴿تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ (آل عمران:۲۷)

رات اور دن گھٹتے بڑھتے ہیں جس قدر دن گھٹتا ہے وہ رات میں شامل ہو جاتا ہے اور جس قدر رات گھٹتی ہے دن میں شامل ہو جاتی ہے۔

﴿تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ کبھی پتھر سے زندہ اونٹنی پیدا کرتا ہے، مردہ انڈے سے زندہ بچہ نکالتا ہے۔کبھی مردہ عورت سے زندہ بچہ پیدا کر دیتا ہے کبھی زندہ عورت سے مردہ بچہ پیدا کر دیتا ہے۔

﴿لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ﴾ (آل عمران:۲۸)

اللہ ولی ہے کہ وہ مومن کی مدد کرتا ہے اور انسان ولی ہے وہ اللہ کی مدد یعنی اس کے دین کی مدد کرتا ہے۔

﴿تُقٰىةً﴾ یہ ''وِقَایَة'' سے مشتق ہے یعنی کبھی دشمن انتہائی طاقتور ہوتا ہے اور مومن کا غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ دشمن ان پر غالب ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں ان کے شر سے بچنے کے لیے تقیہ کی رخصت ہے، مگر تقیہ نہ کرنا، عزیمت ہے۔اس تقیہ کی اجازت اس لیے ہے تاکہ مومنین ایمان کی شمع کے گرد جمع رہیں تاکہ خیر کے لشکر تباہ نہ ہو جائیں۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ﴾ (آل عمران:۳۱) کوئی کہے کہ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں مگر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں ہم اس کی اتباع نہیں کرتے، تو ایسے شخص نے اللہ کی محبت کو ایک شئے اور اللہ نے جس شئے کا اسے مکلف بنایا اسے دوسری چیز بنا دیا۔انجینئر کوئی مشین بناتا ہے تو اس کی حفاظت کے لیے قانون بھی پیش کرتا ہے کہ یہ کرنا ہے اور یہ نہیں کرنا ہے۔گویا اللہ کو ودادۃ القلب (دل کی محبت) کے ساتھ ودادۃ القالب (بدن کی محبت) بھی مطلوب ہے۔یعنی انسان اللہ سے محبت کرے اور

تکالیف شرعیہ سے بھی محبت کرے گا۔اور یہاں تکلیفی محبت سے مراد محبت عقلی ہے، محبت عاطفی (جذباتی محبت) نہیں۔

حب عقلی اور حب عاطفی میں فرق: ''حب عقلی'' اور ''حب عاطفی'' میں فرق یہ ہے کہ ''حُبّ عاطفی'' کا کوئی قانون نہیں ہوتا۔ جیسے انسان اپنے پڑوسی کے بیٹے سے محبت کرتا ہے اور اپنے بیٹے سے بھی محبت کرتا ہے مگر پڑوسی کے بیٹے سے اس کی محبت، محبت عقلی ہے اور اپنے بیٹے سے محبت، محبت عاطفی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آپ کے پاس کوئی اچھی چیز ہے تو اسے آپ اپنے بیٹے کو دیں گے پڑوسی کے بیٹے کو نہیں دیں گے، تو شریعت میں مطلوب ''حب عقلی'' ہے۔

ایک آدمی بیمار ہے، ڈاکٹر اسے کڑوی دوا دیتا ہے۔ آدمی اس دوا سے عقلی محبت کرتا ہے، جذباتی محبت نہیں۔ عقلی محبت میں ملحوظ یہ چیز ہے کہ آدمی یہ جانتا ہے کہ یہ چیز میرے لیے مفید اور نافع ہے اگرچہ اس کا دل اس چیز کو ناپسند کرتا ہے۔ اس وقت حب عقلی، حب عاطفی بن جاتی ہے۔ کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس سے منسوب ہر چیز سے محبت کرتا ہے۔ شاعر نے کہا ''وَكُلُّ مَا يَفْعَلُ الْمَحْبُوبُ مَحْبُوبٌ'' (محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے) تو اطاعت رسول، اطاعت اللہ ہے۔ کیونکہ اسی نے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ (آل عمران: ۳۲)

یہاں رسول کے ساتھ ''اَطِيْعُوا'' کو نہیں لایا گیا گو یا امر اطاعت کو ایک بنا دیا گیا۔ تو اگر ہم سوال کریں کہ ''مُطاع'' (جس کی اطاعت کی جائے) کون ہے؟ تو جواب ہوگا اللہ اور اس کا رسول ایک ساتھ۔ گو یا اللہ کی اطاعت اجمال ہے اور رسول کی اطاعت تفصیل ہے۔ قرآن میں اطاعت کا حکم تین رنگوں میں آیا ہے:

(۱) مُطاع ایک ہو۔ یہ اس وقت ہے جب اللہ پر رسول کو عطف کر دیا جائے۔ ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ (سورہ آل عمران: ۳۲)

(۲) کسی امر میں اللہ کی اطاعت اجمالی اور رسول کی اطاعت تفصیلی جیسے۔ ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (سورہ نور: ۵۴)

(۳) معاملہ مکمل رسول کے سپرد کر دیا گیا جسے تفویض عام کہتے ہیں۔ ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (سورہ حشر: ۷)

پھر ایک اور اطاعت، اطاعت اولی الامر، اطاعت اللہ اور اطاعت رسول میں آ کر مل جاتی ہے یہ غیر مستقل ہوتی ہے مگر یہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کی طرح ذاتی نہیں ہوتی بلکہ مشروط ہوتی ہے یعنی جس میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ ہو اس میں اولی الامر کی اطاعت نہیں ہے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ سے یہ بتایا گیا کہ اگر وہ رسول کی اطاعت نہ کریں، اس سے پھر جائیں، اس لیے کہ لفظ ﴿تَوَلَّوْا﴾ سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی بات تو سنی مگر منہ پھیر لیا۔ پھر اگر یہ اعراض اطاعت کو تسلیم کرتے ہوئے سستی وغیرہ کی وجہ سے ہے تو یہ فسق ہے ورنہ کفر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ استماع (سننا) الگ چیز ہے اور اتباع (ماننا) الگ چیز ہے۔

نکتہ: اگر کہیں صرف اتباع کا ذکر ہو تو اس میں اطاعت بھی داخل ہے۔اور اگر اطاعت اور اتباع ایک ہی جگہ ہوں جیسے
﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ﴾ (سورۂ طٰہٰ:۹۰) تو اتباع سے مراد عمل کی پیروی اور اطاعت سے مراد حکم کی پیروی ہے۔
﴿بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ (پسندیدگی کی قبولیت سے) حسن، رضا (خوشی) میں زیادتی کا نام ہے۔
﴿سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ مریم کا معنی عابدہ (پرہیزگار) ہوتا ہے۔
﴿كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ "تَوَلَّىٰ كُلَّ مُهِمَّةِ تَرْبِيَتِهَا هٰذِهٖ هِيَ الْكَفَالَةُ" اس کی تربیت کی پوری ذمہ داری لینا کفالت ہے۔
﴿يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ "اَلرِّزْقُ هُوَ مَا يُنْتَفَعُ بِهٖ" جس چیز سے فائدہ اٹھایا جائے وہ رزق ہے۔
﴿اَنّٰى لَكِ هٰذَا﴾ کوئی اپنے گھر میں دیکھے کہ اس کے بیٹے یا بیٹی کے پاس ایسی قیمتی چیز ہے جس کے خریدنے کی طاقت گھر والوں کے پاس نہیں ہے تو باپ یا ذمہ دار کو پوچھنا چاہئے کہ یہ کہاں سے آیا۔ گھروں اور معاشروں کی خرابی کی جڑ اسی طرح کے سوال پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے ہے۔
﴿اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ﴾ (آل عمران:۴۵) تین نام ہیں:
(۱) المسیح (۲) عیسیٰ (۳) ابن مریم۔ مسیح لقب ہے۔ عیسیٰ نام ہے۔ ابن مریم کنیت ہے۔
﴿وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا﴾ جب وہ سوال کرے تو مسئول اس کا سوال رد کرنے میں شرم محسوس کرے اسے وجیہ کہا جاتا ہے۔
﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ (آل عمران:۵۹) وفد نجران سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ عیسیٰ صرف ماں سے پیدا ہوئے تو وہ غصے میں آکر کہنے لگے کہ انسان بغیر باپ کے کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ تو ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔
﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۵۴) مکر شجر (درخت) سے ماخوذ ہے۔ آپ نے ایسا درخت دیکھا ہے جس کی ڈالیاں لپٹی ہوئی نہیں ہوتی ہیں اور آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ پتہ فلاں ڈالی کا ہے، لیکن بعض درختوں کی ڈالیاں آپس میں لپٹی ہوئی ہوتی ہیں اور آپ نہیں جان سکتے کہ کون سا پتہ کس ڈالی کا ہے۔ اسی معنی سے کلمہ "مکر" لیا گیا ہے۔ "فَالرَّجُلُ الَّذِيْ يَلُفُّ وَيَدُوْرُ هُوَ الَّذِيْ يَمْكُرُ" تو جو آدمی لپیٹتا اور گھماتا ہے وہی مکر کرتا ہے۔
﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا﴾ حَنِيْفًا، "حَنَفٌ" سے ماخوذ ہے "فَالْحَنَفُ هُوَ مَيْلٌ فِي السَّاقَيْنِ مِنْ اَسْفَلٍ" دونوں پنڈلیوں میں نیچے سے جھکاؤ ہو یعنی دونوں پیروں میں کجی کو "حنف" کہتے ہیں پھر یہ لفظ ہر اس چیز پر بولا جانے لگا جو مستوی (سیدھا) نہ ہو۔ یعنی "اِبْرَاهِيْمُ كَانَ مَائِلًا عَنِ الْمَائِلِ" اور جب وہ جھکی ہوئی چیز سے جھکے ہوئے تھے تو مستقیم ہوئے۔
﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران:۷۱)
تَلْبِيْس کا معنی "اِدْخَالُ شَيْءٍ فِيْ شَيْءٍ" (ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا) ہے، جیسے جس وقت ہم کپڑا پہنتے ہیں تو اپنے جسم کو اس میں داخل کرتے ہیں جس کی وجہ سے "لَابِسٌ" (پہننے والا) اور ملبوس (لباس) کا منظر بدل جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (آل عمران:۷۲)

﴿وَجْهَ النَّهَارِ﴾ کا نکتہ: ہم پھل بیچنے والے کے بارے میں کہتے ہیں "لَقَدْ صَنَعَ وَجْهًا لِلْفَاكِهَةِ" یعنی اس نے پکے پھلوں کو گاڑی کے آگے رکھا اور کچے اور خراب پھلوں کو گاڑی کے پیچھے رکھا۔ جب بائع ایسا کرتا ہے تو اس کا دھوکا ہوتا ہے کہ جب خریدنے والا پھلوں کی کوئی بھی مقدار خریدتا ہے تو اس میں چوتھائی پھل خراب ہوتے ہیں کیونکہ بائع کچھ آگے والے پھلوں کے ساتھ باقی کے خراب پھلوں کو دیدیتا ہے۔ بعض اہل کتاب، اہل ایمان کو دھوکا دینے کے لیے دن کے شروع میں ایمان کا اعلان کرتے اور دن کے آخر میں کفر کا اعلان کردیتے۔ مقصد شک پیدا کرنا ہوتا تھا۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران:۷۵)

قرآن میں امانت کبھی "ب" کے ساتھ اور کبھی "علیٰ" کے ساتھ متعدی ہوتی ہے۔ اگر "باء" کے ساتھ متعدی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ امانت سے چمٹے رہو یہاں تک کہ اسے ادا کردو اور علیٰ کے ساتھ متعدی ہے تو مطلب ہے کہ چیز کتنی ہی قیمتی ہو تمہاری امانت اس سے بلند ہونی چاہئے۔

﴿بَلٰي مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران:۷۶)

اللہ کے یہاں عمل صالح کی قدر ہے۔ ذات کی کوئی قیمت نہیں جو ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ سے ظاہر ہے۔ محبت ذات کی طرف نہیں بلکہ عمل کی طرف راجع ہے۔ اس کی مثال نوح کے بیٹے کی ہے کہ اس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ اور "اِنَّهٗ عَامِلٌ غَيْرُ صَالِحٍ" نہیں کہا۔ یہاں معاملے کو اللہ نے عمل سے منسوب کیا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰۗىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُھُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (آل عمران:۷۷)

بیع وشراء اس وقت ہوتی ہے جب ڈائریکٹ (مباشر) رزق کو، ان ڈائریکٹ (غیر مباشر) رزق سے مبادلہ کرتے ہیں۔ جیسے پانچ روپے دے کر آپ نے روٹی خریدی تو یہ بیع وشراء ہے کیونکہ پانچ روپیہ ڈائریکٹ نفع دینے والی چیز نہیں کیونکہ روپے پیسے سے آپ کا پیٹ نہیں بھرتا اور آپ کی پیاس نہیں بجھتی، مگر روٹی ڈائریکٹ آپ کو نفع دیتی ہے کہ آپ کی بھوک مٹا دیتی ہے۔ تو انسان کسی چیز کو خریدتے وقت جو دیتا ہے وہ ثمن ہے، اور ثمن خریدا نہیں جاتا بلکہ ثمن سے کسی چیز کو خریدا جاتا ہے۔ تو ان یہود نے ثمن خریدا جب کہ ثمن خریدا نہیں جاتا بلکہ سامان خریدا جاتا ہے اور افسوس کہ یہ ثمن بھی قلیل ہے تو پہلی ناکامی تو یہ کہ ہدایت کے بدلے ضلالت خریدتے ہیں۔

﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ تزکیہ بمعنی تطہیر پاک کرنا ہے اور ثناء بمعنی تعریف ہے۔ اور نماء بمعنی بڑھوتری اور زیادتی ہے۔

﴿لَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ کا مطلب ہے انہیں ان کے گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔

﴿لَا يُكَلِّمُھُمُ اللّٰهُ﴾ ایسا کلام نہیں کرے گا جو ان کے حق میں مفید ہو، یا کلام کرے گا تو ملائکہ کے واسطوں سے

Scanned by CamScanner

کرے گا۔

﴿لَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ﴾ ''لَا یُوَجِّهُ عُیُوْنَهُ اِلَیْهِ وَیُحَوِّلُ حِدْقَتِیْهِ عَنْهُ'' آنکھ اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھے گا۔ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک دوست دوسرے دوست کو دیکھتا ہے تو اس کی طرف نگاہ اور چہرہ کر کے بات کرتا ہے۔

﴿اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ﴾ (آل عمران:۸۳)

(اَلْجَمَادُ یَخْدِمُ النِّبَاتُ) جمادات نباتات کی خدمت کرتے ہیں۔

(وَالْجَمَادُ وَالنَّبَاتُ یَخْدِمَانِ الْحَیَوَانَ) اور جمادات اور نباتات حیوانات کی خدمت کرتے ہیں۔

(وَالْجَمَادُ وَالنَّبَاتُ وَالْحَیَوَانُ فِیْ خِدْمَةِ الْاِنْسَانِ) جمادات اور نباتات انسان کی خدمت کرتے ہیں۔

(وَاَنْتَ اَیُّهَا الْاِنْسَانُ تَخْدِمُ مَنْ؟) تو اے انسان تُو کس کی خدمت کے لیے بنایا گیا ہے؟

یہاں اسلام، خضوع (سرنگوں ہونا) کے معنی میں ہے۔یہاں تک کہ کافر بھی ان معاملات میں سرنگوں ہے جن میں اسے اختیار نہیں۔سانس کی آمد و رفت اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی ہوتی ہے۔وہ اپنے دل کی دھڑکنیں نہیں روک سکتا۔اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوسکتا۔نہ اپنی مرضی سے مر سکتا ہے۔زندگی، کے یہ زاویے ہیں جن میں انسان مجبور ہے۔اسی کو کرھاً (نہ چاہتے ہوئے بھی) جھکنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ (آل عمران:۹۲)''ب،ر'' کے مادے میں وسعت کا معنی پایا جاتا ہے۔''اَلْبِرُّ اَیِ الْوَاسِعُ اَلْبَرُّ اَیِ الْاَرْضُ الْمُتَّسِعَةُ'' اس کا مقابل البحر ہے۔بحر کا حجم اگرچہ بر (خشکی) سے بڑا ہے مگر حرکت کے اعتبار سے بر، بحر سے وسیع ہے کیونکہ بحر میں آپ خاص انداز سے چل سکتے ہیں۔جیسے کشتی وغیرہ میں۔مگر بر میں آپ پیدل، سواری کسی بھی انداز سے چل سکتے ہیں۔تو کسی کلمہ بر کا معنی اس کے پہلے مرحلے یعنی سبب سے لیا ہے اور وہ طاعت ہے اور بعض نے اس کا معنی اس کے اخیر مرحلے سے لیا ہے اور وہ مسبب ہے یعنی جنت ہے۔

اس آیت کریمہ کا اس سے پہلے کی آیت سے ربط یہ ہے کہ کفار کا خرچ مردود ہے اور جو اپنے مال محبوب کو خرچ کرتے ہیں ان کا خرچ مقبول ہے۔

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا﴾ (آل عمران:۹۶) یہ برکت حسی بھی ہے اور معنوی بھی۔ دنیا کے تمام خطوں کی بہترین چیزیں یہاں پہنچتی ہیں، یہ برکت حسی ہے اور دنیا کے ہر کونے سے لوگ مناسک حج ادا کرنے کے لیے ابراہیم خلیل اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آتے ہیں یہ برکت معنوی ہے۔

مقام ابراہیم:

''قال مُجاهد: مُقامُ إبراهِيمَ أَثَرُ قدمَيهِ'' (تفسیر سمرقندی) مجاہد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم علیہ السلام سے مراد ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں۔''وَفَسَّرَ مُجَاهِدٌ مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ بِالْحَرَمِ كُلِّهِ'' (قرطبی) مجاہد رحمہ اللہ علیہ نے مقام ابراہیم کی تفسیر پورے حرم سے کی ہے۔ عن مجاهد: '' واتَّخذُوا مِنْ مَقامِ

Scanned by CamScanner

اِبْرَاھِیْمَ مُصَلی، قَالَ، مُصَلی اِبْرَاھِیْمَ مُدَّعًی'' (طبری) امام مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ جگہ ہے جسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نماز کے لیے چُنا تھا۔

نکتہ: بَكَّ الْمَكَانُ آیْ اِزْدَحَمَ المکانُ یہ بھیڑ کا مقام ہے کہ وہاں دنیا کے ہر گوشے سے لوگ آئیں گے۔ ''ب'' اور ''میم'' قریب المخرج حروف ہیں۔ اسی طرح کسی کو زکام ہو جائے تو ''ب'' کو ایسے بولے گا جیسے وہ میم ہو۔ اور مکہ، یہ ''مَكَّ الْفَصِیْلُ الضَّرْعَ'' سے ماخوذ ہے یعنی اونٹنی یا گائے کے بچے نے تھن کا پورا دودھ پی لیا۔ اس کا مطلب ہے کہ بچہ بھوکا تھا اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مکہ میں پانی نہیں ہے۔

﴿مُبٰرَکًا﴾ (آل عمران:۹۶) برکت سے ماخوذ ہے اور برکت کا مطلب ثبات اور استقرار و استمرار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کعبہ ہمیشہ حرام رہے گا۔ اسی سے بِرکۃ یعنی تالاب ہے کہ جتنا آپ اس سے پانی لیں گے تو اس میں دوسرا پانی آجائے گا اور آپ کہیں کہ اس مال میں برکت ہے کہ اسے جتنا خرچ کرو ختم نہیں ہوگا۔

﴿هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ ''اِنَّ الْهُدٰى هُوَ الدَّلَالَةُ الْمُوْصِلَةُ لِلْغَایَةِ: ہدایت وہ رہنمائی ہے جو منزل تک پہنچا دے اور جو بھی بیت الحرام کی زیارت کرے گا وہ گناہوں سے نوزائیدہ بچے کی طرح پاک ہو جائے گا اور کیا یہ جنت کی طرف ہدایت نہیں ہے؟

﴿مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ﴾ مَقَامُ (بِفَتْحِ الْمِیْمِ) اور مُقَامُ (بِضَمِّ الْمِیْمِ) میں فرق: مُقَامِ (بِضَمِّ الْمِیْمِ) کا معنی مَکَانُ اِقَامَةِ اِبْرَاھِیْمَ (ابراہیم کے مقیم ہونے کی جگہ) ہے۔ اور مَقَامَ (بِفَتْحِ الْمِیْمِ) کا معنی ''مَکَانُ الْقِیَامِ'' (کھڑے ہونے کی جگہ) ہے۔

﴿فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ﴾ (آل عمران:۹۷) ابراہیم کبھی کھڑے ہو کر کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہیں اور کبھی پتھر پر کھڑے ہوتے تھے۔ جو اس گھر میں داخل ہوا اسے امان ہے۔ ایک مغرور شخص بھی حجر اسود کو بوسہ دینا یا استلام کرنا چاہتا ہے، کعبہ کی گود ہی میں بیرِ زمزم (زمزم کا کنواں) ہے، جس کا پانی دنیا کے تمام پانیوں سے جدا ہے۔ رہا حجر اسود کا معاملہ تو یہاں پتھر ہونے کا لحاظ نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک پتھر کی تعظیم کی جاتی ہے اور دوسرا پتھر ابلیس کے رجم کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اللہ جب ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم ایک پتھر کو عظمت دیں تو مومن اللہ کے اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور جب حکم دیتا ہے کہ پتھر سے رجم کرو تو مومن رجم کرتا ہے۔ تو پتھر کی ذات کا اس میں مطلق کوئی دخل نہیں۔ اعتراض کرنے والے حجر اسود کی تعظیم کا ذکر کرتے ہیں مگر ابلیس کے رجم کا ذکر نہیں کرتے۔ کہا گیا حجر اسود کا بوسہ دو، تو مومن نے حکم دینے والے کے حکم کا احترام کرتے ہوئے اس کا بوسہ دیا۔ یہ منتہی الیقین (یقین کی انتہا) ہے اور بت منتہی الشرک (شرک کی انتہا) ہیں۔ کیا یہ سب آیات بینات (واضح نشانیاں) نہیں؟

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (آل عمران:۹۷)

''غَنِیٌّ عَنْهُ'' (اس سے غنی ہے) نہیں کہا۔ اس وجہ سے کہ جس نے انکار نہیں کیا اور فریضۂ حج ادا کر لیا وہ یہ نہ سمجھے کہ اس میں اللہ کا کوئی فائدہ ہے اور جس نے انکار کیا اور حج نہیں کیا اس نے بھی اللہ کا کچھ نقصان نہیں کیا تو ادا کرنے والے اور نہ

Scanned by CamScanner

ادا کرنے والے، دونوں سے اللہ بے نیاز ہے۔

﴿تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ عَوَجَ (بِفَتْحِ الْعَيْنِ) اور عِوَجَ (بِكَسْرِ الْعَيْنِ) میں فرق یہ ہے کہ فَالْعَوَجُ (بِفَتْحِ الْعَيْنِ) هُوَلِلشَّيْئِ الَّذِىْ لَهٗ قِيَامُ۔ عَوَجَ اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جس کے لیے قیام ہو جیسے دیوار، نیزہ وغیرہ۔ لیکن عِوَجَ (بِكَسْرِ الْعَيْنِ) یہ معانی اور اقدار میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ یہ فرماتا ہے کہ دین میں تم کجی تلاش کر رہے ہو باوجود یکہ تم گواہ ہو کہ جو محمد ﷺ لائے ہیں وہ برحق ہے اور یہ سب کچھ انجانے میں نہیں ہو رہا ہے بلکہ جان بوجھ کر ہو رہا ہے اور معاملہ یہاں تک پہنچا ہوا ہے کہ وہ حق پر گواہ بھی ہیں۔ کیونکہ ''اَلشُّهُوْدُ اَنَّهُمْ عَرَفُوْا مَاقَالُوْا اَوْرَأَوْهُ رَأْيَ الْعَيْنِ'' شہود کا مطلب ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ جانتے ہیں اور اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے ہیں۔ یقیناً تمہیں یہ شبہ ہو گیا ہے کہ اللہ اس سے غافل ہے۔ اسی وجہ سے آگے ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (آل عمران:۹۹) کہا گیا۔ لہٰذا جو لوگ دین میں کجی تلاش کر رہے ہیں وہ گمراہ ہیں اور گمراہ گر بھی ہیں اور وہ اس پر گواہ بھی ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ وہ جو کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ اللہ کے بارے میں لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرے یا حق بولے خواہ وہ اس کے خلاف ہو۔

﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۰۲) ''تَمَسَّكُوْا بِاِسْلَامِكُمْ، لِاَنَّكُمْ لَاتَدْرُوْنَ مَتٰى يَقَعُ عَلَيْكُمُ الْمَوْتُ'' اپنے اسلام کو مضبوطی سے تھامے رہو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے پاس موت کب آجائے۔

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ ''فَالذِّلَّةُ اَمْرٌ خَارِجٌ اَمَّا الْمَسْكَنَةُ فَهِيَ فِي ذَاتِيَتِهِمْ'' ذلت خارجی معاملہ ہے اور مسکنت کا تعلق ذات ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ بدن کے اعتبار سے ذلیل ہیں اور دل کے اعتبار سے مسکین ہیں۔ ذاتی مسکنت سے انہیں کوئی نہیں نکال سکتا۔ اللہ کی رسی تو آئے گی نہیں کہ انہیں اس مسکنت سے نجات دے اور نہ لوگوں کی رسی مسکنت کے آثار سے چھڑا سکتی ہے، ہاں، ذلت چونکہ خارجی امر ہے، کوئی آکر ان کی مدد کر سکتا ہے، اور یہ مسکنت اور ذلت ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ ہے۔ ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ غور کریں آیت میں ذلت سے استثناء ہے مگر مسکنت سے کوئی استثناء نہیں۔

﴿اٰنَآءَ الَّيْلِ﴾ (آل عمران:۱۱۳) آناء، اِنيً کی جمع ہے تو آناء کا مطلب ''مَجْمُوْعُ الْاَوْقَاتِ مِنَ اللَّيْلِ وَلَيْسَتْ فِي اِنيً وَاحِدٍ'' (رات کے پورے اوقات کا مجموعہ، ایک وقت میں نہیں) ہوا۔ ایک مومن رات کے حصے میں قرآن پڑھتا ہے دوسرا، دوسرے حصے میں تیسرا، تیسرے حصے میں۔

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۳۳)

سرعت اور عجلت کے درمیان فرق: سرعت کی ضد ابطاء ہے اور عجلت کی ضد تَاَنِّيْ ہے۔ سرعت ممدوح ہے اس کے مقابل ''ابطاء'' مذموم ہے اور عجلت مذموم ہے اور اس کی ضد ''تانی'' ممدوح ہے کیونکہ ''اَلسُّرْعَةُ هِيَ التَّقَدُّمُ فِيْمَا يَنْبَغِي التَّقَدُّمُ فِيْهِ وَالْعُجْلَةُ هِيَ التَّقَدُّمُ فِيْمَا لَا يَنْبَغِي التَّقَدُّمُ فِيْهِ'' (سرعت اس اقدام کو کہتے ہیں جس میں اقدام

Scanned by CamScanner

مناسب ہے اور عجلت اس اقدام کو کہتے ہیں جس میں اقدام مناسب نہیں ہے) اسی وجہ سے عربی ضرب المثل ہے "فِي الْعُجْلَةِ النَّدَامَةُ وَفِي التَّانِّي السَّلَامَةُ" (عجلت میں ندامت ہے اور ٹھہراؤ میں سلامتی ہے) یعنی جہاں بھی کسی خیر کی چمک انہیں نظر آتی ہے وہ اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔

﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۱۷)

﴿صِرّ﴾ "رِيْحٌ فِيْهَا صَوْتٌ شَدِيْدٌ مَصْحُوْبٌ بِبُرْدٍ" (صِرٌّ: اس ہوا کو کہتے ہیں جس میں سخت آواز اور کڑاکے کی ٹھنڈک ہو) غیر مومنین جو خرچ کرتے ہیں یہ ان کو کوئی نفع نہ دے گا۔ ان کے انفاق کا انجام یہ ہے جیسے کوئی کھیتی ہو جس پر "صِرٌّ" کا گذر ہو گیا ہو۔

نکتہ یہ ہے کہ عمل پر ثواب نیت کی وجہ سے ملتا ہے اور نیت ہمیشہ ہر حرکت کا ہدف (مقصد) متعین کرتی ہے اور غیر مومنین جو خرچ کرتے ہیں وہ نام ونمود کے لیے کرتے ہیں اور جو چیزیں وہ خرچ کرتے ہیں کبھی ان نعمتوں کے رب کا خیال ان کے دل میں نہیں ہوتا ہے۔

﴿لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً﴾ (آل عمران:۱۱۸) لفظ بِطَانَةٌ، بِطَانَةُ الثَّوْبِ سے ماخوذ ہے جس کو اردو میں استر کہا جاتا ہے اور وہ جسم سے متصل ہوتا ہے اور ہم بطانہ اس لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ اوپری کپڑے کے کھردرے پن سے محفوظ رہیں۔ کسی آدمی کے بطانہ وہ ہوتے ہیں جو اس کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور اس کے بھیدوں کو جانتے ہیں اس لیے کہ وہ لوگ اسے مشقت میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

﴿لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾ لَا يَاْلُوْ کا مطلب ہے کوتاہی نہ کرنا۔

﴿خَبَالًا﴾ (۱) نقصان (۲) ہلاکت (۳) تباہی (۴) زہر قاتل (۵) بوجھ (۶) تھکن (۷) مشقت (۸) تکلیف (۹) خرابی، یعنی تمہارے لیے یہ سب کرنے میں وہ کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے اور کوئی کوتاہی نہ کریں گے۔ اس کے علاوہ ﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ﴾ یعنی تمہیں ہر طرح کی پریشانی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ نیز تمہارے تئیں ان کا کینہ ان کے منہ سے ظاہر بھی ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ ان کے دلوں میں تمہارے خلاف جو کچھ ہے اس کا تو کوئی شمار وقطار نہیں۔

﴿لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ﴾ (آل عمران:۱۲۰) "اَلْكَيْدُ. تَدَبُّرُ لِغَيْرِكَ لِتَضُرَّهُ" دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے تدبیر کرنا "کید" کہلاتا ہے اور مکر اور کید، کمزور آدمی کرتا ہے جو سامنا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

﴿اَنْ تَفْشَلَا﴾ اَلْفَشَلُ: اَلْجُبْنُ. فَشَلْ کے معنی بزدلی کے ہیں۔

﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ اضعاف اس زائد رقم یا چیز کو کہتے ہیں کہ اگر اصل سے اس کا موازنہ نہ کریں تو اصل کمزور پڑ جائے۔ مثال کے طور پر اصل زر سو روپیہ اور اس پر بیس فیصد فائدہ لیا جائے تو مجموعہ ایک سو بیس ہو جائے گا تو ایک سو بیس، سو کو ضعیف بنائے گا۔ اضعاف کا یہی مطلب ہے اور مضاعفۃ کا مطلب، ایک سو بیس پر بھی زائد فائدہ لیں۔ "فَالْاَ ضْعَافُ

Scanned by CamScanner

مُضٰعَفَۃً اَیۡضًا ''اسی کو سود مرکب کہتے ہیں۔

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۴)

یہاں تین مرحلے ہیں:

(۱) غصہ پی جانا (۲) معاف کردینا (۳) براسلوک کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

''مَحِّصْ'' اور ''مَحَقْ'' میں فرق:

﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ محص اور محق میں فرق ہے۔ ''اَلتَّمْحِيْصُ هُوَ تَطْهِيْرُ الْاَشْيَاءِ وَتَخْلِيْصُهَا مِنَ الْعَنَاصِرِ الضَّارَّةِ أَمَّا الْمُحِقُّ فَهُوَ الذِهَابُ بِهَا كُلِّهَا'' یعنی چیزوں کو ضرررساں عناصر سے پاک کرنا ''تمحیص'' ہے اور پوری چیز کو ختم کردینا ''محق'' ہے۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ (آل عمران: ۱۴۴) بغیر ڈھانچ کو توڑے روح کا نکل جانا موت ہے اور ڈھانچے کو توڑ کر روح نکلے تو قتل ہے۔

﴿فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا﴾ (آل عمران: ۱۴۶)

وَهَنٌ: بِدَايَةُ الضُّعْفِ (کمزوری کی ابتدا) ہے اور وَهَن کا محل دل ہے اور وہی پورے اعضاء پر کمزوری چھڑکتا ہے۔

﴿اِسْتَكَانُوْا﴾ یہ مسکن سے ماخوذ ہے جو حرکت کی ضد ہے، جنگ، حرکت چاہتی ہے اور جو حرکت نہ کرسکے اس کا مطلب ہے کہ اس کے پاس حرکت کرنے کی قدرت وطاقت نہیں ہے۔

﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ﴾ (آل عمران: ۱۵۷) اس آیت میں لفظ قتل پہلے ہے اور لفظ موت بعد میں آیا ہے کیونکہ یہ آیت مقاتلین (لڑنے والوں) کے بارے میں آئی ہے ان کے حال کے پیش نظر غالب سبب رب سے ملاقات کا قتل ہے اور ﴿وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ﴾ میں تمام بندوں کے انجام کا بیان ہے کہ انہیں اللہ کی طرف لوٹنا ہے ان میں اکثر اپنی طبعی موت مرتے ہیں لہٰذا موت کو قتل پر مقدم کیا گیا۔

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ (آل عمران: ۱۵۹) یہ آیت جنگ اُحد میں ہونے والے کئی واقعات کے بعد نازل ہوئی۔

(۱) آپ ﷺ کا ارادہ تھا کہ قریش سے قتال کے لیے مدینہ سے باہر نہ نکلیں بلکہ مدینہ ہی میں رہ کر مقابلہ کریں لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارادہ باہر نکل کر لڑنے کا تھا تو رسول اللہ ﷺ کو اپنی رائے سے دستبردار ہونا پڑا۔

(۲) جبل رماۃ پر تیر اندازوں سے نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت سرزد ہوئی۔

(۳) جب خبر پھیلی کہ رسول اللہ ﷺ قتل کردیئے گئے تو فرار کی طرف مائل ہوئے۔

(۴) نبی انہیں آواز دے رہے تھے اور وہ کسی چیز پر توجہ نہیں دے رہے تھے۔

Scanned by CamScanner

ان تمام حالات کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر اثرات ہوئے۔ اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری طبیعت میں ایسی رحمت رکھ دی ہے جو ان تمام باتوں سے بلند ہے اور آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کو فرشتوں کی طرف بھیجا گیا ہے بلکہ انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہیں۔

آیت کریمہ فَبِمَا رَحْمَةٍ میں لفظ ''ما'' موصولہ کے علاوہ ابھامیہ بھی ہوسکتا ہے اور جب کسی چیز میں آپ ابہام کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑی چیز ہے یعنی کون سی رحمت؟ وہ رحمت جو ادراک سے پرے ہے۔

﴿فَظًّا﴾ ''هُوَ مَاءُ الْكَرِش'' (اوجھڑی کا پانی) اونٹ کو جب پانی ملتا ہے تو اتنا پی لیتا ہے جو بہت عرصے کے لیے کافی ہوتا ہے اور جب اسے پانی نہیں ملتا تو وہی پانی کھینچتا رہتا ہے جو اس کی اوجھ میں جمع رہتا ہے۔ اور بعض مواقع پر جب پانی نہیں ملتا تو اونٹ کو ذبح کر کے اس کے اوجھ سے پانی حاصل کر لیتے ہیں اور یہ پانی خوشگوار نہیں ہوتا۔ فَظٌّ کا یہی معنی ہے اور چونکہ اس پانی میں خوشگواری نہیں ہوتی تو یہ ناخوشگواری کا سبب بنتا ہے تو خُشُوْنَةُ الْقَوْلِ (کھردری بات) کو فَظَاظَةٌ کہتے ہیں اور غِلَظٌ فِي الْقَلْبِ ہی سے خُشُوْنَةٌ فِي الْأَلْفَاظِ وجود میں آتا ہے۔

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ ''اِنَّ الْعَفْوَ هُوَ مَحْوُ الذَّنْبِ مَحْوًا تَامًّا'' عفو کا مطلب گناہ کو پوری طرح مٹا دینا ہے۔ یہ كَظْمُ غَيْظٍ (غصہ کو پی جانا) سے مختلف ہوتا ہے۔ كَظْمُ غَيْظٍ (غصہ کو پی جانا) میں آپ کے دل میں مسئلہ موجود رہتا ہے ہاں آپ سزا نہیں دیتے لیکن عفو میں معاملہ مکمل ختم کر دیا جاتا ہے۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ جو انہوں نے کیا اس کے سبب معرکۂ احد میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور آپ کو زخم پہنچا تو گویا معرکۂ احد معرکۂ تادیب، معرکۂ تہذیب اور معرکۂ تمحیص ہے۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ﴾ ''اَلْمَشْوَرَةُ تَلْقِيْحُ الرَّأْيِ بِآرَاءٍ مُتَعَدِّدَةٍ'' مشورہ کیوں لینا چاہیے؟ باوجودیکہ انسان اہل مشورہ میں سے ہوتا ہے اسے بھی مشورہ لینا چاہیے۔ اس بات کو ایک عربی شاعر کا یہ شعر واضح کرتا ہے۔

فَالْعَيْنُ تَنْظُرُ مِنْهَا مَادَنَا وَنَأَى

وَلَا تَرَى نَفْسَهَا اِلَّا بِمِرْآةٍ

آنکھ قریب اور دور کی چیز کو دیکھتی ہے مگر یہی آنکھ خود کو نہیں دیکھ پاتی اسے خود کو دیکھنے کے لیے آئینے کی ضرورت پڑتی ہے۔

﴿عَزَمْتَ﴾ تَقْتَضِي عَزِيْمَةً - پکے ارادے کو عزم کہتے ہیں۔

﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ یہ ایمان کا فائدہ ہے کیونکہ اعضاء کام کرتے ہیں اور دل توکل کرتے ہیں۔ یہ ایک خوبصورت مساوات (Equation) ہے۔ اعضاء کہتے ہیں ہم نے کھیت کی جوتائی کی، اچھا بیج ڈال دیا، کھیتی کو سیراب کر دیا، کھاد ڈال دی، ہم نے اسباب اختیار کر لیے۔ اب کیا نتیجہ نکلنے ہی والا ہے؟ نہیں۔ بلکہ ان اسباب کے اوپر مسبب الاسباب ہے۔ جب آپ نے توکل کیا تو آپ نے معاملہ کو مسبب الاسباب کے حوالے کر دیا۔ ہاں عمل نہ کرنا اور تدبیر اختیار نہ کرنا، توکل نہیں بلکہ تواکل، سستی اور کاہلی ہے۔ توکل، اظہارِ عجز (عاجزی کا اظہار) کا تقاضہ کرتا ہے۔ کہ میں نے اللہ پر توکل کیا اور اسباب پورے اختیار کر لیے، اب میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کے پاس قدرت ہے، جو ہر قسم کے عجز سے پاک ہے، اسی کا نام توکل ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ﴾ (آل عمران:۱۶۱) ''اَلْغُلُوْلُ. هُوَ الْاَخْذُ فِي الْخَفَاءِ'' غلول کسی چیز کو چپکے سے لینے کو کہتے ہیں۔ یہ اغل الجاذر سے ماخوذ ہے کہ قصاب جب جانور کی کھال نکالتا ہے تو کھال کے ساتھ گوشت لے لیتا ہے۔ پھر چپکے سے کھال کو چھپا دیتا ہے پھر اس کا اطلاق مال غنیمت میں خیانت کے لیے استعمال ہوا۔ اسی سے غلّ فی الصدور ہے جس کا مطلب اِخفَاءُ الْكَرَاهِيَةِ (ناپسندیدگی کا چھپانا) ہوتا ہے۔

﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ (آل عمران:۱۶۲)

یہاں اِتبَاعُ رِضْوَانٍ (اللہ کی خوشنودی چاہنا) اور الرُّجُوْعُ بِالسَّخَطِ (ناراضگی کی طرف لوٹنا) میں فرق بیان کیا جا رہا ہے کہ اتباع رضوان، انسان کے درجات بلند کرتا ہے اور الرُّجُوْعُ بِالسَّخَطِ خسارے کے تحت الثریٰ میں ڈال دیتا ہے۔ ''اَلسَّخَطُ هُوَ اِظْهَارُ التَّقْبِيْحِ'' یعنی گھِن ظاہر کرنے کو ''سخط'' کہتے ہیں۔ لیکن کبھی یہ سودمند نہیں ہوتا تو ''وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ'' کہا گیا۔

جنگ بدر میں مال غنیمت کو سب پر تقسیم نہیں کیا گیا تھا تو کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ اس جنگ یعنی جنگ احد میں بھی سب کو مال غنیمت نہیں ملے گا تو بتایا گیا کہ رسول غلول نہیں کر سکتا۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آل عمران:۱۶۴)

''اَلْمَنُّ'' ''اَیِ الْقَطْعُ'' یعنی مَنّ کے مفہوم میں ''کاٹنا'' داخل ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں ''اَلْمَنُّ هُوَ الْعَطَاءُ'' یعنی مَنّ بلا مقابل یا بلا عوض دینے کے مفہوم میں ہے۔ ''اَلْمَنُّ هُوَ تَكْدِيْرُ النِّعْمَةِ بِالتَّحَدُّثِ عَنْهَا'' کسی کو کوئی چیز دے کر لوگوں سے بیان کرتے پھرنا، نعمت کو گدلا کر دیتا ہے تو مَنّ یعنی احسان جتانا، شکر اور ثواب کو کاٹ دیتا ہے۔

﴿يَتْلُوْا﴾ ''فَالَّذِيْ يَقْرَأُ أَيْ يَنْطِقُ كَلِمَةً بَعْدَ كَلِمَةٍ'' آیات اللہ کی دو قسمیں ہیں (۱) منظور (۲) مقروء منظور جو کچھ نظر آتا ہے یعنی کائنات۔ اور مقروء جو پڑھا جاتا ہے یعنی قرآن۔ تو رسول کا وظیفہ یہ ہے کہ ہر قرآن سننے والے کو اس ذات کی طرف ملتفت کر دے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔

﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ اَلتَّزْكِيَةُ هِيَ تَطْهِيْرٌ وَتَنْقِيَةٌ وَنَمَاءٌ: پاکی، صفائی، بڑھوتری کا نام تزکیہ ہے۔

﴿وَيُعَلِّمُهُمْ﴾ ''عَلَّمَ - أَيْ نَقْلُ الْعِلْمِ مِنْ مُعَلِّمٍ إِلَى مُعَلَّمٍ'' ایک سے دوسرے کی طرف علم کو منتقل کرنا تعلیم ہے۔

﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا﴾ (آل عمران:۱۶۷) یہ حادثات جو تم پر آئے ان کا ایک مقصد یہ تھا تاکہ منافقین لوگوں کے سامنے کھل جائیں۔ اگر یہ حوادث نہ ہوتے تو تم منافقین کو کیسے جانتے؟

شہادت اور موت میں فرق:

﴿بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۶۹) شہادت اور موت میں بڑا فرق ہے۔ شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق مل رہا ہے۔ وہ اللہ کے قانون سے زندہ ہیں تمہارے قانون سے حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اگر تم

Scanned by CamScanner

ان کی قبر کھولو گے تو مقتول ہی نظر آئیں گے۔ تو سوال یہ ہے کہ زندگی موت سے کس معنی میں مختلف ہے؟ انسان جب مر گیا اور روح اس کے بدن سے نکل گئی تو اس کی زندگی ختم ہو گئی یہاں حیات نہیں تو رزق نہیں، مگر شہید زندہ ہے اور زندگی کی ضروریات رزق اسے مہیا کی جا رہی ہیں۔ یہاں جو عندیت (پاس ہونا) ہے وہ تمہاری عندیت سے الگ ہے۔

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران:۱۷۳) امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے ایک انوکھا استدلال کیا ہے کہ جس شخص کو کسی قسم کا خوف لاحق ہو تو اللہ کے قول ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کو یاد کر لے۔ کہتے ہیں مجھے اس آدمی پر تعجب ہے کہ اسے خوف لاحق ہو اور اللہ کی طرف نہ بھاگے کیونکہ اللہ نے اس کے فوراً بعد فرمایا ﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ﴾ سو وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل لے کر واپس ہوئے۔ اور ﴿لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ﴾ کہ مومنوں کو تکلیف نہ پہنچی انہوں نے قریش کے جنگجوؤں کو بھگا دیا۔ ''اَلنِّعْمَةُ أَنْ يُعْطِيَكَ اللّٰهُ عَلٰى قَدْرِ عَمَلِكَ وَالْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ هُوَ أَنْ يَزِيْدَكَ عَطَاءً'' نعمت یہ ہے کہ اللہ تمہیں تمہارے عمل کے مطابق عطا کرے اور اللہ کا فضل یہ ہے کہ وہ تمہارے عمل سے زیادہ عطا کرے۔ اور اس آدمی پر تعجب ہے جو کسی غم میں مبتلا ہو اور اللہ کے اس قول ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورہ انبیا:۸۷) کی طرف نہ بھاگے کیونکہ اس کے فوراً بعد اللہ نے فرمایا ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ (سورہ انبیا:۸۸) (پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرمایا اور ہم نے انہیں غم سے نجات دے دی) اور اس آدمی پر مجھے تعجب ہے کہ اس کے خلاف سازش کی گئی اور وہ اللہ کے اس قول ﴿وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (سورہ مومن:۴۴) (اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بیشک اللہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے) کی طرف توجہ نہیں دیتا کیونکہ اس کے فوراً بعد اللہ نے فرمایا ﴿فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا﴾ (سورہ مومن:۴۵) (پس اللہ نے اس کو ان کی چالوں کی آفتوں سے محفوظ رکھا) اور مجھے اس آدمی پر تعجب ہے جو دنیا اور اس کی زینت طلب کرے اور وہ اللہ کے اس قول ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (سورہ کہف:۳۹) (یہ جو کچھ ہے سب اللہ کا فضل ہے، اللہ کے سوا کسی کو کوئی قوت حاصل نہیں) پر دھیان نہ دے۔ کیونکہ اس کے بعد فوراً اللہ نے فرمایا ﴿اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا. فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ﴾ (سورہ کہف:۳۹) (اگر تم مال اور اولاد کے اعتبار سے مجھے اپنے سے کم دیکھتے ہو تو امید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر باغ عطا کر دے) گویا خوف کا علاج اور نسخہ ہے۔ غم کا علاج اور نسخہ ہے۔ سازش کا علاج اور نسخہ ہے۔ دنیا کی طلب اور اس کی سعادت کا علاج اور نسخہ ہے۔

﴿اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا﴾ (آل عمران:۱۷۶) کیونکہ یہ لڑائی کافروں کی اللہ کے ساتھ تھی جب تک مومنین اللہ کے لیے لڑتے ہیں وہ اللہ کے لشکر ہوتے ہیں ورنہ ''لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ شَيْــًٔا'' کہا جاتا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ﴾ (آل عمران:۱۷۷) یہاں ثمن ایمان ہے اور مُثْمَن (خریدی گئی چیز) کفر ہے۔ انہوں نے کفر لیا اور ایمان دیدیا۔

Scanned by CamScanner

﴿اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ﴾ (آل عمران: ۱۷۸) ''اَلْاِمْلَاءُ هُوَ تَمْدِيْدُ الْوَقْتِ وَاِطَالَتُهُ'' (وقت کو بڑھانے اور لمبا کرنے کو ''اِملاء'' کہتے ہیں۔ کافروں کو جو ڈھیل دی جارہی ہے یہ ان کے لیے اچھا نہیں ہے۔ اس لیے کہ جیسے جیسے ان کی عمر بڑھ رہی ہے ان کا گناہ بڑھ رہا ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ یہاں عذاب کے ساتھ مُهِين (رسوا کن) کی صفت مکمل مناسبت کی وجہ سے لائی گئی ہے کیونکہ کافر، ایمان کے خلاف کوئی معرکہ سر کر لیتا ہے تو فخر، عُجب (خود پسندی) اور تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ کوئی اس کا کچھ نہیں کرسکتا۔ اسے وہ اپنی عزت سمجھتا ہے اور عزت کے مقابلے میں اہانت (بے عزتی) کو لایا گیا۔

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (آل عمران: ۱۷۹)

نحو کا طالب علم جانتا ہے کہ دو فعل ہوتے ہیں۔ يَدَعُ اور يَذَرُ دونوں کا معنیٰ ''چھوڑنا'' ہوتا ہے۔ ان دونوں کا فعل ماضی استعمال نہیں ہوتا۔ ان دونوں کو صیغۂ مضارع میں استعمال کیا جاتا ہے۔

﴿لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾ غیب کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) ''اَلْغَيْبُ الْمُطْلَقُ هُوَ الَّذِيْ لَايَعْلَمُهُ أَحَدٌ فَقَدْ إِسْتَأْثَرَ بِهِ اللّٰهُ لِنَفْسِهِ يَعْنِيْ أَنَّ الْغَيْبَ هُوَ مَاغَابَ عَنِ الْكُلِّ'' ''غیب مطلق وہ ہے جسے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اسے اللہ نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور غیب کا مطلب ہے جو ہر ایک سے غائب ہو۔

(۲) چور نے کسی کے روپے چرا لیے ہیں تو جس کا روپیہ چرایا گیا ہے اس کے لیے سارق اور روپے کی جگہ غیب ہے مگر سارق کے لیے وہ غیب نہیں۔

(۳) سائنسداں کسی چیز کا انکشاف کرتے ہیں جو صیغۂ راز میں ہوتی ہے۔ یہ بھی غیب نہیں۔ کیونکہ ان کے انکشاف کے اصول، ''مقدمات'' اور ''اسباب'' ہوتے ہیں۔ جب تک وہ اسباب کو اختیار کریں گے اللہ انہیں ان کا بدلہ دے گا۔ جیسے مدرس کسی بچے کو حساب کی مشق دیتا ہے تا کہ اسے وہ حل کرے تو کیا یہ حل غیب ہے؟ نہیں۔ کیونکہ شاگرد کو معلوم ہے کہ اس تمرین کو کیسے حل کیا جائے کیونکہ اس میں ایسی معلومات ہوتی ہیں جن میں معین طریقے سے غور کرنے پر نتیجہ نکل آتا ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ معلومات کو ترتیب دے کر مجہولات کا علم حاصل کرنا غیب نہیں کہلاتا۔

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (آل عمران: ۱۸۰)

وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ جو مال وہ جمع کر رہے ہیں وہ خیر ہے اور مال جتنا بڑھتا جاتا ہے وہ خوش ہوتے ہیں۔ اللہ یہ فرماتا ہے کہ یہ مال اللہ کے فضل سے تمہیں ملا ہے، کیونکہ دنیا میں جب تم آئے تھے تو خالی ہاتھ تھے اور ہم میں سے کسی نے یہ نہیں

Scanned by CamScanner

دیکھا کہ کسی کفن میں جیب ہوتی ہے۔ تو انسان خالی جیب آتا ہے اور خالی جیب جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو انسان کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ تو اللہ کے مضارب ہیں تو مضاربت کا حق ادا کرو۔

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ (آل عمران:۱۸۱)

فنحاص یہودی نے یہ اس وقت کہا تھا جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے بیت المدارس میں گئے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے طمانچہ رسید کر دیا تھا۔ یہودی یہ نہ سمجھا کہ اللہ کا قرض اللہ کی طرف سے شفقت اور مہربانی ہے۔ سَنَكْتُبُ (ہم لکھ لیں گے) یعنی ان کے قول ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾ (اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں) کو اور ان کے فعل ﴿قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ﴾ (انبیاء کے قتل) کو۔

﴿بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (آل عمران:۱۸۲) صیغۂ مبالغہ کا نکتہ۔ صیغۂ مبالغہ اگر اثبات میں وارد ہو تو وہ ''اقل'' کو بھی ثابت کرتا ہے۔ جب کہا جائے فُلَانٌ ظَلَّامٌ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ظالم بھی ہے۔ اور کہا جائے فُلَانٌ اَكَّالٌ تو وہ ''آکل'' بھی ہوگا۔ یعنی اگر ہم صفت مبالغہ کو ثابت کریں تو صفت غیر مبالغہ بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگی۔ لیکن نفی میں یہ معاملہ مختلف ہو جاتا ہے کہ اگر ہم صفت مبالغہ کی نفی کریں تو اس سے صفت اقل کی نفی ثابت ہونا لازم نہیں۔

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (آل عمران:۱۸۵) جس زندگی سے ہم متعارف ہیں اسے جب اللہ ''دنیا'' کہتا ہے تو اس میں اشارہ ہوتا ہے کہ ایک اور حیات ہے جسے غیر دنیا یعنی ''عُلیا'' سے موصوف کیا جاتا ہے۔

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۸۸) ''اَلْحُسْبَانُ لِلْاَمْرَانِ يَظُنَّهُ السَّامِعُ دُوْنَ حَقِيْقَتِهٖ'' کسی چیز کا گمان اس امر کو کہتے ہیں کہ سننے والا اس کو اس کی حقیقت کے خلاف سمجھ بیٹھے۔

﴿يَفْرَحُوْنَ﴾ فرح کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایسی چیزوں پر خوشی جو دعوت حق کے خلاف ہو جیسے منافقین و کافرین کی خوشی۔

(۲) ایسی چیزوں پر خوشی جو دعوت حق کی اعانت کے لیے ہو یہ مومنین کی خوشی ہے۔ پہلی فرح ممنوع و مذموم اور دوسری فرح مشروع و محمود ہے۔ حقیقی فرح وہ ہے جس کا انجام ندامت نہ ہو۔

﴿وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾ انسان ایک گناہ کرتا ہے لیکن کرنے کے بعد اس پر نادم ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو اس پر خوش ہوتا ہے۔ تو گناہ کا ارتکاب ایک گناہ تو ہے ہی، اس پر خوش ہونا دوسرا گناہ ہے۔ پھر اس کے بعد اس سے سخت بات کہی گئی کہ انسان ایسی چیز پر تعریف چاہتا ہے جو اس نے کیا ہی نہیں۔ ایک گناہ پھر اس پر خوش ہونا پھر ایسی چیز پر تعریف چاہنا جو اس نے کیا ہی نہیں۔

﴿بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ﴾ ''اَلْمَفَازَةُ هِيَ الْمَكَانُ الَّذِيْ يَظُنُّ الْاِنْسَانُ اَنَّ فِيْهِ نَجَاتُهٗ'' مفازۃ صحرا کے لیے تفاؤلاً (اچھی فال لینے کے لیے) بولا جاتا ہے۔ اسے مَهْلَكَه نہیں بولتے بلکہ اس کا نام مفازۃ رکھتے ہیں۔ یہ فال لیتے ہوئے کہ جو اس میں چلے گا وہ کامیاب ہوگا جیسے لدیغ (سانپ کاٹے ہوئے) کو سلیم کہتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (لَا طِيَرَةَ، وَخَيْرُهَا الفَأْلُ) قَالَ: وَمَا الفَأْلُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: (الكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ) (بخاری: ۵۷۵۴)

اسلام میں بدشگونی نہیں ہے۔ بہتر چیز فال ہے۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! فال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اچھی بات جس کو تم میں سے کوئی سنے۔ جیسے صلح حدیبیہ میں سہیل بن عمرو کو آتے ہوئے دیکھ کر آپ ﷺ نے فال لی کہ اب معاملہ سہل ہو جائے گا۔

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (آل عمران:۱۸۹) آسمان سایہ کیے ہوئے ہے اور زمین اٹھائے ہوئے ہے تو انسان اللہ کے دو مملوکوں کے درمیان کھڑا ہوا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ بین القوسین ہے۔ ایک قوس اس کی پیدائش ہے اور دوسرا قوس اس کی موت ہے۔ نہ اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے تو اللہ کے ملک سے کوئی نہیں نکل سکتا۔

﴿فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ (آل عمران: ۱۹۳)

ذنب اور چیز ہے سَيِّئَةٌ اور چیز ''فَالذَّنْبُ يَحْتَاجُ إِلٰى غُفْرَانَ وَالسَّيِّئَةُ يَحْتَاجُ إِلٰى تَكْفِيْرٍ'' ذنب (گناہ) بخشش کا تقاضا کرتا ہے۔ اور سَيِّئَةٌ (برائی) کفارے کا تقاضا کرتی ہے۔ جیسے مومن اگر قسم کھائے اور حانث ہو جائے تو اس پر کفارۂ یمین ہے۔ مگر وہ چیزیں جن کا تعلق اس معصیت سے ہے جو بندے اور اس کے رب کے درمیان ہے وہ ذنب ہے۔

''اَلسَّيِّئَةُ هِيَ الاَمْرُ الَّذِيْ يُخَالِفُ مَنْهَجَ اللهِ مَعَ عِبَادِاللهِ يَعْنِي مُخَالَفَةَ مَنْهَجَ اللهِ مَعَ عِبَادِاللهِ فَهِيَ سَيِّئَةٌ وَحِيْنَ تَفْعَلُ الْمَعْصِيَةَ فِي أَمْرٍ بَيْنَكَ وَبَيْنَ اللهِ فَاَنْتَ لَمْ تَسُؤْ إِلَى اللهِ'' ''السَّيِّئَةُ'' اس چیز کو کہتے ہیں جو اللہ کے بندوں کے ساتھ اللہ کے طریقے کے خلاف ہو یعنی بندوں کے ساتھ اللہ کے طریقے کی مخالفت کو سَيِّئَةٌ کہتے ہیں۔ اور جب تم کوئی گناہ کرتے ہو اور وہ تمہارے اور اللہ کے درمیان رہتا ہے تو اس کو سَيِّئَةٌ نہیں کہتے۔

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ ''فَعُمْرُ الاِنْسَانِ فِي الدُّنْيَا مَظْنُوْنٌ وَعُمْرُهُ فِي الاٰخِرَةِ مُتَيَقِّنٌ وَالدُّنْيَا مَحْدُوْدَةٌ وَفِي الاٰخِرَةِ خُلُوْدٌ'' دنیا میں انسان کی زندگی غیر یقینی ہے اور آخرت میں اس کی زندگی یقینی ہے، اور دنیا محدود ہے، اور آخرت میں خلود (ہمیشگی) ہے، اور کافر اپنے تقلب (آمد و رفت) میں رہتا ہے۔ ہوٹل وغیرہ میں عیش و آرام سے نرم بستر پر الٹتا پلٹتا ہے۔ پھر اللہ کا عذاب آ جاتا ہے۔ ﴿اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے، وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران:۲۰۰)

یہ چار چیزیں (اِصْبِرْ - صَابِرْ - رَابِطْ - اِتَّقِ اللهَ) ہیں جن کا مقصد ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ہے یعنی تم یقیناً کامیاب ہو جاؤ گے۔

''فَالاِيْمَانُ يُوَدِّيْ إِلَى الْجَنَّةِ وَالْجَنَّةُ مَحْفُوْفَةٌ بِالْمَكَارِهِ لِذٰلِكَ لَابُدَّانَ تَكُوْنَ فِيْهِ مَشَقَّاتٍ'' تو ایمان جنت میں لے جانے والا ہے اور جنت ناگوار چیزوں سے ڈھکی پڑی ہے۔ اس وجہ سے تمہیں اس کے حصول کے لیے پریشانیاں تو اٹھانی ہی ہیں۔

Scanned by CamScanner

سورة النساء(مدنية)

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ
وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر اُن دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور اللہ سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور ناطہ توڑنے سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔(۱)

سورۂ آل عمران میں کافروں پر غلبے کی چار تدبیریں بیان کی گئی ہیں اور جنگ احد کی شکست پر تبصرہ کر کے اتحاد و تنظیم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے اس کے بعد کی سورہ سورۂ نساء کا مرکزی مضمون ہی اجتماعیت ہے کہ خاندان سے لے کر ریاست تک ایک مضبوط اجتماعیت ناگزیر ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں دو اہم حقیقتیں بیان کی گئیں:

(۱) تمام انسانوں کو اللہ نے پیدا کیا۔

(۲) نسل انسانی کا آغاز ایک ہی شخص آدم سے ہوا۔

بنی نوع انسان کے بارے میں یہ اصول، ذات پات کے تصور کو باطل قرار دیتا ہے، نیز اس تصور کی تردید کرتی ہے کہ اونچی ذات کے لوگ دیوتاؤں کی نسل سے ہیں اور نچلی ذات کے لوگ (شودر وغیرہ) راکشسوں کی نسل سے ہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿مِنۡهَا زَوۡجَهَا﴾ حوا علیہا السلام، آدم علیہ السلام کے DNA کا Extention تھیں۔ ہم اپنے بچوں سے پیار اس وجہ سے کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے DNA کا ایکسٹینشن ہوتے ہیں۔

﴿وَالۡاَرۡحَامَ﴾ رشتہ داریوں سے ڈرو یعنی ان کا پاس ولحاظ کرو۔ رشتہ داری کی بنیاد نکاح ہے۔ اسی سے کوئی آدمی باپ بنتا ہے، کسی کا دادا، کسی کا نانا، کسی کا چچا وغیرہ بنتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ نے اپنے تقویٰ کے ساتھ ارحام کے تقویٰ کا ذکر کیا۔ ارحام یعنی رشتہ داری میں بگاڑ زبان سے آتا ہے اسی وجہ سے محمد ﷺ خطبۂ نکاح میں مذکورہ آیت کریمہ کے ساتھ سورۂ احزاب کی آیت ﴿قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا﴾ پڑھتے تھے۔ گلاس گر کر ٹوٹ گیا۔ بہو ویسے ہی سہم گئی۔ اب ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ساس کہے، کیسے گرا؟ کیوں گرا؟ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ساس اس سے کہے کیوں فکر کرتی ہے دوسرا گلاس آجائے گا۔

وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ‌ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰٓى اَمۡوَالِكُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ﴿۲﴾

اور یتیموں کا مال (جو تمہاری تحویل میں ہو) اُن کے حوالے کردو اور اُن کے پاکیزہ (اور عمدہ) مال کو (اپنے ناقص اور) بُرے مال سے نہ بدلو اور نہ اُن کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔ (۲)

﴿وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ﴾ معاشرے کے دو کمزور طبقے یتیم اور عورت کے حقوق کی ادائیگی اور وصیت کی تکمیل اور وراثت کو وارثین تک پہنچانے کا حکم دیا گیا۔ قبائلی دور میں لڑکا زیادہ اہمیت رکھتا تھا لہٰذا اس وقت لڑکی کو وراثت سے محروم کر دیا گیا اور آج وراثت میں دونوں کو برابر کر دیا گیا۔ پہلا اصول غیر منصفانہ تھا تو دوسرا غیر حقیقت پسندانہ ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً‌ ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَـكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓــًٔا مَّرِيۡٓــًٔا ﴿۴﴾

اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تمہیں چھوڑ دیں تو اُسے ذوق وشوق سے کھالو۔ (۴)

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً﴾ اس فریضے کو کہتے ہیں جس کا نام لے کر تعین کیا گیا ہو۔

وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَـكُمُ الَّتِىۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَـكُمۡ قِيٰمًا وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِيۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿۵﴾

اور بے عقلوں کو اُن کا مال جسے اللہ نے تم لوگوں کے لیے سبب معیشت بنایا ہے مت دو (ہاں) اس میں سے اُن کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور اُن سے معقول باتیں کہتے رہو۔ (۵)

﴿وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ﴾ ولی یتیم کو مال اس وقت دے جب یتیم کی قوتِ بدنیہ اور عقلیہ کامل ہو جائے تاکہ وہ مال

کی حفاظت کر سکے اور اسے صحیح طریقے سے استعمال کر سکے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا
اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا
فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ
اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کاج میں مصروف رکھو پھر (بالغ ہونے پر) اگر اُن میں عقل کی پختگی دیکھو تو اُن کا مال اُن کے حوالے کر دو اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (یعنی بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے) اس کو فضول خرچی میں اور جلدی میں نہ اڑا دینا، جو شخص آسودہ حال ہو اُس کو (ایسے مال سے قطعی طور پر) پرہیز کرنا چاہئیے اور جو بے مقدور ہو وہ مناسب طور پر (یعنی بقدرِ خدمت) کچھ لے لے اور جب اُن کا مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو گواہ کر لیا کرو اور حقیقت میں تو اللہ ہی (گواہ اور) حساب لینے والا کافی ہے۔(۶)

﴿فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ آیت کے آخر میں اللہ کی صفت حسیب ذکر کی گئی شہید نہیں کیونکہ یہاں اوصیاء کو تہدید کی گئی ہے کہ یتیموں کے مالوں میں سے کچھ بھی نہ چھپائیں جب انہیں علم ہو جائے گا کہ اللہ ان سے معمولی چیز پر بھی حساب لے گا اور اس پر ان کی گرفت کرے گا تو وہ کتمان سے ڈریں گے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ
اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ
اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ
بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ
اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے، اور اگر اولادِ میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (یعنی دو یا) دو سے زیادہ تو کُل ترکے میں اُن کا دو تہائی اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اُس کا حصہ نصف۔ اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ بشرطیکہ میت کے اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی

Scanned by CamScanner

اُس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ (اور یہ تقسیم ترکہ میت کی) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اُس نے کی ہو، یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اُس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی)۔ تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ حصے اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (۱۱)

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ کہا اَبْنَآئِكُمْ نہیں کہا کیونکہ رضائی بیٹا بھی ہوتا ہے اور نواسے پر بھی بیٹے کا اطلاق ہوتا ہے مگر یہ وارث نہیں ہیں۔

﴿فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ﴾ یہاں بیٹے اور پوتے دونوں کو بیٹا اور اولاد قرار دیا گیا۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ لڑکے کا حصہ دوگنا اس وجہ سے ہے کہ نان ونفقہ اس کے ہی ذمہ ہے۔

﴿فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ، فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ ماں کو وراثت میں کبھی 1/3 ملتا ہے تو کبھی 1/6۔ ماں کو اتنا کم مال ملتا ہے جب کہ سب سے زیادہ اسی سے محبت ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ مال ہی سب کچھ نہیں ہے۔

﴿كَلَالَةً﴾ ''لَيْسَ لِلْمَيِّتِ وَالِدٌ وَلَا وَلَدٌ'' جس میت کا نہ باپ ہو نہ اولاد ہو۔ (نہ اصل ہو نہ فرع ہو) اسے کلالہ کہتے ہیں۔ مرد بھی کلالہ ہوتا ہے اور عورت بھی کلالہ ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۔ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اُس کی حدوں سے نکل جائے گا اُس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اُس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ (۱۴)

حد کو توڑا، قانون کو بدلا: وراثت میں حصہ نہ دے کر اللہ کی حد کو توڑا۔ دوسرے اسے بدل کر اس کی جگہ ایک رسم جہیز کو رائج کر دیا۔

وَالّٰتِیْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

مسلمانو! تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں اُن پر اپنے لوگوں میں سے چار آدمیوں کی شہادت لو۔ اگر وہ (اُن کی بدکاری کی) گواہی دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں بند رکھو

Scanned by CamScanner

یہاں تک کہ موت اُن کا کام تمام کردے یا اللہ اُن کے لیے کوئی اور سبیل (پیدا) کردے۔(۱۵)

ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ پہلی آیت سحاقات (Lesbians) کے بارے میں ہے اور سحاقہ (Lesbian) اس عورت کو کہتے ہیں جو دوسری عورت سے استمتاع کر کے اپنی شہوت پوری کرے ان عورتوں کی یہ سزا بتائی گئی کہ ان کو گھروں میں روک لو۔ مراد یہ ہے کہ ایسی عورتوں کا آپس میں اختلاط نہ ہونے دو۔ بلکہ ان کو اپنے گھروں میں محبوس کردو۔

﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ﴾ تعزیری مقاصد کے لیے جیل کے سسٹم کا جواز معلوم ہوا۔

﴿وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا﴾ یہ آیت قوم لوط کا عمل کرنے والے لوگوں کے بارے میں ہے۔

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آو۔ عورتیں وی آئی پی VIP ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ۔ (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۳۳۱)

چار کے عدد کی حکمت: عورتیں مردوں سے عقل میں نصف اور دین میں بھی نصف ہیں۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ ایک عورت ایک مرد کا چوتھائی ہے۔ ظاہر ہے چار ربع مل کر ایک بنتا ہے۔ معلوم ہوا کہ چار عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں اس لیے شریعت نے ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی۔

ایک عورت کو ایک سے زیادہ مردوں سے نکاح نہ کرنے کی وجہ:

کیونکہ متعدد شوہروں کو خوش رکھنا ناقابل برداشت ہے اور متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد ہوگی وہ کس کی اولاد مانی جائے گی؟

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾

اللہ انہیں لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی سے بُری حرکت کر بیٹھتے ہیں پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں پس ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ مہربانی کرتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔(۱۷)

امام ضحاک رحمہ اللہ علیہ اور امام مجاہد رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ جہالت سے مراد اس جگہ عمداً (جان بوجھ کر گناہ کرنا) ہے۔

﴿يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ﴾ سے مراد غرغرہ ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ''إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ، مَا لَمْ يُغَرْغِرْ'' (سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد: ۴۲۵۳، حسن) اللہ بندے کی توبہ کو قبول کرتا ہے جب تک اسے غرغرہ نہ آجائے۔ غرغرہ یہ ہے کہ میت (مرنے کے قریب) کے منہ میں کوئی پتلی چیز ڈالیں اور وہ اس کو حلق میں ادھر ادھر پھیرے مگر حلقوم کے نیچے نہ اتار سکے۔ جب یہ ہوتا ہے تو روح حلقوم میں پہنچ جاتی ہے۔

Scanned by CamScanner

يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا۔ ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں (تو روکنا نامناسب نہیں) اور اُن کیساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔ (۱۹)

﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا﴾

عرب میں پہلے دستور تھا کہ کوئی بیوی چھوڑ کر مرتا تو اس کا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا اس پر چادر ڈال دیتا کہ میت کے مال کی طرح میں اس کا بھی وارث ہوں۔ اس کے بعد بغیر مہر اس سے خود نکاح کر لیتا یا کسی سے نکاح کر کے مہر خود لے لیتا۔

﴿لَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ عرب میں دستور تھا کہ جب منکوحہ عورت سے جی بھر جاتا اور مہر نہ دیا ہوتا تو نہایت بدخلقی سے پیش آتا تا کہ عورت مجبور ہو کر خلع کا مطالبہ کرے اور مہر واپس کر دے۔ بعض لوگ طلاق دینے کے بعد بھی اس کو روکے رکھتے۔ اور مہر واپس لینے کے لیے اسے دوسری جگہ نکاح نہ کرنے دیتے۔ اگر وجوہ ضروریہ سے مجبور ہو کر بیوی کو چھوڑنا پڑے تو قرآن کہتا ہے کہ مہر واپس نہ لو اگر چہ تم نے خزانہ بھی دیدیا ہے کیونکہ تم اس سے ہمبستر ہوئے ہو۔

﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ اسلام سے پہلے عورت پر ایک اور ظلم یہ ہوتا تھا کہ عورت اگر خاوند کو پسند نہ ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو اس کو طلاق نہ دیتا اور خوب تنگ کرتا تا کہ عورت مجبور ہو کر حق مہر از خود خاوند کو واپس کر کے خلاصی کو ترجیح دے۔ اسلام نے اس کو ظلم قرار دیا۔

﴿فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾

عورت کی ایک عادت ناپسند ہو تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ ہو سکتی ہے۔

بیوی میں کچھ کوتاہیاں ہوں اور آدمی صبر کرے تو اللہ اس میں خیر کثیر پیدا کر دے گا۔ جیسے نیک اولاد عطا کر دے یا کاروبار میں برکت دے دے۔

﴿فَعَسٰۤى﴾ عَسٰۤى میں ایک نحوی نکتہ ہے کہ عَسٰۤى اظہار امید کے لیے آتا ہے مگر اس طرح کے مواقع میں اس میں ایک قسم کا وعدہ مضمر ہوتا ہے۔

﴿فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾

کسی اخلاقی کمزوری یا بدصورتی کی بناء پر عورت شوہر کو پسند نہ ہو تو مناسب نہیں کہ وہ دل برداشتہ ہو کر اسے چھوڑ دے، بلکہ صبر و تحمل سے کام لے، کیونکہ بسا اوقات ایک عورت خوبصورت نہیں ہوتی مگر اس میں بعض دوسری خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جو

Scanned by CamScanner

ازدواجی زندگی میں ''حسن صورت'' سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔

حسن صورت چند روزہ حسنِ سیرت مستقل
اس سے خوش ہوتی ہیں آنکھیں اُس سے خوش ہوتا ہے دل

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

اورتم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کیساتھ صحبت کر چکے ہواور وہ تم سے عہدِ واثق بھی لے چکی ہیں۔(۲۰)

﴿بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ بعض لوگ عورت پر بہتان لگاتے تھے کہ اس کا فلاں سے ناجائز تعلق ہے۔ تاکہ مہر واپس لے لیں۔ ہاں مہر لے سکتے ہیں اگر وہ فاحشہ مبینہ (زنا) کا ارتکاب کرے اور اس پر چار گواہ موجود ہوں۔ عورت کا عام قصور خانہ داری اس میں داخل نہیں۔

﴿قِنْطَارًا﴾ ایک دن خطبہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مہر چار سو درہم سے آگے نہ بڑھایا جائے۔ یہ سن کر ایک قریشی عورت نے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ آپ نے اللہ کا فرمان ﴿قِنْطَارًا﴾ نہیں سنا۔ یہ سن کر فوراً عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکم سے رجوع کیا اور کہا افسوس عمر سے سبھی لوگ زیادہ فقیہ ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ لوگوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مال سے جس قدر چاہیں دیں۔(بعض محققین کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے)ابن کثیر کہتے ہیں اس آیت میں دلیل ہے کہ مال کثیر مہر میں دینا جائز ہے کیونکہ قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو اُن سے نکاح مت کرنا مگر(جاہلیت میں)جو ہو چکا(سو ہو چکا)یہ نہایت بے حیائی اور(اللہ کی)ناخوشی کی بات تھی اور بہت بُرا دستور تھا۔(۲۲)

باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت کی علت: نکاح کی حرمت میں تین الفاظ استعمال کیے گئے۔
(۱)فَاحِشَةً (قبیح عقلی)(۲)مَقْتًا :(قبیح شرعی یعنی عند اللہ قبیح)(۳)سَآءَ سَبِيْلًا (قبیح عرفی)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ

Scanned by CamScanner

لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۚ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو اُن لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں اگر اُن کیساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (اُن کی لڑکیوں کیساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں اور تمہارے صُلبی بیٹوں کی عورتیں بھی اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) بیشک اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہی۔ (۲۳)

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ ...الخ﴾

محرمات کی چار قسمیں:

(۱) مُحَرَّمَاتٌ بِالنَّسَبِ: (سات)

(۲) مُحَرَّمَاتٌ بِالرَّضَاعِ: (سات)

رضاعت کب ثابت ہوگی؟ "خَمْسُ رَضَعَاتٍ فِي الْحَوْلَيْنِ" یعنی دو سال کے دوران پانچ مرتبہ کھینچ کر پینا)

(۳) مُحَرَّمَاتٌ بِالصِّهْرِ: سسرالی رشتے (چار)

(۴) دیگر محرمات جو عورت کسی کے نکاح میں ہو۔

سنت متواترہ سے جو ثابت ہے:

۱- جورو اور اس کی بھتیجی کو جمع کرنا۔

۲- جورو اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنا۔

۳- جورو اور اس کی خالہ کو جمع کرنا۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۵

سورۃ النساء

(آیت: ۲۴ تا ۱۴۷)

مجمع بلقیس للبحوث الاسلامیۃ
حیدرآباد الہند

Scanned by CamScanner

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۗ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو (اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر) تمہارے قبضے میں آ جائیں (یہ حکم) اللہ نے تمہیں لکھ دیا ہے اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں۔ اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے اُن سے نکاح کر لو بشرطیکہ (نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ شہوت رانی۔ تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو اُن کا مہر جو مقرر کیا ہو ادا کر دو اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ (۲۴)

﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ شوہر والی عورتیں بھی حرام کی گئیں۔

بعض جاہل کہتے ہیں کہ مردوں کو جب ایک سے زائد بیویوں کی اجازت ہے تو عورتوں کو ایک سے زائد شوہروں سے نکاح کی اجازت ملنی چاہیے، یہ مطالبہ اس آیت کے خلاف ہے۔

نیز جب کئی مرد ایک عورت کے شوہر بن جائیں تو پیدا ہونے والی اولاد کو ان میں سے کسی ایک کا بیٹا یا بیٹی تجویز کرنے کا کوئی طریقہ نہ رہے گا۔ جب نسب ثابت نہیں ہوگا تو حقوق و فرائض کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ رہا ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعے نسب ثابت کرنے کا معاملہ تو اس میں بڑی پیچیدگیاں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ڈی این اے ٹسٹ غلط ہو یا غلطی سے رپورٹ بدل جائے یا رشوت لے کر ڈاکٹر رپورٹ تبدیل کر دے۔

نکاح میں پانچ چیزیں شرط ہیں:

(۱) ﴿تَبْتَغُوْا﴾ طلب کرو یعنی دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہو۔

(۲) ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ مہر ادا کرو۔ كُمْ کی ضمیر مذکر کے لیے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مال مرد خرچ کرے گا اس سے جہیز کا رد ہو گیا۔

(۳) ﴿مُّحْصِنِيْنَ﴾ کی قید سے معلوم ہوا کہ شادی سے عورت کو دائمی قبضے میں لانا مقصود ہو صرف شہوت رانی غرض نہ ہو۔
﴿مُسٰفِحِيْنَ﴾ کی قید سے متعہ کا رد ہو گیا جو شیعوں کے یہاں رائج ہے یعنی جنسی خواہش کی تسکین کے لیے چند دنوں کے لیے نکاح کرنا۔ اس سے مروجہ حلالہ کا بھی رد ہو گیا کیونکہ اس کا مقصد بھی عورت کو دائمی قید میں لانا نہیں ہوتا۔

(۴) **گواہ:** کیونکہ شہوت رانی آدمی چوری چھپے کرتا ہے۔ شادی گواہوں کی موجودگی میں ہو، یہ ﴿وَلَا مُتَّخِذٰتِ

﴿ أَخْدَانٍ ﴾ کے ٹکڑے سے ثابت ہے کہ چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں نہ ہوں، بلکہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو، جس سے بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ بنانے کی حرمت بھی ثابت ہوگئی۔

﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ ''مُحْصَنَۃٌ'' کا مطلب ہے نکاح کے قلعے میں مقید اور جب تک مالک دروازہ نہ کھولے اس وقت تک قلعے سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ اس کا مطلب نکاح کے بعد طلاق کا حق صرف مرد کو ہے۔

(۵) **ولایت:** عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ) ''ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَالْمَهْرُ لَهَا بِمَا أَصَابَ مِنْهَا، فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ'' (سنن ابی ابوداود، کتاب النکاح: ۲۰۸۳ صحیح) بغیر ولی عورت کا نکاح باطل ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعًا) کمزور پیدا ہوا ہے۔ (۲۸)

﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴾ انسان خاص طور سے شہوت کے معاملے میں بہت ہی کمزور واقع ہوا ہے جنسی خواہش جب ابل پڑتی ہے تو انسان اسے کنٹرول نہیں کر پاتا ہے اور شہوات کے سب سے زیادہ متبع یہودی ہیں۔ لہٰذا اللہ نے ایسی شریعت نازل فرمائی جس میں انسان کی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر قوانین بنائے گئے ہیں۔

محرمات کی تفصیل بتائی کہ ان سے اور شہوت سے بچو۔ پھر ﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ سے بتایا کہ شہوت پوری کرنے کے یہ طبعی محل ہیں اور پھر نکاح کے شرائط بیان کیے کہ ان میں بھی بے اعتدالی کی وجہ سے زنا کو فروغ ملتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔ (۲۹)

ناحق مال خوری اور خودکشی کی ممانعت:

﴿ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ تمام ناجائز طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے مثلاً رشوت ستانی، جوا، ملاوٹ، فریب، چوری، ڈاکہ۔

باطل: لین دین آپس کی رضامندی سے نہ ہو۔ رشوت وسود میں بظاہر رضامندی ہوتی ہے مگر فی الواقع وہ رضامندی مجبورانہ ہوتی ہے۔ ﴿ عَنْ تَرَاضٍ ﴾ کی قید سے یہ بات واضح ہے۔

Scanned by CamScanner

باہمی بدمزگی، بدگمانی یا طمع فاسد سے شوہر بیوی کو قتل کر دے یا جلا دے یا بیوی شوہر کا مال لینے کے لیے یا کسی اور شخص سے نکاح کرنے کے لیے شوہر کو زہر دے دے ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ﴾ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ﴾ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ خودکشی نہ کرو۔

إِن تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾

اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب کرو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کریں گے۔ (۳۱)

گناہ کبیرہ:

﴿إِن تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ کبائر پر توبہ نہیں کرتا تو صغائر کے سلسلے میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی بلکہ ہر گناہ پر حساب لیا جائے گا اور سزا دی جائے گی۔

گناہ کبیرہ کی تعریف:

(۱) شریعت میں کوئی حد ہو۔ (سزا)

(۲) یا جہنم کی وعید ہو۔

(۳) لعنت کے الفاظ وارد ہوئے ہوں۔

ترک کبائر سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹے گناہ بیباکی سے کیے جائیں۔ صغائر، چنگاری ہیں اور کبائر، انگارے۔ صغیرہ میں بھی اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِن فَضْلِهِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٣٢﴾

اور جس چیز میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اُس کی ہوس مت کرو۔ مردوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کیے اور عورتوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کیے اور اللہ سے اُس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۳۲)

انسان جب کسی کو صاحب مال دیکھتا ہے تو خود کو کم مایہ سمجھ کر اس کے دل میں حسد اور لالچ کا شعلہ بھڑکتا ہے جو اس کو قتل کرنے یا دوسروں کا مال ہڑپ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ انسان کسی کو مال، تندرستی اور اولاد میں اپنے سے فائق دیکھتا ہے تو اس

کے دل میں دو باتیں پیدا ہوتی ہیں نعمت کا زوال، یہ حسد ہے، یا زوال نہیں چاہتا بلکہ وہ نعمت اپنے لیے بھی چاہتا ہے یہ غبطہ (رشک) ہے، حسد ناجائز اور غبطہ جائز ہے۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ ہر مرد و عورت کی تقدیر میں جو ہے ان کو وہی ملتا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾

مرد عورتوں پر حاکم و مسلط ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں، تو جو نیک بیویاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور اُن کے پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبر داری کرتی ہیں اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) اُن کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر اُن کیساتھ سونا ترک کردو۔ اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر اُن کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بیشک اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔ (۳۴)

﴿قَوَّامُ﴾ سربراہ یعنی Sustainer یا Provider کو کہتے ہیں، مرد اور عورت دونوں حقوق میں مماثل ہیں لیکن ایک چیز میں مردوں کو امتیاز حاصل ہے کہ وہ حاکم ہیں مگر مرد کا افضل ہونا عورت کی اہمیت کو کم نہیں کرتا مثلاً انسان کا سر اس کے ہاتھ سے افضل ہے مگر سر کا ہاتھ سے افضل ہونا ہاتھ کی اہمیت کو نہیں گھٹاتا، اسی طرح مرد کا حاکم ہونا عورت کے درجے کو نہیں گھٹاتا کیونکہ وہ ایک دوسرے کے لیے اعضاء بدن کے مثل ہیں مرد، سر ہے تو عورت بدن ہے ﴿بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ کے الفاظ اختیار کرنے میں یہی اشارہ ہے۔ مرد کی عورت پر یہ فضیلت دنیوی ہے آخرت میں بیوی خاوند سے افضل ہو سکتی ہے۔

قوام کا مطلب ہے کسی ادارے یا نظام کو صحیح طریقے سے چلانے والا۔ یہاں فضیلت سے مراد کرامت و شرف نہیں بلکہ اس معنی میں ہے کہ مرد کو طبعاً ایسی قوتیں عطا کی گئی ہیں۔ عورت کی اطاعت کو ذلت کے معنی میں لینا صحیح نہیں۔

گھر کے تین عناصر ہیں:

(۱) شوہر (۲) بیوی (۳) بچے

بیوی کو شوہر کی اطاعت کا حکم دیا گیا اور بچوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ ماں باپ کی اطاعت کریں تو اس کا یہ مطلب کیسے ہوا کہ بیوی بچے گھر کی ذلیل ہستیاں ہیں۔

Scanned by CamScanner

اللہ نے مرد کو عورت پر دو قسم کی فضیلت دی ہے ایک ذاتی (وھبی) کہ وہ قوی ہے اور عورت فطری طور پر کمزور ہے اور ناتواں کو توانا پر حکومت کا حق نہیں۔

دوسرا عرضی (کسبی) مرد، عورت کے اوپر مال خرچ کرتا ہے اور اسے نان ونفقہ اور سکنیٰ مہیا کرتا ہے اور اس کی راحت رسانی کا خیال رکھتا ہے۔

اس میں عورت کی کسر شان نہیں بلکہ ہر اجتماعی نظام کے لیے عقلاً ایک سربراہ ضروری ہوتا ہے جیسے فوجی نظام میں کمانڈر، اسی طرح عائلی نظام میں ایک سربراہ کی ضرورت ہے اور مرد میں چوں کہ علمی اور عملی قوت عورت کے مقابلے میں زیادہ ہے لہٰذا مرد ہی سربراہی کا حق رکھتا ہے۔

﴿بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ عورت مرد کا جزو ہے۔ اب انسان کا سر ہاتھ سے افضل ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ کی اہمیت گھٹ گئی۔

دونوں کے حقوق متماثل ہیں۔ مرد کو سربراہ تو بنایا مگر عورت کو پیکر محبوبیت اور نزاکت بنا دیا۔

﴿قٰنِتٰتٌ﴾ مُطِيْعَاتٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى (اللہ کی اطاعت کرنے والیاں)

﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (۳۴)﴾

نیک عورتیں مردوں کی اطاعت شعار ہوتی ہیں اور اس کے گھر اور مال اور اپنی عزت کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں۔

عورت کی نافرمانی کی صورت میں شرعی احکامات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ سب سے پہلے نصیحت کا نمبر ہے۔

(۲) ﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ﴾ ساتھ نہ سلائے۔

(۳) ﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ تیسرے نمبر پر جسمانی سزا کا اختیار ہے مگر اس حد تک جس حد تک ایک معلم اپنے زیر تربیت شاگرد کو دیتا ہے۔

عورت کی دو حالتیں ہیں:

(۱) مرد حاضر ہو۔

(۲) مرد غائب ہو۔

پہلی حالت میں قنوت (اطاعت) کرے شوہر جو حکم دے اس کو بجالائے بشرطیکہ اس میں اللہ کی معصیت نہ ہو۔ دوسری حالت میں عورت اپنی عصمت اور اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔

﴿نُشُوْزَهُنَّ﴾ نشوز کا معنی ہے ارتفع (سر اٹھانا)۔ یعنی نافرمانی مراد ہے۔

مرد، عورت کی طرف سے سرتابی دیکھے تو پہلے اصلاح کی کوشش کرے۔ اصلاح کا عمل سمجھانے بجھانے سے شروع ہوتا

Scanned by CamScanner

ہے۔ پھر دباؤ ڈالنے کے لیے ترک کلام، ترک تعلق اور آخر میں ہلکی سزا سے کام لے۔ اب دونوں کا ذہن ایک دوسرے سے متاثر ہوجاتا ہے تو حکم بنائیں اس وقت یہ غیر متاثر ذہن سے سوچے گا۔

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾

اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ میاں بیوی میں اَن بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ اُن میں موافقت پیدا کردے گا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے خبردار ہے۔(۳۵)

﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا﴾ تین درجے (Steps) ایک ہی آیت میں ہیں۔ اور جہاں حکم بنانے کی بات آئی اس کے لیے الگ سے آیت لائی گئی۔ گویا اس میں تعلیم ہے کہ بیڈروم یعنی گھر کی بات گھر ہی میں رہے۔

﴿حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ﴾ جج و قاضی مسلمان ہو یا پنچ اسی کے خاندان کے ہوں یہ اس وجہ سے کہ دونوں پنچوں کو فریقین کے حال سے بخوبی واقفیت ہوتی ہے۔

﴿اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا﴾

اصلاح: عورتیں لباس ہیں، لباس فٹ نہ ہو تو پھاڑ کر پھینک نہیں دیتے اسے درست کر کے پہننے کے قابل بنا لیتے ہیں۔ اسی کا نام اصلاح ہے۔

حکمت الٰہیہ کا دستور: پہلے قبائح کو بتانا پھر اس کی اصلاح کی تدبیریں بتانا جیسے طبیب جب تک امراض مہلکہ کو مریض سے بیان نہیں کرتا جس سے مریض موت سے ڈر جائے تب تک تلخ دوا نہیں پیتا لہٰذا مرض بتا کر علاج بتایا۔

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ﴿۳۶﴾

اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کیساتھ احسان کرو کہ اللہ تعالیٰ (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔(۳۶)

Scanned by CamScanner

اس آیت کریمہ میں دس احکام دیئے گئے ہیں:

﴿ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ﴾ سے مراد رفیق سفر، خدمت گار، شریک کار اور بیوی۔ اسی طرح کارخانوں اور ملوں کے ملازم سب صاحب بالجنب کی تعریف میں آجاتے ہیں۔

الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًاۚ﴿۳۷﴾

جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو (مال) اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کے رکھیں اور ہم نے ناشکروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۳۷)

﴿ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ ﴾

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ: البُخْلُ وَسُوءُ الخُلُقِ" (سنن ترمذی، ابواب البر والصلة: ۱۹۶۲، ضعیف) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں روایت ہے کہ دو خصلتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں ایک بخل، دوسرے بدخلقی۔

بخل: (۱) اپنے بال بچوں پر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ نہ کرے۔

(۲) نیکی کے کاموں میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکلے، غرور اور بخل یہ دونوں عادتیں اللہ کو سخت ناپسند ہیں یہ ناپسندیدگی عام ہے۔ کسی خاص قوم و مذہب کے پیروکاروں کے لیے نہیں بلکہ ایک کلمہ گو، حاجی و نمازی وغیرہ ہوکر بھی مغرور و کنجوس ہوسکتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ فرمائی گئی کہ ایک شخص خوشحال ہوکر بھی کہتا ہے کہ وہ خوشحال نہیں، تجارت میں خوب فائدہ ہورہا ہے لیکن اس بات کو چھپاتا ہے اور کہتا ہے اسے کوئی خاص نفع نہیں ہورہا ہے، یہ ناشکری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا﴿۴۰﴾

اللہ کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا۔ اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اُس کو دو چند کردے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔ (۴۰)

﴿ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ یہاں تک بحذف النون ہے یہ تنبیہ ہے اس بات پر کہ نیکی یا بدی مقدار میں کتنی ہی چھوٹی اور حقیر کیوں نہ ہو اللہ اس کو بھی لے آئے گا۔

یَوْمَىٕذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُؕ وَلَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا۠﴿۴۲﴾

اُس روز کافر اور پیغمبر کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش اُن کو زمین میں مدفون کرکے مٹی برابر کر

Scanned by CamScanner

دی جاتی اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔ (۴۲)

قیامت کے دن کافرین یہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں زمین نگل جاتی یا وہ مٹی ہو جاتے اور معدوم ہو جاتے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳

مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو نماز کے پاس نہ جاؤ اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کہ غسل (نہ) کرلو ہاں اگر بحالتِ سفر رستے چلے جا رہے ہو (اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہمبستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم) کرلو بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہی۔ (۴۳)

﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ ظاہراً حالت نشہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے مگر رمزاً نشہ کی بھی برائی بیان کردی گئی ہے کہ نشہ اتنی ناپاک چیز ہے کہ اس کو پی کر دربار الٰہی میں حاضر نہ ہو، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حالت نشہ میں مسجد میں بھی جانے کی ممانعت ہے۔

﴿وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ نماز ایک ایسی عبادت ہے جو فہم وشعور سے ادا کی جائے، آدمی کی بے حسی اس نوبت تک پہونچ جائے کہ حق وناحق کی تمیز نہ رہے "لعنت" ہے۔

﴿فَتَيَمَّمُوْا﴾ تیمم چار شخصوں کے لیے ہے:

(۱) بیمار کہ پانی سے ہلاک ہو جائے گا یا مرض بڑھ جائے گا۔ (۲) سفر میں پانی نہ ملے تو تیمم کرلے۔

(۳) یا پیشاب و پاخانہ کے بعد پانی نہ ملے۔

(۴) جماع کرنے والے کے لیے جب اسے پانی نہ ملے۔

تیمم کا طریقہ: (نیت)

(۱) دونوں ہتھیلیوں کو ایک بار مٹی پر مارے۔ (۲) منہ کے قریب کرے پھونک مار کر زائد مٹی اُڑا دے۔

(۳) پھر دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے۔ (۴) پھر دونوں ہتھیلیوں پر پھیرے۔

Scanned by CamScanner

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

بھلا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا تھا کہ وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی رستے سے بھٹک جاؤ۔ (۴۴)

تیمم کے مسئلے کے بعد یہودیوں کا تذکرہ اس لیے ہے کہ وہ اس کا تمسخر کرتے تھے کہ پانی سے نجاست دور ہونا تو معقول امر ہے بھلا خاک پر ہاتھ مار کر ہاتھ منہ پر پھیرنے سے کیا ہوتا ہے۔

سورۂ نساء میں ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ﴾ اور سورۂ مائدہ میں ﴿مِنْهُ﴾ بڑھا دیا گیا کیونکہ سورۂ نساء میں وضو اور تیمم کے بعض احکام ہیں لہٰذا ﴿مِنْهُ﴾ کا حذف بہتر تھا اور مائدہ میں تمام احکام ذکر کئے گئے لہٰذا وہاں ﴿مِنْهُ﴾ کا اضافہ خوبصورت تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کردے اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا اُس نے بڑا بہتان باندھا۔ (۴۸)

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ﴾

شرک کی چند صورتیں:

(۱) اِشْرَاكٌ فِي الْعِلْمِ (علم میں شریک ٹھہرانا) یعنی کسی بزرگ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہمارے احوال سے باخبر ہے۔

(۲) اِشْرَاكٌ فِي التَّصَرُّفِ: کسی کو نفع یا نقصان کا مختار سمجھنا اور اس سے مرادیں مانگنا۔

(۳) اِشْرَاكٌ فِي الْعِبَادَةِ: کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، طواف کرنا۔

(۴) اِشْرَاكٌ فِي الْعَادَةِ: جیسے بچے کا نام حسین بخش، علی بخش، غلام رسول، عبدالرسول وغیرہ رکھنا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں (نہیں) بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے اور اُن پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ (۴۹)

ہم پیغمبر کی اولاد- پولوس کا قول کہ عیسیٰ علیہ السلام نے سب کے گناہ لے لیے، جیسے برہمن کا اپنے آپ کو جنتی اور مقدس سمجھنا۔ ان کا رد کیا خواہ مخواہ پاکیزگی کا دعویٰ کرتے ہو پاکیزہ تو وہی ہے جسے اللہ پرہیزگاری کی توفیق دے۔

Scanned by CamScanner

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾

بھلا آپ ﷺ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے رستے پر ہیں۔(۵۱)

﴿جبتٌ﴾ کے اصل معنی بے فائدہ چیز کے ہیں یہاں مراد، اوہام، جادو، ٹونے ٹوٹکے، فالگیری اور بدشگونی نیز اس کا اطلاق ساحر اور باباؤں پر بھی ہوتا ہے۔

﴿يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ﴾ وَقَالَ عُمَرُ: الجِبْتُ: السِّحْرُ، وَالطَّاغُوتُ: الشَّيْطَانُ وَقَالَ عِكْرِمَةُ: "الجِبْتُ: بِلِسَانِ الحَبَشَةِ شَيْطَانٌ، وَالطَّاغُوتُ: الكَاهِنُ" (صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورۃ النساء)

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جبت سے مراد جادو ہے اور طاغوت شیطان ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ حبشہ کی زبان میں جبت شیطان کو کہتے ہیں اور طاغوت کاہن کو کہتے ہیں۔ "قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ جَرِيرٍ وَأَبُو الْعَالِيَةِ اَلْجِبْتُ اَلسَّاحِرُ" (قرطبی) ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن جریر اور ابو العالیہ رحمہا اللہ نے کہا کہ جبت کا معنی جادوگر ہے، طاغوت سے یہاں مراد وہ مذہبی پیشوا ہیں جو فاسد عقائد کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اس آیت میں طاغوت کا لفظ کتاب وسنت کے مقابل میں استعمال ہوا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے تو تم اُس کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔(۵۲)

﴿وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا﴾

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: (لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ) (سنن ابی داود، کتاب اللباس: ۴۰۹۸، صحیح)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی پر لعنت کی ہے جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مرد کا لباس پہنے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کو ہم جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہیں اور

اُن کو ہم گھنے سائے میں داخل کریں گے۔(۵۷)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْهُ رِيحاً، وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا" (صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر :۲۷۹۶)

عَنْ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ إِنَّ فِي الجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لاَ يَقْطَعُهَا (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق:۳۲۵۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر ایک سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے تو وہ سایہ ختم نہ ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

مومنو! اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں اُن کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہی۔(۵۹)

﴿وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ "اُولِي الْأَمْرِ" سے مراد اہل حل وعقد، امامت کے مشیران سیاسی (وزراء) ارباب بست وکشاد مراد ہیں یا اولوالامر وہ منظم جماعت ہے جو امت کے حلقہ میں نیابتی طور پر قانون حکومت کو نافذ کرتی ہے۔

حکومت کی تعریف:

حکومت ایک فعل ہے جس کا سرچشمہ حکم ہے۔ علامہ زمخشری رحمہ اللہ حکم کے معنی حکومت کرتے ہیں۔ (کشاف جلد ۱، ص ۲۶۷)

علامہ ابوالبقاء حنفی رحمہ اللہ حکم کی تعبیر کے لیے لغت سے امداد لے کر یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ حکم ایک تصرف ہے جس کا مطمح نظر دو پہلو سے سامنے آتا ہے، ایک یہ کہ انسان کو ایسا کرنا چاہئے اور دوسرا یہ کہ انسان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، حکومت کے نصب العین کو خواہ کتنا ہی وسیع کیا جائے وہ امر ونہی کے دائرہ سے باہر نہیں جائے گا۔ (کلیات العلوم ابوالبقا الحسینی الحنفی) نعمت سے مراد حکومت ہے۔ (روح المعانی)

جس طرح کائنات کے لیے اللہ کا پیغام (نبوت) نعمت عظمیٰ ہے۔ اسی طرح اس پیغام کے ماتحت جو حکومت قائم ہوتی ہے وہ بھی اللہ کی بے مثال نعمت ہے، قرآن میں مسلمانوں سے کہا گیا ﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ (سورۂ مائدہ:۳)

Scanned by CamScanner

کہ ہم نے تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے، اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مسلمانوں کو فتح دی گئی، حکومت دی گئی اور جاہلیت کے منار کو منہدم کرنے کا موقع دیا گیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِـيْمًا ﴿۶۴﴾

اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔ اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے، اگر آپ کے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ان کیلیے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے۔ (۶۴)

﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ﴾ رسول کے پاس آنا رسول کی زندگی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ سیاق بتا رہا ہے کہ رسول کا ان کے لیے مغفرت طلب کرنا حیات ہی میں ہوسکتا ہے، رہا آپ کی موت کے بعد تو آپ سے کچھ نہیں مانگا جاسکتا، یہ شرک ہے۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَـيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْھُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

(اے جہاد سے ڈرنے والو!) تم کہیں بھی رہو موت تو تمہیں آ کر رہے گی خواہ بڑے بڑے محلوں میں رہو اور اُن لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ سے) کہتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے (ہمیں پہنچی) ہے، کہہ دو کہ (رنج وراحت) سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟ (۷۸) (اے آدم زاد!) تمہیں جو فائدہ پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامتِ اعمال کی) وجہ سے ہے اور (اے محمد!) ہم نے آپ کو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور (اس بات کا) اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ (۷۹)

دونوں آیتوں میں سے ایک میں اجمال دوسری میں تفصیل ہے اور تفصیل بعد الاجمال کو تعارض نہیں کرتے۔ پہلی آیت میں بتایا گیا: خوشحالی وبدحالی کا خلق وایجاد سب اللہ کی طرف سے ہے۔ البتہ خوشحالی تو اللہ بلا واسطہ، محض اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے اور بدحالی بواسطۂ معاصی بندوں پر نازل کرتا ہے، بالواسطہ یا بلا واسطہ کی تفصیل اس آیت میں نہیں بیان کی گئی بلکہ

Scanned by CamScanner

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کہہ کر اجمالاً بیان کیا پھر ایک لمحے میں اس کی تفصیل بیان فرمادی ﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ جو بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ﴿وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ اور جو بدحالی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہے یعنی تمہارے گناہوں کے واسطے سے تم پر آتی ہے۔

سوء اتفاق، حسن اتفاق یہ الفاظ نیچریوں کے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: "يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَقُولُ: يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ فَلَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ فَإِنِّي أَنَا الدَّهْرُ، أُقَلِّبُ لَيْلَهُ وَنَهَارَهُ، فَإِذَا شِئْتُ قَبَضْتُهُمَا" (صحیح مسلم، کتاب الالفاظ: ۶۲۴۶)

زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے ہائے زمانے کی بربادی۔ ہمارے ساتھ اس نے ایسا ایسا کیا۔

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾

اور جب تم کو کوئی دعا دے تو (جواب میں) تم اُس سے بہتر (کلمے) سے (اُسے) دعا دو یا انہیں لفظوں سے دعا دو بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (۸۶)

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا: وَعَلَيْكُمْ" (بخاری: ۵۸۱۵)

یہودیوں وغیرہ کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے، وہ سلام کریں تو ﴿وَعَلَيْكُمْ﴾ ہی کہا جائے۔

﴿فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا﴾ اس کے سلام کا اس سے بہتر جواب دو، اور اگر وہ تم سے مسکرا کر سلام کرے تو اس کو مسکرا کر جواب دو اور جو نہ مسکرائے تو اس کے لیے مسکراؤ تاکہ تم اس سے اچھے ہو جاؤ۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ مومن کو مار ڈالے مگر بھول کر اور جو بھول کر بھی مومن کو مار ڈالے تو (ایک تو) ایک مسلمان غلام آزاد کردے اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے ہاں

Scanned by CamScanner

اگر وہ معاف کردیں (تو اُن کو اختیار ہے) اگر مقتول تمہارے دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مومن ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثانِ مقتول کو خون بہا دینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ (سب کچھ) جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔ (۹۲)

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا﴾ قتل خطا میں ماضی کا صیغہ اور قتل عمد میں مضارع کا صیغہ استعمال کرنے کی حکمت: قتل میں صیغہ ماضی کا ذکر عدم تکرار کی دلیل ہے اور مضارع تکرار پر دلالت کرتا ہے اور یہ کثیر ہے، یعنی قتلِ خطا کم اور قتلِ عمد بہت زیادہ ہے۔

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾

جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے (اور لڑنے سے جی چراتے) ہیں اور کوئی عذر نہیں رکھتے وہ اور جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے اور (گو) نیک وعدہ سب سے ہے لیکن اجرِ عظیم کے لحاظ سے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر کہیں فضیلت بخشی ہے۔ (۹۵)

﴿لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ عقیدہ وعمل کے اعتبار سے مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو شریعت پر چلتے ہوئے زندگی گذارتے ہیں دوسرے وہ جو شریعت پر چلتے ہوئے دوسروں کو بھی شریعت پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے تکلیف اٹھاتے ہیں، دوسرے کو اللہ ناپ کر نہیں دے گا۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾

اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تمہیں خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں ایذا دیں گے بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ (۱۰۱)

Scanned by CamScanner

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ سفر کسے کہتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کوئی عورت ایک رات محرم کے بغیر سفر نہ کرے گویا اتنی مسافت جہاں سے پیدل آدمی رات کو واپس اپنے گھر نہ آسکے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک عورت کے سفر پر محمول کرتے ہوئے اس دور کے ۹ میل کو سفر قرار دیا تھا جو آج کے پیمانے کے لحاظ سے ساڑھے چوبیس (24.5) کلومیٹر بنتا ہے۔ اسی طرح سفر میں قیام کی نیت کسی مقام پر چار دن سے زیادہ نہ ہو۔

عَنْ يَحْيَى بْنِ يَزِيدَ الْهُنَائِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، عَنْ قَصْرِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ أَنَسٌ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ، أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ - شَكَّ شُعْبَةُ - يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ" (سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ:۱۲۰۱، صحیح)

عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ، فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي، فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ" وَبَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهِ (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ:۵۵۰)

عوالی مدینہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں نماز کے لیے آیا کرتے تھے مگر کہیں ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ تم مسافر ہو اس لیے تین فرسخ ہی راجح ہے جو ساڑھے چوبیس (24.5) کلومیٹر کے برابر ہے۔ مدت اقامت ہے تو قصر کرے گا دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر مکہ میں ۲ وقت کی نمازیں پڑھیں تو قصر کیا۔

(۱) سفر میں کہیں چار دن تک ٹھہرنے کا ارادہ ہے تو پوری نماز پڑھے گا اور اگر چار دن سے کم کہیں ٹھہرنے کا ارادہ ہے تو قصر کرے گا۔ (ابن عثیمین رحمہ اللہ اور دکتور فضل الرحمٰن المدنی وغیرہ)

(۲) دو گھر ہیں دونوں جگہ نماز پوری پڑھے گا۔ بعض محققین مندرجہ ذیل تفصیل کرتے ہیں: اقامت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اقامت مطلقہ (۲) اقامت مقیدہ

اقامت مطلقہ: آپ نے مستقل کہیں رہنے کا ارادہ کیا ہے تو قصر نہیں ہوگا۔ مثلاً: اس شہر میں جب تک میری پڑھائی چل رہی ہے یا تجارت چل رہی ہے میں یہیں رہوں گا۔

اقامت مقیدہ: مثال کے طور پر پندرہ دن یا ایک مہینے وغیرہ کے لیے کہیں گیا اور اپنا کام پورا کر کے اسے واپس آنا ہے۔ یہ قصر کرے گا اور فاصلہ سفر، اسے کہیں گے جسے لوگ عرف میں سفر کہتے ہیں۔

سفر میں قصر کے مسئلہ کی مزید تشریح:

سفر میں کتنی مسافت پر قصر ہے اور کتنے دنوں تک قصر کی اجازت ہے، اس سلسلے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔ ان اقوال میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے جو قول اختیار کیا ہے دلائل کی رو سے وہی سب سے مضبوط نظر آتا ہے۔ کتنی مسافت پر قصر کیا جائے اس سلسلے میں شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"المسافة التي تقصر فيها الصلاة حددها بعض العلماء بنحو ثلاثة وثمانين كيلو مترا، وحددها بعض العلماء بما جرى به العرف أنه سفر وإن لم يبلغ ثمانين كيلو مترا، وما قال الناس عنه: إنه ليس

بسفر، فليس بسفر ولو بلغ مائة كيلو متر. وهذا الأخير هو اختيار شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله، وذلك لأن الله تعالى لم يحدد مسافة معينة لجواز القصر وكذلك النبي صلى الله عليه وسلم لم يحدد مسافة معينة. وقال أنس بن مالك رضي الله عنه: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ. رواه مسلم. وقول شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله تعالى أقرب إلى الصواب" (الشرح الممتع)

"ولا حرج عند اختلاف العرف فيه أن يأخذ الإنسان بالقول بالتحديد؛ لأنه قال به بعض الأئمة والعلماء المجتهدين، فلا بأس به إن شاء الله تعالى، أما مادام الأمر منضبطا فالرجوع إلى العرف هو الصواب"

جس مسافت پر نماز میں قصر کیا جائے اس کی حد بعض علماء نے تقریباً 83 کلومیٹر بتائی ہے اور بعض علماء نے اس کی حد یہ بتائی ہے کہ جس کو عرف میں سفر کہا جاتا ہو اگر چہ وہ 80 کلومیٹر کو نہ پہنچے اور جس کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہوں کہ وہ سفر نہیں ہے تو وہ سفر نہیں ہے، اگر چہ وہ 100 کلومیٹر کو پہنچ جائے، اسی قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قصر کے جواز کے لیے کوئی متعین حد نہیں طے کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کوئی متعین مسافت نہیں بتائی ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسخ کے سفر پہ نکلتے تو (چار رکعت والی نماز) دو رکعت پڑھتے۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد:۶۹۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہی صحت سے قریب تر ہے اور جب عرف کے سلسلے میں اختلاف ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان تحدید والا کوئی ایک قول اختیار کرلے۔ اس لیے کہ بعض ائمہ اور علماء مجتہدین اس کے بھی قائل ہیں تو ان شاء اللہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن جب اس معاملہ میں عرف میں کوئی ضابطہ موجود ہو تو عرف ہی کی طرف رجوع کرنا صحیح ہے۔ رہا یہ سوال کہ انسان سفر میں کب تک قصر کرے گا تو اس سلسلے میں بھی شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ علیہ کا قول ہی زیادہ مضبوط نظر آتا ہے، شیخ فرماتے ہیں:

"ولكن إذا رجعنا إلى ما يقتضيه ظاهر الكتاب والسنّة وجدنا أن القول الذي اختاره شيخ الإسلام رحمه الله هو القول الصحيح، وهو أن المسافر مسافر، سواء نوى إقامة أكثر من أربعة أيام أو دونها"

"وذلك لعموم الأدلة الدالة على ثبوت رخص السفر للمسافر بدون تحديد، ولم يحدد الله في كتابه ولا رسوله صلّى الله عليه وسلّم المدة التي ينقطع بها حكم السفر" (حوالہ سابق)

جب ہم ظاہر کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم یہ پاتے ہیں کہ جس قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے وہی صحیح ہے اور وہ قول یہ ہے کہ مسافر، مسافر ہے۔ خواہ اس نے چار دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کی ہو یا اس سے کم کا ارادہ کیا ہو، اس لیے کہ مسافر کے لیے سفر کی رخصتوں کو ثابت کرنے والے دلائل عام ہیں، ان میں کوئی تحدید نہیں ہے، نہ اللہ نے اپنی کتاب میں کوئی حد بتائی ہے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی مدت بتائی ہے جس کے بعد سفر کا حکم منقطع ہو جائے۔

Scanned by CamScanner

آگے شیخ فرماتے ہیں:

فنقول: إن القول الراجح ما ذهب إليه شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله من أن المسافر مسافر ما لم ينوِ واحداً من أمرين: (۱) الإقامة المطلقة (۲) أو الاستيطان

والفرق: أن المستوطن نوى أن يتخذ هذا البلد وطناً، والإقامة المطلقة أنه يأتي لهذا البلد ويرى أن الحركة فيه كبيرة، أو طلب العلم فيه قوي فينوي الإقامة مطلقاً بدون أن يقيدها بزمن أو بعمل، لكن نيته أنه مقيم لأن البلد أعجبه إما بكثرة العلم وإما بقوة التجارة أو لأنه إنسان موظف تابع للحكومة وضعته كالسفراء مثلاً، فالأصل في هذا عدم السفر؛ لأنه نوى الإقامة فنقول: ينقطع حكم السفر في حقه.

أما من قيد الإقامة بعمل ينتهي أو بزمن ينتهي فهذا مسافر، ولا تتخلف أحكام السفر عنه.

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ راجح قول وہی ہے جسے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ مسافر، مسافر ہے جب تک دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی نیت نہ کرے۔ (۱) اقامت مطلقہ (۲) کسی جگہ کو اپنا وطن بنانا

دونوں میں فرق یہ ہے کہ وطن بنانے والے کی نیت ہوتی ہے کہ وہ اس شہر کو اپنا وطن بنالے گا۔ اقامت مطلقہ یہ ہے کہ آدمی کسی شہر میں جائے اور دیکھے کہ وہاں کام دھندے کے مواقع زیادہ ہیں یا وہاں طلب علم زیادہ بہتر ہے یا وہاں ایسی نوکری پر ہے جو حکومت کے تابع ہے۔ تو اس میں اصل یہ ہے کہ یہ سفر نہیں ہے، کیونکہ اس نے اقامت کی نیت کر لی ہے، تو ہم کہیں گے اس کے حق میں سفر کا حکم منقطع ہو گیا ہے۔ رہی کسی ایسے کام پر اقامت جو ختم ہو جائے گا تو یہ مسافر ہے۔

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ اور ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ میں فرق:

اس میں ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ جملہ اسمیہ ہے اور ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ جملہ فعلیہ ہے اور جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ سے اقویٰ ہوتا ہے کیونکہ جملہ اسمیہ ثبوت اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور اسم کے ساتھ موصوف ہونا فعل کے ساتھ موصوف ہونے سے زیادہ قوی اور دائمی ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

اور جو شخص کوئی بُرا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا۔ (۱۱۰)

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا﴾ سوء ایسی بری بات کو کہتے ہیں جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔

﴿يَظْلِمْ نَفْسَهٗ﴾ ظلم وہ گناہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ خاص ہو۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾

اور جو شخص کوئی قصور یا گناہ تو خود کرے لیکن اس سے کسی بے گناہ کو متہم کرے تو اس نے بہتان اور

Scanned by CamScanner

صریح گناہ کا بوجھا اپنے سر پر رکھا۔(۱۱۲)

﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً﴾ ایک شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے لیکن اس گناہ کو چھپاتا ہے، دوسرا شخص کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا اعتراف کر لیتا ہے تیسرا شخص جو گناہ خود کرتا ہے لیکن مواخذے سے بچنے کے لیے وہ کسی بے قصور شخص پر الزام لگا دیتا ہے، اس میں دو گناہ شامل ہو گئے۔ ایک وہ گناہ جو اس نے خود کیا تھا دوسرا اس گناہ کا الزام جو اس نے ایک بے گناہ پر لگایا چنانچہ یہ گناہ مرکب، میں بدل جاتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا﴾ ﴿خَطِيْٓئَةً﴾ اور ﴿اِثْمًا﴾ کے درمیان فرق یہ ہے کہ ''خَطِيْٓئَةً'' کبھی عمداً ہوتا ہے اور کبھی بغیر عمد ہوتا ہے اور ''اِثْمٌ'' عمداً ہی ہوتا ہے اس لیے اللہ نے دونوں کو الگ الگ بیان کیا یعنی جو بغیر عمد (غلطی سے) خطا کرے گا یا عمداً (جان بوجھ کر) خطا کرے گا۔

﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً﴾ خَطَأٌ اور خِطْأٌ میں فرق:

خَطَأٌ: میں دیدہ و دانستہ اور نادانستہ دونوں گناہ شامل ہیں۔

خِطْأٌ: وہ گناہ ہے جس میں ارادہ پایا جائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ﴿خَطِيْٓئَة﴾ گناہ صغیرہ ہے اور ''اِثْمٌ'' گناہ کبیرہ ہے۔

﴿بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ ''بُهْتَان'' سے مراد دنیا کی ندامت اور ''اِثْم مُبِيْن'' سے آخرت کی ندامت ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو ان میں سے ایک جماعت آپ کو بہکانے کا قصد کر ہی چکی تھی اور یہ اپنے سوا (کسی کو) بہکا نہیں سکتے اور نہ آپ کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور اللہ نے آپ پر کتاب اور دانائی نازل فرمائی ہے اور آپ کو وہ باتیں سکھائی ہیں جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔(۱۱۳)

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ لفظ ''مَا'' ذوی العقول کے لیے بھی آتا ہے جیسے ﴿عَمَّآ اَرْضَعَتْ﴾ اور کبھی غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے جیسے ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا﴾ اسی طرح لفظ 'مَا' بغیر استغراق کے بھی مستعمل ہے جیسے ﴿وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ یا ﴿وَعُلِّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ﴾ اگر لفظ مَا سے نبی کے لیے علم غیب کا ثبوت دیا جائے تو تمام انسانوں کے لیے کلی علم غیب ثابت ہو جائے گا۔

Scanned by CamScanner

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں ہاں (اُس شخص کی مشورت اچھی ہوسکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے اور جو ایسے کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلیے کرے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔(۱۱۴)

خدمت خلق کے اہم ابواب:

﴿ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ﴾

معروف: ہر وہ کام ہے جو شریعت میں اچھا سمجھا جائے۔ اس کا مقابل منکر ہے۔ اس سے مراد ہر وہ کام ہے جو شریعت میں ناپسندیدہ سمجھا جائے۔

(۱) خلق اللہ کو (صدقہ سے) نفع پہنچانا یا امر بالمعروف (بھلائی کا حکم دے کر) نفع پہنچانا۔ یہ جلب منفعت ہے۔

(۲) اصلاح بین الناس (لوگوں کو تکلیف سے بچانا) یہ دفع مضرت ہے۔

﴿ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ ﴾

خیر کی تین قسمیں ہیں۔ یہ تینوں قسمیں دنیوی تہذیب وتمدن اور آخرت کے لیے تریاق کا حکم رکھتی ہیں۔ خیر یا تو دوسرے کو نفع پہنچانا ہے یا اس سے ضرر کو دفع کرنا ہے۔ اسی طرح خیر جسمانی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی۔ جسمانی جیسے مال کا دینا، اس کی طرف ﴿ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ ﴾ سے اشارہ کیا پھر خیر روحانی کی دو قسمیں ہیں۔(۱) تکمیل قوت نظریہ (۲) تکمیل قوت عملیہ یعنی علم وعمل کا مجموعہ۔ اس کی طرف لفظ معروف سے اشارہ کیا گیا ہے اور دفع ضرر کے لیے ﴿ إِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ سے اشارہ ہے اور اس میں ریا کاری نہ ہو بلکہ خالص لوجہ اللہ ہو اس کی طرف ﴿ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ ﴾ سے اشارہ کیا گیا۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔(۱۱۵)

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ ﴾ پھر رسول کی نافرمانی اور جماعت سے علیحدگی کا نتیجۂ بد بتایا، اجماع امت کا منکر گمراہ ہے ﴿ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ .... ﴾ سے بیان کیا۔

Scanned by CamScanner

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور گناہ) جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس نے اللہ کیساتھ شریک بنایا وہ رستے سے دُور جا پڑا۔ (۱۱۶)

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾

مشرک کی بخشش نہیں اُسی طرح کافر کی بھی بخشش نہیں۔ مشرک کی بخشش نہیں یہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ سے معلوم ہوا اسی طرح کافر کی بھی بخشش نہیں یہ ﴿وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ (سورۂ محمد: ۳۴) سے معلوم ہوا۔

مشرک اور کافر میں فرق:

مشرک وہ ہے جو اللہ کو مانتا ہے مگر اس کے ساتھ غیر اللہ کو شریک کرتا ہے۔ اور کافر وہ ہے جو اللہ کو سرے سے مانتا ہی نہیں ہے۔

ایک دفعہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں اتری جس کے آخر میں ﴿فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيْمًا﴾ ہے یعنی اہل کتاب جان بوجھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ کر اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

دوسری دفعہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی، جس کا اختتام ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ پر ہوا ہے کہ مشرکین جہالت کی بنا پر شرک میں مبتلا ہیں۔

﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی کا خاتمہ شرک کے بغیر توحید پر ہوا تو خواہ وہ کتنا ہی گنہ گار کیوں نہ ہو ہم اس کو جہنمی نہیں کہہ سکتے اور گنہ گار آدمی جو توحید پر مرا ہو، اس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی بخشش ہو ہی جائے گی کیونکہ اللہ نے اس کی مغفرت کو اپنی مشیت پر موقوف کر دیا ہے۔ گویا اس آیت میں امید بھی دلائی گئی ہے اور خوف بھی دلایا گیا ہے، اگر کوئی شخص قبر وغیرہ پر جا کر شرکیہ افعال کرے تو قرآن وسنت کی روشنی میں سلف کا منہج یہ ہے کہ ہم اس کے اعمال وافعال کو کفریہ اور شرکیہ قرار دیں گے لیکن متعین کر کے افراد کو مشرک یا کافر قرار نہیں دیں گے۔ جہاں تک مشرکین مکہ وغیرہ کا معاملہ ہے تو وہ نہ اہل قبلہ تھے اور نہ کلمہ گو تھے۔

مشرکین کی دو قسمیں:

(۱) بزرگوں کی تصویر بنا کر پوجتے ہیں۔

(۲) غیر مصور چیزوں جیسے ارواح، جن، بھوت وغیرہ کو پوجتے ہیں۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

یہ جو اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو مورتوں ہی کی اور پکارتے ہیں تو شیطان سرکش ہی کو۔(۱۱۷)

﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا﴾

دیوی دیوتاؤں کا سسٹم شیطان نے لوگوں کے سامنے پیش کیا یہ دیوی دیوتا اسی شیطان کے مختلف مظاہر اور شکلیں ہیں۔ یہ مختلف شکلیں بنا کر کمزور عقیدے کے لوگوں کے سامنے نمودار ہوا اور کچھ مافوق الفطرت کام کئے۔ لوگوں نے اس کے مجسمے تراشے، ان مجسموں کے نام رکھ لیے اور انہیں معبود مان کر ان کی پوجا شروع کر دی۔

﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا﴾

کامل العقل، ناقص العقل جنس کی پرستش کرے یہ ظاہری اور حسی حماقت ہے اور ناقص العقل، ناقص العقل کی پرستش کرے تو یہ اس سے بدتر بات ہے۔ کیونکہ یہ بھی کمزور ہے اور وہ بھی کمزور ہے۔ ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ (سورۃ الحج: ۷۳) تو اک تہی دست، تہی دست کو کیا دیتا ہے۔

﴿وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا﴾ اپنے نزدیک وہ ارواح غیر مرئیہ کو پکارتے ہیں اور ان کو حاضر وموجود جانتے ہیں مگر وہاں بجز شیطان کے کچھ نہیں ہوتا۔ اب بھی جاہل مسلمانوں میں یہ دستور ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ سب بتوں کی جگہ صلحاء اور اولیاء کے نام سے کیا جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَقُولُ اللّٰهُ: يَا آدَمُ، فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، قَالَ: يَقُولُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ، قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ، فَذَاکَ حِينَ يَشِيبُ الصَّغِيرُ (وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سَكْرَى وَمَا هُمْ بِسَكْرَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ)" فَاشْتَدَّ ذَلِکَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّنَا ذَلِکَ الرَّجُلُ؟ قَالَ: "أَبْشِرُوا، فَإِنَّ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفًا وَمِنْكُمْ رَجُلٌ" ثُمَّ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الجَنَّةِ" قَالَ: فَحَمِدْنَا اللّٰهَ وَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الجَنَّةِ، إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعَرَةِ البَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الأَسْوَدِ، أَوِ الرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الحِمَارِ" (صحیح بخاری، کتاب الرقاق: ۶۵۳۰)

ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے آدم! آدم علیہ السلام عرض کریں گے لبیک وسعدیک! خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دوزخ میں بھیجنے کے لیے لوگوں کو نکال، آدم علیہ السلام عرض کریں گے، کس قدر! اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ (آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ) یہ وقت ہوگا کہ بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور تم لوگوں کو غشی کی حالت میں پاؤ گے، حالانکہ وہ بیہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ صحابہ کو یہ امر بہت گراں گزرا اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (وہ ایک آدمی) ہم میں سے کون ہوگا، آپ

نے فرمایا تمہیں خوش خبری ہو کہ یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار اور تم میں ایک فرد ہوگا، پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں امید کرتا ہوں کہ تم اہل جنت کے تہائی ہو گے، ہم نے الحمد اللہ اور اللہ اکبر کہا پھر آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم نصف اہل جنت ہو گے، دیگر امتوں کے اعتبار سے تمہاری مثال ایسی ہے، جیسے سفید بال سیاہ بیل کی کھال میں یا سفید داغ جو گدھے کی اگلی ران میں ہوتا ہے۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (جو اللہ سے) کہنے لگا کہ میں تیرے بندوں سے (غیر اللہ کی نذر دلوا کر مال کا) ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا۔ (۱۱۸)

﴿نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ ہزار میں سے ۹۹۹ جہنم میں، صرف ایک جنت میں۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾

اور ان کو گمراہ کرتا اور امیدیں دلاتا رہوں گا اور یہ سکھاتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیرتے رہیں اور (یہ بھی) کہتا رہوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ (۱۱۹)

شیطان انسان کو اس طرح سبز باغ دکھاتا ہے کہ کتنے بھی گناہ کرو فلاں کے طفیل اور صدقے میں بچ نکلو گے۔

﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ تخلیق کو بدلنے کی کئی صورتیں ہیں۔ تغیر خلق کا ایک مطلب یہ ہے کہ مردوں کی نس بندی کر کے اور عورتوں کا آپریشن کر کے انہیں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا جائے۔ اس کے پیچھے ایک مقصد We two ours two (ہم دو ہمارے دو) کا ہے۔

تغییر خلق اللہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: "لَعَنَ اللّٰهُ الوَاشِمَاتِ وَالمُوتَشِمَاتِ، وَالمُتَنَمِّصَاتِ وَالمُتَفَلِّجَاتِ، لِلْحُسْنِ المُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ" فَبَلَغَ ذَلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا، أُمُّ يَعْقُوبَ، فَجَاءَتْ فَقَالَتْ: إِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكَ أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ، فَقَالَ: وَمَا لِي أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ هُوَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَقَالَتْ: لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ، فَمَا وَجَدْتُ فِيهِ مَا تَقُولُ، قَالَ: لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ، أَمَا قَرَأْتِ: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا؟ قَالَتْ: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّهُ قَدْ نَهَى عَنْهُ، قَالَتْ: فَإِنِّي أَرَى أَهْلَكَ يَفْعَلُونَهُ، قَالَ: فَاذْهَبِي فَانْظُرِي، فَذَهَبَتْ فَنَظَرَتْ، فَلَمْ تَرَ مِنْ حَاجَتِهَا شَيْئًا،

Scanned by CamScanner

فَقَالَ: لَوْ كَانَتْ كَذٰلِكَ مَا جَامَعْتُهَا (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ: ۲۱۲۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، اللہ نے گودنا گودنے والی اور گودوانے والی، پیشانی کے بال اُکھاڑنے والی وغیرہ عورتوں پر لعنت کی ہے۔

''نَمص'' (پیشانی کے بال اُکھاڑنا)، وَشم (گودنا)، تَفَلُّج (بغرضِ زینت دانتوں کے درمیان فاصلہ بنانا) یہ حرام اس وجہ سے ہے کیونکہ آدمی یہ سب یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جو کر رہا ہے وہ رحمٰن کی تخلیق سے اچھی ہے نیز اس میں تقدیر پر عدم رضا بھی ہے۔

﴿وَلَأُضِلَّنَّهُمْ﴾ حق کو قبول نہیں کرنے دوں گا۔

﴿وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ﴾ امید دلاؤں گا کہ تم حق پر ہو، آخرت میں کامیاب تم ہی ہوگے، اس وجہ سے وہ توبہ نہیں کریں گے۔

﴿آذَانَ الْأَنْعَامِ﴾ جانوروں کے کان کاٹ کر بتوں کے نام پر چھوڑیں گے۔

﴿لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ﴾ دنیاوی فائدہ سمیٹنے کے لیے انسان پوری طرح سنجیدہ ہو اور اس کو حاصل کرنے کے لیے انتہائی جدوجہد کرے مگر آخرت کی کامیابی پانے کے لیے صرف خوش فہمیاں اسے کافی نظر آئیں، جیسے کسی بزرگ کی سفارش اور کچھ کلمات اور کچھ مخصوص اوراد و وظائف پر تکیہ کرلیا جائے۔ اسی کو آیت میں (اَمانی) (آرزوئیں) سے تعبیر گیا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

اور اُس شخص سے کس کا دین اچھا ہوسکتا ہے جس نے حکمِ الٰہی کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے۔ اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔ (۱۲۵)

اس آیت میں بتایا گیا کہ کون سا عمل مقبول ہے اور کون سا عمل مردود ہے؟

(۱) ﴿أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ﴾ اخلاص کے ساتھ عمل کرے۔

(۲) ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ عمل درست طریقے پر کرے، یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے مطابق کرے۔

قوموں کی تاریخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ جتنے گمراہ فرقے اور قومیں دنیا میں گزریں ہیں، کسی میں اخلاص نہیں تھا یا کسی کا عمل صحیح نہیں تھا۔ یہی دو گروہ ہیں جن کا سورہ فاتحہ میں ذکر ہے، پہلا گروہ ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ یعنی یہود ہیں ان میں اخلاص نہیں تھا۔ دوسرا گروہ ﴿ضَالِّيْنَ﴾ یعنی نصاریٰ کا تھا۔ جن کا عمل درست نہیں تھا۔ پہلا گروہ شہوات کا شکار تھا اور دوسرا شبہات کا۔

دین اسلام کے برحق ہونے پر دو دلیلیں:

(۱) دلیل عقلی جو مقدمات یقینیہ سے مرکب ہے کہ دین حق کے دو جز ہوتے ہیں:

(۱) عقائد صحیحہ

(۲) اعمال صالحہ- یہ دونوں چیزیں جس دین میں ہوں اس کے برحق ہونے میں کیا کلام ہے، اسلام میں یہ دونوں چیزیں ہیں۔ اول کی طرف ﴿مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ﴾ اور دوسرے کی طرف "مُحْسِنٌ" کہہ کر اشارہ کیا۔

(۲) مقدمات مسلمہ کہ اہل کتاب اور مشرکین سب ابراہیم علیہ السلام پر متفق ہیں۔ اور وہ ان کے مذہب کو برحق مانتے ہیں اب ہر ایک دیکھے کہ کس کا مذہب ان کے موافق ہے اور کس کا مخالف۔

﴿وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا اس کے آگے ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ...الخ﴾ کہہ کر یہ بتایا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خلیل ان کے بیٹے کی وجہ سے نہیں محض عبودیت کی وجہ سے بنایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ" (صحیح بخاری، کتاب الاذان: ۶۶۰)۔

سات قسم کے لوگ قیامت کے میدان میں اللہ کے سائے میں ہوں گے، ان میں ایک وہ ہوگا جسے رتبے والی خوبصورت عورت گناہ کے لیے بلائے اور اس نے کہہ دیا میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

کوئی قانون اپنے مقصد کو اس وقت تک پورا نہیں کرتا ہے جب تک عمل کرنے والا اللہ سے نہ ڈرے اگر ایسا نہ ہو تو قانون کی ظاہری تعمیل کے باوجود حقیقی بہتری پیدا نہیں ہو سکتی۔

اللہ کو مالک کائنات کی حیثیت سے پا لینے کے بعد تین چیزیں انسان کو صالح بنانے کا ذریعہ ہیں:

(۱) اللہ کا ڈر (۲) اللہ پر بھروسہ

(۳) آخرت کو اصل سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جانا ﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

اجتماعی زندگی میں بارہا ایسا مسئلہ آتا ہے کہ ایک راستہ مفاد کا دوسرا عدل کا، اللہ والے عدل کرتے ہیں۔ اللہ سے غافل مفاد پر چل پڑتے ہیں۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے، اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی

Scanned by CamScanner

ہیں اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کرو گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ (۱۲۸)

﴿وَالصُّلۡحُ خَیۡرٌ﴾ مرد بدمزاج ہو تو عورت اپنے کچھ حقوق چھوڑ کر مصالحت کر لے۔ انسان بخیل ہے۔ عورت نے کچھ دیدیا ہے تو کم کردے تو باہمی رضامندی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد بھی بدمزاجی کرے تو ﴿وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا﴾ فرما کر یہ بتایا گیا کہ حق تلفی میں اللہ سے ڈرو۔ وہ سب جانتا ہے۔ عورت کی عمر کی زیادتی کے سبب کبھی کبھی مرد کو عورت سے بے رغبتی ہو جاتی ہے اور دوسری عورت سے لگاؤ ہو جاتا ہے، پہلی کو چھوڑنا سخت دلی اور خانہ خرابی ہے۔ اجازت تو ہے مگر حقوق میں مساوات لازم ہے ایسا نہ ہو ﴿فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ﴾ کہ اسے لٹکا کر چھوڑ دو۔ نہ طلاق دو نہ حقوق ادا کرو اور حق نہ ادا کر سکتے ہو یا کوئی مجبوری ہے تو طلاق دے دو۔

وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر میاں بیوی (میں موافقت نہ ہو سکے اور) ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی دولت سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور حکمت والا ہے۔ (۱۳۰)

﴿وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا﴾ اللہ اپنے فضل سے مستغنی کر دے گا، یعنی مرد کو شاید اس سے بہتر عورت اور عورت کو اس سے بہتر مرد مل جائے۔ اس کے بعد ﴿فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ ذکر کر کے یہ بتایا گیا کہ ایسا نہیں ہے کہ تمہاری اطاعت سے اللہ کی شوکت بنی رہے گی اگر اس کی اطاعت نہ کرو تو اس سے اس کا کچھ نقصان نہیں۔ ﴿عَلٰی ذٰلِكَ قَدِيۡرًا﴾ وہ قادر ہے کہ تم کو فنا کر کے دوسری قوم لائے جو اطاعت کرے، جو شخص ظلم و زیادتی کر کے اپنی بیوی کو علیحدہ ہونے پر مجبور کرتا ہے اس کے بعد وہ برے حالات کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے وہ خواب پورے نہیں ہوتے جس کے خیال سے اس نے عورت کو جلایا تھا یا اس سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ عملی زندگی میں دیکھا گیا ہے کہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَاِيَّاكُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيۡدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاۡتِ بِاٰخَرِيۡنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِيۡرًا ﴿۱۳۳﴾

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اُن کو بھی اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) تم کو بھی ہم نے حکمِ تاکیدی کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو

Scanned by CamScanner

اور اگر کفر کرو گے تو (سمجھ رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ بے پروار اور سزاوارِ حمد وثنا ہے۔(۱۳۱) اور (پھر سن رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔(۱۳۲) لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمہاری جگہ) اور لوگوں کو پیدا کر دے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے۔(۱۳۳)

اس مقام پر تین مرتبہ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ فرمایا:

- پہلی دفعہ وسعتِ جود وکرم کی دلیل بیان کرنا مقصود تھی کہ اللہ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔
- دوسری بار اپنی بے نیازی کی دلیل بیان کی کہ اللہ کو کسی کی اطاعت اور تقویٰ سے کوئی نفع نہیں بلکہ سارے عالم کے کفر و فسق سے اُس کو کچھ نقصان نہیں۔
- تیسری بار اپنی کارسازی کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارا کارساز ہے۔

ایک ہی دلیل سے متعدد دعویٰ کا ثبوت فرمایا:

تین مرتبہ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ کو دہرایا گیا۔

ہر جگہ کے لیے ایک خاص وجہ ہے:

اول: تو یہ کہ وہ مالک الملک ہے وہی تم کو وصیت فرماتا ہے کہ کفر ہرگز نہ کرو بلکہ اس کی وصیت قبول کرو۔

دوم: یہ کہ وہ غنی حمید ہے جو حاجت تم کو ہے اسی سے مانگو اس کا خزانہ خالی نہیں ہوتا۔

سوم: وہ وکیل ہے پس کسی غیر پر توکل مت کرو۔

مالک الملک: بادشاہ ہے اسی سے ڈرو۔

غنی ہے: اسی سے مانگو۔

قانون شریعت پر عمل کرنے کی تاکید کے لیے تین باتیں نہایت مناسب ہیں:

(۱) **استغناء:** کہ فائدہ میرا نہیں تمہارا ہے۔

(۲) **عدول حکمی کا بدثمرہ:** یعنی اگر نافرمانی کرو گے تو برا انجام بھگتنے کے لیے تیار رہو۔

(۳) **عمل کا اچھا نتیجہ۔**

پہلی بات کو ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيدًا﴾ دوسری کو ﴿إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ، فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ میں بیان فرمایا گیا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (۱۳۴)

Scanned by CamScanner

جوشخص دنیا (میں عملوں) کی جزا کا طالب ہو تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت (دونوں) کے لیے اجر (موجود) ہیں اور اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (۱۳۴)

(۱) کسی کی قسمت بنانا یا بگاڑنا تمہارے اختیار میں نہیں۔

(۲) ہدایت کی پیروی میں تمہاری اپنی فلاح ہے، اللہ کا کوئی فائدہ نہیں، امتوں نے نافرمانیاں کر کے اللہ کا کیا بگاڑ لیا۔

(۳) اللہ کے پاس دنیا کے بھی فائدے ہیں اور آخرت کے بھی۔

اب تمہارے ظرف اور حوصلے کی بات ہے کہ تم کس قسم کا فائدہ چاہتے ہو، صرف دنیاوی فائدہ تمہیں چاہیے تو آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، تم ایسا راستہ کیوں نہیں اختیار کرتے کہ دنیا و آخرت دونوں کے فائدے تمہارے حصے میں آئیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو، خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے، تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو کہ) اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ (۱۳۵)

''قَوَّام'' کی وضاحت:

﴿قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ﴾ ''قَوَّام'' مبالغہ کا صیغہ لایا گیا جو دلالت کرتا ہے کہ عدل کے قائم کرنے میں بہت مشقت ہوتی ہے اور یہ بغیر صبر کے ممکن نہیں۔

''قَوَّام'' اور ''شَهَادَتْ'' بمنزلہ دو آنکھوں یا دو پیروں کے ہے بغیر اس کے انسان راستہ طے نہیں کر سکتا، زندگی کے ہر شعبے میں عدل ہو، اور اللہ کے گواہ بنو، نیک کو نیک اور بد کو بد کہو، خواہ اس میں تمہارا ہی نقصان ہو۔

﴿قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ﴾ فیصلے میں خواہش نفس، عصبیت اور دشمنی آڑے نہیں آنی چاہیے بلکہ ان سب کو نظر انداز کر کے بے لاگ عدل کرو۔ عدل کا یہ اہتمام جس معاشرے میں ہوگا وہاں امن وسکون اور اللہ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس نکتے کو بھی خوب سمجھ لیا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بابت آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں کے پھلوں اور فصلوں کا تخمینہ لگا کر آئیں۔ یہودیوں نے انہیں رشوت کی پیشکش کی تا کہ وہ کچھ نرمی سے کام لیں۔ انہوں نے فرمایا ''اللہ کی قسم میں اس کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو، لیکن

اپنے محبوب کی محبت اور تمہاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کرسکتی کہ میں تمہارے معاملے میں انصاف نہ کروں۔'' یہ سن کر انہوں نے کہا ''اسی عدل کی وجہ سے آسمان وزمین کا یہ نظام قائم ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

﴿شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ یعنی گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں یہ امیر ہے اس کو نفع پہنچانا چاہئے تا کہ اس سے بے مروّتی نہ ہو یا یہ کہ وہ غریب ہے اس کا کیسے نقصان کریں۔ تم کسی کی امیری غریبی کو نہ دیکھو کیونکہ ان سے تمہارا تعلق جس قدر ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جو تعلق ہے وہ تمہارا دیا ہوا نہیں ہے۔ پھر جب باوجود تعلق قوی کے اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اس میں رکھی ہو کہ اظہارِ حق کیا جاوے تو تعلقِ ضعیف پر ان کی ایک عارضی مصلحت پر کیوں خیال کرتے ہو۔

﴿وَاِنۡ تَلۡوٗۤا﴾ ''لَيٌّ'' سے ماخوذ ہے جو تحریف اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کو کہا جاتا ہے۔ مطلب شہادت میں تحریف و تغیير ہے اور اعراض سے مراد شہادت کا کتمان (چھپانا) اور اس کا ترک کرنا ہے۔ ان دونوں باتوں سے بھی روکا گیا ہے۔ اس آیت میں عدل وانصاف کی تاکید اور اس کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہے، ان کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے مثلاً ہر حال میں عدل کرو اس سے سرمو انحراف نہ کرو اور کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرو اس کے علاوہ کوئی اور محرک اس میں رکاوٹ نہ بنے، بلکہ اس کے قیام میں تم ایک دوسرے کے معاون اور دست وباز و بنو، صرف اللہ کی رضا تمہارے پیش نظر ہو کیونکہ اس صورت میں تم تحریف، تبدیل اور کتمان سے گریز کرو گے اور تمہارا فیصلہ عدل کی میزان میں پورا اترے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِىۡ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓـئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۳۶﴾

مومنو! اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور جو کتاب اُس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔ (۱۳۶)

تجدید ایمان کی ضرورت:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا﴾ یہ ہر مومن کے لیے کھلی دعوت ہے کہ اپنے ایمان کی نگرانی اور اس کی تجدید کرتا رہے کیونکہ ایمان پرانا، بوسیدہ اور کمزور ہوجاتا ہے اس پر بیماریاں آجاتی ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِنَّ الإِيمَانَ لَيَخْلَقُ فِي جَوْفِ أَحَدِكُمْ كَمَا يَخْلَقُ الثَّوْبُ، فَيَتْلُو، فَاتْلُوا القُرْآنَ يُجَدِّدُ الإِيمَانَ فِي قُلُوبِكُمْ"

(المعجم الکبیر للطبرانی، صحیح الجامع للالبانی:۱۵۹۰)

Scanned by CamScanner

تمہارا ایمان پرانا ہوجاتا ہے جس طرح کپڑا پرانا ہوجاتا ہے تو قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ تمہارے دلوں میں ایمان کو نیا کردے گا۔

﴿اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا﴾

(۱) جو ایمان زبان سے لائے دل سے ایمان لاؤ۔ (۲) تقلیداً نہ لائیں تحقیقاً لائیں۔

(۳) ایمان کے بعد اس پر ثابت قدم رہو۔ (۴) منافقین جو بظاہر خود کو ایماندار کہتے تھے کہا گیا سرے سے ایمان لاؤ۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا﴾ کوئی معاملہ آئے تو آدمی دو میں سے ایک رخ پر چل پڑتا ہے۔ خواہشات کی طرف یا حق کے تقاضے کی طرف، اگر خواہشات کی طرف چلا تو ایمان لانے والے نے ایمان سے انکار کیا اور اگر حق پر چلا تو ایمان لانے والا ایمان لے آیا۔

کافر و منافق کا فرق:

باطنی سطح پر کافر اور منافق دونوں برابر ہوتے ہیں مگر ظاہری سطح پر دونوں مختلف ہوتے ہیں۔ منافق بظاہر دیندار مگر اندر سے بے دین ہوتا ہے۔ اللہ والا نہ ہو کر خود کو اللہ والا ثابت کرتا ہے۔

﴿مِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَلَمۡ تُؤۡمِنۡ قُلُوۡبُهُمۡ﴾ (سورۃ المائدہ:۴۱) یہ منافق کی پرانی تعریف ہے یعنی اس کی زبان اس کے دل کی ترجمان نہیں ہوتی۔

بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا ۙ۱۳۸ الَّذِیۡنَ یَتَّخِذُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا ؕ۱۳۹

(اے پیغمبر) منافقوں (یعنی دو رُخے لوگوں) کو بشارت سنا دیجئے کہ اُن کے لیے دردناک عذاب (تیار) ہے۔ (۱۳۸) جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا یہ اُن کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو عزت تو سب اللہ ہی کی ہے۔ (۱۳۹)

عَنۡ عُمَرَ بۡنِ الۡخَطَّابِ، اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنِ اعۡتَزَّ بِالۡعَبِیۡدِ اَذَلَّهُ اللّٰهُ"

(مسند الشهاب القضاعی:۳۵۰)(وَضعفه الالبانی فی سلسلة الضعیفة:۲۱۲۰)

(قول عمر فاروق رضی اللہ عنہ) جو بندوں کے ذریعے عزت حاصل کرنا چاہے اللہ اسے ذلیل کردیتا ہے۔

عرب، پاکستان، ترکی، شام سمیت سارے ممالک کے لیے لمحۂ فکریہ۔

﴿فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا﴾ یہود و نصاریٰ سے دوستی کا مقصد اگر حصول مال وجاہ ہو یا حصول عزت ہو تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عزت تو اللہ ہی کے لیے ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾

اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور اُن کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں اُن کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں، سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔ (۱۴۰)

﴿وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا﴾ ایسی محفلوں اور اجتماعات میں شریک ہونا حرام ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا قولاً یا عملاً مذاق اُڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل فیشن پرست امراء اور مغرب زدہ مسلم حلقوں اور ان کی تقریبات میں بالعموم ہوتا ہے۔

﴿فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ﴾ جہاں اللہ کی آیات اور اس کے احکام پر تنقید ہو رہی ہو، ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو اگر مسلمان ان باتوں کا جواب دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہاں سے اٹھ جائے ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کا ایمان مختل ہو جائے۔ ایسی محفلوں میں شرکت کے بعد اس کا ایمان ناپید ہو جائے گا اس طرح وہ انہیں لوگوں میں شامل ہو جائے گا۔

﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ ایک مسلمان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ رمضان میں روزہ رکھتا ہے نماز پڑھتا ہے پھر ٹی وی پر ایسے چینل دیکھنے بیٹھ جاتا ہے جس میں اللہ اور اس کی آیات کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، فرمایا گیا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم بھی انہیں کے مثل ہو۔

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورۃ الانعام: ۶۸)

تفسیر بالرائے کرنے والوں کی مجلسوں اور بدعتیوں کے جلسے جلوس میں شرکت جائز نہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

ہاں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کو درست کیا اور اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑا اور خاص اللہ کے فرمانبردار ہو گئے تو ایسے لوگ مومنوں کے زمرے میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ عنقریب مومنوں کو بڑا ثواب دے گا۔ (۱۴۶)

Scanned by CamScanner

معافی کے لیے چار باتیں شرط ہیں:

(۱) صدق دل سے توبہ کریں۔
(۲) علم وعمل میں جو فساد ہے اس کی اصلاح کریں۔
(۳) اللہ کے مخالفوں کو چھوڑ کر اسی پر بھروسہ کریں۔
(۴) خلوص نیتی پیدا کریں۔

﴿وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ﴾ اللہ کو وہی عمل مقبول ہے جو ریا سے پاک ہو اور خالص اسی کے لیے ہو۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اگر تم (اللہ کے) شکر گزار رہو اور اس پر ایمان لے آ ؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اور اللہ تعالیٰ تو قدر شناس اور دانا ہے۔(۱۴۷)

اس اصل عظیم کی طرف اشارہ ہے کہ عذاب وثواب اس لیے نہیں کہ اللہ خوش ہو کر انعام دینے لگتا ہے اور غصے میں آ کر اسے عذاب میں ڈال دیتا ہے جیسا کہ بت پرست اپنے دیوتاؤں کی نسبت خیال کرتے ہیں اور عیسائی اور یہودی تصور میں اس کی آمیزش ہو گئی تھی بلکہ عذاب وثواب انسانی عمل کا قدرتی خاصہ ونتیجہ ہیں اور اللہ کی حکمت نے ایسا قانون ٹھہرا دیا کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کے ہر عمل کا ایک خاصہ، نتیجہ اور بدلہ ہو۔

﴿اِنْ شَكَرْتُمْ﴾ شکر آدمی، دل سے احسان کا اعتراف کرے، زبان سے اس کا اقرار کرے، عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔ انہیں تین چیزوں کے مجموعے کا نام شکر ہے۔

شکر کا تقاضا یہ ہے کہ:-

(۱) احسان کو اسی کی طرف منسوب کرے جس نے دراصل احسان کیا ہے۔
(۲) آدمی کا دل محسن کی محبت کے جذبے سے معمور ہو۔
(۳) وہ اپنے محسن کا مطیع وفرمانبردار رہو۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

٦

سورة النساء

(آیت: ۱۴۸ تا ۱۷٦)

سورة المائدة

(آیت: ۱ تا ۸۲)

مُجمّع بلقيس للبحوث الإسلامية

حيدرآباد الهند

Scanned by CamScanner

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو اعلانیہ بُرا کہے مگر وہ جو مظلوم ہو اور اللہ (سب کچھ) سنتا (اور) جانتا ہے۔(۱۴۸)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے کسی کی دعوت کی جب وہ کھانے گیا تو اس نے اسے نہیں کھلایا۔ اس نے اس کا ذکر لوگوں سے کیا۔ اس پر یہ آیت اتری کیونکہ اس کی حق تلفی ہوئی تھی۔ شکایت کرنا جائز تھا، کیونکہ مہمان کا حق میزبان پر واجب ہے۔ (اسباب النزول للواحدی)

غیبت حرام ہے البتہ ظالم کے عیوب دوسروں کے سامنے بیان کرنا جائز ہے تا کہ لوگ اس سے محتاط رہیں مگر ظالموں کے ظلم کا جواب بھلائی سے دیں تو یہ اللہ کے یہاں پسندیدہ ہے کیونکہ خود اللہ قدرت کاملہ رکھنے کے باوجود ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے۔

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ﴾ مظلوم، ظالم کی پیٹھ پیچھے اس کا عیب بیان کرسکتا ہے۔ مگر اللہ بندوں کے اندر یہ اخلاق پیدا کرنا چاہتا ہے کہ لوگوں کی بداخلاقیوں کو نظرانداز کردیں کیونکہ اللہ خود بندے کے نہ جانے کتنے جرائم کو نظرانداز کرتا رہتا ہے۔

﴿سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾ یہاں ظالم کو تنبیہ ہے کہ مظلوم کہیں فریاد لے کر جائے نہ جائے اللہ سن رہا ہے۔ مظلوم اگر زبان سے نہ کہے کہ اس پر کتنا ظلم ہوا ہے مگر اللہ کو معلوم ہے کہ اس نے کتنا ظلم کیا ہے اور وہ کس سزا کا مستحق ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾

اگر تم لوگ بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر، یا بُرائی سے درگزر کرو گے تو اللہ بھی معاف کرے والا (اور) قدرت والا ہے۔(۱۴۹)

کسی کے عیوب ظاہر کرنا اللہ کو پسند نہیں ہاں مظلوم ظالم کا عیب بیان کرسکتا ہے کیونکہ بیان کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی خود اپنے گزشتہ عیوب بھی لوگوں سے نہ بیان کرے۔ اس سے پادری کے سامنے Confess (اعتراف گناہ) کا بھی رد ہوا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْكُوْ جَارَهُ، فَقَالَ: "اذْهَبْ فَاصْبِرْ" فَأَتَاهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَقَالَ: "اذْهَبْ فَاطْرَحْ مَتَاعَكَ فِي الطَّرِيقِ"، فَطَرَحَ مَتَاعَهُ فِي الطَّرِيقِ فَجَعَلَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَهُ فَيُخْبِرُهُمْ خَبَرَهُ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْعَنُوْنَهُ: فَعَلَ اللّٰهُ بِهِ وَفَعَلَ وَفَعَلَ۔ فَجَاءَ إِلَيْهِ جَارُهُ فَقَالَ لَهُ: ارْجِعْ، لَا تَرَى مِنِّي شَيْئًا تَكْرَهُهُ۔ (سنن ابی داود، کتاب الادب: ۵۱۵۳، صحیح)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میرا پڑوسی مجھے ایذا دیتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اپنا سامان نکال کر راستے میں بیٹھ جاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا جب وہاں سے کوئی گزرتا تو پوچھتا کیا بات

Scanned by CamScanner

ہے؟ وہ کہتا میرا پڑوسی مجھے ایذا پہنچاتا ہے تو ہر آدمی کہتا اے اللہ اس پر لعنت بھیج، اس کو رسوا کر۔ آخر وہ آدمی آیا اور کہا اپنے گھر میں چلے جاؤ اللہ کی قسم میں اب کبھی تمہیں نہیں ستاؤں گا۔

کسی کے لیے بدگوئی جائز نہیں سوائے مظلوم کے کہ وہ ظالم کی برائی اور زیادتی افشا کر سکتا ہے تاکہ دوسرے اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

﴿إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾

مظلوم ظالم کے ساتھ ظاہر طور پر یا چھپ کر نیکی کرے اگر یہ حوصلہ نہیں تو بجائے بدلہ لینے کے اسے معاف کر دے تو اللہ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ، إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ" (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۲۵۸۸)

صدقہ دینے سے مال گھٹتا نہیں اور معاف کر دینے سے اللہ بندے کی عزت کو بڑھا دیتا ہے۔ اور جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۵۰﴾

جو لوگ اللہ سے اور اُس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں۔ (۱۵۰)

اللہ کے احکامات ماننا اور اس کے رسول کے احکامات کا انکار کرنا کفر ہے۔

نکتہ: ایمان بالجمیع معتبر ہے ایمان بالبعض اور انکار بالبعض کفر کے ہی مترادف ہے کیونکہ اللہ نے یہی کہا کہ رسولوں پر بھی ایمان لاؤ۔ تفریق اللہ کے ساتھ کفر کے مترادف ہے۔

رسولوں کا انکار اللہ کا انکار ہے اور جو لوگ ایمان لانے میں اللہ اور رسولوں کے درمیان فرق کرتے ہیں بعض کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے۔ اور ایمان و کفر کے درمیان ایک راستہ نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ پکے کافر ہیں۔ اللہ اور رسول کے درمیان تفریق کا مطلب ہے کہ اللہ کو مانیں گے رسول کو نہیں مانیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت ہدایت انسان کو دینے کے دو ذرائع استعمال لیے ہیں۔ (۱) کتاب (۲) پیغمبر۔ اگر کتاب سے پیغمبر کو الگ کر لیں تو کتاب اس کشتی کی طرح ہے جس کا کوئی ناخدا نہیں اور رسول سے کتاب کو الگ کر لیں تو آدمی ناخدا کو خدا سمجھ لے گا۔ یا یہ کہ اللہ اور رسول کو مانتے ہیں مگر بعض رسولوں کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے۔

﴿وَيَقُولُونَ﴾ یہ ان کا قول ہے ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ عصبیت سے کسی بھی نبی کی نبوت کا انکار

کرے تو مطلب یہ ہوگا کہ جن انبیاء پر ان کا ایمان ہے وہ شرعی نہیں بلکہ وہ ایمان ان کی خواہش نفس اور عصبیت پر مبنی ہے۔ ﴿وَيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ روشن خیال مسلمانوں کے لیے تنبیہ ہے جو شریعت سے اپنے پسند کی چیزیں چن کر لینا چاہتے ہیں۔

تفریق کرنا منکر ہونا:

زبان سے کہنا کہ بعض پر ہمارا ایمان ہے بعض پر نہیں۔ جیسے اکبر بادشاہ نے کفر و اسلام سے ملا جلا دین، دین الٰہی ایجاد کیا تھا۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾

وہ بلاشبہ کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۵۱)

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ کہہ کر یہ بتایا گیا کہ ایسے لوگ پکے کافر ہیں۔ ایسے لوگوں کے خیالات و نظریات کی تہہ میں اصلی روگ اپنی بڑائی کا ہوتا ہے شعوری یا لاشعوری طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی عقل وحی الٰہی کے مقابلے میں زیادہ وزن دار ہے اور پیغمبر سے جو کوتاہیاں ہوئیں ان کی تلافی یہ اپنی عقل آرائیوں سے کر دیں گے، اس خود بینی کی سزا قیامت میں جسمانی تعذیب کے علاوہ یہ ہوگی کہ وہ خلق کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں گے ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ میں یہی فرمایا گیا۔ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا انکار کیا اور نصاریٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ ایک نبی کا انکار تمام انبیاء کا انکار ہے۔ اسی وجہ سے اس آیت میں انہیں تین مرتبہ کفر سے متصف کیا۔ یہود بہت سی نعمتوں سے محروم ہوئے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

(لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا) تو ان کے عہد توڑ دینے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (اللہ نے ان کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی ہے تو یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ (۱۵۵) اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔ (۱۵٦)

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ تمام عہد توڑ ڈالے۔

﴿قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ استکبار میں کہا ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں اس میں انبیاء کی باتیں داخل نہیں ہوتیں۔

﴿كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ معجزات کا انکار کیا۔

﴿قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ﴾ انبیاء کو قتل کیا۔

﴿غُلْفٌ﴾ یہود کہتے تھے کہ ہم کو بہت کچھ علم حاصل ہے ہم کو کسی کے وعظ ونصیحت کی ضرورت نہیں یا یہ کہتے تھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی نصیحت کو ہم دل میں جگہ نہ دیں گے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں اللہ نے کہا غلاف ولاف کچھ نہیں بلکہ ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ یعنی ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ ﴿بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ تہمت یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام، زکریا علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾

اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے (اللہ نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اُن کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروئ ظن کے سوا ان کو اُس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ (۱۵۷)

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾ اس وقت ایک گروہ کو شک گذرا کہ دراصل مسیح قتل نہیں ہوئے بلکہ وہ کہیں غائب ہو گئے۔ سچ یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی طرح ان کے دنیا سے غائب ہو جانے کا معاملہ بھی پراسرار ہی رہا۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (۱۵۸)

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾

رفع: بعض کہتے ہیں کہ رفع سے رفع جسم نہیں رفع درجات مراد ہیں ہم کہتے ہیں اگر رفع سے رفع درجات مراد ہو تو یہودیوں کے قول کی مخالفت کیا ہوئی جو لفظ بَلْ سے ہونی چاہئے۔ کیونکہ آیت کے یہ معنی ہوں گے جیسے کوئی کہے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفار نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کا مرتبہ بلند کیا یا رسول کو مشرکین نے مکہ سے نہیں نکالا بلکہ اللہ نے ان کی عزت افزائی کی تو ایسے محاورات سے کون نہیں سمجھتا کہ بجائے اس کے کہ فعل مذکور کی نفی ہو الٹا یہودیوں کے موقف پر مع فوائد ثبوت

Scanned by CamScanner

ملتا ہے۔اس کے علاوہ آیت کے آخر میں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ہے۔عزیز کا محل کسی تعجب کا رفع کرنا اور مشکل بات کو سہل بتلانا ہے اور انبیاء کے درجات کی بلندی مشکل اور انہونی بات نہیں جس کو آیت نے آسان بتایا تو معلوم ہوا کہ اگر رفع سے رفع درجات لیں گے تو ایک تو یہودیوں کی تکذیب کی بجائے تصدیق ہوتی ہے ساتھ ہی آیت کے تمام الفاظ چسپاں نہیں ہوتے جب تک یہ معنی نہ لیں کہ اللہ نے مسیح کو آسمان پر زندہ اٹھالیا۔

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ میں (سورۂ آل عمران:۵۵)﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ﴾ میں ﴿رَافِعُكَ﴾ کے وعدہ کا ایفا ہے لہٰذا ﴿رَافِعُكَ﴾ میں بھی وہی معنی ہوں گے جو ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ میں ہوں گے یعنی اللہ نے عیسی علیہ السلام کو بہ جسد عنصری زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

کوئی اعتراض کرے کہ ﴿رَافِعُكَ﴾ سے پہلے ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لیے ہوتا ہے جیسے ﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ میں ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ پہلے ہے اور ﴿لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ بعد میں ہے تو سوال یہ ہے کہ پہلے شرک چھوڑے یا نماز پڑھے۔ظاہر ہے کہ پہلے شرک چھوڑے بعد میں نماز ادا کرے۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔(۱۵۹)

جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو تمام اہل مذاہب ان پر ایمان لے آئیں گے۔کسی بھی مذہب والا ان پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔سب کی ملت ایک ہوجائے گی۔آیت کی یہ تفسیر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آئی ہے۔

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ وَحَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا" ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ (سورہ نساء:۱۵۹)(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء:۳۴۴۸)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب نزول مسیح کی حدیث بیان کرتے تو فرماتے۔اگر تم چاہو تو ﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ پڑھو۔

Scanned by CamScanner

کفارۂ مسیح پر ایک تبصرہ:

(۱) وہ انسان جو سولی دیا جاتا ہے وہ ملعون ہے۔ (استثنا ۲۱ ۲۲×۲۳/۸ ۲۳) میں پوچھتا ہوں کہ یسوع مسیح اس حکم کے بموجب کون ہیں؟

(۲) سولی پر جو مصائب و آلام آپ پر گذرے آپ کی روح انسانی نے جھیلے یا الوہیت نے؟

اگر روح انسانی نے جھیلے تو ماننا پڑے گا کہ ایک انسان کی قربانی ہوئی اللہ کے بیٹے کی نہیں اور اگر روح الوہیت نے تکلیفات برداشت کیں تو بتلاؤ کہ کیا شان الوہیت بھی مصائب برداشت کرتی ہے؟ اگر کرتی ہے تو کیا ایسی زخم خوردہ پائمال شدہ الوہیت معبود ہو سکتی ہے؟

پادری کے پاس کفارہ کی حکمت:

پادری صاحبان کفارہ کی حکمت وضرورت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ اگر اللہ گنہ گاروں کو سزا دے تو اس کے رحم کے خلاف ہے اور اگر چھوڑ دے تو اس کے عدل کے خلاف ہے۔ اس لیے اس نے اپنے اکلوتے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جس نے گنہ گاروں کے گناہوں کو اپنے اوپر لے لیا اور ان کے بدلے خود عذاب سہا۔ اس طرح عدل پورا ہو گیا اور رحم کرنے کا طریقہ نکل آیا۔ لیکن غور کیجئے کہ گنہ گار کو چھوڑ کر بے گناہ کو سزا دینا بالکل ہی عدل کے خلاف ہے اور دنیا کے کسی جج کا مجرم کو چھوڑ کر اپنے ہی بیٹے کو سزا دینا بالکل ہی رحم کے خلاف ہے اور اس لیے یہ اعتراض اور سنگین ہو گیا ہے۔ کیا یہ ایک عجیب فلسفہ نہیں کہ گناہ کرے گنہگار اور سزا پائے دیندار۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔ (۱۶۰)، اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سُود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۶۱)

﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا﴾ مدینہ کے یہود سودی لین دین کرتے تھے جیسے آج کل سودخور مہاجن کرتے ہیں۔ یہ عوام کا حال تھا۔ اور خواص (علماء اور حکام) رشوت لیتے تھے۔ ﴿وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

گناہ دو طرح کے ہیں:

(١) خلق پر ظلم کرنا (٢) دین حق سے سرکشی کرنا۔

پہلے کی طرف ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ﴾ سے اور دوسرے کی طرف ﴿وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سے اشارہ کیا گیا۔

ان کے اسباب:

(١) یہود کی ذاتی زبردستیاں، زیادتیاں۔ (٢) ان کی متعدی گمراہیاں (٣) ممانعت کے باوجود سود خوری ﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا﴾ سے اشارہ ملتا ہے کہ موجودہ دور کی نیٹ ورک مارکیٹنگ (بیع مخاطرہ) جائز نہیں۔

(٤) ناجائز آمدنیوں سے تامل نہ کرنا ﴿وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾

قادیانی کے اعتراضات:

پہلا اعتراض: عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہیں تو زکوٰۃ کس کو دیتے ہوں گے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ مر چکے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے لیے مال ہونا ضروری ہے۔ ان کے پاس جب مال دنیوی ہے ہی نہیں تو زکوٰۃ کس کو اور کیسے دیں گے؟

دوسرا اعتراض: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نہیں آسکتے۔ جواب: آیت کا مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی قرب قیامت میں مسیح امتی بن کر آئیں تو کیا مضائقہ ہے کیونکہ ان کو نبوت آپ کے بعد نہیں ملی۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾

مگر جو لوگ ان میں سے علم میں پکے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور روزِ آخرت کو مانتے ہیں ان کو ہم عنقریب اجرِ عظیم دیں گے۔ (١٦٢)

﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ عبداللہ بن عباس کی تفسیر ہے کہ ﴿الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ سے مراد عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں جو رسول پر ایمان لائے جن کے اندر عصبیت اور تقلید جامد نہ تھی اس لیے انہیں سچائی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کیے اور موسیٰ سے تو اللہ تعالیٰ نے باتیں بھی کیں۔(۱۶۴) (سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔(۱۶۵)

﴿وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ﴾ نام پر نہیں کام پر دھیان دو۔ کیونکہ اللہ کے یہاں اہمیت کام کی ہے نام کی نہیں۔ اللہ نے بہت سے انبیاء کا حال بیان نہیں کیا۔ سوال یہ ہے کہ آخر ان انبیاء کرام کا کام کیا تھا۔ جواب دیا ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ نام نہیں بیان کیا مگر کام بیان کیا۔ اب یہی بات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ہے یا نہیں ہے؟ تو ان کو تم نبی کیوں نہیں مانتے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہا عقل ہدایت کے لیے کافی نہیں اسی لیے اللہ نے سلسلۂ انبیاء قائم کیا۔

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ دنیا کی مختصر زندگی کا انجام دو انتہائی صورتوں میں سامنے آنے والا ہے۔ ابدی راحت یا ابدی عذاب لہٰذا اللہ نے رہنمائی کے لیے دو انتظامات کیے۔ کتاب اور پیغمبر۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

اے اہلِ کتاب! اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ اللہ تھے اور نہ اس کے بیٹے بلکہ) اللہ کے رسول اللہ اس کا کلمۂ (بشارت) تھے جو اُس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ اللہ) تین (ہیں اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی اکیلا معبود ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔(۱۷۱)

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ بعض لوگ اوتار کا عقیدہ رکھتے ہیں جو شرک ہے۔ مثلاً یہ قلم ہے کیا اس قلم کا بنانے والا قلم میں آسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ جب اللہ محیط ہے تو وہ محاط میں کیسے آسکتا ہے؟ اللہ ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے اور اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ نصاریٰ نے غلو کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا

Scanned by CamScanner

کہا۔ یہودیوں نے مسیح کو قتل کر کے اعلان بھی کر دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی قتل ہوا پھر صلیب پر لٹکایا گیا مگر قرآن کہتا ہے مسیح نہ قتل ہوئے نہ مصلوب۔ بلکہ اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا۔قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز کے وقت دمشق میں منارۂ شرقی کے پاس اتریں گے۔

اہل کتاب غلو کی جس بیماری میں مبتلا تھے آج کل وہی غلو مسلمانوں میں بھی آ گیا ہے۔انہوں نے اولیاء کو اس درجہ بڑھا دیا ہے کہ انہیں اللہ کی الوہیت میں شریک قرار دیتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا اور مردہ کہنا گستاخی شمار کرتے ہیں۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم "نورٌ من نور اللہ" ہیں۔نیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو غلو سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ الْعَقَبَةِ وَهُوَ عَلَى رَاحِلَتِهِ: "هَاتِ الْقُطْ لِي" فَلَقَطْتُ لَهُ حَصَيَاتٍ هُنَّ حَصَى الْخَذْفِ، فَلَمَّا وَضَعْتُهُنَّ فِي يَدِهِ، قَالَ: "بِأَمْثَالِ هَؤُلَاءِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ" (سنن نسائی، کتاب المناسک الحج: ۳۰۵۷، صحیح)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین میں غلو سے بچو اس لیے کہ تم سے پہلے کی قومیں غلو فی الدین کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

اس کے باوجود ہندوؤں نے انسانوں کو اللہ کا اوتار کہا اور مسلمانوں نے اولیاء کو اللہ کے مقام پر پہونچا دیا اور ان کے لیے غوث اعظم، دستگیر، بندہ نواز اور مشکل کشا کے القاب تراشے۔کسی نے اماموں کے معصوم ہونے کا عقیدہ گڑھا کسی نے طریقت ایجاد کی، کوئی تصور شیخ لے کر بیٹھ گیا اور غلو پسند طبیعتوں نے بزرگوں کی عالیشان درگاہیں تعمیر کر ڈالیں۔غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شرک و بدعت کی تمام چکیاں غلو کے ہی محور پر گھوم رہی ہیں۔

﴿لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ مسیحیوں کو جس چیز نے گمراہ کیا وہ محبت میں غلو تھا۔غلو کی بنا پر خداوند اور ابن اللہ کے الفاظ استعمال کئے گئے۔

ان تمام جملوں میں اللہ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں عقیدۂ الوہیت کی صاف تردید کی گئی ہے۔خاص طور سے ﴿ابْنُ مَرْيَمَ﴾ اور ﴿اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ﴾ سے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ظاہر ہے جو پیدا ہو وہ الٰہ نہیں ہوسکتا۔

قرب قیامت میں جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو وہ کوئی دعویٰ نہیں کریں گے بلکہ وہ کام کریں گے جن کے لیے انہیں بھیجا جائے گا اور ان کے کام کی کامیابی بتادے گی کہ وہ مسیح موعود ہیں۔

غلو عیسیٰ: عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے کہا کہ یہ اللہ ہیں۔ یہود نے کہا یہ شعبدہ باز ہیں۔ایک نے شرک کیا دوسرے نے انکار۔ہم میں ایک نے امام کو نبی کے مقابلے میں کھڑا کر دیا دوسرے نے نبی کو اللہ کے مقابلے میں اور یہ کہا،

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

Scanned by CamScanner

غلو کے معنی ہیں حد سے نکل جانا۔ دین میں غلو کا مطلب ہے اعتقاد و عمل میں دین کی مقررہ حدود سے آگے بڑھ جانا۔ انبیاء علیہم السلام کی حد یہ ہے کہ ان کو خلق خدا سے افضل مانا جائے۔ اس حد سے آگے بڑھا کر انہیں اللہ یا اور کچھ بنا دینا غلو ہے۔

﴿لَا تَغْلُوْا﴾ عیسی علیہ السلام کو یہود نے ابن الفاعلۃ کہا یہ غلو ہے اور نصرانیوں نے انہیں ابن اللہ کہا، یہ بھی غلو ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ کہہ کر پہلے کا رد اور ﴿رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ﴾ کہہ کر دوسرے کا رد کیا گیا۔

صلیب: مسیح کو صلیب دینے کا واقعہ چاروں اناجیل میں موجود ہے لیکن قرآن نے اس کا سختی سے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے۔ عیسی علیہ السلام کو نہ قتل کیا گیا ہے نہ انہیں سولی دی گئی ہے بلکہ انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا ہے۔ انسانی معلومات کی ترقی نے قرآن کی اس صداقت کو ثابت کر دیا۔ چند سو سال پہلے انجیل برناباس کا نسخہ دریافت ہوا اس میں برناباس نے نہایت صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مسیح کو سولی نہیں دی گئی بلکہ ان کی جگہ یہودا اسکریوتی کو سولی دی گئی۔ حال ہی میں انجیل کا ایک اور نسخہ دریافت ہوا جو پطرس کی طرف منسوب ہے۔ اس میں بالکل صاف لکھا ہے کہ مسیح کو سولی دینے سے کچھ پہلے ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا۔

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ﴾ اقانیم ثلثہ:

(۱) اقنوم وجود (۲) اقنوم حیات (۳) اقنوم علم۔ یعنی تین ذاتیں تین جوہر۔ اقنوم وجود، باپ (اللہ) ہے اور اقنوم حیات (بیٹا) ہے اور اقنوم علم، روح القدس ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام ''کلام'' کے جسدی ظہور ہیں۔

عیسائیوں کے اس موقف پر اعتراضات:

(۱) تینوں ملنے کے بعد اپنے وجود اور تشخص میں جدا ہیں یا نہیں۔ اگر تشخص میں جدا ہوں تو وحدت کہاں رہی لہٰذا ایک کہنا غلط ہوا اور اگر تینوں کا وجود ایک ہو گیا تو پھر تین کہنا غلط ہوا۔

(۲) تین کل ہے، ایک جز ہے۔ کل اور جز کا ایک ہونا محال ہے۔

(۳) اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں تو بیٹا اپنے باپ کا محتاج اور موخر (بعد میں) ہوتا ہے اور موخر و محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔

(۴) ثالث ثلاثہ: (تین میں سے ایک) ایک میں تین۔ ایک سولی پا کر مر گیا، اب کوئی خدا نہ رہا۔ سوال یہ بھی ہے کہ عیسی علیہ السلام سے پہلے خدائی چلتی تھی یا نہیں اگر چلتی تھی تو پھر عیسی علیہ السلام کی ضرورت ہی کیا تھی؟

(۵) عیسی علیہ السلام خدا ہیں یہ بات دو حال سے خالی نہیں وہ خدا کی جنس سے ہیں یا غیر جنس سے ہیں۔ جنس سے ہیں تو تعدد آلہۃ لازم آیا اور غیر جنس سے ہیں تو یہ نقص ہے۔

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ﴾

تثلیث پر ایک سوال: باپ، بیٹا، روح القدس یہ تینوں صفات واعراض ہیں یا موصوفات وجواہر ہیں؟ بر تقدیر اول، یہ کس موصوف اور جوہر کے اعراض وصفات ہیں؟ میرا خیال ہے اس صورت میں تثلیث کی جگہ تربیع یا اور کوئی نام تجویز کرنا چاہئے کیونکہ اب تین پر حصر نہیں رہا۔

Scanned by CamScanner

اور برتقدیر دوم، یہ بتلائیے یہ تینوں حالت افتراق میں واجب الوجود مستجمع لجمیع صفات الکمال رہتے ہیں یا نہیں؟ اگر رہتے ہیں تو تثلیث کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ایسی صاحب الصفات ہستی نظام عالم کے لیے ایک ہی کافی ہے۔ بصورت دوم میرا خیال ہے کہ ناقص اور محتاجِ کمال شئے، قابل الوہیت نہیں۔

ایک بچے کے سامنے ایک پنسل پڑی ہوئی ہے میں اس سے کہوں کہ اگر اس پنسل کو اٹھانے کی ضرورت ہو تو تم مجھے آواز دینا کہ آؤ میری مدد کرو۔ اگر اس پنسل کو اٹھانے کے لیے وہ اپنے تمام ساتھیوں کو آواز دے تو اس کے متعلق لوگ کیا خیال کریں گے۔ اسی طرح اللہ کے اندر اکیلے دنیا پیدا کرنے کی طاقت تھی یا نہیں؟ اگر تھی تو وہی پنسل والی بات ہوگئی۔

عدم نجات:

غلطی کی دو قسمیں ہیں: (۱) اجتہادی (۲) عزم سے تعلق رکھنے والی۔

کوئی کسی کی جوتی اٹھا کر چلا جائے۔ چونکہ اس نے یہ ارادتاً کیا ہے لہٰذا یہ چوری ہے۔ اور اگر اسے بے خیالی میں پہن کر چلا جائے تو یہ اجتہادی غلطی اور نسیان ہے۔ آدم علیہ السلام سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

سوال: اللہ اگر مجرم کو سزا نہ دے تو عادل نہیں رہتا ہے؟ جواب اگر سارے انسان گنہ گار ہیں کیونکہ آدم کی اولاد ہیں تو مسیح بھی تو آدم کی اولاد تھے۔

نکتہ: انسان کے نفس میں نیکی اور بدی کا احساس پایا جاتا ہے اور اسے یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ میرے اندر فلاں خوبی پائی جاتی ہے۔ انسانی نفس میں تسویہ پایا جاتا ہے۔ نیکی پائی جاتی ہے بدی نہیں۔ جو انسان اسے خراب نہیں ہونے دیتا وہ کامیاب ہے اور جو اس نیکی کو مسل ڈالتا ہے وہ ناکام و نامراد ہے۔ یہ بات ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ میں موجود ہے۔ برائی خارج سے آتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَثَلِ البَهِيمَةِ تُنْتَجُ البَهِيمَةَ هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ" (صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ۱۳۸۵)

عیسیٰ علیہ السلام کے چار اوصاف:

(۱) ﴿ابْنُ مَرْيَمَ﴾ بحکم الٰہی بغیر باپ کے پیدا ہوئے نہ کہ فعل حرام سے۔

(۲) ﴿رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو رسول نہیں مانتے تھے، نصاریٰ اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔ رسول سے دونوں کا رد ہو گیا۔

(۳) ﴿كَلِمَتُهٗ﴾ یعنی "کلمہ کن" سے پیدا ہوئے۔ یوں تو تمام خلقت کلمہ "کُنْ" سے پیدا ہوتی ہے مگر لوگوں میں اسباب ظاہری کا لگاؤ بھی ہوتا ہے۔ مگر مسیح کی ولادت میں یہ نہ تھا۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ دشمن مارنے پر قادر نہ تھا کیوں کہ اللہ کے کلمہ کو کوئی پست نہیں کر سکتا۔

(۴) ﴿رُوْحٌ مِّنْهُ﴾ روح الامین کے نفخ (پھونکنا) کی وجہ سے انہیں روح کہا گیا۔ یعنی بحکم الٰہی مریم علیہا السلام میں روح الامین کے پھونک مارنے سے وہ ظہور میں آئے اور روح جس سے متصل ہوتی ہے وہ چیز زندہ ہو جاتی ہے۔ عیسیٰ علیہ

Scanned by CamScanner

السلام کے مسح سے اندھے بینا ہو جاتے تھے اور مُردے زندہ ہو جاتے تھے۔اس وجہ سے بھی انہیں روح کہا گیا۔ نیز روح کا قتل ممکن نہیں۔لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تین باتیں ارشاد ہوئیں:

(۱) رسول (۲) کلمۃ (۳) روح۔آپ مادی اسباب کے واسطے کے بغیر کلمہ ''کُنْ'' سے پیدا ہوئے۔لہٰذا آپ کو اللہ کا کلمہ کہا گیا۔اور آپ اللہ کے بیٹے نہیں اس وجہ سے آپ کو رسول کہا گیا۔اور آپ روح الامین کے نفخ سے پیدا ہوئے اسی وجہ سے آپ کو روح کہا گیا۔مگر عیسائیوں نے روح من اللہ کو روح اللہ اور ابن اللہ بنا لیا۔

روح کہنے کے کیا معنی ہیں؟ روح راز کے معنی میں بھی ہے۔چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عجیب وغریب طریقے سے ہوئی اس لیے وہ اللہ کا ایک راز تھے۔امام غزالی رحمہ اللہ نے کہا کہ بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں ایک عامل ''نُطْفَة''،دوسرا کلمہ ''کُنْ''،عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پہلا عامل منتفی ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ لکھا کہ ہارون رشید کے دربار میں ایک نصرانی طبیب نے واقدی سے مناظرہ کیا اس نے کہا کہ تمہاری کتاب قرآن میں ایک ایسا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا جزء تھے۔اور دلیل میں یہ آیت پڑھی ﴿اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ﴾ واقدی نے اس کے جواب میں دوسری آیت پڑھ دی ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ﴾ (سورۃ الجاثیہ:۱۳) نصرانی لاجواب ہوگیا۔کیونکہ نصرانی طبیب کے استدلال کی رو سے کائنات کا ہر ذرّہ اللہ کا جزء بن جاتا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کرلے گا۔(۱۷۲)

مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے بالکل عار نہیں کرتے اور نہ مقرب فرشتے۔کیونکہ بندگی ہی ان کے لیے باعث شرف وکمال ہے۔استنکاف کا مطلب ہے کسی چیز کو حقیر سمجھ کر اس سے ناک بھوں چڑھانا۔محاورہ ہے نكفت الدمع میں نے انگلی یا ہاتھ سے آنسو پونچھے۔

استنکاف،استکبار اور غرور میں فرق:

اِسْتِنْكَاف: غرور کے ساتھ انکار آمیز ناک بھوں چڑھانا۔

اِسْتِكْبَار: اپنے کو غلط طور پر بڑا سمجھنا۔استنکاف سے استکبار کا درجہ کم ہے کیونکہ استکبار وہاں ہوتا ہے جہاں بڑائی کا استحقاق بالکل نہ ہو اور تکبر میں یہ شرط نہیں کیونکہ تکبر کبھی استحقاق کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

نکاتِ سورۃ النساء

﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (سورہ نساء:۱) ملحدین کا رد ہے جو کہتے کہ بندر ترقی کر کے انسانی شکل میں آئے ہیں۔تمام انسانوں کی اصل دو ہیں۔آدم وحوا،انہیں دونوں سے اتنے مرد عورت پیدا ہوئے جن کی صحیح تعداد اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں۔

﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ عورت کو مرد سے پیدا کیا تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کے سائے اور اس کی ولایت ونگرانی میں رہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ صلہ رحمی واجب ہے اگر چہ وہ کافر کے تئیں ہو اس کے لیے اس کا دین اور اُس کے لیے اُس کا دین۔

﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ سب ایک باپ اور ماں سے ہیں تو طاقتور کمزور پر رحم کرے اور مالدار غریب کی مدد کرے یہاں دو رابطے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) رَابِطَةُ الْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ (۲) رَابِطَةُ الْقَرَابَةِ وَالرَّحِمِ

اور دونوں جگہ تقوی کا ذکر کیا گیا تو ہر انسان کے اوپر لازم ہے کہ ان دونوں رابطوں کی رعایت کرے۔اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ سعادت اور امان میں زندگی گذارتا ہے۔

﴿رِجَالًا كَثِيْرًا﴾ (سورہ نساء:۲) کہا نِسَاءً كَثِيْرَاتٌ نہیں کہا کیونکہ مردوں کی کثرت عزت کی بات ہے اور عورتوں کی کثرت کوئی فخر کی بات نہیں۔

﴿تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ "اَلتَّسَاؤُلُ بِالْاَرْحَامِ" (رشتہ داریوں کا واسطہ دے کر سوال کرنا) جائز ہے۔یہ قَسم نہیں بلکہ استعطاف (مہربانی طلب کرنا) ہے۔جیسے ایک آدمی دوسرے سے کہے "أَسْئَلُكَ بِالرَّحِمِ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا" تو اس سے مراد وہ قسم نہیں جو ممنوع اور حرام ہے۔یہ ان ارحام کی حرمت کے ذریعے سوال ہے جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ "حُوْبٌ" اونٹ کے لیے "ڈانٹ" کو کہا جاتا ہے پھر اسے گناہ کے معنی میں لے لیا گیا کیونکہ گناہ سے ڈانٹا جاتا ہے۔

﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ﴾ (سورہ النساء:۲) سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ابوصالح سے روایت کیا ہے کہ "لَا تَعْجَلْ بِالرِّزْقِ الْحَرَامِ قَبْلَ اَنْ يَّأْتِيَكَ الرِّزْقُ الْحَلَالُ الَّذِيْ قُدِّرَ لَكَ" (تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم:۴۷۳۴) حرام رزق میں جلدی نہ کر اس سے پہلے کہ وہ رزق حلال تمہارے پاس آجائے تو تمہارے لیے مقدر ہے۔

﴿مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (سورہ النساء:۳) شادی سے پہلے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کو دیکھ لینا چاہئے۔

﴿اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ (سورہ نساء:۳) "عَوْلٌ" دراصل "محسوس جھکاؤ" کو کہتے ہیں۔کہا جاتا ہے "عَالَ الْمِيْزَانُ اِذَا

مَالَ ''،یعنی جب ''عَالَ الْمِيْزَانُ '' کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے ترازو کا پلڑا جھک گیا۔ پھر اسے معنوی جھکاؤ کے معنی میں لے لیا گیا اور وہ ظلم ہے۔

﴿صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (سورہ نساء:۴) (اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو) مہر کے لیے ۹/الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

(۱)صداق (۲)صَدُقة (۳)مہر (۴)نحلة (۵)فریضة (۶)اجر (۷)علائق (۸)عقر (۹)حباء

﴿نِحْلَةً﴾ اَلْهِبَةُ وَالْعَطِيَّةُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ: یعنی مہر خوشی خوشی دیدو۔ کراہت اور ناخوشی کے ساتھ مت دو۔

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ﴾ لغت میں ''سفہ'' کا مطلب ''اَلْخِفَّةُ وَالْحَرَكَةُ'' ہے۔ کہا جاتا ہے ''تَسَفَّهَتِ الرِيْحُ الشَّجَرَ اِذَا اَمَالَتْهُ''، یعنی ہوا نے درخت کو جھکا دیا۔ یہاں وہ شخص مراد ہے جو اپنے مال میں ٹھیک سے تصرف نہیں کر سکتا۔

﴿اَلَّا تُقْسِطُوْا﴾ قَسَطَ بمعنی جَارَ (ظلم کیا) اور اَقْسَطَ بمعنی عَدَلَ (انصاف کیا) ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ ''مُقْسِطِيْنَ'' کا معنی ہے ''انصاف کرنے والے''۔

﴿وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ ﴿قٰسِطُوْنَ﴾ قاسط کی جمع ہے، اور قاسط بمعنی ظالم ہے۔

﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ رُشد کا معنی ''حسن تصرف'' ہے۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا﴾ (سورہ نساء:۶) (اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو) اِسْرَاف: حدِ اعتدال سے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ یہ ''سرف'' سے ماخوذ ہے جو توسط کی ضد ہے۔ دس روپئے کافی تھے، پندرہ روپے لے لیے، یہ اسراف ہے اور ''بِدَارًا'' کا مطلب ''جلدی جلدی'' ہے یعنی اسراف تو نہیں کرتا مگر اس کے بڑا ہونے سے پہلے کھا لیتا ہے۔

﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ (سورہ نساء:۸)

وارثین جب ترکہ بانٹنے لگیں تو تین قسم کے لوگ اقارب، یتیموں اور مسکینوں کو کچھ دیدو۔

﴿فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ﴾ یہ فعلی احسان ہے۔

﴿وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ یہ قولی احسان ہے۔

﴿وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ﴾ وَارْزُقُوْهُمْ مِنْهَا نہیں کہا۔ اس میں اشارہ ہے کہ مال کو تجارت وغیرہ میں لگا دیا جائے تا کہ پونجی محفوظ رہے اور ان کے لیے کھانا، کپڑا، نفع سے خرچ کیا جائے۔

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ حدود، حد کی جمع ہے۔ ''وَالْحَدُّ هُوَ الشَّئُ الْفَاصِلُ بَيْنَ شَيْئَيْنِ'' دو چیزوں کے درمیان فاصل چیز کو حد کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حدود واجبات، جیسے عبادتیں (۲) حدود محرمات، جیسے زنا، شراب نوشی وغیرہ

Scanned by CamScanner

نکتہ: جب اللہ کہے ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ تو یہ حدود اوامر ہے اور جب کہے ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ تو یہ حدود نواہی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی﴾ (سورہ النساء:١٠) یتیم جنت کا راستہ ہے اور جہنم کا بھی۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ﴾ (سورہ النساء:١١) لفظ ''وصیۃ'' چار بار آیا ہے تا کہ لوگوں کے ذہنوں میں ہمیشہ تازہ رہے۔ خاص طور سے وراثت کی تقسیم کے وقت۔

﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ (سورہ نساء:١٥)

زنا میں چار عادل مرد گواہ ضروری ہیں اور اللہ نے زنا میں مردوں کی ہی گواہی کو معتبر قرار دیا ہے اور گواہوں کی شہادت کی تصریح بھی ضروری ہے کہ گواہ کہیں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ مرد کا عضو تناسل عورت کی شرمگاہ میں اس طرح داخل تھا جیسے سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے۔ صرف جماع کی تصریح کافی نہیں، نہ یہ کافی ہے کہ ہم نے دونوں کو ننگا دیکھا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا﴾ (سورہ نساء:١٦) اللہ کی توبہ بندے پر دو قسم پر ہے:

(١) تَوْبَةٌ قَبْلَ فِعْلِ التَّوْبَةِ (توبہ کے کرنے سے پہلے توبہ)

(٢) تَوْبَةٌ بَعْدَهَا (اس کے بعد توبہ)

توبہ کے فعل سے پہلے توبہ کا مطلب، توبہ کی توفیق ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا﴾ اور وہ توبہ جو توبہ کے بعد ہے وہ قبول التوبۃ ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ یعنی اللہ، تَوَّابٌ اس معنی میں ہے کہ وہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے توبہ مہیا کرتا ہے اور اس معنی میں ہے کہ توبہ قبول کرتا ہے۔ گویا تَوَّابٌ کا مطلب ''مُهَیِّئُ التَّوْبَةِ'' (توبہ کا مہیا کرنے والا) اور قَابِلُ التَّوْبَةِ (توبہ قبول کرنے والا) دونوں ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ لوطی کو قتل کر دیا جائے۔ ہاں قتل کی کیفیت میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ کوئی اس بات کا قائل ہے کہ بلند جگہ سے ڈھکیل دیا جائے کوئی کہتا ہے کہ رجم کر دیا جائے کوئی کہتا ہے جلا دیا جائے۔

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ﴾ (سورہ النساء:١٧) اللہ کی رحمت پر غور کیجئے۔ لفظ ''علی'' یہ بتا رہا ہے کہ جو بھی توبہ کرے گا اللہ پر اس کا حق ہے کہ وہ اس کی توبہ قبول کرے۔

﴿ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ﴾ (سورہ نساء:١٧)

نکتہ: توبہ میں ایک شرط ہے ''اَلْعَزْمُ عَلٰی اَنْ لَّا یَعُوْدَ'' یعنی پکا ارادہ کرے کہ وہ گناہ پھر نہیں کرے گا۔ عَدَمُ الْعَوْدِ (گناہ کا پھر نہ ہونا) شرط نہیں ہے۔ کیونکہ اگر آدمی نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ آئندہ وہ گناہ نہیں کرے گا، پھر بتقاضائے بشریت وہ گناہ اس سے سرزد ہو گیا تو پہلی توبہ صحیح ہے۔

نکتہ: ایک شخص شرابی اور زانی ہے اگر زنا سے توبہ کر لیتا ہے مگر شراب پی رہا ہے تو زنا کی توبہ صحیح اور مقبول ہے۔

﴿اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ﴾ (سورہ نساء:١٩) فاحشہ مبینہ (کھلی بے حیائی) سے مراد رہن سہن اچھا نہ ہو

Scanned by CamScanner

مثلاً عورت تیز زبان ہو، حق زوجیت ٹھیک سے ادا نہ کرتی ہو۔ شوہر سے بے وفائی کرتی ہو۔ یہ ساری چیزیں فاحشہ مبینہ کے دائرے میں آتی ہیں۔

﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ اس میں اشارہ ہے کہ خلع میں شوہر دیئے ہوئے مال سے زیادہ عورت سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بیوی سے بلاوجہ ترش روئی سے پیش نہ آئے۔ تحقیراً اس سے نہ کہے کہ تو ''نَاقِصَةُ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ'' (دین اور عقل دونوں میں ناقص) ہے۔ کیونکہ عورت میں عقل کا نقصان عقل پر جذبات کے غلبے کی وجہ سے ہے تاکہ اس کی طبیعت پر محبت و شفقت غالب رہے۔ رہا دین کا نقصان کہ وہ ایام حیض میں نماز اور روزے وغیرہ سے رک جاتی ہے تو یہ اس کے ارادے سے نہیں ہوتا ہے۔

﴿فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾

اگر اللہ عیسیٰ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ معاملہ واجب ہے اور وہ ہوتا ہی ہے۔

بہت سی خوشیوں کے لہلہاتے پودوں کے پیچھے مصیبتوں کے ناگ چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور ناپسندیدگی کے جذبات اپنے دل میں مت پالو ورنہ بہت سی حسین چیزوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ ''خَيْرًا'' کہہ دینا کافی تھا ''كَثِيْرًا'' میں کیا کیا چھپا ہے سوچ کر دیکھو، کبھی کبھی کسی چیز کو ہم برا اور ناپسندیدہ سمجھتے ہیں مگر اس میں اللہ کی رحمت اور بہت سا خیر چھپا ہوا ہوتا ہے۔

﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا﴾ (سورہ نساء: ۲۰) اس آیت میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا جواز ملتا ہے۔ قنطار ایک ہزار مثقال سونے کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ایک بیل کے چمڑے بھر سونے کو قنطار کہتے ہیں۔ مگر ہلکی مہر مقرر کرنا افضل ہے۔

﴿مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ میثاق غلیظ سے مراد ''عقد نکاح'' ہے کہ شوہر کہتا ہے کہ میں نے تجھ سے اس اصول پر نکاح کیا۔

﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (سورہ نساء: ۲۲) (اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں مگر جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ یہ بڑی بے حیائی اور نفرت کی بات ہے اور نہایت برا چلن ہے)

باپ کی منکوحہ سے نکاح کے تین انجام بیان کئے گئے:

(۱) فَاحِشَةً (۲) مَقْتًا (۳) سَآءَ سَبِيْلًا

(۱) فَاحِشَةٌ - بڑی بے حیائی، بدترین گناہ بلکہ زنا سے بدتر ہے۔

(۲) مَقْتٌ - یعنی اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ مقت وہ ہے جو اللہ کے نزدیک اور شرفاء کے نزدیک بھی قابل نفرت ہو۔ زمانہ جاہلیت میں اگر باپ کی بیوی سے کسی کو اس کا کوئی بیٹا ہو جاتا تھا تو عرب اس کو مقیت کہتے تھے اور مقیت بمعنی ممقوت ہے یعنی اسے انتہائی قابل نفرت سمجھتے تھے۔

(۳) سَآءَ سَبِيْلًا - ہے یعنی یہ راستہ ہی انتہائی برا ہے۔

﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ (سورہ نساء: ۲۴) حلال عورتیں حرام عورتوں سے زیادہ ہیں کیونکہ آیت کریمہ میں محرمات (حرام کی ہوئی عورتیں) کو حصر کر دیا اور محللات (حلال کی ہوئی عورتیں) کو عام کر دیا۔

﴿يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ﴾ (سورہ نساء: ۲۷) بطن و فرج و فکر اور قلب کی شہوات۔ شہوت کبھی بطن کی ہوتی ہے کبھی فرج کی تو کبھی فکر کی اور کبھی قلب کی ہوتی ہے۔ یہاں ساری شہوتیں مراد ہیں۔

بدعتیوں کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قِسْمٌ عِنْدَهٗ شُبُهَاتٌ (وہ قسم جس کے پاس شبہات ہیں)

(۲) قِسْمٌ عِنْدَهٗ شَهَوَاتٌ (وہ قسم جن کے پاس شہوات ہیں)

جاہل کے پاس شبہات ہیں کہ اس پر حق و باطل ملتبس (گڈمڈ) ہو جاتے ہیں اور عالم کے پاس شہوات ہیں تو وہ، وہ ارادہ کرتا ہے جو ارادہ اللہ نہیں کرتا۔ آیت کریمہ میں دونوں سے ڈرایا گیا ہے۔ ذلت یہ ہے کہ انسان شہوات کا تابع ہو جائے اور عزت یہ ہے کہ انسان متبوع ہو جائے۔

﴿وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا﴾ (سورہ النساء: ۲۷)

خواہشات کے پجاری یہ چاہتے ہیں کہ ان جیسے بہت سے لوگ ہو جائیں اور لوگ انہیں انفرادیت کی نگاہ سے نہ دیکھیں کہ وہ وحشت محسوس کریں۔

﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (سورہ نساء: ۲۸) یہ بندوں پر تخفیف کی علت ہے کہ وہ کمزور پیدا کئے گئے ہیں۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ انسان کی کمزوری کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ عورت جب مرد کے پاس سے گذرتی ہے تو وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پاتا اور اسے تکنے لگتا ہے جب کہ اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو اس سے زیادہ کمزور چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟

﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً﴾ (سورہ نساء: ۲۹) ''اَلتِّجَارَةُ هِيَ التَّبَادُلُ بَيْنَ النَّاسِ مِنْ اَجْلِ الرِّبْحِ'' لوگوں کے درمیان نفع کی خاطر لین دین کو تجارت کہتے ہیں۔

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ﴾ (سورہ نساء: ۳۱) (اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا! ''اَلْكَبَائِرُ كُلُّ ذَنْبٍ خَتَمَ اللّٰهُ بِنَارٍ اَوْ لَعْنَةٍ اَوْ غَضَبٍ'' (شرح مسلم للنووی: ۸۵/۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر وہ گناہ جسے اللہ نے آگ یا لعنت یا غضب پر ختم کیا ہے وہ کبیرہ گناہ ہیں۔

﴿وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (سورہ النساء: ۳۲) کوئی کریم شخص کسی سے کہے کہ مجھ سے مانگو تو وہ مانگے تو وہ ضرور دیتا ہے، تو سب سے بڑا کریم اللہ اگر کہے کہ مجھ سے مانگو تو وہ نہ دے ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ (سورہ نساء: ۳۴)

''رَجُلٌ'' اور ''ذَكَرٌ'' میں فرق: رجل، بالغ مذکر انسان کو کہتے ہیں اور ذکر، بالغ اور نابالغ مرد دونوں کو کہتے ہیں

اور ''قَوَّامٌ'' أَیْ بِالْوِلَایَۃِ وَالسُّلْطَۃِ ''یعنی نگراں اور غالب کو قَوَّامٌ کہتے ہیں اور قوام صیغہ مبالغہ ہے جو تقاضا کرتا ہے کہ ''قَوَّامٌ عَلَی النِّسَاءِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ'' (ہر حال میں عورتوں پر غالب اور نگراں) ہو۔

﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَهُمْ﴾ فضیلت کا مطلب ہے کہ اللہ نے مرد کو قوت ظاہرہ اور باطنہ دونوں میں عورت پر فضیلت دی ہے۔ قوت ظاہرہ کہ مرد، بدنی اعتبار سے عورت سے زیادہ قوی ہوتا ہے اور باطنی اعتبار سے کہ شجاعت، ذہانت، صبر و تحمل وغیرہ مرد میں عورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور یہ فضیلت جنس کے اعتبار سے ہے ورنہ بہت سی عورتیں مردوں سے افضل ہیں اور مرد کی خارجی فضیلت یہ ہے کہ وہ عورت پر مال خرچ کرتا ہے۔ نیز اور کئی وجہوں سے مرد عورت پر فضیلت رکھتا ہے۔ مرد ہی ولی ہوسکتا ہے۔ عورت مرد کی ولیہ نہیں ہوسکتی۔ رسالت و نبوت مرد کے ساتھ خاص ہے۔ عورت پر جمعہ اور جہاد فرض نہیں ہے۔ اور مرد عورت پر خرچ کرے گا۔ شوہر اگر فقیر و مسکین ہے تو عورت اسے زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

﴿صٰلِحٰتٌ﴾ سے مراد ''مُدِیْمَاتٌ لِلصَّلَاحِ'' (بھلائی پر قائم رہنے والیاں) کیونکہ قنوت سے ہمیشگی مراد لی جاتی ہے اور یہاں آیت میں قٰنِتٰتٌ سے اَلْمُطِیْعَاتٌ لِلّٰہِ (اللہ کی اطاعت کرنے والیاں) مراد ہیں۔

﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ﴾ گھر کی بات باہر نہ لے جانے والیاں۔ جیسے کوئی سوال کرے کہ گھر کیسا چل رہا ہے تو جواب دینا چاہئے سب اچھا چل رہا ہے۔

﴿نُشُوْزَ﴾ کا مطلب ہے کہ وہ حق زوجیت ادا کرنے پر دھیان نہ دے اور حق زوجیت ادا بھی کرے تو کراہت اور بے دلی کے ساتھ ادا کرے۔ اگر عورت ایسا کرے تو مرد سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ نفقہ معاوضہ ہے، اور اگر عوض نہ پایا جائے تو وہ ساقط ہوجاتا ہے۔ تو نشوز ایک بیماری ہے۔ اللہ نے تین مراحل میں اس کی دوا ذکر کی ہے۔

(۱) ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ نصیحت کرو۔

(۲) ﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ﴾ بستر الگ کردو۔

(۳) ﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ مارو۔

(۴) ''طلاق'' اللہ نے ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ ناپسندیدہ ہے۔

﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ﴾ ہجرت سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے کفر کے وطن کو چھوڑ کر اسلام کے وطن میں چلے جانا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ مرد ایک بستر پر اور عورت دوسرے بستر پر ہو۔ یا مرد ایک کمرے میں اور عورت دوسرے کمرے میں ہو۔ اور اشارہ ہے کہ مرد اور عورت کا بستر ایک ہونا چاہئے۔ تبھی تو بستر سے الگ کرنے کا معاملہ پیش آئے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تادیب میں تدریج ضروری ہے۔

اور عورتوں کی دو قسمیں ہیں

(۱) مُطِیْعَۃٌ (۲) نَاشِزَۃٌ

﴿فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ﴾ اگر وہ مان جائیں تو ﴿فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا﴾ یعنی ''اُتْرُکُوْا الْمَاضِیَ'' (پرانی

باتیں بھول جاؤ) کیونکہ پرانی باتیں دہرانے سے مسئلہ نہیں سلجھے گا۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا﴾ (بیشک اللہ سب سے اوپر بہت بڑا ہے) اس میں عورتوں پر ظلم کرنے والوں کے لیے زبردست تہدید ہے۔

﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا﴾ (سورہ نساء:۳۵) حکمین یعنی دونوں پنچوں کی نیت اصلاح کی ہو اور ان کے پاس شریعت کا علم ہونا چاہئے اور دونوں کا مقصد اصلاح ہو نہ کہ ارضاء غیر (دوسرے کو خوش کرنا)

﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا﴾ (سورہ النساء:۳۵) کوئی شخص اپنے مقصد میں نیت کی اصلاح کر لے تو اس کا مقصود، اسے حاصل ہو جائے گا اور جو شخص خیر کا ارادہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے خیر کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔

نکتہ: اگر دو آدمی میاں بیوی کے درمیان اصلاح کی کوشش کریں تو اللہ ان کو اصلاح کی توفیق دے دیتا ہے۔

﴿وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (سورہ نساء:۳۶) والدین کے تین حالات ہیں (۱) اِسَاءَۃٌ (براسلوک) (۲) إِحْسَانٌ (اچھا سلوک) (۳) لَا اِسَاءَۃٌ وَلَا اِحْسَانٌ (نہ براسلوک نہ اچھا سلوک) ان کے ساتھ صرف حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ ''ج ن ب'' کا مادہ بُعد (دوری) پر دلالت کرتا ہے تو جارِ بعید (دور کا پڑوسی) ''اَلَّذِی لَیْسَ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ قَرَابَۃٌ'' وہ ہے کہ تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی رشتہ داری نہ ہو۔

﴿مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾ فَالِاخْتِیَالُ یَکُوْنُ بِالْفِعْلِ، وَالْفَخْرُ یَکُوْنُ بِاللِّسَانِ (بالقول) اِختیال (اترانا) فعل سے ہوتا ہے اور فخر قول سے ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ﴾ أَصْلُ الظُّلْمِ اَلنَّقْصُ (ظلم کی اصل نقص ہے) جیسے اللہ نے سورہ کہف میں فرمایا ﴿اٰتَتْ اُکُلَھَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْہُ شَیْئًا﴾ أَیْ لَمْ تَنْقُصْ مِنْہُ شَیْئًا (یعنی اس سے کچھ کم نہیں کیا) تو اللہ لوگوں کے بارے میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

﴿وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (سورہ نساء:۴۰) (اگر ایک نیکی ہو تو اس کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا فرماتا ہے)

قَالَ أَبُوْ ھُرَیْرَۃَ: وَإِذَا قَالَ اللّٰہُ أَجْرًا عَظِیْمًا، فَمَنْ یُقَدِّرُ قَدْرَہٗ (قرطبی) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کہے میں اجرِ عظیم دوں گا تو اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

﴿وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی﴾ (سورہ نساء:۴۱) سُکَارٰی سکران کی جمع ہے وَھُوَ مَنْ تَغَطّٰی عَقْلُہٗ عَلٰی وَجْہِ اللَّذَّۃِ وَالطَّرَبِ. جس کی عقل لذت یا خوشی کی وجہ سے ڈھک جائے اس کو سکران کہتے ہیں۔

﴿فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا﴾ (سورہ نساء:۴۳) پانی کی طہارت اور تیمم کی طہارت میں فرق یہ ہے کہ وضو میں چار اعضاء کو دھلنا ہے: (۱) چہرہ (۲) دونوں ہاتھ (۳) مسح راس (۴) دونوں پیروں کا دھلنا اور تیمم میں دو اعضاء کی طہارت ہے: (۱) چہرہ (۲) دونوں ہاتھ۔

Scanned by CamScanner

دوسرا فرق یہ ہے کہ پانی سے طہارت ''تطہیر حسی'' ہے اور تیمم کی طہارت، تطہیر معنوی ہے کہ وہ اللہ کے سامنے اپنی ذلت کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ وہ اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو مٹی سے مسح کرتا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ﴾ آپ کتنے ہی محتاط ہوں مگر آپ کے دشمن ہوتے ہی ہیں۔ کچھ تو دوستوں کے بھیس میں ہوتے ہیں جنہیں آپ نہیں جان سکتے۔

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا﴾ (سورہ نساء:۴۵) اپنے رب کو اگر راضی کرلو تو وہ تمہارا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔

﴿وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا﴾ اور وہ ان سے تمہاری حفاظت کرے گا۔

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ (سورہ نساء:۴۶) تحریف، ''تصریف'' کے معنی میں ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے صَرْفُ الدَّابَّةِ عَنْ جِهَةِ سَيْرِهَا سواری کو اس کے چلنے کی سمت سے پھیر دینا۔

تحریف کی دو قسمیں ہیں: (۱) تحریف لفظی (۲) تحریف معنوی

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ (سورہ نساء:۵۸)

اس سے بڑی خیانت اور اس سے زیادہ برا انجام کسی کا نہیں ہوسکتا ہے کہ لوگوں کے معاملات اسے سونپے جائیں اور وہ ان سے غافل ہو کر انہیں ضائع کر دے۔ اور سب سے عظیم امانت ''علم دین'' ہے تو دعوت کے ذریعے اس امانت کو ادا کرو۔

﴿وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا﴾ (سورہ نساء:۱۳۰)

طلاق کلی طور پر شر نہیں ہے طلاق کبھی کبھی شوہر کے لیے یا بیوی کے لیے یا شوہر اور بیوی دونوں کے لیے راحت وسکون اور کشادگی کا باعث ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے اس (طلاق) کو ان دونوں کے غنا (بے نیازی) کا سبب بنا دیا ہے۔ تو اگر شوہر اور بیوی میں جدائی ہو جائے تو دونوں کو اللہ سے حسن ظن رکھنا چاہئے کیونکہ اللہ نے ان سے رزق کی کشادگی کا وعدہ فرمایا ہے۔

﴿فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (سورہ نساء:۱۳۹) جس نے غیر اللہ سے عزت چاہی وہ ذلیل ہوا۔

﴿الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ﴾ (سورہ نساء:۱۴۱) اللہ مومنوں پر کافروں کو اتنا ہی تسلط دیتا ہے جتنی کہ ان کے ایمان میں کمی ہوتی ہے اور جتنا وہ اللہ سے دور رہتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے سزا ہوتی ہے۔

﴿لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (سورہ نساء:۱۴۲) جتنا زیادہ ذکر کروگے نفاق سے اتنے ہی دور رہو گے۔

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ﴾ (سورہ نساء:۱۴۷) اللہ شاکر اور مومن کو عذاب نہیں دیتا۔

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾ (سورہ نساء:۱۴۸)

ہمیشہ اچھی بات کہنی چاہئے اس احساس کے ساتھ کہ اللہ سن رہا ہے۔

﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ (سورہ نساء:۱۴۹)

دوسروں کو معاف کر دینا تمہاری معافی کا سبب ہے۔

﴿قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ (سورہ نساء:۱۵۶) (انہوں نے مریم علیہا السلام پر سخت بہتان لگایا)

Scanned by CamScanner

پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا سات ہلاک کردینے والے بڑے گناہوں میں سے ہے۔

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ (سورہ نساء:۱۵۷) یہ عجیب تناقض ہے کہتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام الٰہ ہیں یا اللہ کے بیٹے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ انہیں سولی دے دی گئی۔

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ﴾ (سورہ نساء:۱۵۸) (اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا) اس تعبیر کے راز پر غور کرو۔ ﴿رَفَعَهُ الله إلى السَّمَاءِ﴾ نہیں کہا۔

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ﴾ (سورہ النساء:۱۶۰) گناہ سے آدمی رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (سورہ نساء:۱۶۴)

شہرت، فضیلت کا معیار نہیں۔ اہم یہ نہیں کہ آپ کا نام کیا ہے اہم یہ ہے کہ آپ کا کام کیا ہے؟

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (سورہ نساء:۱۶۵)

(یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے۔ تا کہ ان کو بھیج کر لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہرحال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے) معلوم ہوا کہ شریعت اور رسولوں کا بھیجنا ضروری ہے کیونکہ عقل چراغِ راہ تو ہے مگر منزل نہیں ہے۔

﴿لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ (سورہ نساء:۱۷۱) غلو-اللہ پر جھوٹ باندھنے کے اسباب میں سے ہے۔ غالی (غلو کرنے والا) جب دلیل دینے سے عاجز رہ جاتا ہے تو اللہ پر جھوٹ باندھنے لگتا ہے تا کہ اپنی خواہش کی تکمیل کر سکے۔

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ (اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ مت کہو) اس جملے میں تین باتیں ہیں جن میں دو چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور ایک چیز کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) اللہ پر جھوٹ باندھنا منع ہے۔

(۲) اللہ کے اسماء وصفات میں بلا علم کوئی بات کہنا منع ہے۔

(۳) ان تمام امور میں حق بات کہنا ضروری ہے۔

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ (سورہ نساء:۱۷۴)

(لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے) جسے ہدایت اور نور چاہئے اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنا چاہئے۔

﴿نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ جو اپنی اور دوسروں کی زندگی کو روشن کرنا چاہتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن سے وابستہ ہو جائے۔

﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا﴾ (سورہ نساء:۱۷۶) "كُلُّ حُكْمٍ خَالَفَ حُكْمَ اللهِ فَهُوَ ضَلَالٌ" (ہر وہ حکم جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے) اگرچہ وہ لوگوں کو اچھا لگے۔

سورۃ المائدۃ (مدنیۃ)

مائدۃ (دسترخوان)

اسلامی شریعتوں میں عید کا یہ مطلب نہیں رہا ہے کہ قومی تہوار کا ایک دن ہو جس میں تمام اخلاقی قیود اور شریعت کے ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے بے ہنگم طریقے سے طرب و مسرت کا اظہار کیا جائے، چراغاں کیا جائے، جشن منایا جائے جیسا کہ آج کل یہی مفہوم سمجھ لیا گیا ہے۔ آسمانی شریعتوں میں اس کی حیثیت ایک ملّی تقریب کی ہوتی تھی، جس کا اہم مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس روز پوری ملت اجتماعی طور پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اس کی تکبیر وتحمید کے زمزمے بلند کرے، یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید بنانے کی جس خواہش کا اظہار کیا ہے اس سے ان کا مطلب یہی ہے کہ ہم اللہ کی تعریف، تمجید اور تحمید کریں۔

بعض اہل بدعت نے اس عید مائدہ سے عید میلاد کا جواز ثابت کرتے ہیں حالانکہ اول یہ ہماری شریعت سے پہلے کی شریعت کا واقعہ ہے جسے اسلام میں برقرار رکھنا ہوتا تو وضاحت فرمادی جاتی دوسرے عید کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے عید میلاد میں ان میں سے کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

یہ مائدہ اترا یا نہیں اس بابت کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں۔ اگر نازل ہوا ہوتا تو عیسائیوں کی کتابوں میں تواتر سے درج ہوتا۔ مگر ان کی کتابوں میں مائدہ کے نازل ہونے کا کہیں تذکرہ نہیں پایا جاتا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ مائدہ (خوان) اترا تھا اس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں حکم یہ تھا کھاؤ یہ ختم نہ ہوگا مگر بعض نے اس خوف سے اس میں چوری کر لیا کہ شاید یہ ختم ہو جائے۔ اس کے بعد خوان کو اٹھا لیا گیا۔ ﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ﴾ (المائدہ:١١٥) کے ظاہری الفاظ سے یہی مستفاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو تمہارے لئے چار پائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیئے گئے ہیں بجز اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں مگر احرامِ (حج) میں شکار کو حلال نہ جاننا اللہ تعالیٰ جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔(۱)

﴿اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ "اَلْعَقْدُ وَهُوَ مَا اَبْرَمَهُ الْاِنْسَانُ مَعَ غَيْرِهٖ" عقد وہ ہے جس کو انسان اپنے علاوہ کے ساتھ مضبوط کرتا ہے۔ عقد کی ضد "حل" ہے اور ہر عقد کا پورا کرنا واجب ہے شرط یہ ہے کہ وہ عقد حرام نہ ہو اگر عقد حرام ہے تو اس کو پورا کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ﴾ "اَلْبَهِيْمَةُ مَا لَا يَنْطِقُ، فَكُلُّ حَيَوَانٍ لَا يَنْطِقُ فَهُوَ بَهِيْمَةٌ" جو حیوان بول نہ سکے وہ بھیمۃ ہے "وَذٰلِكَ لِاَنَّ الْبَهَائِمَ لَا تُعْرِبُ فِي ضَمِيْرِهَا بَلْ يَكُوْنُ مَا فِي ضَمِيْرِهَا مُبْهَمًا لَا يُعْرَفُ" چونکہ بھائم اپنا مافی الضمیر ادا نہیں کر سکتے بلکہ ان کے ضمیر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مبھم ہوتا ہے اسی وجہ سے انہیں بھیمۃ کہا جاتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ احکام شرعیہ پر اعتراض کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

مومنو! اللہ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیئے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں اور نہ اُن لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے رب کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُن پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔(۲)

Scanned by CamScanner

﴿وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ حج اور عمرہ کرنے والوں کا احترام واجب ہے۔

﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾ مسجد حرام کا قصد کرنے والے کے لیے اخلاص ضروری ہے۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اور آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر آپس میں مدد نہ کرو۔

﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ﴾ البر، فعل الطاعات اطاعت کرنا۔

﴿وَالتَّقْوٰى﴾ تَرْكُ الْمُحَرَّمَاتِ حرام چیزوں کو چھوڑ دینا۔

﴿اَلْاِثْمِ﴾ "اَلْمَعَاصِیْ الْمُتَعَلِّقَةُ بِحَقِّ اللّٰهِ" وہ گناہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہوں انہیں "اثم" کہا جاتا ہے۔

"اَلْعُدْوَانُ: اَلْمَعَاصِیْ الْمُتَعَلِّقَةُ بِحَقِّ الْعِبَادِ" وہ گناہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں انہیں "عدوان" کہا جاتا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور وہ جانور بھی جو تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ پانسوں سے قسمت معلوم کرو یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں تو اُن سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو (اور) آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند فرمایا۔ ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (٣)

اکمال اور اتمام میں فرق:

دین کو کامل کر دیا اور شریعت کو مکمل کر دیا کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی کچھ شریعت نازل ہوئی ہے۔

﴿ اَكْمَلْتُ ﴾ کا مطلب ہے میں نے دین کو کامل کر دیا۔
﴿ اَتْمَمْتُ ﴾ کا مطلب ہے اس میں نقص نہیں ہے۔
﴿ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ تو اس دین کے سوا کوئی اور دین نہ اختیار کرو۔
﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اضطرار کی حالت میں جو حرام چیز تم نے کھالی اللہ اسے معاف کرتا ہے اور اس کا رحم یہ ہے کہ اس نے یہ تمہارے لیے جائز کر دیا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴

تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کیلئے حلال ہیں (ان سے) کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہیں حلال ہیں اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لیے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جنہیں تم نے سدھار کھا ہو اور جس (طریق) سے اللہ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اُس کو کھا لیا کرو اور (شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۴)

﴿ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ﴾ جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں وہ بدن، فرد اور معاشرہ سب کے لیے نافع ہیں اور جو چیزیں حرام کی ہیں وہ طیب نہیں بلکہ خبیث ہیں۔
﴿ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ ﴾ کتے کو علم دے دیا جائے تو تمام کتوں سے افضل ہو جاتا ہے۔ دنیوی علم سے انسان اَن پڑھ سے افضل ہو جاتا ہے اور دینی علم کی وجہ سے دنیوی علم والے سے افضل ہو جاتا ہے اور علم کے ساتھ عمل ہو تو دینی علم رکھنے والوں سے افضل ہو جاتا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵

آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہلِ کتاب

عورتیں بھی (حلال ہیں) جب کہ اُن کا مہر دے دو اور اُن سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔ اور جو شخص ایمان سے منکر ہوا اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔ (۵)

﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے طعام کی تفسیر ان کے ذبیحوں سے کی ہے یعنی اس آیت میں طعام سے مراد یہود و نصاریٰ کے ذبیحے ہیں۔ اہل کتاب کی عورتوں سے شادی جائز ہے شرط یہ ہے کہ وہ محصنت ہوں اور ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ﴾ کا مطلب "عَفِيْفَاتٌ مِنَ الزِّنَا" (زنا سے پاک) ہوں یعنی وہ عورتیں پاکدامن ہوں۔

دوسری شرط ہے کہ انہیں مہر دیا جائے۔ ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ کو ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ (مسلمان پاکدامن عورتوں کو اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں پر مقدم کیا) کیونکہ مومن کا مرتبہ بلند ہے۔

عورتوں سے استمتاع کی تین قسمیں ہیں:

(۱) تَحْصِيْن - عقد شرعی ہے۔ (۲) سَفَاح - زنا مُعْلَن (علانیہ زنا) ہے۔

(۳) اِتِّخَاذُ اَخْدَانٍ - زنا سری (چھپ کر زنا) ہے۔

پہلے کے علاوہ بقیہ دونوں سے نکاح جائز نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء میں سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہمبستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اُس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنی چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔ (۶)

Scanned by CamScanner

﴿وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ "اَرْجُلَكُمْ بِالْفَتْحِ" اور "اَرْجُلِكُمْ بِالْكَسْرِ" کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پیر کھلا رہے تو دھونا فرض ہے اور اگر چھپا ہوا ہے تو مسح فرض ہے۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾

(۱) شرمگاہ کو اگر بلا شہوت چھوتا ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(۲) شرمگاہ کو شہوت سے چھوتا ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۳) چھوٹے بچے کی شرمگاہ کے چھونے میں وہی قید ہے کہ اگر شہوت سے چھوئے گا تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر بلا شہوت چھوئے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

﴿وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ﴾ طہارت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) الغسل (۲) وضو (۳) تیمم اور تیمم بندوں پر اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨

اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو (بلکہ) انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔(۸) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن کیلئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔(۹)

﴿اِعْدِلُوْا﴾ اَلْعَدْلُ- هُوَ اِعْطَاءُ كُلِّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ- ہر حقدار کو اس کا حق دے دینا "عدل" ہے۔

﴿اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ فرمایا گیا عدل کرو، یہ تقویٰ کے قریب ہے۔ یہ نہیں کہا کہ یہ تقویٰ ہے، کیونکہ اگر اللہ کے خوف سے عدل کرتا ہے تو یہ تقویٰ ہے اور اگر لوگوں کے نزدیک تعریف کی خواہش ہے تو یہ تقویٰ نہیں ہے۔

﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ مغفرت گناہوں کے مقابلے میں ہے اور اجر عظیم نیکیوں کے مقابلے میں ہے۔ پس گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور نیکیوں پر ثواب عظیم سے نوازا جاتا ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا

قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾

تو اُن لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو۔ تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۳)

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ﴾

لعنت عمومی طور پر جائز ہے جیسے ہم کہیں لَعَنَ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ (اللہ ظالموں پر لعنت کرے) لیکن خصوصی طور پر کسی معین شخص پر لعنت ہم نہیں کریں گے کیونکہ اگر وہ زندہ ہے تو ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا خاتمہ کس پر ہوگا، ہوسکتا ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو۔ اور اگر وہ شخص مر گیا ہے تو ہم اس پر لعنت نہیں کریں گے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ انہوں نے اپنے اعمال آگے بھیج دیئے ہیں۔ اگر وہ مستحق لعنت ہے تو وہ ملعون ہے خواہ ہم لعنت کریں یا نہ کریں اور وہ مستحق لعنت نہیں ہے تو ہم گنہگار ہوں گے۔

﴿وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ آدمی جب اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور جب انسان اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ سخت دلی کی دوا کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ سخت دلی کی دوا اللہ کی کثرت اطاعت ہے، اور سخت دلی اور تحریف اور نسیان یہ یہود کی خصلتیں ہیں۔ انسان پر واجب ہے کہ ان خصلتوں سے اس طرح بھاگ جیسے وہ شیر سے بھاگتا ہے۔

﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾

یہ اِنْحَرَفَتِ الدَّابَّةُ یعنی تَغَيَّرَ مَسِيْرُهَا وَانْحَرَفَتِ السَّفِيْنَةُ أَيْ تَغَيَّرَ تُجَاهُهَا ﴿يُحَرِّفُوْنَ﴾ اِنْحَرَفَتِ الدَّابَّةُ سے ماخوذ ہے۔ جانور کے چلنے کی راہ کو بدل دینا ''تحریف'' کہلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے اِنْحَرَفَتِ السَّفِيْنَةُ یعنی کشتی کے رخ کو بدل دینا۔

نکتہ: تحریف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تحریف لفظی جیسے حطۃ کو حنطۃ کہنا۔

(۲) تحریف معنوی دلیل میں ہوتی ہے اور تعطیل مدلول میں ہوتی ہے۔ جیسے کوئی استویٰ کو استولیٰ کے معنی میں لے۔ آیت استواء کو ثابت کر رہی ہے لیکن انہوں نے استواء کو ثابت نہیں کیا۔ انہوں نے مدلول کو معطل کر دیا۔

﴿وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ (مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انہوں نے فراموش کر دیا)

Scanned by CamScanner

نسیان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نسیان علمی- ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا﴾ سے ثابت ہے۔

(۲) نسیان عملی- ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ﴾ یہ نسیان عملی ہے۔

﴿خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ یہود کی خیانت ہمیشہ باقی رہے گی اور جو یہود کی تاریخ کا مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ خائن ہیں۔ان کے عہد پر خوش نہیں ہوا جا سکتا اور نہ اس کے وعدہ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔اس لیے کہ یہ خائن ہیں۔یہ جب کسی کو طاقتور دیکھتے ہیں تو اس کے سامنے کمزور بن جاتے ہیں اور کسی کمزور کو دیکھتے ہیں تو اس کے سامنے طاقتور بن جاتے ہیں۔یہ بس اپنا الو سیدھا کرنے اور اپنے مفادات کے حصول میں لگے رہتے ہیں اور اس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ﴾

عفو اور صفح میں فرق: اَلْعَفْوُ-تَرْكُ الْمُؤَاخَذَةِ عَلَى الذَّنْبِ گناہ پر گرفت نہ کرنا۔"اَلصَّفْحُ-اَلْإِعْرَاضُ عَنْهُ" (اس سے اعراض کرنا) اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے آپ کے ساتھ برا سلوک کیا آپ نے اس کو معاف کر دیا اور بدلہ نہیں لیا، یہ "عفو" ہے۔اور اگر آپ نے چشم پوشی کی اور جو ہوا اس کے بارے میں آپ نے کبھی تذکرہ نہیں کیا، یہ "صفح" ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ خطا پر گرفت نہ کرنا بھی احسان شمار کیا جاتا ہے۔اس آیت میں احسان کرنے پر ابھارا گیا ہے۔احسان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) إِحْسَانٌ فِي عِبَادَةِ الْخَالِقِ (۲) إِحْسَانٌ فِي مُعَامَلَةِ الْمَخْلُوْقِ

پہلی قسم کو نبی ﷺ نے حدیث جبریل: قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإِحْسَانِ؟ قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ" (صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۸) میں بتا دیا ہے۔

دوسری قسم ہے "بَذْلُ النَّدَى وَكَفُّ النَّوى" یعنی اس کے ساتھ بھلائی کریں اور اس پر زیادتی نہ کریں۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا إِنَّا نَصٰرٰٓى أَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾

اور جو لوگ (اپنے تئیں) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے ان میں قیامت تک کیلئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔(۱۴)

﴿قَالُوْٓا إِنَّا نَصٰرٰى﴾ عیسائی خود کو نصاریٰ کہتے ہیں مسیحی نہیں کہتے، کیونکہ ناصرہ ایک گاؤں کا نام ہے تو وہ اپنی نسبت وطن اور زمین کی طرف کرتے ہیں۔اگر خود کو مسیحی کہیں تو رسول کی طرف نسبت ہوگی اور اس کی اتباع کرنی پڑے گی۔

Scanned by CamScanner

یہود و نصاریٰ میں آپسی عداوت رہے گی اور آج جو ہم ان کو متفق دیکھتے ہیں تو یہ ظاہری اتفاق ہے ورنہ ان کے دلوں میں بغض و عداوت بھری پڑی ہے۔

﴿فَاَغْرَيْنَا﴾ میں فاء سَبَبِيَّةٌ ہے یعنی ان میں بغض و عداوت کا سبب اعراض عن دین اللہ ہے۔

﴿عَدَاوَةَ﴾ اور ﴿بَغْضَآءَ﴾ میں فرق: "اَلْعَدَاوَةُ ضِدُّهَا الْوِلَايَةُ" -بَغْضَاءُ دوستی کی ضد ہے۔ وَالْبَغْضَاءُ ضِدُّهَا الْمَحَبَّةُ اور بَغْضَاءُ کی ضد محبت ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر (آخر الزماں) آگئے ہیں کہ جو کچھ تم کتابِ (الٰہی) میں سے چھپاتے تھے وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کھول کر بتادیتے ہیں اور تمہارے بہت سے قصور معاف کردیتے ہیں بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔(١٥)

﴿تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ اس امت میں جو علم کو چھپائے وہ یہود و نصاریٰ کے مشابہ ہے۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾

جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہی۔(١٦)

﴿مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ جس سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کے طریقے بتاتا ہے جو اس کی رضا چاہتے ہیں۔ جو اللہ کی خوشنودی سے اعراض کرے اللہ اسے سُبُلَ السَّلٰمِ کی طرف ہدایت نہیں کرتا۔

"سُبُلَ السَّلٰمِ- إِضَافَةُ الشَّيْئِ إِلَى مُسَبَّبِهِ- أَيِ السُّبُلُ الَّتِي يَحْصُلُ بِهَا السَّلَامُ فَالسَّلَامُ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ اَلسَّلَامُ مِنَ النَّارِ وَالسَّلَامُ مِنَ الزَّيْغِ" سبل السلام میں شئے کی اضافت اس کے مسبب کے طرف ہے۔ یعنی وہ راستے جن سے سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ تو سلامتی کا مطلب ہر چیز سے سلامتی ہے جیسے جہنم سے سلامتی اور گمرہی سے سلامتی۔

تین آیتیں ہیں:

پہلی آیت میں ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (مائدہ:٤٤) ہے۔

دوسری آیت میں ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (مائدہ:٤٥) ہے۔

تیسری آیت میں ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (مائدہ:٤٧) ہے۔

Scanned by CamScanner

اگر کتاب اللہ کا انکار کر کے (پس پشت ڈال کر) فیصلہ کرے تو "کفر" ہے۔ اور اگر کتاب اللہ کو مانتے ہوئے فیصلہ چاہنے والے پر ظلم کی وجہ سے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ دے تو یہ "ظلم" ہے۔ اور اگر کتاب اللہ کو مانتے ہوئے اپنے خواہش نفس کی وجہ سے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرے تو یہ "فسق" ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم، اللہ ہیں وہ بیشک کافر ہیں (ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟ اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۷)

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾

اَلْمَسِيْحُ بِمَعْنَى الْمَاسِحِ وَالْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ بِمَعْنَى الْمَمْسُوْحِ۔ اَلْمَسِيْحُ بمعنى الْمَاسِحِ قَالَ الْعُلَمَاءُ: لِاَنَّهٗ لَا يَمْسَحُ ذَا عَاهَةٍ اِلَّا بَرَأَ بِاِذْنِ اللّٰهِ يُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَسُمِّيَ مَسِيْحًا الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ الْمَسِيْحُ بِمَعْنَى الْمَمْسُوْحِ لِاَنَّ عَيْنَهٗ مَمْسُوْحَةٌ حَيْثُ اَنَّهٗ اَعْوَرُ مَسِيْحٌ، مَسَحَ بمعنى اِزَالَةُ مَا بِهٖ مِنْ اَثَرٍ (کسی اثر کو زائل کرنا) یا "اَمَرَّ يَدَهٗ عَلٰى جِسْمِهٖ بِالدُّهْنِ" (اپنے ہاتھ کو کسی کے جسم پر تیل لگا کر پھیرنا) سے ماخوذ ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس وجہ سے کہا جاتا ہے جب بھی کوئی بیمار ان کے پاس آتا اور آپ اس پر اپنا ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ کے حکم سے شفایاب ہو جاتا تھا اور دجال کو مسیح اس وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی آنکھ ہی صاف کر دی گئی ہے، اسی وجہ سے وہ کانا ہے۔

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ جب وہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے تو کسی شخص کو بلا باپ کے کیوں نہیں پیدا کر سکتا؟

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جب آسمان و زمین کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے تو عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کیسے ہو گئے؟ مملوک مالک کیسے بن سکتا ہے؟

﴿فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ اگر اللہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں اور زمین پر رہنے والی ہر چیز کو تباہ کر دے تو اسے روکنے والا کون ہے؟ جب کوئی نہیں روک سکتا تو عیسیٰ معبود کیسے ہوئے؟

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾

قوت اور قدرت میں فرق: قوت کا تعلق ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں سے ہوتا ہے، کہا جاتا ہے "فُلَانٌ قَوِیٌّ" (فلاں قوی ہے) اور "اَلْحَدِیْدُ قَوِیٌّ" (لوہا قوی ہے) لیکن قدرت کا تعلق صرف ذوی العقول سے ہوتا ہے لہٰذا لوہے کے بارے میں "اَلْحَدِیْدُ قَدِیْرٌ" (لوہا قدیر ہے) نہیں کہا جاسکتا، دوسرے قدرت کی ضد "عجز" ہے اور قوۃ کی ضد "ضعف" ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بد اعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ (نہیں) بلکہ تم اُس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۱۸)

﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ﴾ مناظرہ کا اصول بتایا گیا کہ پہلے مخالف کے دعوے کو باطل کر دیا جائے، پھر اس کے موقف کے خلاف ثبوت پیش کیا جائے، بیٹے کو باپ کا فرمانبردار ہونا چاہیے مگر انہوں نے گناہ کیا، انہیں عذاب دیا گیا اور عادتاً محب اپنے حبیب کو معاف کر دیتا ہے اور اس سے چشم پوشی کرتا ہے اور جب انہیں عذاب دیا گیا تو یہ محبوب کیسے ہوئے؟ گویا یہودیوں کے اس دعوے کو دو طرح سے توڑ دیا گیا (۱) تم کیسے محبوب ہو کہ حبیب کی نافرمانی کرتے ہو؟ (۲) تم اگر محبوب ہو تو تم پر عذاب کیوں آئے؟ جبکہ محب اپنے محبوب کو تکلیف نہیں پہنچاتا ﴿فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ﴾ کے بعد ﴿بِذُنُوْبِكُمْ﴾ لا کر یہ بتایا گیا کہ اللہ بغیر گناہ کے عذاب نہیں دیتا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو تم پر اللہ نے جو احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرو کہ اُس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہلِ عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔ (۲۰)

﴿اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾

انبیاء کو ملوک پر مقدم کیا، اس سے معلوم ہوا کہ علماء، امراء سے افضل ہیں کیونکہ علماء وارث الانبیاء ہیں۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

Scanned by CamScanner

وہ کہنے لگے کہ موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست (لوگ) رہتے ہیں اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں نہیں جاسکتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم جا داخل ہوں گے۔ (۲۲)

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ﴾

یہود انبیاء کی شان میں گستاخی کرتے تھے جیسا کہ یہاں موسیٰ علیہ السلام پر لفظ نداء (یا) داخل ہے، یعنی وہ انبیاء کو اس طرح پکارتے تھے جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، اس کے ساتھ یہود بڑے بزدل تھے، وہ ان کے قول ﴿قَوْمًا جَبَّارِيْنَ﴾ سے ظاہر ہے، لفظ "جَبَّارٌ: نَخْلَةٌ جَبَّارَةٌ" سے ماخوذ ہے "وَهِيَ النَّخْلَةُ الْقَوِيَّةُ الْعَالِيَةُ" بلند اور مضبوط کھجور کا درخت ہے، کہا جاتا ہے، "فُلَانٌ عِنْدَهُ بُسْتَانٌ جَبَّارٌ نَخْلُهُ يَعْنِي قَوِيًّا عَالِيًا لَا يَتَنَاوَلُ الْإِنْسَانُ ثَمَرَهُ بِيَدِهِ" فلاں کے پاس ایک باغ ہے جس میں کھجور کے درخت بلند اور مضبوط ہیں کہ انسان اس کا پھل اپنے ہاتھ سے نہیں توڑ سکتا، گویا "جَبَّارٌ" میں دو معنی ہیں (۱) عُتَاةُ الْأَخْلَاقِ (سرکش عادتوں والے) (۲) أَقْوِيَاءُ الْأَجْسَامِ لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نُقَاتِلَهُمْ (طاقتور بدن والے، ہم ان سے لڑ نہیں سکتے)

﴿فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ﴾

"اِنَّ" تاکید کے لیے آتا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر یہ نکل گئے تو یقیناً ہم داخل ہوں گے، غور فرمائیں کہ اگر وہ شہر سے نکل گئے تو کیا انہیں دخول کی تاکید لانے کی ضرورت تھی؟ بالکل ضرورت نہیں تھی، لیکن اس مغضوب امت کا حال دیکھئے کہ جس طرح یہ دین میں انتہائی گمراہ تھے، اسی طرح عقل کے اعتبار سے بالکل احمق تھے اور "اِذَا خَرَجُوْا" نہیں کہا بلکہ ﴿اِنْ يَّخْرُجُوْا﴾ کہا گویا وہ اس شہر کے لوگوں کے شہر سے نکلنے کو محال سمجھتے تھے کیونکہ لفظ اِنْ حرف شرط ہے جو کبھی کبھی محال چیزوں کے لیے بھی آتا ہے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۥ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر اللہ کی عنایت تھی کہنے لگے کہ اُن لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو۔ جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو۔ (۲۳)

﴿فَتَوَكَّلُوْٓا﴾ توکل میں چار چیزیں ہوتی ہیں:

(۱) صِدْقُ الْاِعْتِمَادِ عَلَى اللّٰهِ (اللہ پر بھروسہ سچا ہو)

(۲) اَلثِّقَةُ بِهِ، اسے بھروسہ مند سمجھنا۔

(۳) اس سے حسن ظن ہو۔

(۴) اسباب اختیار کرے۔

Scanned by CamScanner

اگر یہ چاروں اوصاف جمع ہوں تو توکل مکمل ہوتا ہے کیونکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے لیکن وہ شک میں ہو تو حقیقت میں وہ متوکل نہیں ہے اور اگر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے لیکن اسے بھروسے کے قابل نہیں سمجھتا تو بھی توکل نہیں ہے اور توکل میں حسن ظن یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ اللہ اس کے لیے کافی ہے اور اسباب اختیار کرنا ضروری ہے کہ اللہ نے مسببات کو اسباب کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

"إِذَا" اور "إِنْ" میں فرق: دونوں کو مثال سے سمجھیں۔

إِذَا قَامَ قُمْتُ: جب وہ کھڑا ہوگا تو میں کھڑا ہوں گا، یعنی وہ عنقریب کھڑا ہوگا اور جیسے ہی (جس وقت) وہ کھڑا ہوگا میں بھی کھڑا ہوں گا اور اگر کہا جائے "إِنْ قَامَ قُمْتُ" تو اس کا مطلب ہوگا اگر وہ کھڑا ہوا تو میں کھڑا ہوں گا اب ہو سکتا ہے کہ وہ کھڑا ہو یا ہو سکتا ہے کہ وہ نہ کھڑا ہو اور کبھی ناممکن کے لیے بھی آتا ہے کہ اگر وہ کھڑا ہوا یعنی ممکن ہے کہ وہ کھڑا ہی نہ ہو۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۚ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے۔ تو جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کیلئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تمہیں دیئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے سو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تمہیں اختلاف تھا وہ تمہیں بتا دے گا۔ (۴۸)

﴿عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ قرآن میں تمام چیزیں حق ہیں۔ اگر خبر ہے تو صدق ہے اگر قصے ہیں تو نافع ہے اور احکام ہیں تو عدل ہے۔

سوال: کیا کفار کے ملک میں فیصلے کے لیے ان کے پاس جا سکتے ہیں؟

جواب: اگر ان کے پاس فیصلہ لے جائے بغیر آپ کا حق آپ کو نہ مل سکے تو لے جا سکتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔ "اَلشِّرْعَةُ - مَا يَشْرُعُ وَأَصْلُهَا شِرْعَةُ الْمَاءِ وَالْمِنْهَاجُ مَا يَنْهَجُ وَأَصْلُهُ الطَّرِيْقُ فَكُلُّ أُمَّةٍ لَهَا شِرْعَةٌ تُنَاسِبُ حَالَهَا وَمَكَانَهَا وَزَمَانَهَا وَمِنْهَا تَسْلُكُهُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَمَّا الْكُفْرُ وَأَمَّا الْإِيْمَانُ - شِرْعَةٌ، شِرْعَةُ الْمَاءِ" (گھاٹ) سے ماخوذ ہے، کیونکہ پیاسا پانی پینے کے لیے گھاٹ پر آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح پیاسے کے لیے پانی کا گھاٹ ضروری ہے اسی طرح انسان کے لیے ایک مثالی زندگی گذارنے کے لیے شریعت ضروری ہے۔ ہر امت کو اس کے زمان و مکان اور حالات کی مناسبت سے شریعت دی جاتی ہے۔ شرعۃ سے مراد شریعت اور منہاج سے مراد شریعت کو مضبوطی سے پکڑنا ہے یا چھوڑ دینا ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾

تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں۔ (٥٥)

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾

اللہ اور رسول اور ایمان والے، تمہارے ولی ہیں۔ اس طرح مومنوں کو ایک دوسرے کا دوست اور مددگار رہنا چاہئے۔ اللہ اور رسول کے علاوہ مؤمنین بھی تمہارے ولی ہیں۔ اس میں مومنوں کی فضیلت ظاہر ہوئی پھر ایمان والوں کی دو صفتیں بیان کی گئیں۔ (١) نماز (٢) زکوۃ۔ ایمان کے بعد نماز کا ذکر فرمایا کیونکہ بلاشبہ توحید کے بعد نماز افضل عبادات ہے۔ اسی لیے یہ عبادت اللہ کی طرف سے رسول کو بلا واسطہ، اعلیٰ جگہ اور اشرف رات میں دی گئی جو فعلاً پانچ ہے مگر میزان میں پچاس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عبادات میں نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے دل میں وسوسے اور افکار بہت زیادہ آتے ہیں کیونکہ نماز سب سے بہترین عبادت ہے اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ اسے خراب کر دے۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾

کہو کہ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا پانے والے کون ہیں، وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر غضبناک ہوا اور (جن کو) ان میں سے بندر اور سؤر بنا دیا اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی ایسے لوگوں کا برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے رستے سے بہت دور ہیں۔ (٦٠)

Scanned by CamScanner

﴿مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ہمیں چاہئے کہ ہم یہ نہ دیکھیں کہ بندوں کی نگاہ میں ہمارا مرتبہ اور پوزیشن کیا ہے بلکہ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہمارے رب کے پاس ہمارا کیا مرتبہ ہے؟ اگر ہمارا مقام اللہ کے یہاں صحیح ہے تو اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔

﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾

اہل کتاب کی نمایاں چار صفات ہیں:

(۱) لعنت (۲) غضب (۳) مسخ (۴) عبادت طاغوت۔

لفظ طاغوت-طغیان سے بنا ہے۔ طاغوت کی سب سے جامع تعریف وہ ہے جو علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کُلَّ مَاتَجَاوَزَبِهِ الْعَبْدُ حَدَّهٗ اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی کی اطاعت میں حد سے گذرنا طاغوت کی عبادت ہے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھیں گے کہ ان میں اکثر گناہ اور زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں بے شک یہ جو کچھ کرتے ہیں برا کرتے ہیں۔ (۶۲)

﴿وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾

یہودیوں کے اوصاف میں سے ہے کہ تین چیزوں میں مسارعت (بڑی تیزی) کرتے ہیں:

(۱) اِثْمٌ (گناہ)

(۲) عُدْوَانٌ (زیادتی)

(۳) أَكْلُ السُّحْتِ (حرام خوری) تو جس کے اندر یہ تین صفتیں ہوں وہ یہودیوں کے مشابہ ہے۔

وَلِیٌّ کا مطلب: جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ ولاء اور توالی کا مطلب ہے، دو یا زیادہ چیزوں کا اس طرح ہو جانا کہ ان کے درمیان بیگانگی نہ رہے۔ مجازاً اس کا اطلاق قرب مکانی، قرابت نسبی، قرابت دینی، قرب دوستی، قرب مدد، قرب عقیدہ اور آقائیت پر ہوتا ہے اور ناظم امور اور متولی نظام ہونے پر بھی ہوتا ہے۔ اور بندہ کی اللہ سے جو نسبت محبت و قربت ہوتی ہے اس کو ولایت کہتے ہیں۔ ولی کا اطلاق اللہ اور بندہ دونوں پر ہوتا ہے۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾

بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں۔ (۶۳)

﴿لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ علماء اور مربین (تربیت کرنے والے) پر لازم ہے کہ وہ نہی عن المنکر کرتے رہیں۔

Scanned by CamScanner

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ
مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا
نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾

اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ (گردن سے) بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پر لعنت ہو (اس کا ہاتھ بندھا ہوا نہیں) بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جس طرح (اور جتنا) چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ (کتاب) جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئی اس سے اُن میں سے اکثر کی شرارت اور انکار اور بڑھے گا۔ اور ہم نے اُن میں عداوت اور بغض قیامت تک کیلئے ڈال دیا ہے یہ جب لڑائی کیلئے آگ جلاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو بجھا دیتا ہے اور یہ ملک میں فساد کیلئے دوڑے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (٦٤)

﴿يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے دو ہاتھ ہیں اور اس کے دونوں ہاتھ خیر اور جود وسخا سے بھرے ہوئے ہیں۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ یہودیوں کو زمین میں فساد پھیلانا بہت پسند ہے اس کے لیے وہ بڑی تیزی سے دوڑتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو ہم ان سے ان کے گناہ محو کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے۔ (٦٥)

﴿لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾

گناہ سے توبہ کرنے والے کے لیے دو ثواب ہیں: (١) ثواب الدنیا (٢) ثواب الآخرۃ

دنیا کا ثواب ہے ﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (تو وہ خوب کھاتے (پیتے ان کے) اوپر سے (رزق برستا) اور نیچے سے (ابلتا)

اور آخرت کا ثواب ﴿لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

Scanned by CamScanner

رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

اے پیغمبر! جوارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچادو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے رکھے گا بیشک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (۶۷)

---

(۱) ''یا'' حرف ندا-مخاطب کرنے کے لیے آتا ہے۔ جو ندا دینے والے کی توجہ اور عنایت کی دلیل ہے۔

(۲) الرَّسُوْلُ وصف رسالت ذکر کر کے یہ بتایا گیا کہ اگر تبلیغ کا حکم نہ بھی دیا جاتا تو وصف رسالت کا تقاضا تھا کہ آپ تبلیغ کریں۔

(۳) جو تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا یعنی (کتاب وسنت) کی تبلیغ کیجئے۔

(۴) جو کچھ نازل ہوا ہے سب پہنچا دیجئے۔ ایسا مت کیجئے کہ کچھ تو پہنچایئے کچھ نہ پہنچایئے۔

(۵) آپ نے اگر نہیں پہنچایا یا سارا نہیں پہنچایا، کچھ چھپالیا تو گویا آپ نے پیغام پہونچایا ہی نہیں۔

(۶) بعض کا انکار کل کا انکار ہے۔

(۷) رِسَالَتَهٗ میں رسالت کی اضافت ضمیرہٗ جو رب کی طرف راجع ہے، سے اشارہ ہے کہ اللہ اس پیغام کا مُرسِل (بھیجنے والا) ہے۔

(۸) آپ تبلیغ کیجئے، لوگوں سے آپ کی حفاظت کرنا اللہ کے ذمے ہے۔

(۹) پیغام پہنچاتے وقت اپنے قول وفعل سے مجمل کی تفسیر کر دیجئے یعنی قرآن کے لفظ اور معنی دونوں پہنچایئے۔

(۱۰) ﴿مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ سے معلوم ہوا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

(۱۱) ﴿لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اللہ نے کسی کے کفر کا فیصلہ کر دیا تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

(۱۲) کافرین اللہ کے دوستوں کے خلاف کتنی ہی سازشیں کرلیں وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوں گے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾

وہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسیح، اللہ ہیں حالانکہ مسیح یہودیوں سے کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کیساتھ شرک کرے گا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۷۲)

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾

(۱) مَنْ لَهُ سَيِّئَاتٌ بِلَا حَسَنَاتٍ - جس کے پاس صرف برائیاں ہوں نیکیاں نہ ہوں۔

(۲) سَيِّئَاتٌ زَائِدَةٌ عَنِ الْحَسَنَاتِ - برائیاں نیکیوں سے زیادہ ہوں۔

(۳) تَسَاوَتْ حَسَنَاتُهُمْ وَسَيِّئَاتُهُمْ - نیکیاں اور برائیاں دونوں برابر ہوں۔

(۴) مَنْ تَرَجَّحَتْ حَسَنَاتُهُ عَلَى سَيِّئَاتِهِ - جن کی نیکیاں برائیوں پر راجح ہوں۔

(۵) حَسَنَاتٌ بِلَا سَيِّئَاتٍ صرف نیکیاں ہوں برائیاں نہ ہوں۔

پہلی قسم جہنمی ہے، دوسری قسم جہنم کی مستحق ہے، ہوسکتا ہے شفاعت سے نجات پا جائے۔ تیسری قسم اصحب الاعراف کی ہے، آخر میں جنت میں جائیں گے۔ چوتھی قسم جنتیوں کی ہے۔ پانچویں قسم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اللہ نے آپ کے بارے میں ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ (سورہ فتح) (تا کہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے) فرمایا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں سے جو کافر ہوئے ہیں وہ دردناک عذاب پائیں گے۔ (۷۳)

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو تین میں سے تیسرا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''ثلثۃ'' (تین) (۱) عیسیٰ (۲) مریم (۳) اللہ ہیں اور تین میں سے تیسرے عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ تین (۱) باپ (۲) بیٹا (۳) روح القدس ہیں۔ مگر اس قول میں نظر ہے۔

ثالث ثلاثہ کا مطلب ہے ''إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مُتَعَدِّدٌ فِي الْإِسْمِ فَقَطْ وَمُتَّحِدٌ فِي الذَّاتِ'' کہ اللہ صرف نام میں متعدد (کئی) ہے۔ مگر ذات میں متحد (ایک) ہے۔ تعدد آلہہ (کئی معبودوں کا ہونا) سمعاً، عقلاً اور فطرتاً باطل ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

مسیح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) پیغمبر تھے اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور اُن

Scanned by CamScanner

کی والدہ (مریم) اللہ کی ولی اور سچی فرمانبردار تھیں دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم ان لوگوں کیلئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں پھر (یہ) دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جارہے ہیں۔(۷۵)

مسیح ابن مریم ایک رسول ہے ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھیں ہم ان کے لیے کس طرح کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، پھر وہ کیسے بہکے جاتے ہیں۔ چونکہ رسالت ایک تکلیف ہے اور رسول مکلف ہے۔ تو مُرسَل (بھیجا گیا) اللہ کیسے ہوسکتا ہے؟

(۱) عیسیٰ علیہ السلام- اللہ نہیں اس کے رسول ہیں۔

(۲) ان کی ماں صدیقہ (عقیدہ اور عمل میں سچی) ہیں۔

(۳) ﴿قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ﴾ رسول مرجاتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو قرب قیامت میں نازل ہونے کے بعد مرنا ہی ہے۔

(۴) عیسیٰ علیہ السلام اگر اِلٰہ ہوتے تو انہیں موت نہیں آتی۔

(۵) مریم کو صدیقہ کہا گیا یہ انبیاء کے بعد کا درجہ ہے۔ اس میں مریم کی تعریف ہے۔

(۶) صدیقہ میں یہود کا رد ہے۔ جنھوں نے دعویٰ کیا کہ مریم زانیہ ہیں کیونکہ زانیہ صدیقہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ زنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۷) جو کھانے کا محتاج ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا کیونکہ احتیاج الوہیت کے منافی ہے اور مریم اور عیسی علیہما السلام دونوں کھانا کھاتے تھے۔

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ غَيۡرَ الۡحَـقِّ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ﴿۷۷﴾

کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! اپنے دین (کی بات) میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش کے پیچھے نہ چلو جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اکثر گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے۔(۷۷)

﴿وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ﴾

"مَا وَافَقَ الشَّرۡعَ فَهُوَ هُدًى وَمَا خَالَفَهُ فَهُوَ هَوًى" جو شریعت کے موافق ہو وہ ہدیٰ ہے اور جو شریعت کے مخالف ہو وہ ہویٰ ہے۔

﴿سَوَآءِ السَّبِيۡلِ﴾ "أَصۡلُ السَّبِيۡلِ الۡعَدۡلُ الَّذِيۡ لَيۡسَ فِيۡهِ غُلُوٌّ وَلَا تَفۡرِيۡطٌ"، سبیل کی اصل اعتدال ہے۔ جس میں غلو اور تفریط ہو۔

پارہ نمبر

٧

سورة المائدة

(آیت : ۸۳ تا ۱۲۰)

سورة الأنعام

(آیت : ۱ تا ۱۱۰)

مجمع بلقيس للبحوث الإسلامية
حيدرآباد الهند

Scanned by CamScanner

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو (سب سے پچھلے) پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ (اللہ کی جناب میں) عرض کرتے ہیں کہ اے رب! ہم ایمان لے آئے تو ہمیں ماننے والوں میں لکھ لے۔ (۸۳) اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے ایمان نہ لائیں اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ اللہ ہمیں نیک بندوں کیساتھ (جنت میں) داخل کرے گا۔ (۸۴)

﴿وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴾

(جب کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کی جماعت میں داخل کر دے گا) اس تعبیر میں حکمت یہ ہے کہ مومن اپنے لیے یقین نہ کرلے کہ وہ جنتی ہے بلکہ اسے طمع (امید) ہونی چاہئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾

مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اُن کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۸۷)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا﴾

"عَدَمُ الْاَكْلِ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ثَلَاثَةُ اَقْسَامٍ" -اللہ کے دیئے ہوئے میں سے نہ کھانے کی تین قسمیں ہیں:

(۱) نہ کھائے تو مر جائے گا اس کے باوجود کھانا چھوڑ دینا حرام ہے۔

(۲) کھانے کی ضرورت نہیں ہے مگر بدن کو طاقتور بنانے کی ضرورت ہے تو کھانا مستحب ہے۔

(۳) پرہیزگار بتانے کے لیے نہ کھانا، اس کی ممانعت ہے۔

﴿حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ -فی نفسہ ایک چیز حلال ہوتی ہے مگر اس کا کسب حرام ہوتا ہے۔

مسئلہ: کسی شخص کا مال حرام کمائی سے ہے تو کیا دوسرے شخص کے لیے جائز طریقے سے اس کا حصول حلال ہے؟

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے یہاں کھانا کھایا جو سودخوری اور حرام خوری اور رشوت میں مشہور تھے۔ تو اس کی اجازت سے کسی چیز کا کھانا اور اس کی طرف سے دیا ہوا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ مگر جب یہ معلوم ہو کہ مال دوسرے آدمی کا ہے جیسے

کسی چور نے ایک بکری چرائی اور ذبح کر کے دعوت دی اور آدمی کو معلوم ہے کہ یہ چوری کی ہے، تو اس کا کھانا جائز نہیں۔

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اُسے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ (۸۸)

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾

ایمان حقیقی تقویٰ کو مستلزم ہے۔ تو جو یہ کہے میں مؤمن ہوں اور وہ متقی نہیں ہے تو یا تو وہ پوری طرح فاقد الایمان (ایمان کھو دینے والا) ہے یا ناقص الایمان (کمزور ایمان والا) ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۚ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہ کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اُس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا اُن کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہیئے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے (سمجھانے کے) لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ (۸۹)

(لوگو!) تمہاری لغو قسموں پر اللہ تم سے مواخذہ نہ کرے گا، لیکن جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو ان (کے توڑنے) پر تم سے (ضرور) مواخذہ کرے گا۔ سو اِس (طرح کی قسمیں توڑنے) کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے اہل وعیال کو کھلایا کرتے ہو، یا ان (دس مسکینوں) کو کپڑے پہنانا، یا ایک غلام آزاد کرنا، لیکن جس کو (یہ سب کچھ) میسر نہ ہو تو وہ پھر تین دن تک (پے در پے) روزے رکھے۔ یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ جب کہ تم (سمجھ بوجھ کر) قسم کھا بیٹھو۔ اور اپنی قسموں کی نگہداشت کیا کرو (کہ کھا کر توڑنی نہ پڑیں)۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار رہو۔

Scanned by CamScanner

قسم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) یمین غموس (۲) یمین لغو (۳) یمین منعقدہ

یمین غموس- ان تین قسموں میں یمین منعقدہ ہی پر کفارہ ہے۔

مشائخ عراق نے صراحت کی ہے کہ صفات ذات کی قسم کھانے سے قسم کا انعقاد ہو جاتا ہے مگر صفات فعل کی قسم کھانے سے انعقاد نہیں ہوتا۔ ان مشائخ کے نزدیک صفات ذات سے مراد وہ صفات ہیں جن کی ضد اللہ میں موجود نہیں ہے جیسے قدرت، جلال، بزرگی، عظمت (ان کی ضد عجز، ذلت، حقارت سے اللہ پاک ہے) اور صفات فعل سے مراد وہ صفات ہیں کہ ان کی ضد بھی اللہ میں موجود ہے جیسے رحمت، غضب، خوشنودی، ناراضگی وغیرہ۔ جمہور علماء کے نزدیک انعقاد قسم کے لیے حرف قسم ضرور ہونا چاہیے خواہ تلفظ کیا گیا ہو یا محذوف ہو۔ ابن عبدالبر نے مسئلہ قسم میں صحابہ وتابعین کے اقوال نقل کر کے صراحت کی ہے کہ سب کے نزدیک قرآن کی قسم کا کفارہ واجب ہے۔

(۱) یمین غموس: ایک شخص نے کوئی کام کر لیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اور موجب وبالِ دنیا وآخرت ہے۔ مگر اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ اسی کو ''یمین غموس'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ غموس کے معنی غرق کر دینے کے ہیں۔ یہ قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق کرنے والی ہے۔

(۲) یمین لغو: کسی گذشتہ واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو مثلاً کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آگیا ہے اس پر اعتماد کر کے اس نے قسم کھالی کہ وہ آگیا ہے پھر معلوم ہوا کہ یہ واقع کے خلاف ہے، اس کو ''یمین لغو'' کہتے ہیں۔ اسی طرح بلا قصد، زبان سے لفظ قسم نکل جائے تو اس کو بھی ''یمین لغو'' کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس پر کفارہ ہے نہ گناہ۔

(۳) یمین منعقدہ: آئندہ زمانے میں کسی کام (جو ممکن ہو مستحیل نہ ہو) کے کرنے نہ کرنے کی قسم کھالے اس کو ''یمین منعقدہ'' کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ نہیں ہوتا۔ اگر آدمی اتنے غصے میں ہو کہ اسے اپنے اوپر قابو نہ ہو تو اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر ایسے شدید غصہ میں اپنی عورت کو طلاق دے دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح شدید غصہ میں آدمی قسم کھالے تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔

کفارۂ یمین (کفارہ قسم) تین چیزوں میں اختیار ہے:

(۱) ﴿اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ﴾ (دس مسکینوں کو کھانا کھلانا) طعام میں لبن (دودھ) شامل نہیں ہے۔

﴿كِسْوَتُهُمْ﴾ (دس مسکینوں کو کپڑا)

(۲) ﴿صِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ﴾ (تین دن کے روزے) (۳) ﴿تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ ایک غلام آزاد کرنا۔

Scanned by CamScanner

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ
عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ (۹۰)

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ﴾

(۱) كُلُّ مَا اَسْكَرَ فَهُوَ خَمْرٌ۔ ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔

(۲) ﴿وَالْمَيْسِرُ﴾ "هُوَ اَخْذُ الْمَالِ عَلٰى وَجْهِ الْمُغَالَبَةِ" ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے لیے مال لینا "مَیْسِر" کہلاتا ہے۔

(۳) ﴿اَلْاَزْلَامُ﴾ یہ "زلم" کی جمع ہے۔ "وَهُوَ السَّهْمُ الَّذِىْ لَا رِيْشَ فِيْهِ كَانُوْا يَقْتَرِعُوْنَ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ" زلم اس تیر کو کہتے ہیں جس کے اندر پر نہیں ہوتا۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس سے قرعہ اندازی کرتے تھے۔

(۴) ﴿اَلْاَنْصَابُ﴾ هِيَ مَا يُنْصَبُ لِيَعْبُدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ وہ چیز غیر اللہ کی عبادت کے لیے نصب کی جائے۔

﴿عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ کیونکہ شیطان ہی نے وسوسہ ڈالا اور اس کا حکم دیا۔ شیطان جن اعمال کا حکم دیتا ہے وہ رجس ہیں۔ ان چاروں چیزوں سے بچنا مقتضیات ایمان میں سے ہے اور ان میں پڑنا نواقص ایمان میں سے ہے۔ شیطان "عداوۃ وبغضاء" (دشمنی اور کینہ) کا ارادہ کرتا ہے جو تفرق کا سبب ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امت میں تفرقہ پیدا کرنا شیطان کے مقاصد ومرادات میں سے ہے اور اللہ نے اجتماع واتحاد کا حکم دیا ہے اور تفرقہ بازی سے منع کیا ہے اور جو چیزیں اللہ کے ذکر سے روکیں تو وہ شیطان کے حکموں میں سے ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر پرہیز کیا اور نیکوکاری کی اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔ (۹۳)

اس آیت میں تین مرتبہ تقویٰ کا، دو مرتبہ ایمان کا اور ایک مرتبہ احسان کا ذکر کیا گیا ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ
وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَ [illegible] هَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

Scanned by CamScanner

وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾

اللہ نے عزت کے گھر (یعنی) کعبہ کو لوگوں کیلئے موجبِ امن مقرر فرمایا ہے اور عزت کے مہینوں کو اور قربانی کو وہ اُن جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں۔ یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔ (٩٧)

﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ کعبہ کے ساتھ لوگوں کی دینی اور دنیوی مصلحتیں وابستہ ہیں۔ دینی مصلحت سے مراد ''ثوابِ عظیم'' ہے۔ اور دنیوی مصلحت سے مراد ''بیع وشراء'' (خرید وفروخت) خصوصاً قربانی کے جانور ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (اُن کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی (اب تو) اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔ (١٠١)

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا﴾ بالوں کی تین قسمیں ہیں:

(١) ''نَهْيٌ عَنْ اِزَالَتِهٖ'' جس کے ہٹانے سے منع کیا گیا ہو، جیسے داڑھی وغیرہ۔

(٢) ''اَمْرٌ بِاِزَالَتِهٖ'' جس کے ہٹانے کا حکم دیا گیا ہو جیسے وہ چیزیں جو فطرت میں آئی ہیں۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ - اَوْ خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ - اَلْخِتَانُ، وَالْاِسْتِحْدَادُ، وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ، وَنَتْفُ الْاِبِطِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ'' (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ: ٢٥٧)

پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں:

(١) ختنہ (٢) زیر ناف بال مونڈھنا (٣) ناخن تراشنا (٤) بغل کے بال اکھاڑنا (٥) مونچھوں کو کم کرنا۔

(٣) مسکوت عنہ (جس سے سکوت اختیار کیا جائے) جیسے بدن کے دیگر حصوں کے بال۔

﴿غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ غَفُوْرٌ لِلذُّنُوْبِ - حَلِيْمٌ عِنْدَ الْعُقُوْبَةِ فَلَا يُعَاجِلُ وہ غفور ہے یعنی گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ اور وہ حلیم ہے یعنی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾

اللہ نے نہ تو بحیرہ کچھ چیز بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء

Scanned by CamScanner

کرتے ہیں اور یہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔

﴿وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ جو شخص بغیر علم، حلت اور حرمت کا فتویٰ دینے اور جواب دینے پر اقدام کرتا ہے۔ وہ بے عقل ہے اگرچہ خود کو امام زمانہ سمجھ رہا ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اے ایمان والو! اپنی جانوں کی حفاظت کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت وہ تمہیں تمہارے سب کاموں سے جو (دنیا میں) کئے تھے آگاہ کرے گا (اور ان کا بدلہ دے گا)۔ (۱۰۵)

﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ چھوٹا بڑا ہر ایک کو اٹھایا جائے گا۔

سوال: روح پھونکنے سے پہلے اگر حمل ساقط ہو جائے گا تو کیا وہ بھی اٹھایا جائے گا؟

جواب: نہیں، کیونکہ وہ انسان نہیں ہوا۔ اس کی دلیل ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ (سورۃ المؤمنون: ۱۴) پھر نطفہ کو منجمد خون بنایا، پھر اس منجمد خون کو گوشت کا ایک ٹکڑا بنایا، پھر اس ٹکڑے سے ہڈیاں پیدا کیں، پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے تخلیق کے ایک دوسرے مرحلہ سے گزار کر اسے پیدا کیا، پس برکت والا ہے اللہ جو سب سے عمدہ پیدا کرنے والا ہے۔ آیت میں ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ (پھر ہم نے (روح پھونک کر) اسے دوسری مخلوق بنا دیا) ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح پھونکنے کے بعد والا "خلق" پہلے خلق کے علاوہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

مومنو! جب تم میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو شہادت (کا نصاب) یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم (مسلمانوں) میں سے دو مرد عادل (یعنی صاحبِ اعتبار) گواہ ہوں یا اگر (مسلمان نہ ملیں اور) تم سفر کر رہے ہو اور (اس وقت) تم پر موت کی مصیبت واقع ہو تو کسی دوسرے مذہب کے دو (شخصوں کو) گواہ (کر لو) اگر تم اُن گواہوں کی نسبت کچھ شک کرو تو اُن کو (عصر کی) نماز کے بعد

Scanned by CamScanner

کھڑا کرو اور دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ہم شہادت کا کچھ عوض نہیں لیں گے گو ہمارا رشتہ دار ہی ہو، اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔(۱۰۶)

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ﴾

دو کافر آدمیوں نے ایک مسلمان کے ساتھ سفر کیا۔ حالت سفر میں مسلمان کو موت آ گئی اور وہاں کوئی مسلمان نہیں تو اس مسلمان نے دونوں کافروں کو وصیت پر گواہ بنایا تو کیا ان دونوں کافر آدمیوں کی گواہی قبول کی جائے گی؟

جواب: قبول کی جائے گی کیونکہ وہاں کوئی مسلمان نہیں تو یہ حالت اضطرار ہے۔

﴿وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (سورۂ قصص:۶۵)

اور جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور پوچھے گا کہ تم نے (دنیا میں) رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔

امتوں سے پوچھا جائے گا ﴿مَاذَآ اَجَبْتُمْ﴾ نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ اور رسولوں سے پوچھا جائے گا ﴿مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ تمہیں امتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا؟ رسول یہ کہیں گے ﴿لَا عِلْمَ لَنَا﴾ یہ اللہ کے حضور ادب کی وجہ سے کہیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے یہ سوال جانکاری حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا ہے، کیونکہ اسے علم ہے۔ یا ﴿عِلْمَ لَنَا﴾ کا یہ مطلب ہوگا کہ ہمارے بعد انہوں نے کیا کیا اس کا ہمیں علم نہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰی وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾

جب اللہ (عیسیٰ علیہ السلام سے) فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرے اُن احسانوں کو یاد کیجئے جو میں نے آپ پر اور آپ کی والدہ پر کیے، جب میں نے روح القدس (یعنی جبرئیل) سے آپ کی مدد کی آپ جھولے میں اور جوان ہو کر (ایک ہی نسق پر) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے آپ کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب آپ میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اُس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتے تھے اور مُردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا

کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو آپ سے روک دیا جب آپ اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو جو اُن میں سے کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (۱۱۰)

﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ تیس سے لے کر چالیس یا پچاس تک کی عمر کہولت کی عمر ہوتی ہے اور ﴿كَهْلًا﴾ کہہ کر اس طرف اشارہ ہے کہ عیسیٰ کا گھوارے میں کلام کرنا کہولت میں کلام کرنے کی طرح تھا۔

﴿فَتَنْفُخُ فِيهَا﴾ جسموں میں نفخ (پھونکنا) کی تاثیر اس وقت ہوتی ہے جب اللہ اس میں اثر ڈالنا چاہے۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(تب) عیسیٰ بن مریم نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لیے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کے لیے اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے تو بہتر رزق دینے والا ہے۔ (۱۱۴)

﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ﴾ انسان کو چاہیے کہ دعا میں اللہ کی الوہیت اور ربوبیت کا ذکر کرے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اللہ نے فرمایا کہ میں تم پر ضرور خوان نازل فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا اُسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہلِ عالم میں کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا۔ (۱۱۵)

﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾

"اَنَّ كَلَامَهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى- بِحَرْفٍ وَصَوْتٍ لِاَنَّهٗ قَالَ قَوْلًا وَصَلَ اِلَيْهِ وَلَا يُمْكِنُ اَنْ يَّصِلَ اِلَيْهِ اِلَّا بِصَوْتٍ، بِحَرْفٍ بَلْ بِحُرُوْفٍ مُتَتَابِعَةٍ" اللہ کا کلام حرف اور آواز کے ساتھ ہے کیونکہ اس نے ایسی بات کہی جو عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچی اور یہ ممکن نہیں کہ وہ بغیر آواز اور حرف بلکہ مسلسل حروف کے ساتھ نہ پہنچے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ۗ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۗ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ نے لوگوں سے کہا

Scanned by CamScanner

تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے مجھے کب شایان تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھے معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اُسے میں نہیں جانتا بیشک تو علام الغیوب ہے۔(۱۱۶)

﴿تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ﴾
(تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے) کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام مخلوق ہیں اور اللہ خالق ہے۔اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مخلوق کو غیب کا علم نہیں ہوتا اگرچہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾

اللہ فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کی سچائی ہی فائدہ دے گی اُن کیلئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابدالآباد ان میں بستے رہیں گے، اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔(۱۱۹)

﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اطاعت بجالانے کی وجہ سے اللہ ان سے راضی ہوگیا اور مکمل رضا جنت میں داخلے کے بعد ہوگی۔ جب اللہ کہے گا کہ اب تم سے میں کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

"عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ يَقُولُ لِأَهْلِ الجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الجَنَّةِ؟ فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُونَ: يَا رَبِّ، وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي، فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا"

(صحیح مسلم، کتاب الجنۃ ونعیمہا: ۲۸۲۹)

﴿وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ دنیا میں اعمال صالحہ کی توفیق کی وجہ سے اور آخرت میں ثواب کی وجہ سے وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔

Scanned by CamScanner

نکاتِ سورہ مائدہ

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (سورہ المائدہ:۱) عقد کو پورا کرنا ضروری ہے۔ عقد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) "عَقْدٌ بَیْنَ اللّٰہِ وَبَیْنَ الْعَبْدِ" اللہ اور بندے کے درمیان معاہدہ۔

(۲) "عَقْدٌ بَیْنَ الْعَبْدِ وَنَفْسِہٖ" بندے اور اس کے نفس کے درمیان معاہدہ۔

(۳) "عَقْدٌ بَیْنَ الْعَبْدِ وَالْعَبْدِ" بندے اور بندے کے درمیان معاہدہ۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ (سورہ المائدہ:۲) نیکی پر معاونت کو تقویٰ کے ساتھ ملایا کیونکہ تقویٰ میں اللہ کی رضا ہے اور نیکی میں مدد کرنے میں بندے کی رضا۔ تو جو اللہ کی رضا اور بندوں کی رضا کا جامع ہو اس کی سعادت مکمل ہوگئی۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ (سورہ المائدہ:۳)

گیارہ چیزیں حرام:

﴿اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ اَزْلَامٌ، "زَلَمٌ" کی جمع ہے "وَھُوَ السَّھْمُ الَّذِیْ لَا رِیْشَ فِیْہِ کَانُوْا یَقْتَرِعُوْنَ بِھَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ" زلم ایسے تیر کو کہتے ہیں جس میں نوک نہیں ہوتی۔ اس سے جاہلیت میں لوگ قرعہ اندازی کرتے تھے۔ اس کی تین بڑی قسمیں دنیا میں پائی جاتی ہیں۔

(۱) مشرکانہ فال گیری: کسی دیوی دیوتا سے قسمت کا فیصلہ پوچھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں استخارہ کی تعلیم دی ہے۔

(۲) توہم پرستانہ فال گیری: زندگی کے معاملات کا فیصلہ عقل وفکر سے کرنے کے بجائے وہمی وخیالی یا کسی اتفاقی شئے کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ رمل، نجوم، شگون اور نچھتر وغیرہ سے۔

(۳) جوئے اور وہ سارے کھیل جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے جیسے لاٹری یا معمہ وغیرہ۔ ہاں قرعہ اندازی کی سادہ صورت اسلام میں جائز رکھی گئی ہے۔

﴿وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ﴾ غیر اللہ کے نام بکرے وغیرہ کی قربانی کی غرض کیا ہوتی ہے؟

شاہ عبدالعزیز نے ایک قرینہ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ تم اس بکرے جتنا گوشت بازار سے لے کر مسکینوں کو کھلا دو اور پیر صاحب کو ثواب پہنچا دو تو وہ ہرگز نہیں مانیں گے۔ معلوم ہوا کہ ان کی غرض صرف غیر اللہ پر جان دینے کی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اور یہی شرک ہے۔

Scanned by CamScanner

نکتہ عجیبہ: شرک نیت سے متعلق ہے نہ کہ خاص فعل سے:

کہتے ہیں کہ ہمیں ثواب رسانی مقصود ہوتی ہے ہم ان بزرگوں سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایصال ثواب ہی مقصود ہے تو کوئی آدم، ابراہیم وغیرہ کی نیاز کیوں نہیں کرتا۔ پتہ یہ چلا کہ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ پیر صاحب نیاز قبول کرلیں گے اور اس کے بدلے وہ ہماری پریشانی دور کردیں گے۔ یا ہماری بگڑی بنادیں گے۔

وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر پیر صاحب کا بکرا کہنے سے بکرا حرام ہوجاتا ہے تو پھر کوئی چیز حلال نہ ہوگی۔ جیسے ہم کہتے ہیں یہ زید کی روٹی ہے تو کیا زید کی طرف روٹی کی اضافت کرنے کی وجہ سے وہ روٹی حرام ہوگئی؟

جواب: ان صورتوں میں اضافت تملک ذات یا منافع کی ہے پیر صاحب کی نسبت کون سی اضافت ہے؟ اگر اضافت تملک ہے تو مردہ کی ملکیت کیونکر ہوئی۔ اور اگر ہوئی تو بلا اجازت ان کی چیز تم کیوں اُڑاتے ہو؟

ذبح شرعی

حلق کی ودجین (دوشہ رگ) کو تیز دھار آلے سے بسم اللہ پڑھ کر کاٹنا، ذبح شرعی ہے۔ مشینی ذبح جو محض گردن اُڑا دینے کا عمل ہے اس پر شرعی ذبیحے کا اطلاق نہیں ہوگا۔

بیرون ممالک سے درآمد شدہ مرغیوں وغیرہ کے گوشت کا حکم:

اگر اہل کتاب کا ذبیحہ ہے تو حلال ہے دلیل یہ حدیث ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ هُنَا أَقْوَامًا حَدِيثًا عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ، يَأْتُونَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِي يَذْكُرُونَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا؟ قَالَ: اذْكُرُوا أَنْتُمُ اسْمَ اللهِ، وَكُلُوا" (صحیح بخاری، کتاب التوحید: ۷۳۹۸)

کہ صحابہ نے پوچھا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں ہمیں پتہ نہیں کہ وہ بسم اللہ پڑھتے ہیں یا نہیں آپ نے فرمایا بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ۔ رہا وہ گوشت جو کمیونسٹ ملکوں سے آتا ہے وہ حرام ہے۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ﴾ (سورہ المائدہ: ۳)

اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ اکیاسی دن زندہ رہے اور ۱۲ ربیع الاول بروز پیر آپ کی وفات ہوگئی۔

﴿مَخْمَصَةٍ﴾ مخمصہ کا مطلب ہے غذا سے پیٹ خالی رہنا۔ اسی وجہ سے عربی زبان میں بھوکے آدمی کو "رَجُلٌ خَمِيصُ الْبَطْنِ" کہتے ہیں۔

﴿قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ (سورہ المائدہ: ۴) قدیم نظریہ تھا کہ سب کچھ حرام ہے بجز اس کے جسے حلال ٹھہرایا گیا۔ مگر قرآن نے اس کے برعکس اصول مقرر کیا کہ سب کچھ حلال ہے بجز اس کے کہ اس کی حرمت کی تصریح کردی جائے۔

Scanned by CamScanner

اشیاء کے پاک ہونے کا تعین کس طرح کیا جائے؟

(۱) اصول شرع میں کسی اصل کے تحت ناپاک قرار پائیں۔
(۲) ذوق سلیم کراہت کرے۔ (۳) مہذب انسان نے فطری احساس لطافت کے خلاف پایا۔

جو جانور ذوناب اور جو پرندہ ذومخلب ہو وہ حرام ہے:

ذوناب کا مطلب ہے وہ جانور جو اپنے کچلی کے دانت سے اپنا شکار پکڑتا اور چیرتا ہو جیسے شیر، چیتا، کتا یا بھیڑیا وغیرہ۔ ثنایا دانت چار ہیں۔ آگے دو اوپر اور دو نیچے۔ ان کے بغل میں جو پھاڑنے والے دانت ہوتے ہیں وہی ذوناب ہیں۔

اور ذومخلب کا مطلب ہے وہ پرندہ جو اپنے پنجے کے ذریعے اپنے شکار کو پکڑتا ہو مثلاً شکرا باز، شاہین اور عقاب وغیرہ۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بندوق سے شکار کئے ہوئے جانور کو حلال کہا ہے کیونکہ گولی جانور کے جسم کو پھاڑ دیتی ہے۔ تیر اگر عرض میں لگے اور جانور مرجائے تو وقیذہ اور موقوذہ ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بکری کو ڈنڈے سے مار مار کر ہلاک کر دیتے پھر اس کا گوشت کھالیتے تھے۔

بندوق کے شکار کئے ہوئے جانور کے بارے میں شوکانی نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ وہ حلال ہے۔ یعنی بسم اللہ پڑھ کر گولی چلائی اور شکار ذبح سے قبل مرگیا تو وہ حلال ہے۔

شکاری جانور سے شکار کے حلال ہونے کی چار شرطیں:

(۱) سدھایا ہوا ہو۔ (۲) تم اپنے ارادہ سے اسے شکار کے پیچھے چھوڑو خود ہی نہ چلا جائے۔
(۳) خود شکار سے کچھ نہ کھائے بلکہ تمہارے پاس لے آئے۔ (۴) بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو۔

کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم نہیں۔ لیکن اگر خارجی حالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے سے بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے بلکہ کفر میں مبتلا ہونا پڑتا ہے تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں۔

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (سورہ المائدہ:۵)

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾

کتابیہ عورت سے شادی جائز ہے۔ یہ جواز چند شرطوں کے ساتھ ہے:

(۱) عورت آسمانی دین پر یقین کامل رکھتی ہو۔ اللہ، رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو۔
(۲) پاک دامن ہو۔

Scanned by CamScanner

(۳) اسلام دشمن نہ ہو کیونکہ اللہ نے ایسوں سے موالات سے منع کیا ہے۔

(۴) اس سے شادی کرنے سے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۵) ان کے مہر دے دو۔

کتابیہ عورت سے نکاح کا نقصان:

آج مسیحی گھر میں نشو ونما پانے والی لڑکی کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مسیحی ہے یا ملحدہ ہے۔ مغربی معاشرے میں عورتوں کا اجنبی مردوں کے ساتھ جو اختلاط ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ ایسے میں ان کی پاکدامنی کی گواہی مشکل سے دی جاسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شادی کی آڑ لے کر مسلم معاشرے میں جاسوسی کرتی پھرے۔ نقصان اور فتنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ شادی کے بعد وہ بچوں کی تربیت اسلام کے مطابق کرے گی یا اسلام سے انہیں دور کردے گی۔ دوسرے کا امکان زیادہ ہے کیونکہ آج کل مرد موثر (اثر انداز) ہونے کے بجائے متاثر ہیں۔ اس لیے ان تمام صورتوں کے پیش نظر کتابیہ سے شادی سے پرہیز کرنا چاہیے۔

کتابیہ عورت سے شادی کی شرط "محصنٰت" (محفوظ کی ہوئی) ہے۔ اس سے آزاد منش کتابیہ عورت خارج ہے۔ کیونکہ پاکدامنی آج اکثر کتابیہ عورتوں میں مفقود ہے۔ نیز نبی کریم ﷺ کے زمانے میں یہودیوں نے آپ کی کئی مرتبہ جان لینے کی کوشش کی۔ کئی مرتبہ نبی سے غداری کی۔ اور ہمیشہ اسلام کو مٹانے کی سازشیں کرتے رہے آج نئی بات کیا ہوئی۔ ساری وہی باتیں آج بھی ہیں۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ﴾ اس اجازت سے فائدہ وہی اٹھائے جو اپنے ایمان کی طرف سے محتاط رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے عشق میں مبتلا ہو کر وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

﴿حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ "اَلْحُبُوْطُ: فَسَادُ شَیْءٍ کَانَ صَالِحاً" کسی چیز کا اچھے ہونے کے بعد بگڑ جانا حبوط کہلاتا ہے۔ اور اسی سے حَبَطٌ ہے جو ایک مرض کا نام ہے جو اونٹوں کو موسم ربیع کے شروع میں سبزیاں کھانے کی وجہ سے لاحق ہو جاتا ہے۔ جس سے ان کی آنتیں پھول جاتی ہیں اور اکثر ان کی موت ہو جاتی ہے۔ "اَلْحَابِطُ: کَانَ صَالِحاً فَانْقَلَبَ إِلٰی فَسَادٍ" حَابِطٌ کا مطلب ہے پہلے ٹھیک تھا بعد میں خراب ہو گیا۔

﴿مُسٰفِحِيْنَ﴾ -زَانِیْنَ مَعَ کُلِّ أَحَدٍ (ہر ایک کے ساتھ زنا کرنے والے)

﴿مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ اَلزِّنَا مَعَ الْعَشِیْقَاتِ - معشوقاؤں کے ساتھ زنا۔

"لِاَنَّ الزِّنَا فِی الْجَاهِلِيَّةِ مِنْهُمْ مَنْ يَزْنِیْ مَعَ مَنْ کَانَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّزْنِیْ مَعَ خَدْنِهٖ وَمُحِبِّهٖ"

کیونکہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ وہ تھے جو کسی کے بھی ساتھ زنا کرتے تھے۔ اور کچھ لوگ وہ تھے جو اپنے معشوق کے ساتھ زنا کرتے تھے۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ﴾ ایمان کے ساتھ کفر کرے یہ تنبیہ ہے کہ اس نکاح سے ایمان کو خطرہ نہ ہو اور آج خطرہ ہے اور اہل کتاب سے مراد اصل اہل کتاب ہیں۔ موجودہ دور کے اکثر محققین کہتے ہیں کہ یہود کا عزیر کو اور نصاریٰ کا مسیح کو ابن

Scanned by CamScanner

اللہ کہنا ان کا یہ عقیدۂ کفریہ نبی کے زمانے میں بھی موجود تھا۔اس کے بعد بھی نبی نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحے کو حلال کہا۔پتہ یہ چلا کہ آج بھی کتابیہ کے ساتھ نکاح اور اہل کتاب کے ذبیحے کا حکم وہی ہے۔خوامخواہ تعنت برتنا صحیح نہیں۔مرد کا کتابیہ عورت سے نکاح درست ہے مگر کسی مسلمان عورت کا کسی عیسائی یا یہودی مرد سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ عورت زیردست ہے۔ایک مستشرق نے سوال کیا کہ تم مسلمان کے لیے کتابیہ عورت سے شادی جائز قرار دیتے ہو مگر مسلمہ عورت کی شادی کتابی مرد سے جائز نہیں قرار دیتے ہو۔تو تم نے اسے ان کے کھانے کی طرح کیوں نہیں بنایا؟ تو جواب دیا گیا کہ مسلمان، کتابیہ کے رسول پر ایمان رکھتا ہے لیکن کتابی مرد، مسلمہ عورت کے نبی پر ایمان نہیں رکھتا۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

غسل جنابت کا مسنون طریقہ:

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ، ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ، فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ، ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ، فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي أُصُولِ الشَّعْرِ، ثُمَّ حَفَنَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ۔

(صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة: ۳۱۶)

(۱) پہلے دو تین بار اپنے دونوں ہاتھوں کو دُھلے۔

(۲) پھر داہنے ہاتھ سے پانی گرائے اور بائیں ہاتھ سے شرمگاہ دُھلے۔

(۳) پھر بائیں ہاتھ کو دیوار وغیرہ پر رگڑ لے یا صابن وغیرہ سے دُھل لے۔

(۴) پھر نماز کا وضو کرے۔

(۵) پھر پانی لے کر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے بالوں میں خلال کرے۔

(۶) پھر تین لپ پانی سر پر بہائے۔

(۷) پھر سارے بدن پر پانی بہائے۔

(۸) پھر تھوڑا ہٹ کر اپنے پیر دُھل لے۔

"ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ" سے معلوم ہوا کہ وہ پورا وضو کرے گا۔ بعد میں جو پیر دُھلنے کی بات کہی گئی ہے یہ اُس وقت ہے جب فرش کچا ہو اور پیر پر چھینٹے پڑنے کا اندیشہ ہو۔

وضو: سو کر اٹھے تو تین مرتبہ ہاتھ دھوئے اس سے قبل ہاتھ برتن میں نہ ڈالے۔ وضو سے پہلے بسم اللہ ضروری ہے۔ ''اس کا وضو نہیں ہوگا جس نے بسم اللہ نہ پڑھا'' (ارواء الغلیل-حسن)

وضو سے Lymphatic system کو تحریک ہوتی ہے۔ انسانی جسم کے سب سے طاقتور اور جنگجو خلیے Lymphocytes کہلاتے ہیں۔ جسم کے ہر مقام پر ایک دن میں دس مرتبہ گشت کرتے ہیں اس دوران ان کی مڈبھیڑ کسی جرثومہ یا کینسر کے خلیے سے ہوتی ہے تو اس کو فوراً تباہ کر دیتے ہیں۔

وضو میں سات فرائض ہیں:

(۱) نیت (۲) چہرے کا دھلنا (۳) ہاتھ کہنیوں تک دھلنا

(۴) مسح کرنا (۵) پیروں کا دھلنا (۶) توالی (پے درپے) (۷) ترتیب

تیمم کا طریقہ: ایک بار دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں۔ پھر پھونک ماریں پھر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کی پشت پر مسح کریں پھر ان دونوں کو منہ پر پھیر لیں۔ (صحیح بخاری، کتاب التیمم: ۳۴۷)

ایک سفر میں مقام بیداء پر حضرت عائشہ کا ہار گم ہوگیا جس کی وجہ سے رکنا پڑا۔ صبح کی نماز کے لیے لوگوں کے پاس پانی نہ تھا۔ پانی کی تلاش ہوئی مگر نہ ملا اس موقع پر آیت تیمم نازل ہوئی۔ اسید بن حضیر نے کہا اے آل ابی بکر تمہاری وجہ سے اللہ نے لوگوں کے لیے برکتیں نازل فرمائیں تمہاری یہ کوئی پہلی برکت نہیں (تم سراپا برکت ہو) (صحیح بخاری، کتاب التیمم: ۳۳۶)

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝﴾ (سورہ المائدہ: ۷)

احکام پر ثابت قدمی دو وجہ سے ہوتی ہے:

(۱) نعمتوں کو یاد رکھنا

(۲) عہد الست کو یاد رکھنا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (سورہ المائدہ: ۸)

تکلیف عبادت دو نوع ہے:

(۱) ''تَعْظِيْمٌ لِأَمْرِ اللّٰهِ'' اس کے لیے قوامین بن جاؤ یعنی اس کو پھیلانے کے لیے جی جان ایک کر دو۔

(۲) ''تَرَحُّمٌ عَلَى خَلْقِ اللّٰهِ'' (اللہ کی مخلوق پر رحم) اس کے لیے ﴿شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ﴾ بن جاؤ۔ کیونکہ قیام لامر اللہ کی راہ میں شریروں کی گوشمالی بھی ضروری ہے۔ مگر اس میں اعتدال ہو اس لیے ﴿اِعْدِلُوْا﴾ کہا اور عدل کے لیے تقویٰ ہونا ضروری ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩﴾ (سورہ المائدہ:۹-۱۰)

اللہ کی محبت واطاعت پر ابھارنے والی دو چیزیں:

(۱) محبت، آئندہ کا اجر ملنے پر ہوتی ہے۔ (۲) اور اطاعت پر استواری (جمنا) خوف سزا پر ہوتی ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫﴾ (سورہ المائدہ:۱۲)

﴿لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ نماز سب سے عظیم عمل ہے اگر نماز صحیح ہو جائے تو انسان کی ہر چیز صحیح ہو جائے حالات کتنے ہی ناساز گار ہوں اگر مسلمان نماز کا صحیح سے ادا کرنے والا بن جائے تو اللہ کے فضل سے حالات ساز گار ہو جائیں گے۔

﴿اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ زکوۃ کے مستقل ذکر کے بعد قرض حسن کا ذکر کیا۔ معلوم ہوا کہ مسلمان صرف زکوۃ ادا کر کے مالی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو جاتے۔ زکوۃ کے علاوہ دیگر مالی حقوق بھی انسان کے ذمہ لازم ہیں جیسے کسی جگہ مسجد نہیں تو مسجد کی تعمیر کرنا وغیرہ۔

قدیم یہود کی دو بد خصلتیں:

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے لیے وہ تحریف سے کام لیتے تھے۔ اور اگر نبی کی بات ان کی خواہش کے مطابق ہوتی تو لے لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

بعد میں آنے والے یہودیوں کی دو خصلتیں:

(۱) حکام سے ڈر کر ان کے مطابق فتویٰ دیتے۔ اس لیے کہا گیا ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ﴾ (لوگوں سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو)

(۲) دوسرا سبب طمع (لالچ) اس لیے کہا گیا ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ میری آیتوں کو معمولی قیمت پر مت بیچو۔

﴿فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ آسمانی کتاب کی حامل قوم میں جب بگاڑ آتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ محکم دین کو چھوڑ کر قیاسی دین پر چلنے لگتی ہے اور بعد کی نسلیں اسے اسلاف کا ورثہ سمجھ کر اس کی حفاظت شروع کر دیتی ہیں۔

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (سورہ المائدہ:۱۵-۱۶)

یہاں عطف مغائرت نہیں بلکہ عطف تفسیری ہے اور اگر دونوں چیزیں (نور اور کتاب مبین) الگ الگ چیزیں ہوتیں تو ضمیر تثنیہ ''بهما'' لایا جاتا۔

Scanned by CamScanner

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ: اكْتُبْ، فَقَالَ مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ" (سنن ترمذی، ابواب القدر: ۲۱۵۵، صحیح)

سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا۔ اس کے مقابل حدیث "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ" (السلسلہ الصحیحہ للالبانی، جلد نمبر:۱، صفحہ: ۸۲۰) (باطل)۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ" (صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق: ۲۹۹۶)

وَفِيْهِ إِشَارَةٌ إِلَى بُطْلَانِ الْحَدِيْثِ الْمَشْهُوْرِ عَلَى أَلْسِنَةِ النَّاسِ: أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ! وَنَحْوِهِ مِنَ الْأَحَادِيْثِ الَّتِيْ تَقُوْلُ بِأَنَّهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ مِنْ نُوْرٍ، فَإِنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ دَلِيْلٌ وَاضِحٌ عَلَى أَنَّ الْمَلَائِكَةَ فَقَطْ هُمُ الَّذِيْنَ خُلِقُوْا مِنْ نُوْرٍ، دُوْنَ آدَمَ وَبَنِيْهِ. (السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی، جلد نمبر:۱، صفحہ:۸۲۰)

نور: رسول کی صفت ہے مراد محمد ﷺ ہیں جن کے ظہور سے دین حق کی روشنی پھیلی۔

"نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ" اگر محمد ﷺ کا نور اللہ کے نور کا عین وکل ہے تو محمد ﷺ کا اللہ ہونا لازم آیا اور اگر یہ مطلب ہے کہ یہ نور اللہ کے نور کا جز ہے تو اللہ کی تجزی اور انقسام لازم آیا اور اگر مطلب ہے کہ اللہ کا نور محمد ﷺ کے نور کا خالق ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آپ کی پیدائش نور سے نہیں بلکہ مٹی سے ہوئی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور محمد ﷺ کے فرشتہ ہونے کی نفی خود قرآن میں موجود ہے۔ ﴿وَلَا اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ" (مسلم:۲۹۹۶)

الوہیت مسیح کے رد پر تین دلائل

(۱) ﴿فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ (عیسیٰ علیہ السلام گرفتار ہوئے قید ہوئے) اور اللہ کسی کے قابو میں نہیں۔

(۲) ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ غناء ذاتی کا اظہار ہے تو بیٹے کی کیا ضرورت۔

(۳) ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ عیسیٰ علیہ السلام بغیر ماں باپ کے کیسے پیدا ہوئے؟ اللہ کے لیے مشکل نہیں جیسے چاہے اور جو چاہے پیدا کرے۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱﴾ (سورہ المائدہ:۱۸)

ہم اللہ کے محبوب ہیں ﴿اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ اور وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ کا رد:

(۱) ﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ اوروں کی طرح تم بھی انسان ہو، پیدائش میں کوئی فرق؟ پھر فوقیت کی وجہ کیا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ مغفرت اس کے اختیار میں ہے تم بھی اس میں شامل ہو پھر تمہارے اس دعوے نے کیا نتیجہ پیدا کیا ہے۔

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ﴾ بیٹا بنانا ثمرۂ احتیاج ہے تو تم ابناء اللہ کیسے ہوئے۔ کسی قوم کو بحیثیت قوم اللہ کا محبوب سمجھنا باطل ہے کیونکہ اللہ کے یہاں حساب فرد فرد کو دینا ہے۔ نہ کہ قوم قوم کو۔

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورہ المائدہ:۲۰)

موسیٰ کا وعظ اپنی قوم کو: (۱) تمہاری قوم میں انبیاء بھیجے۔ (۲) بادشاہ بنائے۔ (۳) تم کو وہ چیزیں دیں جو کسی کو نہیں دیا۔ بحر قلزم سے پار کیا من وسلویٰ (کھانا) عطا کیا، بارہ چشمے (پانی)، ظل غمام (بدلیوں کا سایہ) یعنی چلتا پھرتا گھر عطا کیا۔ پھر کہتے ہیں کہ مصر واپس نہ چلو فلسطین چلو۔ نافرمانی پر چالیس سال بھٹکتے رہے۔

﴿وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ بادشاہت کو علی الاطلاق برا نہیں کہا جا سکتا۔ سلیمان اور طالوت کو اللہ نے بادشاہی دی اگر بادشاہ اللہ سے ڈرنے والا ہو منصف ہو تو کچھ خرابی نہیں۔

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ﴾ (سورہ المائدہ:۲۷)

اس قصہ کا مقصود دو امور کی تعلیم دینا ہے:

(۱) نسب کی بزرگی مطلق کام نہیں آتی۔ مقبول صرف وہی ہوتا ہے جو حکم کا مطیع ہو۔
(۲) انسان حسد سے متاثر ہو کر کیسی کیسی شیطانی حرکتیں کرتا ہے۔ قتل تک کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے جو ایک سنگین جرم ہے۔

بزرگ زادہ ہونا کام نہیں آتا: قابیل کا واقعہ کہ وہ بزرگ زادہ تھا۔ نادم ہوا کہ انسان ہو کر میں نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا کیا اور یہ کوا پرندہ ہو کر بعد مردن (مرنے کے بعد) دوسرے کوّے پر رحم کر رہا ہے اور لاش کو تہ خاک کرنے کا طریقہ بتا رہا ہے۔

﴿بِالْحَقِّ﴾ تاریخی روایات کی نقل میں احتیاط اور سچائی واجب ہے۔

کوا: سدّی نے بعض صحابہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے دو کوؤں کو بھیجا انہوں نے لڑنا شروع کیا۔ پھر ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور زمین کھود کر اس میں ڈال دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔

﴿فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ﴾ (سورہ المائدہ:۳۱) جرم کرنے سے پہلے جرم کے ارادے کو سینہ میں دفن کر دے تو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

وسیلہ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (سورہ المائدہ:۳۵)

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۵۷)

Scanned by CamScanner

یہاں وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ ہیں اگر ہم اپنے اعمال صالحہ یا زندہ صالحین کی دعاؤں کو وسیلہ بنانے کے بجائے خود ان کی ذات کو وسیلہ قرار دیں تو ظاہر ہے ہمارے لیے کچھ سودمند نہ ہوگا کیونکہ وہ اجابت دعا کا سبب ہی نہیں۔ جو کوئی اللہ سے کسی مخلوق کے ذریعے سوال کرتا ہے تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ یا۔ تو وہ اللہ کو مخلوق کی قسم دے رہا ہے یا اس مخلوق کی دعا سے وسیلہ چاہتا ہے یا خود مخلوق کی ذات کو واسطہ قرار دیتا ہے۔ دوسری صورت مخلوق کی زندگی میں جائز ہے۔ پہلی اور تیسری ناجائز اور غیر مشروع ہے۔ رہا اللہ کو ویسی قسم دلانا جو براء بن مالک وغیرہ دلایا کرتے وہ ثابت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة: ۲۶۲۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت سے پراگندہ بالوں والے دروازوں سے دھتکارے ہوئے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے اعتماد پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (سورہ المائدہ: ۳۵)

کامیابی کے تین نسخے ہیں:

(۱) ڈرو کہ اس کی خوشنودی سے دور نہ جا پڑو ﴿اتَّقُوا اللَّهَ﴾

(۲) دور ہونے سے ڈر کر قرب حاصل کرو ﴿وَابْتَغُوا﴾

(۳) قریب اس وقت ہوں گے جب اللہ تک پہنچنے کا درمیانی راستہ قطع ہو ﴿وَجَاهِدُوا﴾

﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ تب تم قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گے۔

وقد أخرج عبد بن حميد، وابن جرير، وابن المنذر، وابن أبي حاتم، عن ابن عباس في قوله: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ قال: اَلْوَسِيلَةُ اَلْقُرْبَةُ. (فتح القدیر)

ابن عباس سے منقول ہے کہ وسیلہ کے معنی تقرب کے ہیں مطلب یہ کہ تقویٰ اور اعمال صالحہ کے ذریعے تقرب الٰہی حاصل کرو۔

وسیلہ: اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو ذریعہ اختیار کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

وسیلہ کی قسمیں:

(۱) زندہ شخص سے دعا کرانا (۲) نیک اعمال کا وسیلہ (۳) اللہ کے اسماء حسنیٰ کا وسیلہ

وسیلہ پرستی ایک طرح کی نفسیاتی مایوسی ہے۔ اور اللہ کی رحمتوں کے بارے میں ایک طرح کے سوء ظن (بدگمانی) کی پیداوار ہے ایک شخص اپنے گناہوں کا اندازہ کرتا ہے مگر اللہ کی رحمتوں کا کوئی تصور اس کے ذہن میں نہیں ابھرتا۔ جیسے بیٹی بیٹے سے مایوس ہوا اور اللہ کی عطا کا صحیح تصور نہیں ابھرا تو وہ اپنی ہی سطح کی چیزوں کی طرف دوڑتا اور لپکتا ہے۔

اللہ سمیع و بصیر ہے اور شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اگر اللہ کا یہ تصور صحیح ہے تو پھر وسیلے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

وسیلہ: ﴿وَ ابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ﴾ وسیلہ اس سبب کو کہتے ہیں جس سے مقصود تک پہنچا جا سکے۔

وسیلہ وہ چیز ہے جس سے مقصود حاصل کرنے کی طرف توسل لیا جائے۔ ابن عباس سے وسیلہ کی تفسیر قربت مروی ہے مراد اس سے وہ چیز ہے جس سے قربت الٰہی حاصل ہو یعنی طاعات سے جو وسیلہ تقرب ہیں جن میں سے جہاد اعلیٰ وسیلہ ہے۔ اللہ تک پہنچنے کے لیے اگر وسیلہ اختیار کیا جائے تو زیادہ موثر ہے۔ وسیلہ یہاں مطلق ہے۔ نبی نے اس کو مقید کیا، یعنی وسیلے سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔

جتنا گڑ ڈالے گا شربت اتنا ہی میٹھا ہوگا۔ ﴿وَجَاهِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِهٖ﴾

وسیلہ: اس سے ملنے کے وسیلے ڈھونڈو اور تمام نیک کام (مامورات) اللہ سے ملنے کے وسیلے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ لیکن سب سے پہلے دل کی کتاب صاف کرلو۔ اس لیے سب سے پہلے اتقو اللہ کہا گیا۔

﴿وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ﴾ اس سے پہلے ان مفسدوں کا بیان تھا جو رسول اور قرآن کو چھوڑ کر دائرۂ اطاعت سے باہر ہو رہے تھے۔ انہیں وسیلۂ الٰہی اختیار کرنے کو کہا گیا۔

جمیع احکام الٰہی دو طرح پر ہیں:

(۱) **ترک منہیات:** (اللہ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دینا) یہ مقدم ہے۔ اس کی طرف **و اتقو اللہ** سے اشارہ کیا گیا اور یہ اصول ہے کہ عمدہ نقش کے لیے پہلے لوح دل صاف کر لیا جاتا ہے۔

چاہیے تجھ کو اگر وصل صنم
دل کو خالی غیر سے کر یک قلم

(۲) **عمل مامورات:** اس کی طرف ﴿وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ﴾ سے اشارہ کیا گیا۔ یہ دونوں چیزیں عمل میں لانا آسان کام نہیں تھا تو جَاهِدُوۡا فرمایا گیا اور کرنے والے کے لیے ﴿لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾ (۳۶) لایا گیا اور نہ کرنے والوں کے لیے اس کے بعد والی آیت ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ اَنَّ لَهُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لِیَفۡتَدُوۡا بِهٖ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ لائی گئی۔

وسیلہ: اتقو اللہ- گناہ اور معصیت کے کاموں سے بچو اور ایسے کام کرو جن سے اللہ کا تقرب حاصل ہو۔

﴿وَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتۡنَتَهٗ فَلَنۡ تَمۡلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا﴾ (سورہ المائدہ: ۴۱) حق و باطل کی کشمکش کے لیے اللہ نے ایک قانون بنا دیا ہے جسے تبدیل کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ حق پرستوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک طویل مدت تک آزمائشوں کی بھٹی میں تپائے جائیں۔ اور اپنے صبر، راستبازی، ایثار، وفاداری، ایمان کی پختگی اور توکل علی اللہ کا ثبوت دیں اور اپنے اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے ہتھیاروں سے جاہلیت پر فتح حاصل کر کے دکھائیں۔ تب نصرت الٰہی ان کی دستگیری کے لیے آگے بڑھے گی۔

جو یہاں بادشاہ بن کر بیٹھا ہے اس کی حیثیت تھیٹر میں اس مصنوعی بادشاہ کی ہے جو تاج پہن کر اسٹیج پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور اس طرح حکم چلاتا ہے جیسے واقعی وہ بادشاہ ہے۔ اس دنیا میں ایسے ہی تماشے ہو رہے ہیں۔ کہیں کسی دیوی و دیوتا کے دربار

Scanned by CamScanner

سے حاجت روائی ہو رہی ہے، کوئی غیب داں ہے، کوئی رزاق بنا بیٹھا ہے۔ موت کی ساعت کے وقت یہ سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ﴾

اپنے ذہن کو کتاب وسنت کے تابع بنانے کے بجائے اپنے ذوق کے مطابق احکام لیتے ہیں۔ یہود میں بڑے لوگ تو نبی کے پاس آنا اپنی جھوٹی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور چھوٹے لوگ جو آتے تھے وہ بڑوں تک بات پہنچانے کے لیے آتے تھے۔ پھر آپ کی بات کو الٹا معنی پہناتے تاکہ آپ کی تحریک کو بدنام کریں۔

یہود کی بری خصلتیں:

سُحت (رشوت) رشوت لے کر غلط مسئلے بتانا اور سستے مسائل واعمال بتا کر کہ ان سے جنت مل جائے گی محبوبیت و مقبولیت کا مقام حاصل کرنا۔ رشوت کی سب سے بدترین شکل ہے۔

(۱) ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ غلط بات سننے کے عادی

(۲) ﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ﴾ بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی مسئلہ پوچھنے آتے ہیں مگر خبیثوں کے جاسوس ہیں۔

منافقین کی دو خصلتیں:

(۱) ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ کیسی ہی جھوٹی بات ہو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہیں مگر عمل کے لیے نہیں بلکہ جھٹلانے کے لیے سنتے ہیں۔

(۲) جو لوگ آپ کے پاس نہیں آئے دور سے ان کو اسلام سے بدگمان کرتے ہیں۔

(۳) کتاب میں تحریف: لغو قسم کی تاویل بھی تحریف میں داخل ہے۔

(۴) رشوت خوری: سحت، کے معنی استیصال کرنے کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رشوت، رشوت لینے اور دینے والے دونوں کو برباد کر دیتی ہے، بلکہ پورے ملک کی جڑ ہلا دیتی ہے اور امن عافیت کو تباہ کر دیتی ہے۔

﴿شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (سورہ المائدہ:۴۸)

﴿شِرْعَةً﴾ شریعت پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں اور پانی پر زندگی کا مدار ہے اصطلاح میں احکام الٰہی کے مجموعے کو شریعت کہتے ہیں۔ یہ بمنزلہ آب حیات ہے اور مِنْهَاج سے مراد نبی کا تعامل وسنت ہے۔

﴿مِنْهَاجًا﴾ منہاج وہ طریقہ کار ہے جو کسی بڑے عمل کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے یا کسی ذمہ داری کو انجام دینے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔

﴿وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ﴾

﴿مُهَیْمِنٌ﴾ یہ اللہ کی ایک صفت ہے یہ لفظ ھیمنة سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے حاوی ہو جانا، محافظ ہونا۔ لیکن اصل عربی لغت میں ھیمنة اس کیفیت کو کہتے ہیں جب مرغی اپنے چوزوں کو لے کر پھر رہی ہو اور کوئی جانور ان پر حملہ آور ہو اس وقت مرغی اپنے چوزوں کو فوراً اپنے پروں میں دبا لے۔ گویا ھیمنة میں خطرات کے وقت

Scanned by CamScanner

حفاظت کا مفہوم شامل ہے۔ ساتھ ساتھ محبت اور شفقت بھی ہے، اور جن کی حفاظت کی جارہی ہے ان سے گہری اپنائیت اور ملکیت کا بھی مفہوم شامل ہے۔ یہی صفت قرآن کی بھی ہے۔

تو جس فرد یا جماعت کو خطروں سے خود کو بچانا ہے تو قرآن کی پناہ میں آجائے اور جب یہ کہا جائے کہ قرآن تمام پچھلی آسمانی کتابوں کی **مھیمن** ہے تو اس کے دو مطلب ہیں: ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس میں تمام آسمانی کتابوں کی روح اور جوہر موجود ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ کتب میں جو پیغام دیا گیا تھا وہ سارا قرآن میں موجود ہے۔ ان کتابوں کے حاملین نے اس پیغام کو ضائع کر دیا تھا، مگر قرآن نے اسے محفوظ رکھا۔

﴿مُهَيْمِنٌ﴾ مہیمن کا مطلب ''مستند ایڈیشن'' ہے۔

یہ ایک کسوٹی ہے جس پر جانچ کر یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ تمام صحف آسمانی کا کون سا حصہ اصلی حالت میں ہے اور کون سا حصہ بدلا جاچکا ہے۔

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (سورہ المائدہ:۵۰)

شریعت الٰہیہ کے خلاف ہر فیصلہ جاہلیت کے احکام کے گروپ سے ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورہ المائدہ:۵۱)

غیر مسلموں سے رواداری، عدل و انصاف، خیر خواہی اور احسان، حسن سلوک سب کچھ کر سکتے ہیں مگر ایسی دوستی جس سے اسلام کے امتیازی نشانات گڈمڈ ہو جائیں اس کی اجازت نہیں۔ اسی کو ترک موالات کہتے ہیں۔

﴿لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾ (سورہ المائدہ:۶۳) علماء کی مصلحت کوشی اور خاموشی کی وجہ سے عذاب آتا ہے۔ علماء ''أمر بالمعروف و نہی عن المنکر'' کے فرض سے پہلو تہی کریں گے تو ان پر بھی عذاب آجائے گا۔

یہود کے خواص دو تھے:

ایک کو رِبِّیْ دوسرے کو اَحْبَارْ کہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا حال یہ تھا کہ وہ عوام سے صرف فضیلتیں بیان کرتے کہ یہ یہ عمل کرو ان کی وجہ سے جنت میں تمہارے محل تعمیر ہو رہے ہیں۔ مگر ان کی عملی زندگی کو نہیں بدلتے تھے۔

﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ﴾ یہودیوں کی ایک خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ یہ مستقل طور پر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں۔ مختلف قوموں کو لڑانا ان کی فطرت ہے گویا دنیا میں فساد کا ٹھیکہ ابلیس کی طرف سے انہیں ہی ملا ہوا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ انگلستان اور امریکہ کے یہودی سرمایہ کاروں کی سازش تھی۔ اور روس اور امریکہ کے درمیان جو دو بڑی جنگیں ہوئیں وہ اسرائیلی جارحیت کا نتیجہ تھیں۔

Scanned by CamScanner

رزق کی فراوانی کا ایک مجرب نسخہ اللہ کی طرف سے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۶﴾ (سورہ المائدہ:۶۶)

اللہ کے کلام کو پھیلانے والے اور اس کو قائم کرنے والے لوگوں پر رزق بند نہیں ہوتا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۷﴾ (سورہ المائدہ:۶۷)

دعوت اپنے گھر سے شروع ہو اس لیے۔﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (سورہ شعراء) فرمایا گیا۔

(۱) اپنے فرض کی اہمیت کا اگر کافی احساس نہ ہو اس لیے۔﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ فرمایا گیا۔

(۲) لوگوں کی مخالفت سے نقصان کا خوف ہو تو﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ فرمایا گیا۔

(۳) مخاطبین کے تمرد کو دیکھ کر تبلیغ کے مثمر ہونے سے مایوسی ہو تو﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کہا گیا کہ مایوس ہو کر دعوت کا فریضہ نہ چھوڑو۔

ہدایت کے لیے نبی کا ہونا ضروری ہے، عیسائیوں اور یہودیوں دونوں کے پاس نبی نہیں۔ایک کے یہاں عیسیٰ، اللہ ہیں تو دوسرے کے یہاں عزیر، اللہ ہیں۔ ہندوؤں کے یہاں اللہ کے اوتار ہیں۔صرف مسلمانوں کے پاس نبی ہے لیکن افسوس ہے فرقہ بندی کی لعنت میں گرفتار ہونے والوں نے اپنے پاس نبی ہوتے ہوئے بھی نبی کو چھوڑ دیا۔

دعوت کے مراحل: نبی کی پیغمبرانہ زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) مکی زندگی (۱۳ سال) (۲) مدنی زندگی (۱۰ سال)

مکی زندگی تین مرحلوں پر مشتمل تھی:

(۱) پس پردہ دعوت دین (تین سال)

(۲) علانیہ دعوت، (چوتھے سال سے دسویں سال کے اواخر تک)

(۳) مکہ کے باہر دعوت کا پھیلاؤ (دسویں نبوت سے ہجرت تک)

دعوت کے پہلے دن خدیجہ رضی اللہ عنہا، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آپ کے یار غار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے یعنی چار آدمی، ایک عورت، ایک غلام، ایک بچہ اور ایک آزاد۔

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ کھل کر تبلیغ کی ابتداء کوہ صفا سے ہوئی۔

تبلیغ-﴿مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ کی ہونی چاہئے اور قرآن کی یہ پیشینگوئی کہ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی اور آپ مخالفین کی سازشوں سے محفوظ رہے۔

﴿بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ

Scanned by CamScanner

مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَقَدْ كَذَبَ وَاللّٰهُ يَقُولُ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (سورہ مائدہ:۶۷)(صحيح بخاري، كِتَاب التَّفْسِير: ۴۶۱۲)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو یہ گمان کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ چھپالیا اس نے یقیناً جھوٹ کہا۔ (بخاری)

علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعے نازل ہونے والی کوئی اور کتاب بھی ہے تو انہوں نے قسم کھا کر نفی کی اور فرمایا:

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِنَ الْوَحْيِ إِلَّا مَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: "لَا وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، مَا أَعْلَمُهُ إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ اللّٰهُ رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ، وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ"، قُلْتُ: وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: "الْعَقْلُ، وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ، وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ" (صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير: ۳۰۴۷)

مگر قرآن کا فہم ہے اللہ جسے چاہے عطا کرتا ہے۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ إسرائيل اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾

عیسائیوں کا یہ قول کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ تعلیم مسیح اور ہدایت دونوں کے خلاف ہے۔ عیسیٰ نے تو کہا (انجیل میں بھی ہے) ﴿يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اے اسرائیل کی اولاد تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور گہوارے میں کہا ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔ عیسائیوں کی گمراہی کا بنیادی سبب دین و شریعت کو اتباع رسول کی روشنی میں نہ سمجھنا تھا۔

مشرک پر جنت حرام ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾﴾ (سورہ المائدہ:۷۲)

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾﴾ (سورہ المائدہ:۷۵)

﴿ابْنُ مَرْيَمَ﴾ قرآن میں کسی عورت کا نام ذکر نہیں فرمایا سوائے مریم کے۔ یہ اس لیے کہ کوئی غیرت مند شخص اور مہذب آدمی مجمع عام میں اپنی بیوی کا نام نہیں لیتا اور اس کی داستان نہیں بیان کرتا اگر مریم اللہ کی بیوی ہوتیں تو اللہ بھی ان کا نام اور داستان بیان نہ کرتا۔

﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ (دونوں کھانا کھاتے تھے) یہ جملہ مریم و مسیح دونوں کی الوہیت کی نفی اور بشریت کی

دلیل ہے کیونکہ کھانا پینا انسانی حوائج وضروریات میں سے ہے۔ جو الٰہ ہو وہ تو ان چیزوں سے ماوراء ہوتا ہے۔
پروٹسٹنٹ، کیتھولک، آرتھوڈکس یہ عیسائیوں کے تین فرقے ہیں۔ تینوں فرقوں کا اصل مقصد مسیح کی الوہیت کو ثابت کرنا ہے۔ اسی لیے سب کو کافر کہا گیا۔

﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (سورہ المائدہ:۷٦)

نفع وضرر: کہیں ضرر پہلے ہے نفع بعد میں اور کہیں نفع پہلے ہے ضرر بعد میں۔ جیسا کہ سورۂ انعام اور سورۂ انبیاء میں ... اس کا جواب یہ ہے کہ کہیں ضرر کا دفع کرنا جلب منفعت سے زیادہ اہم ہے اس لیے وہاں ضرر کو پہلے لایا گیا اور اگر پہلے ملکیت اور ... کا سیاق ہو تو دفع مضرت کا ذکر زیادہ اہم ہے اور جب سیاق دعا اور عبادت اور سوال کا ہو تو نفع کا پہلے ذکر کرنا زیادہ اہم ہوگا۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾﴾ (سورہ المائدہ:۷۷)

پہلے ﴿ضَلُّوْا﴾ سے مراد عقیدے کی گمراہی اور دوسرے ضَلُّوْا سے مراد عمل کی گمراہی ہے۔

﴿اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا﴾ عیسائیوں نے اپنے دین کو مشرک قوموں کے افکار میں ڈھال لیا۔ انہوں نے اللہ کے دین کے نام پر غیر اللہ کا دین اپنا لیا۔ اور یہود نے دین کی ایسی تعبیر کی جس سے ان کی دنیوی زندگی کی تصدیق ہو۔

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾﴾ (سورہ المائدہ:۷۸)

جو معاشرہ اپنے افراد کے غلط کاموں پر انہیں نہ ٹوکے وہ معاشرہ مستحق لعنت ہے۔

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾ (سورہ المائدہ:۸۲)

مطلب یہ نہیں کہ عیسائی تمہارے خیر خواہ ہیں بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ مشرکین اور یہود کی بہ نسبت غنیمت ہیں پھر نصاریٰ سے مراد حقیقی نصاریٰ ہے در پردہ لا مذہب نہیں بلکہ وہ نصاریٰ مراد ہیں جو عابد، زاہد اور گوشہ نشین ہوں، متکبر نہ ہوں۔

﴿قِسِّيْسِيْنَ﴾ کلیسائی نظام میں مختلف عہدوں کے مختلف نام تھے۔ اسقف جو یونانی لفظ کا معرب ہے یہ سب سے بڑا عہدہ تھا۔ انگریزی میں اسی کو بشپ (Bishop) کہا جاتا ہے۔ اسقف کے عہدے کے بعد قِسِّيْس کا عہدہ تھا۔ قِسِّيْس کو انگریزی میں پاسٹر (Pastor) کہتے ہیں۔

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾﴾ (سورہ المائدہ:۸۳)

﴿تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ امام رازی کہتے ہیں جب برتن پوری طرح بھر جائے تو لفظ فیض کا استعمال ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

معرفت حق کے شروط:

﴿مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ﴾ معرفت حق کے لیے پہلی شرط- حب دنیا کا نہ ہونا- اور دوسری شرط- تکبر کا نہ ہونا، تیسری شرط- جہل کا نہ ہونا اور چوتھی شرط- حق کو سننا ہے- حق کو سننا بھی چاہئے اور حق کو سننے کا جذبہ بھی ہونا چاہئے۔

ایک ایمان وہ ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور ایک ایمان وہ ہے جو صرف زبان تک محدود رہے۔ وہ ایمان جو انسان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور اس کے شعور کا ایک حصہ بن جائے ایسا ایمان انسان کے اندر پیدا ہوتے ہی اسے اپنے اوپر اختیار نہیں رہ جاتا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے ہیں۔

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا﴾ قبول حق میں تین چیزیں مانع ہوتی ہیں:

(ا) جہل (۲) حب دنیا (۳) حسد وتکبر

قِسِّیْسِیْنَ عالم تھے اور رہبان میں حب دنیا نہ تھی- تکبر نہیں تھا- تواضع کی صفت آدمی کے اندر کبر ونخوت کو کم کردیتی ہے۔

یہود ونصاریٰ کے فضائح پچھلی آیات میں بیان کئے گئے ان کا خلاصہ دو چیزیں تھیں۔

(ا) یہود کا لذات دنیا اور حرام خوری میں انہماک جو، تفریط فی الدین کا سبب بنا۔

(۲) نصاریٰ کا دین میں غلو، افراط فی الدین پر منتہی ہوا- پہلا گروہ دنیا پرست تھا اور دوسرے کو روحانیت کا ہیضہ تھا۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ (سورہ المائدہ:۸۷)

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ﴾ نہ از راہ رہبانیت طیبات (اللہ کی حلال کردہ اشیا) کو چھوڑنے کی اجازت ہے ﴿وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ اور نہ لذائذ دنیوی میں غرق ہونے کی اجازت ہے- یعنی پاک وحلال چیزوں میں اسراف بھی اعتداء (زیادتی) ہے- رہبانیت کی قید اس لیے کہ بدنی علاج کی غرض سے ترک حلال کی ممانعت نہیں۔

اس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں:

(ا) یہ کہ خود حرام وحلال کے مختار نہ بن جاؤ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا- اپنے اختیار سے کسی حلال کو حرام کرو گے تو قانون الٰہی کے بجائے قانون نفس کے پیرو قرار پاؤ گے۔

(۲) راہبوں، جوگیوں اور بھکشوؤں کی طرح قطع لذات کا طریقہ نہ اختیار کرو۔ ﴿وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ حلال کو حرام نہ کرو- اس کا دوسرا مطلب یہ ہے حلال چیزوں کے استعمال میں اسراف سے کام نہ لو۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ (سورہ المائدہ:۸۹)

حلال کو حرام کرنے کے تین درجات:

(ا) اعتقاداً اس کو حرام سمجھ لیا جائے۔

(۲) قولاً اسے اپنے اوپر حرام کرلے (مثلاً قسم کھالے اللہ کی قسم ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا یا فلاں جائز کام نہ کروں گا)

Scanned by CamScanner

(۳) اعتقاد وقول تو کچھ نہ ہو مگر عملاً کسی حلال چیز کو چھوڑ دینے کا عزم کرے۔

پہلی صورت میں اگر کسی چیز کا حلال ہونا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے تو اس کا حرام سمجھنا کفر ہے۔

دوسری صورت میں اگر قسم کھا کر کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو ایسی قسم کھانا گناہ ہے اس پر لازم ہے کہ قسم توڑ دے اور کفارۂ قسم ادا کرے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی عملاً کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لے اور دائمی طور پر اس کے چھوڑنے کا التزام کرے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس حلال کو چھوڑنا ثواب سمجھتا ہے تو بدعت ہے اور کسی بیماری کے سبب چھوڑ دے تو کوئی گناہ نہیں۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ :عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، قَالَ: سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ، رَجُلًا يَحْلِفُ: لَا وَالْكَعْبَةِ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ" (سنن ابوداود، کتاب الأیمان والنذور :۳۲۵۱، صحیح)

جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

قسم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) لغو (۲) غموس (۳) منعقدہ

لغو: جو بلا قصد وارادہ آدمی کی زبان سے نکل جائے۔ اس پر مواخذہ نہیں ہے یا اپنے نزدیک اس بات کو سچی سمجھ کر قسم کھالے مگر واقع میں وہ غلط نکلے۔

غموس: جس میں قصداً جھوٹ بولا گیا۔ یعنی وہ جھوٹی قسم جو انسان کو دھوکہ اور فریب دینے کے لیے کھائے۔ یہ اکبر الکبائر ہے اس پر کفارہ نہیں۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے لیے توبہ ضروری ہے۔

منعقدہ: آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ منعقدہ وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تاکید اور پختگی کے لیے ارادۃً اور نیتاً کھائے۔

کفارۂ یمین چار چیزیں ہیں:

(۱) دس مسکینوں کا اوسط درجے کا کھانا۔ تقریباً سوا چھ کلو کفارہ ہوگا۔ کفارہ دینے والا خود کچھ اس میں سے نہ کھائے۔

(۲) کپڑا (۳) ایک غلام آزاد کرنا۔ (۴) تین دن کا روزہ رکھنا۔

یہاں ﴿اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ﴾ ہے اور سورۂ مائدہ: ۹۵ میں ﴿كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ﴾ ہے۔ پہلے کا تعلق خود انسان سے ہے دوسری کا تعلق حکومت سے ہے یعنی خود نہیں کھلائے گا بلکہ حکومت کو سونپے گا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (سورہ المائدہ: ۹۰)

﴿خَمۡرُ﴾ ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔ اور آدمی ہوش وحواس میں نہ رہے۔

﴿مَیۡسِرُ﴾ ہر وہ کھیل جس میں ہار جیت ہو۔

﴿اَنۡصَابُ﴾ مورتیاں، قبریں، یا قبروں کی تصویریں وغیرہ کہ جنھیں ہاتھ لگا کر برکت حاصل کی جائے۔

﴿وَاَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ﴾ وحرّم عليكم الاستقسام بالأزلام أي بالقداح. كان أحدهم إذا أراد سفراً أو غزواً أو تجارة أو نكاحاً أو أمراً من معاظم الأمور ضرب بالقداح، وهي مكتوب على بعضها: نهاني ربي، وعلى بعضها: أمرني ربي، وبعضها غفل؛ فإن خرج الآمر مضى لطيته، وإن خرج الناهي أمسك، وإن خرج الغفل أجالها عوداً. (تفسير الكشاف)

﴿اَزۡلَامُ﴾ قسمت معلوم کرنے کے تیر، امرنی ربی، نھانی ربی، خالی، اس میں جو تش بھی آ گیا۔

وذكر البَغَوِيُّ أَنَّ أزلامَهم كانت سبعةَ أَقْدَاحٍ مُسْتَوِيَةً مِنْ شوحط يكونُ عند (سادن) الكعبة، مكتوب على واحدٍ منها: نَعَمْ، وعلى واحد: لاَ، وعلى واحدٍ منها: مِنْكم، وعلى واحدٍ مِنْ غَيْرِكم، وعلى واحد: مُلْصَق، وعلى واحد: العَقْل، وواحد غفل ليس عليه شيءٌ، وكانوا إذا أرادوا أمراً أو تداوَرُوا في نَسَبٍ أو اختلفوا في تَحَمُّلِ عَقْلٍ جاءوا إلى هُبَل، وهو أعظمُ أصْنام قُرَيْشٍ، وجاءوا بمائَةِ دِرْهَمٍ وجَزُورٍ فأعطَوْها صاحبَ القِداح حتى يُجيلَ القومُ ويقولُون: يا إلهنا إنَّا أَرَدْنا كذا وكذا، فإنْ خرج نَعَمْ فعلُوا، وإنْ خرج: لا، لمْ يَفْعَلُوا ذلك، ثُم عادُوا إلى القِدَاح ثانيةً، وإذا أجالُوا على نسبٍ، فإنْ خرج منكُم (كان وسيطاً منهم، وإن خرج من غيركم كان حليفاً، وإن خرج مُلْصَقٌ كان على منزلته لا) نسب له ولا حِلْفَ، وإذا اختلفُوا في عَقْلٍ فمن خرج عليه قَدَحُ العَقْلِ حَمَلَهُ، وإنْ خَرَجَ الغَفْلُ أجَالُوا ثانياً حتى يخرج المكتوبُ فنهى اللهُ تعالى عن ذلك وحرَّمهُ (البغوی ۹/۲)

بغوی نے ذکر کیا ہے کہ وہ شوحط (ایک پہاڑی پھل دار درخت جس کی لکڑی کی کمانیں بنائی جاتی ہیں) درخت کے سات سیدھے تیر ہوتے تھے جو کعبہ کے خادم کے پاس رہتے تھے۔ (۱) ایک پر نعم (ہاں)، (۲) ایک پر لا (نہیں) (۳) اور ایک پر منکم (تم سے) (۴) ایک پر من غیرکم (تمہارے علاوہ سے)، (۵) ایک پر ملصق (۶) اور ایک پر عقل (۷) اور ایک پر غفل (بے نشان)۔

شراب وجوا کے مفاسد:

دینی مفسدہ اللہ کے ذکر سے غفلت اور دنیوی مفسدہ آپسی عداوت

(۱) خمر ومیسر کو انصاب وازلام جیسی گندی شئے کے ساتھ ذکر کیا۔

(۲) رِجۡسٌ (گندگی) قرار دیا۔

(۳) عمل شیطان قرار دیا۔

(۴) صاف اجتناب (بچنا) کا حکم دیا۔

(۵) اس سے احتراز کو موجب فلاح بتایا۔

(۶) اس کی مضرتوں کا ذکر فرمایا۔ جن میں دو مضرتیں دنیوی اور دو مضرتیں روحانی ہیں۔

(رِجْسٌ) ایسی گندی چیز جس سے انسانی طبیعت گھن کھائے۔ یہ تمام تر خارجی موثرات کے اثر سے آتا ہے۔ اور یہ صرف شیطان کی تحریک کا نتیجہ ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَجَلَدَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ أَرْبَعِينَ (صحیح مسلم، كِتَابُ الْحُدُودِ: ۱۷۰۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی اس کو دو ٹہنیوں سے چالیس بار مارا۔ (مسلم)

﴿فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ﴾ (سورہ المائدہ: ۹۱)

پہلی آیت میں چار چیزوں کا ذکر فرمایا: (۱) خَمْرٍ (۲) مَيْسِرِ (۳) أَنْصَابُ (۴) أَزْلَامُ

اور اس آیت میں صرف شراب اور جوئے کا ذکر کیا کیوں کہ اصل مقصود انہیں دونوں کی حرمت کا ذکر کرنا تھا۔ باقی پہلی آیت میں دونوں کا ذکر بت پرستی اور فال گیری کے ساتھ آیا تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں شراب اور جوئے کی برائی خوب واضح ہو جائے، پھر ذکر اللہ اور نماز کو الگ الگ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے جب کہ نماز ذکر میں داخل ہے کہ ذکر اللہ کی تمام اقسام میں افضل ذکر، نماز ہے۔

شراب اور جوئے کے دینی اور دنیوی مفاسد بتائے گئے ہیں۔ دینی مفسدہ یہ ہے کہ شراب اور جوا نماز اور ذکر الٰہی سے روکنے کا سبب بنتے ہیں اور دنیوی مفسدہ یہ ہے کہ یہ باہمی عداوت اور دشمنی کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔

آیت میں چار چیزیں حرام کردی گئیں:

(۱) شراب (۲) جوا

(۳) وہ مقامات جو اللہ کے سوا غیر اللہ کی عبادت کرنے اور ان کے نام قربانی، نذر و نیاز پیش کرنے اور چڑھاوے چڑھانے کے لیے مخصوص کئے گئے ہوں۔

(۴) پانسے۔ جن سے قسمت کے احوال وغیرہ معلوم کئے جاتے تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے خطبے میں شراب کی یہ تعریف فرمائی الخمر ما خامر العقل: خمر (شراب) وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ" (صحیح مسلم، كتاب الأشربة: ۲۰۰۳)

ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

﴿اَلْاَنْصَابُ﴾ سے مراد وہ پتھر (بُت) ہیں جن کے پاس وہ اپنی قربانیاں ذبح کرتے تھے۔

Scanned by CamScanner

﴿الْاَزْلَامُ﴾ سے مراد وہ تیر ہیں جن سے وہ قسمت آزمائی کیا کرتے تھے جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا اس وقت پانچ چیزوں (انگور، کھجور، گندم، جو، شہد) سے شراب بنتی تھی۔

عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِنَ الْعِنَبِ خَمْرًا وَإِنَّ مِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَإِنَّ مِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا وَإِنَّ مِنَ الْبُرِّ خَمْرًا وَإِنَّ مِنَ الشَّعِيرِ خَمْرًا"

(سنن أبو داود، كتاب الأشربة: ٣٦٧٦، صحيح)

عن عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قال: "اجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَائِثِ إِنَّهُ كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ خَلَا قَبْلَكُمْ تَعَبَّدَ، فَعَلِقَتْهُ (أَيْ عَشِقَتْهُ وَأَحَبَّتْهُ) امْرَأَةٌ غَوِيَّةٌ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ جَارِيَتَهَا فَقَالَتْ لَهُ إِنَّا نَدْعُوكَ لِلشَّهَادَةِ، فَانْطَلَقَ مَعَ جَارِيَتِهَا فَطَفِقَتْ كُلَّمَا دَخَلَ بَابًا أَغْلَقَتْهُ دُونَهُ حَتَّى أَفْضَى إِلَى امْرَأَةٍ وَضِيئَةٍ عِنْدَهَا غُلَامٌ وَبَاطِيَةُ خَمْرٍ (أَيْ إِنَاء) فَقَالَتْ إِنِّي وَاللّٰهِ مَا دَعَوْتُكَ لِلشَّهَادَةِ وَلَكِنْ دَعَوْتُكَ لِتَقَعَ عَلَيَّ أَوْ تَشْرَبَ مِنْ هَذِهِ الْخَمْرَةِ كَأْسًا أَوْ تَقْتُلَ هَذَا الْغُلَامَ قَالَ فَاسْقِينِي مِنْ هَذَا الْخَمْرِ كَأْسًا فَسَقَتْهُ كَأْسًا قَالَ زِيدُونِي فَلَمْ يَرِمْ (أَيْ فَلَمْ يَبْرَحْ وَلَمْ يَتْرُكْ ذَلِكَ) حَتَّى وَقَعَ عَلَيْهَا وَقَتَلَ النَّفْسَ "فَاجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا وَاللّٰهِ لَا يَجْتَمِعُ الْإِيمَانُ وَإِدْمَانُ الْخَمْرِ إِلَّا لَيُوشِكُ أَنْ يُخْرِجَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ.. (رواه النسائي: ٥٦٦٦ وصححه الألباني)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس کو ام الخبائث کہتے تھے کہ تم سے پہلے ایک عابد تھا ایک بدکردار عورت اس پر فریفتہ ہوگئی اس نے باندی بھیج کر بلا بھیجا کہ گواہی میں آپ کی ضرورت ہے اس عورت کے پاس ایک بچہ اور شراب کا برتن تھا۔ شراب کا ایک پیالہ پیا اور مزید مانگا پھر اس عورت سے بدکاری کی اور بچے کو قتل کر دیا۔

جُوا: ہر لین دین جس کی بنیاد ہار جیت پر ہو وہ جوا ہے۔ خواہ سٹے کی شکل میں یا گھوڑوں کی ریس کی شکل میں۔ نیز موجودہ زمانے کی سرکاری اور غیر سرکاری لاٹریاں بھی جوئے کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔

شراب کی حرمت بہ چند وجوہ:

(۱) جملہ کو "إِنَّمَا" سے شروع کیا جو حصر پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) اس کا ذکر بتوں کے ساتھ کیا۔ (۳) رِجس یعنی گندگی کہا۔ (۴) عمل شیطان کہا۔

(۵) اس سے بچنے کا حکم دیا۔ (٦) اس کے اجتناب میں فلاح بتایا۔

پھر علت تحریم بتائی:

(۱) حواس کا معطل ہونا۔

(۲) معاش اور معاد میں مخل ہونا یعنی معاش میں عداوت و بغضاء اور معاد میں نماز اور یاد الٰہی سے غفلت۔

شراب کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر بارہ انگشتی (Dudenum) پر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے پورا نظام ہضم تباہ

Scanned by CamScanner

ہوجاتا ہے۔ دوران خون پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے آدمی کو Hypertension کا عارضہ لاحق ہوجاتا ہے۔ اس سے اعصابی نظام بھی متاثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان Delirium (ہذیان) اور Teremur (کپکپی) میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس سے معاشرتی نفسیات پر بھی اثر پڑتا ہے۔ نیز شرابی کی زود غضبی (جلد غصے میں آجانا) معاشرے میں لاتعداد تنازعات کا باعث بنتی ہے۔

﴿فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

پٹرول، ڈیزل لے جانے والے ٹینکروں کی باڈی پر High inflammable (بہت زیادہ آگ پکڑنے والا) لکھا ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ چیزیں موصل کچھ غیر موصل ہوتی ہیں۔ جہنم کی آگ کا کرنٹ حرام خوروں کے لیے موصل اور حلال کھانے والوں کے لیے غیر موصل ہے۔

پلاسٹک کے خول سے بجلی مثبت ومنفی چارج کے ساتھ گزرتی ہے مگر پلاسٹک کا کچھ نہیں بگڑتا حالانکہ پلاسٹک کس قدر کمزور ہوتی ہے۔ جب کہ یہی بجلی لوہے اور تانبے کو آگ کا انگارہ بنا دیتی ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾﴾ (سورہ المائدہ: ۹۳)

حلال وحرام کے تعلق سے صحابہ کرام کی غایت درجہ احتیاط دیکھئے انہیں یہ فکر ہوئی کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو شراب پی کر دنیا سے چلے گئے۔ صحابہ کرام کو یہ اندیشہ ان لوگوں کے بارے میں ہوا جن لوگوں نے شراب اس وقت پی تھی جب وہ حرام نہیں کی گئی تھی۔ آج حالت یہ ہے کہ شراب حرام ہونے کے باوجود مسلمان دھڑلے کے ساتھ پی رہے ہیں۔

تقویٰ کے تین مراتب ہیں:

(۱) شرک سے تقویٰ (۲) بدعت سے تقویٰ (۳) گناہوں سے تقویٰ۔

یہ تینوں مراتب اس آیت میں ذکر کردیئے گئے ہیں۔

(۱) ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾ میں تقویٰ سے مراد شرک سے پرہیز اور ایمان سے مراد توحید ہے۔

(۲) ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾ یہاں تقویٰ سے مراد بدعت سے پرہیز اور ایمان سے مراد سنت ہے۔

(۳) ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا﴾ یہاں تقویٰ سے مراد گناہوں سے پرہیز اور احسان سے مراد اطاعتِ الٰہی پر استقامت ہے۔

قرآن میں تقویٰ کا اطلاق تین چیزوں پر ہوا ہے:۔

(۱) خوف الٰہی۔ جس کا ذکر ﴿وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ﴾ (سورہ بقرہ: ۴۱) اور ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ (سورہ بقرہ: ۲۸۱) میں ہے۔

(۲) اطاعت الٰہی جو ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (سورہ آل عمران: ۱۰۲) میں ہے۔ کیونکہ ابن

Scanned by CamScanner

عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ کی تفسیر "اَطِیْعُوا اللہَ حَقَّ اِطَاعَتِہٖ" سے کی ہے۔

(۳) تنزیہ القلب من الذنوب (دل کو گناہوں سے دور رکھنا) تقویٰ کا یہ تیسرا معنی حقیقی ہے اور پہلے کے دو معنی، مجازی ہیں۔

کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ (سورہ نور:۵۲) پہلے اطاعت کا ذکر ہے پھر خشیت کا پھر تقویٰ کا۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ، اطاعت اور خشیت کے سوا ایک تیسری چیز ہے۔

تقویٰ کے بارہ فوائد:

(۱) رب تعالیٰ نے متقی کی تعریف کی ہے ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (سورہ آل عمران:۱۸۶)

(۲) دشمنوں سے مامون و محفوظ رہے گا ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ (سورہ آل عمران:۱۲۰)

(۳) اللہ کی تائید و امداد حاصل ہوگی ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (سورہ نحل:۱۲۸)

(۴) دنیا میں ایسی جگہ سے اس کے لیے رزق حلال کا بندوبست ہوگا جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہ ہوگا ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (سورہ طلاق:۲-۳)

(۵) اعمال کی اصلاح کا ذریعہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (سورہ احزاب:۷۰-۷۱)

(۶) گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (سورہ آل عمران:۳۱)

(۷) اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (سورہ توبہ:۴)

(۸) اعمال کی قبولیت کا ذریعہ ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (سورہ مائدہ:۲۷)

(۹) موت کے وقت دنیا ہی میں نجات کی بشارت اور آخرت میں دیدار الٰہی کا وعدہ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ (سورہ یونس:۶۳-۶۴)

(۱۰) آتش جہنم سے رستگاری (۱) ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ (سورہ مریم:۷۲)

(۲) ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى﴾ (سورہ لیل:۱۷)

(۱۱) جنت کی بشارت ﴿اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (سورہ آل عمران:۱۳۳)

(۱۲) اللہ کے ہاں اعزاز و اکرام ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (سورہ حجرات:۱۳)

معلوم ہوا کہ تقویٰ ایک بہت بڑا خزانہ ہے:

ایک شخص نے ایک نیک آدمی کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے تو اس نیک آدمی نے کہا میں تجھے وہی وصیت کرتا ہوں جو اللہ نے تمام اولین و آخرین کو کی ہے۔

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (سورہ نساء:۱۳۱)

بعض مفسرین نے تقویٰ کی سات قسمیں بتائی ہیں:

(۱) کفر و شرک سے بچنا (۲) بدمذہبی سے بچنا (۳) گناہ کبیرہ سے بچنا
(۴) گناہ صغیرہ پر اصرار نہ کرنا (۵) شبہات سے بچنا (۶) اللہ سے دور کرنے والی ہر چیز سے بچنا
(۷) نفسانی خواہشات سے بچنا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوْا﴾

یہودیوں کو ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار سے روکا گیا تھا۔ یہ ایک امتحان تھا جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ صحابہ بنی اسرائیل جیسے نہ تھے۔ عمرۂ حدیبیہ کے احرام کے وقت شکار بڑی آسانی سے پکڑے جا سکتے تھے۔ یہ آزمائش تھی اور صحابہ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے۔

حرم کے اندر شکار، محرم اور غیر محرم دونوں پر حرام ہے۔ حرم دو ہیں: (۱) حرم مکہ (۲) حرم مدینہ۔ (عامر سے ثور تک) مگر پانچ جانور ایسے ہیں جنھیں حل و حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔ (۱) سانپ (۲) کالا کوا (۳) چوہا (۴) کٹکھنا کتا اور (۵) چیل۔ (بخاری) ایذا رسانی میں اشتراک کی وجہ سے اس میں بچھو، شیر، چیتا، تیندوا اور بھیڑیا بھی شامل ہے۔

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ﴾ (سورہ المائدہ:۹۷)

کعبۃ کا معنی، بلند ہے۔ یہ معنوی اعتبار سے بلند ہے۔ کعب کا معنی ہے، اُبھرا ہوا۔ پیر کے ٹخنے کو کعب اسی وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ وہ اُبھرا ہوا ہوتا ہے۔ چونکہ دنیا بھر میں کعبہ کا ذکر بلند اور اُبھرا ہوا ہے اسی وجہ سے اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔

﴿قِیٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ کائنات انسانی کی سانس کعبہ کے وجود سے وابستہ ہے۔ کائنات اسی وقت تک ہے، جب تک کعبہ ہے۔

﴿قُلْ لَّا یَسْتَوِی﴾ یہ آیت قدر و قیمت کا ایک دوسرا ہی معیار پیش کرتی ہے۔ بظاہر سو روپے، پانچ روپے کے مقابلے میں لازماً زیادہ قیمتی ہیں لیکن اگر سو روپے اللہ کی نافرمانی کر کے حاصل لیے گئے ہوں تو وہ ناپاک ہیں اور پانچ روپے جو اللہ کی فرمانبرداری کر کے کمائے گئے تو وہ پاک ہیں۔ غلاظت کے ایک ڈھیر سے عطر کا ایک قطرہ زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾﴾ (سورہ المائدہ:۱۰۱)

شرعی احکام کے سلسلے میں غیر ضروری سوال نہ کرو۔ فقہ کی کتابوں میں اس کی مثالیں بے شمار مل جائیں گی۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا تیرے پاؤں کی طلاق یا سر کو طلاق تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں، کسی نے اپنی بیوی سے کہا آسمان میں جتنے تارے ہیں میں اتنی طلاقیں تجھے دیتا ہوں تو کتنی طلاقیں واقع ہوئیں۔

﴿قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا﴾ (سورہ المائدہ:۱۰۲)

مشرکین بعض جانوروں کو پُنیہ (نیکی) کے لیے دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ آج بھی وہ مسلمان جو شرک و بدعت میں مبتلا ہیں وہ بکرے وغیرہ پیروں یا ولیوں کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں۔ نذر و نیاز تو صرف اللہ کے لیے ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰـكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡـكَذِبَ‌ ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ﴾(سورہ المائدہ:۱۰۳)

سب سے پہلے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خزاعی تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جہنم میں اُسے اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا ہے۔(بخاری کتاب التفسیر)

کافرین قرآن کو مانتے ہیں مگر قرآن کی نہیں مانتے۔اللہ کو مانتے ہیں مگر اللہ کی نہیں مانتے۔اسی طرح رسول کو مانتے ہیں مگر رسول کی نہیں مانتے۔تم سے پہلے ایک قوم نے بیجا سوالات کئے جس کی وجہ سے احکام میں سختی ہوئی تو انہوں نے اس کا عملی انکار کر دیا۔

﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ اور مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ﴾ میں فرق یہ ہے کہ پہلے کا تعلق تَحرِیمُ مَا أَحَلَّ اللّٰہُ (اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنا) سے ہے اور دوسرے کا تعلق تَحلِیلُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ (اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا) سے ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ﴾(سورہ المائدہ:۱۰۵)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو البتہ جب یہ دیکھو کہ خواہشات نفسانیہ کی پیروی ہونے لگی ہے اور دنیا کو دین پر ترجیح دی جانے لگی ہے اور ہر شخص اپنی ہی رائے کو ترجیح دیتا ہے تو سب کو چھوڑ کر اپنی فکر کرو۔

﴿لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ﴾ (سورہ مائدہ:۱۰۵)

اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی غلطی کو اپنی غلطی کی دلیل نہیں بنا سکتے کیونکہ اسے اپنا جواب دینا ہے اور ہمیں اپنا جواب دینا ہے۔ ورنہ بقدر وسعت ہر شخص پر امر بالمعروف نہی عن المنکر فرض ہے۔

جب فساد (خرابی) پھیل جائے او مفسدین کا غلبہ ہو جائے تو مومنین کو چاہیے کہ مفسدین کے بہاؤ میں نہ بہیں اور اپنی لگام ان کے ہاتھ میں نہ دیں۔ایسے ماحول میں مومن کو سب سے پہلے اپنی فکر اور خود کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔

انبیاء عالم الغیب نہیں

(۱) ﴿قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا﴾(سورہ مائدہ:۱۰۹)

(۲) ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ﴾(سورہ مائدہ:۱۱۷)

رسولوں اور امتوں سے اجتماعی اور انفرادی دونوں طریقوں سے پوچھ تاچھ کی جائے گی۔

(۱) امتوں سے سوال کیا جائے گا کہ کیا پیغام تم تک پہنچا؟ ﴿فَلَنَسۡـئَلَنَّ الَّذِيۡنَ اُرۡسِلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَنَسۡـئَلَنَّ الۡمُرۡسَلِيۡنَ﴾(اعراف:۶)

(۲) رسولوں سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے پیغام پہنچایا؟ ﴿يَوۡمَ يَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ﴾(مائدہ:۱۰۹)

﴿اِذۡ اَيَّدتُّكَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ﴾(سورہ مائدہ:۱۱۰)

عیسیٰ علیہ السلام پر احسانات کا تذکرہ: کہ وہ بندے ہیں اللہ نہیں کیونکہ وہ جبرئیل سے تائید کے محتاج تھے۔یہاں نبی کی نصرت اور صحیح عقیدہ وعمل کا اعلان کیا گیا۔

Scanned by CamScanner

عید مائدہ

﴿عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا﴾ آسمانی شریعتوں میں عید کی حیثیت ایک ملی جلی تقریب کی ہوتی تھی جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس روز پوری ملت، اجتماعی طور پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اس کی تکبیر و تحمید کرے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو ایسی ہی عید بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔

بعض اہل بدعت نے عید مائدہ سے عید میلاد پر جواز ثابت کیا ہے۔ حالانکہ اول تو یہ ہماری شریعت سے پہلے کی شریعت کا واقعہ ہے اور اگر اسلام اسے برقرار رکھنا چاہتا تو اس کی وضاحت کر دی جاتی۔ اسلام نے ہمیں دو عیدیں دی ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ، تیسری کوئی عید نہیں۔

عیدین کے مشروع اعمال:

(۱) غسل کرنا (۲) عمدہ کپڑے زیب تن کرنا

(۳) عید الفطر میں طاق کھجوریں کھا کر اور عید الاضحیٰ میں بغیر کچھ کھائے عید گاہ جانا

(۴) عید گاہ میں نماز ادا کرنا (۵) نماز عید کے لیے پیدل جانا

(۶) عید گاہ ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا

(۷) عورتوں کو عید گاہ لے جانا

(۸) نماز فجر کے بعد امام کے سوا تمام لوگوں کا سویرے عید گاہ جانا

(۹) عید گاہ جاتے ہوئے باآواز بلند تکبیر پکارنا

(۱۰) نماز عید سے واپسی پر گھر میں دو رکعت نماز مسنون ہے

(۱۱) عید کے دن ملاقات پر ایک دوسرے کو تقبل اللہ منا ومنکم کہنا مسنون ہے۔ عید مبارک کہنا مسنون نہیں

(۱۲) عید کے دن جائز اشعار پڑھنا اور جائز کھیل کا مظاہرہ کرنا مسنون ہے۔

عیدین کی نماز کا مسنون وقت

عید الفطر کی نماز یکم شوال اور عید الاضحیٰ کی نماز دس ذوالحجہ کو ادا کی جائے گی، ان دونوں نمازوں کا وقت فجر کی نماز کے بعد جواز کا وقت ہے جو سورج نکل جانے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور زوال تک یعنی ظہر کے وقت سے کچھ پہلے تک رہتا ہے۔ دونوں عیدوں کی نماز کا وقت ایک ہی ہے اور ان دونوں کے اوقات میں صحیح حدیث سے کوئی فرق ثابت نہیں ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ جب سورج ایک یا دو نیزہ بلند ہو جائے تو نماز ادا کریں، یہ حکم جہاں عام نفل نمازوں کے لیے ہے وہیں نماز عیدین کے لیے بھی ہے۔

Scanned by CamScanner

عَنْ عَمرِو بنِ عبسةَ السُّلَمِي، أَنَّهُ قَالَ: قلتُ يا رسولَ اللهِ أيُّ اللَّيلِ أَسمعُ قالَ جوفُ اللَّيلِ الآخرُ فصلِّ ما شئتَ فإنَّ الصَّلاةَ مشهودةٌ مكتوبةٌ حتَّى تُصلِّيَ الصُّبحَ ثمَّ أقصِرْ حتَّى تطلعَ الشَّمسُ فترتفعَ قيسَ رمحٍ أو رمحينِ فإنَّها تطلعُ بينَ قرنَي شيطانٍ ويصلِّي لها الكفَّارُ ثمَّ صلِّ ما شئتَ فإنَّ الصَّلاةَ مشهودةٌ مكتوبةٌ حتَّى يعدلَ الرُّمحُ ظلَّهُ (سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ: ۱۲۷۷ صحیح)

سیدنا عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! رات کا کون سا حصہ زیادہ مقبول ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر رات کا درمیانی حصہ، سو جس قدر جی چاہے نماز پڑھو۔ بیشک نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اس کا اجر لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ فجر پڑھ لو پھر رک جاؤ حتیٰ کہ سورج نکل آئے اور ایک یا دو نیزوں کے برابر اونچا آ جائے۔ بیشک یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کفار اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھتے رہو، بیشک نماز میں فرشتے حاضر ہوتے اور اس کا اجر لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ نیزے کا سایہ اس (نیزے) کے برابر ہو جائے (یعنی دوپہر ہو جائے اور کوئی زائد سایہ باقی نہ رہے)

مذکورہ بالا حدیث کے چند اہم مستفادات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اس حدیث میں ''قیس رمح'' کا لفظ سمجھنے والا ہے، کہیں پر یہی لفظ ''قید رمح'' اور کہیں ''قدر رمح'' آیا ہے، سب کے معانی ایک ہی ہیں۔ رمح کا اردو ترجمہ نیزہ کیا جاتا ہے جس کی لمبائی بارہ بالشت بتائی جاتی ہے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ رمح والی بحث پہ لکھتے ہیں کہ جب سورج طلوع ہو تو اسے دیکھو جب وہ ''قدر رمح'' یعنی ایک میٹر آنکھوں سے لمبائی کے برابر بلند ہو جائے تو ممانعت کا وقت نکل گیا۔ وقت کے حساب سے اس کا اندازہ دس منٹ سے بارہ منٹ تک ہوگا بس، زیادہ لمبا نہیں۔ تاہم احتیاطاً پندرہ منٹ زیادہ کر لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ سورج نکلنے کے پندرہ منٹ بعد ممنوع وقت ختم ہو جاتا ہے۔ (الشرح الممتع)

(۲) اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ فجر کے بعد نمازوں کا وقت یہ ہے کہ سورج نکل کر کم از کم ایک میٹر بلند ہو جائے جس میں دس سے پندرہ منٹ لگتا ہے۔ خواہ نفلی ہو یا عیدین کی۔ البتہ چھوٹی ہوئی نماز یا اسباب والی نماز ممنوع اوقات میں بھی ادا کر سکتے ہیں۔

(۳) سورج ایک نیزہ بلند ہو جانے سے ممنوع وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس وقت سے لیکر زوال تک نوافل ادا کر سکتے ہیں، اسی طرح اس درمیان عیدین کی نماز بھی ادا کر سکتے ہیں۔

(۴) نماز عید کا اول وافضل وقت اس کا ابتدائی وقت ہے جو کہ سورج کا ایک نیزہ بلند ہونا ہے تاہم اس سے متاخر کر کے پڑھنے سے بھی نماز ہو جائے گی یعنی عیدین کی نماز پڑھنے کا انتہائے وقت (وقت جواز) زوال تک ہے۔

(۵) سورج کے طلوع کا وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع کا وقت ہوتا ہے جب شیطان کے پجاری اس کی پوجا کر رہے ہوتے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج طلوع ہونے کے وقت کوئی نماز ادا کرنے سے منع کیا ہے۔

Scanned by CamScanner

مذکورہ حدیث سے ہمیں اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ عیدین کی نماز کو اول وقت یعنی سورج ایک نیزہ بلند ہوجانے کے وقت ادا کرنا افضل ہے، اس کی صراحت ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ یزید بن خمیر الرَّحبی بیان کرتے ہیں:

خرجَ عبدُ اللهِ بنُ بُسْرٍ صاحبُ رسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ معَ النَّاسِ في يومِ عيدِ فطرٍ أو أضحَى فأنكر إبطاءَ الإمامِ فقالَ إنَّا كنَّا قد فرغنا ساعتَنا هذِهِ وذلِكَ حينَ التَّسبيحِ (سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ: ۱۱۳۵، صحیح)

عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول لوگوں کے ساتھ عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کے لیے تشریف لائے تو امام کے تاخیر کر دینے کو انہوں نے ناپسند کیا اور کہا کہ ہم تو اس وقت فارغ ہو چکے ہوتے تھے یعنی اشراق کے وقت۔

اس حدیث سے جہاں اول وقت میں عید کی نماز ادا کرنے کا علم ہوتا ہے وہیں اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ زوال سے قبل اول وافضل وقت کے بعد بھی ادا کی گئی نماز ہوجاتی ہے کیونکہ کچھ تاخیر سے عید کی نماز ادا کرنے کو عبداللہ بن بسر رضی اللہ نے بس ناپسند کیا۔ یہاں ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا وقت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک ہی تھا۔

بعض علماء نے عیدالفطر کی نماز معمولی تاخیر سے اور عیدالاضحیٰ کی نماز جلدی ادا کرنے کو کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عیدالفطر کے دن اہم کاموں میں سے ایک کام فطرانہ کی ادائیگی ہے جس کا وقت نماز عیدالفطر سے قبل ہے، اگر اس نماز میں کچھ تاخیر کردی جائے تو فطرانہ کی ادائیگی میں لوگوں کو سہولت ہوجائے گی۔ اور عیدالاضحیٰ کے دن اہم کاموں میں سے ایک اہم کام قربانی کرنا ہے جس کا وقت عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد ہے۔ اگر جلدی، اول وقت پہ اس نماز کو ادا کرلی جائے تو قربانی دینے اور اس کا گوشت کھانے، کھلانے اور تقسیم کرنے میں لوگوں کو آسانی ہوگی یہ فرق، جید علماء سے بھی منقول ہے، اس پہ عمل کرنے میں حرج کی بات نہیں ہے کیونکہ نماز اس کے جواز کے وقت میں ہی ادا کی جاتی ہے۔

تاہم میری ناقص نظر سے عیدالفطر میں تاخیر سے خاصا فرق نہیں پڑتا کیونکہ فطرانہ کا افضل وقت عید کا چاند نکلنے سے ہی شروع ہوجاتا ہے جبکہ وقت جواز کے حساب سے عید سے ایک دو دن پہلے ہی لوگ فطرانہ دے سکتے ہیں۔ نماز میں تاخیر کرنے سے لوگ فطرانہ ادا کرنے میں قصداً تاخیر کرتے ہیں، اگر نماز میں تاخیر نہ ہو تو لوگ وقت سے ادا کردیں گے۔ اس لیے عیدالفطر کی نماز بھی اول وقت پر ہی ادا کی جائے تو اولیٰ وافضل ہے۔ اوپر نماز عید میں تاخیر کرنے پر صحابی رسول عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی ناپسندیدگی آپ نے پڑھی ہی ہے۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے وقتوں میں فرق سے متعلق مجھے کوئی صحیح روایت نہیں ملی۔

(۱) ایک روایت اس طرح سے آئی ہے: كَانَ النَّبِيُّ صلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصلِّي بِنَا يَوْمَ الفطرِ والشَّمسُ على قِيدِ رُمحينِ والأضحى على قيدِ رُمحٍ (ارواء الغلیل، جلد: ۳، صفحہ: ۱۰۱) نبی ﷺ ہمیں عیدالفطر کی نماز دو نیزے کے برابر سورج ہونے پر پڑھاتے اور عیدالاضحیٰ کی نماز اس وقت پڑھاتے جب سورج ایک نیزہ پر ہوتا۔ شیخ البانی اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں معلیٰ بن ہلال کے کذب پر سارے نقاد کا اتفاق ہے۔ (ارواء الغلیل)

(۲) ایک دوسری روایت اس قسم کی ہے:

أنَّ رسولَ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ - كتبَ إلى عمرِو بنِ حَزْمٍ وهو بنَجْرانَ: عَجِّلِ الأضحى وأَخِّرِ الفِطرَ

Scanned by CamScanner

وذکّر الناس۔ (بیہقی: ۲۸۲/۳) اس کی سند ضعیف ہے۔

بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے والی نجران عمرو بن حزم کو لکھا کہ وہ عید الاضحیٰ میں جلدی اور عید الفطر میں تاخیر کریں اور لوگوں کو (خطبہ میں) نصیحت کریں۔

یہ مرسل روایت ہے جسے امام شافعی نے بیان کیا ہے اور شیخ البانی نے کہا کہ اس میں متہم راوی ہے۔ (دیکھیں تخریج مشکوۃ المصابیح)

تنبیہ: کبھی عید کی اطلاع زوال کے بعد ہوتی ہے اور ہمیں اوپر معلوم ہوا کہ نماز عیدین زوال تک ہی پڑھی جا سکتی ہیں لہذا اس صورت میں روزہ توڑ دینا چاہئے اور اگلے دن نماز عید پڑھنا چاہئے۔

ابو عمیر بن انس اپنے چچوں سے، جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَكْبًا جَاءُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُونَ أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُفْطِرُوا وَإِذَا أَصْبَحُوا أَنْ يَغْدُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ (سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ: ۱۱۵۷، صحیح)

ایک قافلے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے شہادت دی کہ ہم نے کل شام کو چاند دیکھا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کر لیں اور اگلے دن صبح کو عید گاہ میں پہنچیں۔

نزول مائدہ کی کوئی شہرت عیسائیوں میں نہیں ہے نہ یہ ان کی کتابوں میں درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ﴾ کی شرط سن کر انہوں نے (حواریوں نے) کہا کہ تو پھر ہمیں اس مائدہ کی ضرورت نہیں۔

﴿فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورہ المائدہ: ۱۱۵)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نعمت جب غیر معمولی ہوگی تو اس کی شکر گزاری بھی غیر معمولی ہونی چاہیے اور ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی آئے گا۔

ایک ہے کہ اللہ معجزہ خود ظاہر کرے دوسرے اگر قوم مطالبہ کرے تو انکار پر عذاب آجاتا ہے۔ جیسے اونٹنی کا معجزہ۔

نزولِ مائدہ ایک معجزہ ہے۔ معجزہ یا تو اللہ خود ظاہر کر دیتا ہے یا قوم کے مطالبے پر نازل کرتا ہے لیکن مومن پھر بھی ایمان نہ لائے تو عذاب آجاتا ہے جیسے اونٹنی کا معجزہ۔

﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾ (المائدہ: ۱۱۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ﴿يَنْفَعُ الْمُوَحِّدِيْنَ تَوْحِيْدُهُمْ﴾ (تیسیر العلی القدیر: ۲۲) (موحدین کو ان کی توحید فائدہ دے گی)

نکتہ: دنیا کی سب سے بڑی سچائی توحید اور سب سے بڑا جھوٹ شرک ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورۃ الانعام (مکیۃ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور روشنی بنائی پھر بھی کافر (اور چیزوں کو) اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ (۱)

﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ﴾ انسان اللہ کے سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھاتا ہے، بل ادا نہیں کرتا، پانی پیتا ہے، ہوا سے سانس لیتا ہے، ان میں سے کوئی چیز اس کی بنائی ہوئی نہیں ہے، لہٰذا ان تمام چیزوں کا استعمال لازم کرتا ہے کہ اسے ایک دن دنیا کے مالک کے سامنے حاضر ہو کر حساب دینا ہے، اس کا بل چکانا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②

وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں اور مقرر ہے۔ پھر بھی تم (اے کافرو اللہ کے بارے میں) شک کرتے ہو۔ (۲)

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ﴾

مادۂ بعید کی طرف اشارہ ہے کہ آدم تمہارے باپ جو تمہاری اصل ہیں تم انہیں سے نکلے ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو غذائیں تم کھاتے ہو وہ سب زمین (مٹی) سے پیدا ہوتی ہیں، انہیں غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحم مادر میں جا کر تخلیق انسانی کا باعث بنتا ہے، اس لحاظ سے تمہاری پیدائش مٹی سے ہوئی۔

Scanned by CamScanner

﴿قَضٰٓى اَجَلًا﴾ (دنیا کی مدت)
﴿وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ سے انسان کی مدت حیات مراد ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾

اور آسمان اور زمین میں وہی (ایک) اللہ ہے تمہاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتیں جانتا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو سب سے واقف ہے۔ (۳)

سوال: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ﴾

معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے اور وجودی اس سے استدلال بھی کرتے ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضًا" (قرآن کا بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے) چنانچہ سورۂ زخرف آیت ۸۴ میں ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾ سورۂ زخرف کی یہ آیت سورۂ انعام کی مذکورہ آیت کی تفسیر کرتی ہے کہ زمینوں اور آسمانوں میں اللہ کے موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زمینوں اور آسمانوں میں وہی 'الٰہ' (معبود) ہے۔

وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾

اور اللہ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی اُن لوگوں کے پاس نہیں آتی مگر یہ کہ اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ (۴) جب ان کے پاس حق آیا تو اُس کو بھی جھٹلا دیا پس ان کو اُن چیزوں کا جن سے یہ استہزاء کرتے ہیں عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔ (۵)

اس سے معلوم ہوا کہ کفر کے تین درجے ہیں:

(۱) "إِعْرَاضٌ عَنِ الْحَقِّ" (حق سے منہ پھیرنا)۔
(۲) "تَكْذِیْبٌ بِالْحَقِّ" (حق کو جھٹلانا)۔
(۳) "إِسْتِهْزَاءٌ بِالْحَقِّ" (حق کا مذاق اُڑانا) یہ تیسرا کفر کا آخری درجہ ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾

اور کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا (جو ان کی تصدیق کرتا)؟ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا پھر انہیں (مطلق) مہلت نہ دی جاتی۔ (۸)

﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ﴾ پیغمبر کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں اُترا؟

Scanned by CamScanner

جواب: دنیا امتحان گاہ ہے اور امتحان اسی وقت ہوسکتا ہے جب غیبی حقیقتوں پر پردہ پڑا ہوا ہو، اگر غیبی حقیقتیں کھل جائیں تو پیغمبری اور دعوت رسانی کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾

نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اُسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں انہیں پھر ڈال دیتے۔ (۹)

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا﴾ سوال کرنے والے عجیب بیوقوف ہیں کہ فرشتوں کے نازل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیونکہ فرشتوں کے نازل ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو فرشتہ اپنی اصل شکل میں سامنے آجائے تو اس کی ہیئت دیکھ کر انسان ہول کھا کر مر جاتا۔ دوسری صورت فرشتہ انسانی شکل میں آئے تو اس صورت میں سوال کرنے والے کو جو اعتراض ہے وہی اس فرشتے پر ہوگا کہ یہ اس کو ایک انسان ہی سمجھے گا۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

کہہ دیجیے! کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مددگار بناؤں؟ کہ (وہی تو) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا (یہ بھی) کہہ دو کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم (اے پیغمبر!) مشرکوں میں نہ ہونا۔ (۱۴)

اس آیت میں ایک لطیف تعریض ہے کہ مشرکوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اللہ کا درجہ دے رکھا ہے وہ سب ان بندوں کو رزق دینے کے بجائے الٹا ان سے رزق پانے کے محتاج ہیں، مردہ پرست لوگ قبروں پر شاندار عمارتیں تیار کرتے ہیں، ان قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، غرضیکہ اگر دیکھا جائے تو یہ سارے بناوٹی خدا بے چارے خود اپنے پرستاروں کے محتاج ہیں مگر حقیقی معبود کسی کا محتاج نہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ دانا اور خبردار ہے۔ (۱۸)

تمام صفات الوہیت کے اصول تین ہیں:

(۱) قدرت تامہ: اس کا سب پر زور ہو اس پر کسی کا زور نہیں چلتا۔

(۲) علم: کہ وہ ہر چیز سے واقف ہے اور کوئی چیز اس کے دائرۂ علم سے باہر نہیں۔

Scanned by CamScanner

(۳) حکمت: تمام کائنات میں سلسلہ نظم اسی کا رکھا ہوا ہے۔
اول کی طرف ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ سے اور دوسرے کی طرف ﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ﴾ سے اور تیسرے کی طرف ﴿الْخَبِيرُ﴾ سے اشارہ کر دیا گیا ہے۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيدٌۢ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۚ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۚ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۱۹﴾

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے پوچھئے کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے؟ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے اور یہ قرآن مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمہیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے اس کو آگاہ کر دوں کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کیساتھ اور بھی معبود ہیں؟ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) کہہ دیجیے کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا۔ کہہ دیجئے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ (۱۹)

﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ داعی کی ذمہ داری تبلیغ پر اور مدعو کی اطاعت پر ختم ہوتی ہے حق و باطل کے درمیان ثالثی قرآن ہے، اب دو ہی راستے ہیں، تحقیق کریں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے یا نہیں، اگر ہے تو مان لے۔

اَلَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُونَهٗ كَمَا يَعْرِفُونَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِينَ خَسِرُوٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (ہمارے پیغمبر) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے۔ (۲۰)

﴿اَلَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُونَهٗ كَمَا يَعْرِفُونَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِينَ خَسِرُوٓا﴾ وہ نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، مگر وہ حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے، اس کی وجہ صرف دنیا کا وقتی فائدہ ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ ﴿۲۱﴾

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افتراء کیا یا اُس کی آیتوں کو جھٹلایا کچھ شک نہیں کہ ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔ (۲۱)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر شاندار دلیل: نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے وہ بھی ظالم ہے اور جو اللہ کی آیات کو

Scanned by CamScanner

جھٹلائے وہ بھی ظالم ہے، اب یہ بتاؤ کہ تم جو آیات کو جھٹلا رہے ہو تو دونوں میں سے کون زیادہ ظالم ہے، جھوٹا دعوۂ نبوت کرنے والا یا اس کا انکار کرنے والا؟ دونوں میں ناحق کی پہچان کیا ہے، جواب ﴿لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ہے کہ ظالم کو فلاح نہ ہوگی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کامیابی نبی کو ملی اور مخالف ذلیل وخوار ہوئے، جب کامیاب نبی ہوئے تو ثابت یہ ہوا کہ تم باطل پر ہو۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ تمہاری (باتوں کی) طرف کان رکھتے ہیں اور ہم نے اُن کے دلوں پر تو پردے ڈال دیئے ہیں کہ اُن کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بوجھ پیدا کر دیا ہے (کہ سن نہ سکیں) اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی تو اُن پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بحث کرنے کو آتے ہیں تو جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (۲۵)

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ جو لوگ تعصب کا ذہن لے کر بات کو سنتے ہیں ان کا حال ایسا ہوتا ہے کہ ان کے کان بند اور دل پر پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے، دلائل مطمئن کرنے والے ہوتے ہیں مگر وہ جو کچھ سنتے ہیں مجادلہ کے ذہن سے سنتے ہیں نہ کہ نصیحت کے ذہن سے، ان کے اندر بات کو سن کر سمجھنے اور قبول کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، مخالف کی بات میں وہ ایسا پہلو نکال لیتے ہیں جس کو غلط معنی دے کر وہ اپنے آپ کو بدستور مطمئن رکھتے ہیں، یہ دُہرے مجرم ہیں جو خود رکتے ہیں اور دوسروں کو روک دیتے ہیں، پہلا جرم ہے خود رُکنا اور دوسرا جرم ہے دلیلِ الٰہی کو غلط معنی پہنانا۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

وہ اس سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی پرے رہتے ہیں مگر (ان باتوں سے) اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور (اس سے) بے خبر ہیں۔ (۲۶)

﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ رسول کا دفاع کرتے تھے لیکن ایمان نہ لاتے تھے جیسے ابوطالب، بہت سے اہل قلم ایسے پیدا ہوئے جن کا دل و دماغ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو تسلیم کرتا تھا اور انہوں نے اسلام کی طرف سے دفاع بھی کیا مگر وہ ایمان کے شرف سے بہرہ ور نہیں ہوئے۔

﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ بدعت پرست علماء اپنے ماننے والوں کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں کہ کہیں وہ پاگل پن کی بھول بھلیوں سے نکل کر صراط مستقیم پر نہ آجائیں۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

ہاں یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا ہے اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ (۲۸)

وہ مذہبی پیشوا جو حق کو سمجھتے تھے مگر اس کی اتباع کو لوگوں سے چھپاتے تھے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ (۲۹)

انہوں نے یہ کہا کہ یہی دنیا کی زندگی سب کچھ ہے، مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھوٹ سمجھا وہ گھاٹے میں آ گئے یہاں تک کہ جب اُن پر قیامت ناگہاں آ موجود ہوگی تو بول اٹھیں گے کہ (ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے دیکھو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت بُرا ہے۔ (۳۱)

﴿يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ﴾ چند روزہ عمر ملی تھی، سعادت جاودانی حاصل کرنے کی بجائے انہوں نے اس عمر مختصر کو شقاوتِ جاودانی حاصل کرنے میں گذار دی، گویا پانی خریدنے نکلے تھے اور ان ہی داموں سے زہر خرید کر پی لیا۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشہ ہے اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) ان کیلئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟ (۳۲)

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ جو لوگ دنیا کو اللہ کی سمجھتے ہیں وہ ذمہ دارانہ زندگی گذارتے ہیں اور جو لوگ اس کو اللہ کی دنیا نہیں سمجھتے ان کی زندگی لہو ولعب کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ کھیل، تماشا چند عرصے کا ہوتا ہے پھر کھیل ختم ہو جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

"اَمَّا حَقِيْقَةُ الدُّنْيَا فَاِنَّهَا لَعِبٌ فِى الْاَبْدَانِ وَلَهْوٌ فِى الْقُلُوْبِ فَالْقُلُوْبُ لَهَا وَالِهَةٌ وَالنُّفُوْسُ لَهَا عَاشِقَةٌ"

(تہذیب النفوس للقرب من الملک القدوس للحجازی: ۷۵)

دنیا کی حقیقت لہو ولعب ہے، لعب کا تعلق اعضاء بدن سے ہے اور لہو کا تعلق قلوب سے ہے، تو دل اس پر فریفتہ ہیں اور نفوس اس کے عاشق ہیں۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور اگر ان کی روگردانی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر شاق گزرتی ہے تو اگر طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکال لیں یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کریں) پھر ان کے پاس کوئی معجزہ لائیں اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہرگز نادانوں میں سے نہ ہو جائیے۔ (۳۵)

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾

اللہ کی مشیت یہ نہیں کہ لوگ لامحالہ ہدایت پر مجتمع ہو جائیں، اس طرح عقل وشعور کے امتحان کا کوئی موقع نہیں رہتا، اس کی مشیت یہ ہوئی کہ انسان کو عقل وشعور سے کام لینے کا موقع دیا جائے، نشانیاں دکھانے میں عقل وشعور کے امتحان کا مقصد فوت ہو جاتا، لہٰذا یہ بات اللہ کی اسکیم کے خلاف تھی۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

آپ کہہ دیجئے (کافرو!) بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا قیامت آموجود ہو تو کیا تم (ایسی حالت میں) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر سچے ہو (تو بتاؤ)۔ (۴۰)

﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ﴾

توحید انسانی فطرت کی آواز ہے، انسان ماحول یا آباء واجداد کی تقلید میں مشرکانہ عقائد واعمال میں مبتلا رہتا ہے، غیر اللہ کو حاجت روا سمجھتا ہے، ان کے نام کی نذر و نیاز کرتا ہے لیکن جب کسی ابتلا سے دوچار ہوتا ہے تو بے اختیار اللہ کو پکارتا ہے، کاش لوگ اسی فطرت پر قائم رہتے۔

جتنی مصیبتیں انسان پر آتی ہیں اتنی اور کسی چیز پر نہیں آتیں:

انسان کا حال یہ ہے کہ مصیبت آتی ہے تو یکسو ہو کر اللہ کو پکارنے لگتا ہے، ہوائیں، طوفان بن سکتی ہیں، جس زمین پر وہ

کھڑا ہے، زلزلے کی زد میں آسکتی ہے، انسان کے اندر ان کے دفع کرنے کا یارا نہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان عاجز ہے، تو وہ گھمنڈ اور غرور کیوں کرے۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی اُمتوں کی طرف پیغمبر بھیجے پھر (اُن کی نافرمانیوں کے سبب) ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے تاکہ عاجزی کریں۔(۴۱)

انسان لاشعوری طور پر توحید کا قائل ہے۔عکرمہ بن ابی جہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ سمندری طوفان میں گھر گئے، شروع میں انہوں نے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کیا، جب طوفان بڑھ گیا اور معلوم ہوتا تھا کہ کشتی اب ڈوبی کہ تب ڈوبی تو مشرکین کہنے لگے: "اب اکیلے اللہ کو پکارو" یہ جملہ سن کر عکرمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھل گئیں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت بھی تو یہی ہے چنانچہ واپس آکر اسلام قبول کرلیا۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

تو جب اُن پر ہمارا عذاب آتا رہا تو کیوں نہیں عاجزی کرتے رہے مگر اُن کے تو دل ہی سخت ہو گئے تھے اور جو وہ کام کرتے تھے شیطان اُن کو (ان کی نظروں میں) آراستہ کر دکھاتا تھا۔(۴۳)

﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ﴾ جب اللہ نافرمانوں پر بطور سزا کوئی مصیبت ڈالتا ہے تو ان کا دل اس کی تاویل کر کے اسے حادثہ بتاتا ہے، اس طرح وہ انسان مطمئن ہو کر اپنا رویہ تبدیل نہیں کرتے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر جب انہوں نے اُس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب اُن چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔(۴۴)

مادی ترقیوں کے زعم میں مبتلا یورپ و امریکہ وغیرہ تباہی سے پہلے کی حالت میں تو نہیں ہیں؟ کیونکہ اس آیت میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ عذاب سے پہلے قوم خوشحالی و ترقی کے معراج کا نمونہ ہوتی ہے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔(۴۵)

Scanned by CamScanner

﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ﴾ اس قوم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے یعنی عذاب کے ذریعے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝۴۶

(ان کافروں سے) کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تمہارے کان اور آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں یہ نعمتیں پھر بخشے؟ دیکھیے ہم کس کس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں۔ (۴۶)

ایک آدمی اندھا ہو، بہرا ہو اور پاگل ہو تو وہ ذلیل اور بے وقعت ہوتا ہے۔ اب کان، آنکھ اور دماغ رہتے ہوئے آدمی ان سے کام نہ لے تو آخرت میں وہ ذلیل اور بے وقعت ہو گا ہی۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۵۰

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اُس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے (اللہ کی طرف سے) آتا ہے کہہ دیجئے کہ بھلا اندھا اور بینا برابر ہوتے ہیں؟ تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟ (۵۰)

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ﴾
متبع وحی بصیر ’(بینا) ہے اور وحی کے مطابق عمل نہ کرنے والا اعمی (اندھا) ہے۔

وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢ ابِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۴

اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو (اُن سے) سلام علیکم کہہ دیا کریں اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۵۴)

توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ:
(۱) ندامت و استغفار (۲) اصلاح عمل یعنی وہ گناہ دوبارہ نہ کرنے کا عزم کرے۔

Scanned by CamScanner

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

(اے پیغمبر! کفار سے) کہہ دیجئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے اُن کی عبادت سے منع کیا گیا ہے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہیں کروں گا۔ ایسا کروں گا تو گمراہ ہو جاؤں اور ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ رہوں۔ (۵۶)

﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ کے سوا معبود صرف وہی نہیں جنہیں مشرکین نے پتھر یا لکڑی کی مورتیوں کی شکل میں بنا کر ان کو پوجا کر رہے ہیں، جیسا کہ آج کل قبر پرست علماء اپنے عوام کو غلط باور کراتے ہیں بلکہ اللہ کے وہ نیک بندے بھی ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کے دائرے میں ہیں جن کی لوگوں نے کسی بھی انداز سے عبادت کی جیسے عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کی عیسائیوں نے کی۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اُسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اُس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔ (۵۹)

اللہ کی تمام صفتوں میں دو صفتیں ممتاز ہیں:

(۱) علم (۲) قدرت۔ ان دو صفتوں پر یقین اور استحضار ہو تو آدمی سے گناہ کا صدور مشکل ہے۔

﴿اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾ یعنی اللہ کے پاس پوری دنیا کی Chronology (تاریخ وار واقعات کا ریکارڈ) محفوظ ہے تو اس کے پاس انسانی اعمال کا ریکارڈ کیوں نہ ہوگا۔

﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ﴾ درخت آخرت کے وجود پر دلیل: درخت کے تنہ میں شاخیں ہیں اور شاخوں میں پتے ہیں دونوں کے جوڑ میں فرق ہے، ایک مضبوط ہے دوسرا کمزور، اگر پتہ نہ گرے تو ہر سال درخت کو نئی زندگی ملنے کا سارا نظام ختم ہو جائے گا۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

Scanned by CamScanner

تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُوۡنَ ﴿۶۱﴾

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کیے رکھتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔(۶۱)

دنیا میں فرشتے تین قسم کے ہیں:

(۱) مُعَقِّبَاتٌ: انسان کو مضرتوں سے بچاتے ہیں۔

(۲) ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ﴾ اعمال لکھتے ہیں۔

(۳) ﴿تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا﴾ جان نکالتے ہیں۔

﴿تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُوۡنَ﴾ فرشتے روحوں کو اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں اور کوتاہی نہیں کرتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ان روحوں کو ان سے چھین نہیں سکتا، نیک روحوں کو ساتویں آسمان تک لے جایا جاتا ہے پھر ان کو علیین میں داخل کر دیا جاتا ہے اور بری روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، انہیں سجین میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ نیک کے لیے جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے، وہ اس کی نعمتیں دیکھتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہی تیرا ٹھکانہ ہوگا، تو یقین پر تھا اور تجھے یقین پر اٹھایا جائے گا، اور بری روح کے لیے جہنم کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے جہنم کا بعض، بعض کو کھا رہا ہے، اس سے کہا جائے گا کہ یہی تیرا ٹھکانہ ہوگا، تو شک پر تھا، شک پر اٹھے گا۔

ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّ‌ؕ اَلَا لَهُ الۡحُكۡمُ وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِيۡنَ ﴿۶۲﴾

پھر (قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالک برحق اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے۔ سن لو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔(۶۲)

﴿وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِيۡنَ﴾ وہ بڑی تیزی سے حساب لینے والا ہے۔

قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَـعًا وَّيُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ‌ؕ اُنْظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی کا مزہ چکھا دے، دیکھئے ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں۔(۶۵)

عذاب کی تین قسمیں:

(۱) اوپر سے (۲) نیچے سے (۳) ان کے اندر سے

حدیث ہے: عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كَمَا تَكُونُونَ يُوَلَّى أَوْ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ" (الجامع الصغیر للسیوطی، ۲/۱۶۶، ومسند الشہاب للقضاعی: ۵۷۷) تم جیسے رہو گے ویسے ہی تم پر حکمراں مقرر کیے جائیں گے (باعمل رہو گے تو تم پر اچھے حکمراں مسلط ہوں گے اور اگر بدعمل رہو گے تو ظالم حکمراں تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے)

﴿عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾

آدمی دائیں بائیں سے آنے والی مصیبتوں کو دفع کر سکتا ہے، مگر جب عذاب اوپر یا نیچے سے ہو تو آدمی اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ﴿عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ جیسے اصحاب فیل کو کنکریوں سے ہلاک کیا گیا، ﴿مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ نیچے سے عذاب جیسے فرعون اور اس کے لشکر کو دریا میں غرق کر دیا گیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا ﴿عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ کا ایک مطلب یہ ہے کہ تمہارے حکمرانوں کی طرف سے تم پر عذاب آئے گا اور ﴿تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کے ذلیل لوگوں، غنڈوں اور بدمعاشوں سے تمہیں تکلیف پہنچے گی۔

﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ مختلف پارٹیاں بن کر آپس میں بھڑ جائیں۔

﴿يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ کا مطلب تم کو فرقوں میں بانٹ دے اور مختلف خواہشات اور رجحانات رکھنے والے ہر فرقے کا ایک لیڈر ہو، جس کی قیادت میں یہ مختلف فرقے ایک دوسرے سے بھڑ جائیں یہاں لفظِ لباس استعمال کیا گیا ہے یعنی بعض بعض کو پہن لیں جیسا کہ جسم کپڑے کو پہنتا ہے، یعنی "يُسَلِّطُ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ بِالْعَذَابِ وَالْقَتْلِ فَيَزُوْلُ الْأَمْنُ وَيَعُمُّ الْفَسَادُ" یعنی بعض کو بعض پر مسلط کر کے مصیبتوں اور قتل میں مبتلا کر دے، اس طرح امن زائل ہو جائے اور فساد پھیل جائے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾

اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہوں تو اُن سے الگ ہو جائیں یہاں تک کہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر (یہ بات) شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ (۶۸)

قریشِ مکہ اپنی مجالس میں بیٹھ کر آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب کرتے، اس پر نکتہ چینی کرتے اور اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اسلامی احکام کا مذاق اُڑاتے ہیں، ایسے لوگوں کی ہم نشینی جائز نہیں، اہل بدعت کی مجلسوں میں شریک ہونا بھی اسی میں داخل ہے۔

Scanned by CamScanner

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اُن سے کچھ کام نہ رکھئے ہاں اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہیں تاکہ (قیامت کے دن) کوئی اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے (اس روز) اللہ کے سوا نہ تو کوئی اُس کا دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا۔ اور اگر وہ ہر چیز (جو روئے زمین پر ہے بطور) معاوضہ دینا چاہے تو وہ اُس سے قبول نہ ہو۔ یہی لوگ ہیں کہ اپنے اعمال کے وبال میں ہلاکت میں ڈالے گئے اُن کے لیے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دکھ دینے والا عذاب ہے اس لیے کہ کفر کرتے تھے۔ (۷۰)

﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا﴾ مثلاً اللہ نے ہمیں دو عیدیں دی ہیں، ان میں اللہ کی بڑائی اور اس کی یاد کا اجتماعی مظاہرہ ہونا چاہیے، اس کے اصل مقصد پر توجہ نہ دینا بلکہ ظاہری اور مادی پہلوؤں ہی پر توجہ دینا مثلاً مختلف تفریحات وغیرہ میں مشغول ہو جانا اور ان میں اسراف وتبذیر سے کام لینا، دین کو لہو ولعب یعنی کھیل، تماشا بنا لینے کے دائرے میں آتا ہے۔ قیامت کا انکار لذائذ دنیوی میں انہماک کی وجہ سے ہے، جیسے بچے کھیل کود میں مگن ہو کر اعلیٰ مقاصد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے لذائذ فانی اور آخرت کے لذائذ باقی ہیں۔

کافروں کے دو وصفِ بد (دو بُری صفتیں)

(۱) ﴿لَعِبًا وَّلَهْوًا﴾ کھیل کود کو مذہب بنا رکھا ہے۔ جب کہ مذہب میں ایسی چیزیں ہونی چاہئیں جو باطن کو روشن کریں اور ظاہر کو سنواریں، اگر ایسا نہ ہو تو عبادت، شہوت پرستی ہوئی۔

(۲) ﴿وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ دنیا پر فریفتگی ہوئی تو آخرت سے آنکھیں اندھی ہو گئیں اور اپنے مطلوب ومعشوق کو حاصل کرنے کی دھن میں حلال وحرام کی تمیز نہیں رہتی اور اخلاق کے تمام اصولوں اور ضابطوں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، نہ انہیں کبھی اس بات کا دھیان آتا ہے کہ بوڑھا ہونے کے بعد جوان نہیں ہونا ہے اور مرنے کے بعد دوسرے عالم میں چلا جانا ہے، تو جب دوسرے عالم کا دھیان نہیں تو وہاں کے لیے تیاری کیسی؟

﴿وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ اللہ سے بے خوفی کی نفسیات دنیا پرستی اور اکابر پرستی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، دنیا پرست سوچتا ہے کہ موت کے بعد کیا ہوگا کس نے دیکھا؟ اور اکابر پرست یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مقدس ہستیوں کا دامن تھام رکھا ہے۔ تو ہمارا معاملہ بگڑنے والا نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نفسیات انسان کو آخرت سے نڈر بنا دیتی ہیں۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ
هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ
یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ
لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہہ دیجئے کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے اور نہ بُرا اور جب ہمیں اللہ نے سیدھا رستہ دکھا دیا تو (کیا) ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ (پھر ہماری ایسی مثال ہو) جیسے کسی کو جنات نے جنگل میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران (ہو رہا ہو) اور اُس کے کچھ رفیق ہوں جو اُس کو راستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہہ دیجئے کہ راستہ تو وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرمانبردار ہوں۔ (۷۱) اور یہ (بھی) کہ نماز پڑھتے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔ (۷۲)

کسی کی طاعت وعبادت دو سبب سے ہوتی ہے:

(۱) امید نفع (۲) خوفِ مضرت

(*) شیطان نے جنگل میں بھٹکا دیا (*) حیران ہو جائے (*) ساتھی پکار رہے ہیں مگر بدحواسی میں ان کی طرف خیال نہیں کر رہا ہے، یہی حال بت پرستوں کا ہے کہ آبائی رسوم وغیرہ کے ورطۂ ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں، ایسی حالت میں رہنمائی تو بس اللہ کی رہنمائی ہے۔

رہنمائی کی دو شاخیں:

(۱) اعتقاد کی درستگی ﴿لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

(۲) اعمالِ صالحہ: ان میں افضل نماز ہے، اسی وجہ سے اس کے بعد ﴿وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ لایا گیا، اب سوال یہ ہے کہ انہیں جانا کدھر ہے؟ بتوں کے پاس یا اللہ کے پاس، اگر اللہ کے پاس جانا ہے تو اس سے ان کا تعلق کیا ہے؟ اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ لایا گیا، کائنات کو اللہ نے پیدا کیا، ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تمہارے معبودوں نے کیا پیدا کیا ہے؟

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔ (۷۴)

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ﴾ نوح علیہ السلام کا بیٹا، لوط علیہ السلام کی بیوی، ابراہیم علیہ السلام کا باپ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم

Scanned by CamScanner

کے چچا ابو طالب ایمان نہیں لائے۔اشارہ اس طرف ہے کہ ہدایت نبی کے اختیار میں نہیں، بس نبی کا کام حق کی طرف دعوت دینا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو تین قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑا تھا، ایک گروہ ستارہ زہرہ کو، دوسرا چاند کو، تیسرا سورج کو پوجتا تھا، ابراہیم علیہ السلام نے بتدریج تینوں فرقوں کی گمراہی واضح کی کہ غروب ہونے والی شئے حادث اور فانی ہے اور اس کا معبود ہونا محال ہے۔لہٰذا جب ستارہ، چاند اور سورج معبود نہیں ہو سکتے، اسی طرح پیروں وغیرہ کا مرجانا اور مدفون ہونا، اُفول (نظر نے کے بعد غائب ہوجانا) ہی ہے، تو یہ مرنے کے بعد بدرجۂ اولیٰ معبود نہیں ہو سکتے۔رومی رحمہ اللہ علیہ نے کہا:

آفتاب از امر حق طباخ ماست
ابلہی باشد کہ گویم او خداست

طلوع وغروب دلیل ہے کہ ستارہ، چاند اور سورج کسی کے تابع ہیں، جب یہ خود تابع ہیں تو تابع معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ اور کسی کو کیا نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے؟ ﴿لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ سے اسی طرف اشارہ ہے، ایک فارسی شاعر کہتا ہے:

می نگیرد بازِ شہ جز شیر نر
کرگساں برمردگاں بکشادہ پر

شاہین، شیروں کا شکار کرتا ہے اور گدھ مُردوں پر، پر پھیلائے رہتے ہیں۔

﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ قادری النسب، پیرزادوں کے سامنے شیخ کی اصل تعلیمات رکھو تو ان کا طریقہ ان تعلیمات کے خلاف ملے گا۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْــًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو اُنہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو؟ اُس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا ہاں جو میرا رب چاہے۔میرا رب اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔کیا تم خیال نہیں کرتے؟ (۸۰)

﴿قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ﴾ مشرکین نے بھی اپنے شرک پر کچھ نہ کچھ دلائل تراش رکھے ہیں جس سے وہ عوام کو مطمئن کرسکیں جب کہ یہ دلائل نہیں دام تزویر ہے۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

بھلا میں اُن چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں

ڈرتے کہ اللہ کیساتھ شریک بناتے ہو جس کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ)۔ (۸۱)

﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ﴾ Safe (محفوظ) کون ہے؟ ایک وہ جو دلیل سے اس ایک ہستی کی عبادت کرتا ہے، جو نفع ونقصان کا مالک ہے، دوسرا وہ جو بے دلیل بہت سی ایسی ہستیوں کی عبادت کرتا ہے جو نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا اُن کیلئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ (۸۲)

﴿وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ جن لوگوں نے (۱) شرک (۲) معاصی کو ایمان میں نہیں ملایا۔ ان کے لیے امن تام اور ہدایت تامہ ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب دانا اور خبردار ہے۔ (۸۳)

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ﴾ حضرت نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت:

نوح علیہ السلام پر ایمان لاکر جو کشتی میں سوار ہوئے، دنیا کے سارے لوگ انہیں کی اولاد ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کی اولاد میں سے ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی جاننی چاہیے تھے نہ جانی۔ جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہہ دیجئے کہ جو کتاب موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے اُسے کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کیلئے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ

اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے۔ اُن (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔ اور تمہیں وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دیجیے (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا)۔ پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔ (۹۱)

﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ﴾ یہ آیت بتاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک یعنی چھٹی صدی عیسوی تک توراۃ کو ایک کتاب کی شکل میں جمع نہیں کیا گیا تھا، اس کو ایک کتابی شکل میں عبرانی زبان میں پہلی دفعہ نویں صدی عیسوی میں جمع کیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک توراۃ کا کوئی مستند نسخہ موجود نہ تھا، اسی وجہ سے یہودی من مانی طریقے سے اس کی تعلیمات میں سے کچھ ظاہر کرتے تھے اور کچھ چھپا لیتے تھے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس طرح کی میں بھی بنا لیتا ہوں۔ اور کاش آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ظالم (یعنی مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھیں جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کے لیے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔ (۹۳)

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى﴾ جھوٹے نبی جیسے مسیلمہ کذاب، وہ کہتا تھا کہ میرے اوپر وحی آتی ہے، حالانکہ اس کے اوپر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ ﴿وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ﴾ اور ﴿سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے کہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ یہ افتراء علی اللہ ہے۔

﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ﴾ یہودیوں کی تحریف کا ایک انداز تھا کہ انھوں نے توراۃ کو ورق ورق کر دیا تھا۔ یعنی وہ تعلیمات کے ان حصوں کو عوام کے سامنے لاتے جن میں بشارتیں اور انعامات کے تذکرے ہوتے اور اعمال والی آیتیں چھوڑ دیتے۔ یعنی فضائل والی آیتیں بتاتے اور مسائل والی آیتیں چھپا لیتے۔

Scanned by CamScanner

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) ظالموں کے لیے عذاب، موت کے وقت ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ عذاب ان کی تذلیل پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۳) فرشتے انسان کی روح سے گفتگو کرتے ہیں، بدکار کو ڈانٹتے ہیں اور نیکوکار کو خوشخبری دیتے ہیں۔

(۴) یہ سب ہو رہا ہوتا ہے مگر میت کے قریب بیٹھے یا کھڑے یا لیٹے کسی بھی آدمی کو علم نہیں ہوتا کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔

﴿بَاسِطُوٓا اَیۡدِیۡهِمۡ ۚ اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ﴾

یہ دلیل ہے کہ روح ایک جسم ہے۔ بدن میں رہتی ہے، اس سے جدا ہو جاتی ہے اور اسے مخاطب کیا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَمُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ مِنَ الۡحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۹۵﴾

بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ (کر اُن سے درخت وغیرہ) اگاتا ہے وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہی تو اللہ ہے پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟ (۹۵)

آخرت کے وجود پر دلیل:

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی﴾

دانہ زمین میں جانے کے بعد جب سڑ گل جاتا ہے تو اس سے ایک کونپل نکل کر باہر آتی ہے۔ یہی حال بطن مادر کا ہے۔ قبر کا حال اسی سے مشابہ ہے۔ انسان پہلے بطن مادر میں آتا ہے (یہ قبر کی طرح ہوتا ہے) پھر دوسرے نمبر پر موجودہ دنیا میں آتا ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد آدمی قبر کے سپرد کر دیا جاتا ہے تو آخرت کی جگہ آنکھ کھولتا ہے۔

انسان کا پورا جسم مٹی سے بنا ہے مگر اس کے اندر ایسی صلاحیتیں ہیں جو صلاحیتیں مٹی کے اندر نہیں ہیں، جیسے آدمی سنتا ہے، بولتا ہے، سوچتا ہے اور طرح طرح کے حیرت ناک اعمال کرتا ہے، مگر زمین ایسا کوئی عمل انجام نہیں دے سکتی، اسی طرح جب مٹی سے خوشبودار پھول نکل سکتا ہے تو ہماری اس دنیا سے ایک اور معیاری عالم کیوں نہیں نکل سکتا۔

وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الۡجِنَّ وَخَلَقَهُمۡ وَخَرَقُوۡا لَهٗ بَنِیۡنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ ان کو اُسی نے پیدا کیا۔ اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان) اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔ وہ ان باتوں سے جو اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اور (اُس کی شان) ان سے بلند ہے۔ (۱۰۰)

Scanned by CamScanner

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ﴾ انسان کی کمزوری یہ ہے کہ کوئی پراسرار کرشمہ دیکھتا ہے تو اس کو پوجنے لگتا ہے۔ اسے حاجت روا سمجھ کر اس سے مدد مانگنے لگتا ہے اور آفتوں سے بچنے کے لیے اس کا سہارا لینے لگتا ہے، حالانکہ اس کے اندر خلق کی صفت نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾

(وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔ (۱۰۳)

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ ادراک کی نفی سے رؤیت کی نفی نہیں ہوتی اگر رؤیت ممکن نہ ہوتی تو "لَا تَرَاهُ الْأَبْصَارُ" کہا جاتا۔

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ انسان دنیا ہی میں اللہ کو محسوس صورت میں دیکھنا چاہتا ہے، بھلا بتایئے جو اللہ اتنی عظیم کائنات کا خالق ہو وہ اتنا معمولی کیسے ہو سکتا ہے! کہ مخلوق کی کمزور آنکھوں کے سامنے آجائے۔

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جس نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کو آنکھوں سے دیکھا اس نے جھوٹ بولا۔ (بخاری: ۴۸۵۵)

﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ کافروں کے ایک شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اللہ ہم سے غائب کیوں ہے وہ نظر کیوں نہیں آتا؟

جواب: وہ کمالِ لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتا، جیسے روح لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ج فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ط وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہہ دو کہ) تمہارے (پاس) اللہ کی طرف سے (روشن) دلیلیں پہنچ چکی ہیں تو جس نے (ان کو آنکھ کھول کر) دیکھا اُس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا بنا رہا اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ (۱۰۴)

جو شخص بصیرت سے اللہ کو دیکھے گا، وہ اللہ کو پائے گا اور جو بصارت سے دیکھنے پر اصرار کرے گا وہ محروم رہے گا، جیسے خوشبو کو دماغ سے محسوس کرتے ہیں، آنکھوں سے نہیں یا کیمیاوی معیاروں پر پرکھ کر نہیں۔

﴿فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ﴾ جو دل کی آنکھ سے دیکھے گا وہ ہدایت پائے گا، جو اندھا بن گیا، اس نے اپنا نقصان کیا۔

"رَأَى"، "نَظَرَ" اور "أَبْصَرَ" میں فرق: 'نَظَرَ' کا مطلب صرف نظر ڈال لی۔ "رَأَى" کا مطلب نظر ڈالی اور سمجھا بھی۔ "أَبْصَرَ" کا مطلب نظر ڈالی، سمجھا بھی اور تسلیم بھی کیا۔

Scanned by CamScanner

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾

اور ہم اسی طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تا کہ کافر یہ نہ کہیں کہ تم (یہ باتیں اہلِ کتاب سے) سیکھے ہوئے ہو اور تا کہ سمجھنے والے لوگوں کیلئے تشریح کر دیں۔ (۱۰۵)

یہاں سے دو شبہوں کا جواب دیا جا رہا ہے۔

پہلا شبہ: آپ یہ مضامین علماء اہلِ کتاب سے سن کر بیان کرتے ہیں، ورنہ آپ تو اُمّی ہیں، آپ کو انبیائے سابقین کا کیا علم؟

جواب: اگر قرآن وحی نہیں بلکہ علماء یہود کا پڑھایا ہوا سبق ہے تو آپ کو کس نے منع کیا ہے؟ آپ بھی علمائے یہود کے پاس جا کر ایسی آیتیں بنوالیں اور قرآن کے مقابلے میں پیش کر دیں، وہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور آپ کے دوست ہیں۔

دوسرا شبہ: یہ نبی معجزات کیوں نہیں دکھاتا؟ پھر قسم کھا کر کہتے کہ اگر یہ نبی ہماری فرمائش پر معجزات دکھا دے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔

جواب: معجزات طلب کرنا ہدایت کا طریق نہیں بلکہ ہدایت کا طریق بیّنات کا اتباع ہے، پس آدمی ولی سے کرامت کا تتبع نہ کرے، علم و عمل کی تحقیق کے بعد اتباع کرے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

اور جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں اُن کو بُرا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے بُرا (نہ) کہہ بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر ایک فرقے کے اعمال (اُن کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے ہیں پھر ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے تب وہ اُن کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ (۱۰۸)

قرآن مشرکوں کے معبودوں کو برا کہنے سے منع کرتا ہے، جس سے مسلمانوں کو حسنِ اخلاق کی تعلیم دینا ہے اور قرآن میں جابجا جو مشرکوں کے معبودوں کی تنقیص اور تحقیر بیان کی گئی ہے اس سے مقصد ان کی الوہیت اور معبودیت کو باطل کرنا ہے۔

گالیاں دینا اور چیز ہے اور معبودانِ باطلہ کے نقائص اور ان کی عجز و درماندگی کو بیان کرنا (کہ ایسی بے حقیقت چیزیں لائق عبادت نہیں) اور چیز ہے۔

نبی کے پیرووں کو یہ نصیحت کی گئی کہ تبلیغ کے جوش میں وہ اتنے بے قابو نہ ہو جائیں کہ نوبت بحث و تکرار سے بڑھتے بڑھتے مخالف کے مذہبی پیشواؤں کو گالیاں دینے تک پہونچ جائے، یہ چیز ان کو حق کے قریب لانے کی بجائے اور زیادہ دور پھینک دے گی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ رواداری برتتے ہوئے باطل کو باطل نہ کہا جائے، حق کو واضح کرنے کے لیے باطل کو باطل کہنا پڑتا ہے، کسی کو گالیاں دینا، اور اس کی بے حقیقتی، کمزوری اور بے بسی کو ظاہر کرنا دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ﴾ یہ قانون قدرت ہے کہ ہر گروہ کو اس کا عمل خوشنما معلوم ہوتا ہے اگرچہ وہ کتنا ہی قبیح ہو اس لیے اسے اپنے موقف پر تنقید اچھی نہیں لگتی۔

آج بھی مسلمانوں کا وہ گروہ جو شرکیہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہے اس کے سامنے اگر فوت شدہ بزرگوں کے بارے میں کہا جائے کہ وہ نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں تو یہ باتیں انہیں اچھی نہیں لگتیں وہ ان باتوں کو بزرگوں کی شان میں گستاخی سمجھتے ہیں حالانکہ ان باتوں میں گستاخی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ لیکن جب دماغوں میں بت خانے سجے ہوئے ہوں، تو نکتۂ توحید کس طرح ان کی سمجھ میں آئے لہٰذا جواب میں وہ مجددین امت کو (مثلاً محمد بن عبدالوہاب نجدی و ابن تیمیہ رحمہما اللہ) کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

آدمی کسی خاص ماحول میں پیدا ہو، وہ اس ماحول کے افکار سے متاثر اور اطوار سے مانوس ہو جاتا ہے، پھر اسی کے مطابق اس کا ایک فکری ڈھانچہ بن جاتا ہے جس کے تحت ہی وہ سوچتا ہے، یہی فکری ڈھانچہ اس کے قبولِ حق کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾

اور یہ لوگ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں۔ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو سب اللہ ہی کے پاس ہیں اور (مومنو!) تمہیں کیا معلوم ہے (یہ تو ایسے بد بخت ہیں کہ اُن کے پاس) نشانیاں آ بھی جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں۔ (۱۰۹)

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ بات کتنی ہی مدلّل ہو، اس کو رد کرنے کے لیے الفاظ مل ہی جاتے ہیں، مثلاً داعی کے دلائل کا جواب دلائل سے دینے کے بجائے مخالف، یہ بحث چھیڑ دے گا کہ کیا دوسرے بزرگ ناحق پر تھے؟ یا وہ حق سے محروم تھے؟

﴿اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ نبی ﷺ سے یہ کہلوایا جا رہا ہے کہ آپ کہیئے کہ نشانیاں اللہ کے پاس ہیں، پس مجھ سے آیات طلب کرنا ظلم ہے اور جس چیز کا میں مالک نہیں ہوں اس کا طلب کرنا ظلم ہے۔

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾

اور ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے) اور ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ (۱۱۰)

داعی آئے، حجت قائم ہو جائے اور لوگ ایمان نہ لائیں تو اگر انہیں ایمان کی توفیق سے محروم کر دیا تو یہ ان کے مناسب حال ہے۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۸

سورۃ الأنعام

(آیت: ۱۱۱ تا ۱۶۵)

سورۃ الأعراف

(آیت: ۱ تا ۸۷)

مُجمّع بلقیس للبحوث الإسلامیة
حیدر آباد، الهند

Scanned by CamScanner

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾

اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا ماشاء اللہ بات یہ ہے کہ یہ اکثر نادان ہیں۔(۱۱۱)

ہٹ دھرم کون؟

جس کی ذہنیت ''میں نہ مانوں گا'' کی ہو۔ جو لوگ ضد اور تعصب کی بنا پر حق کو قبول نہ کرنے کا ذہنی فیصلہ کر چکے ہوں، ان کو حق کا قائل نہیں کیا جا سکتا، خواہ ان کو ایک سے ایک عجیب معجزے دکھا دیئے جائیں۔

بفرضِ محال اگر ان کے سارے فرمائشی معجزات دکھا بھی دیئے جائیں تب بھی وہ کوئی الٹی سیدھی تاویل کر لیں گے اور ایمان نہ لائیں گے، معلوم ہوا کہ مشاہدۂ خوارق (خرق عادت چیزوں کا دیکھنا) سے نفع ہرگز لازمی نہیں، نیز ایک سے زیادہ معجزے کا مطالبہ کرنا ہٹ دھرمی ہے، ورنہ ہر ایک کے بعد طلب بڑھتی رہے گی اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾

اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا وہ دھوکا دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر آپ رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ آپ ان کو اور جو کچھ یہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔(۱۱۲)

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾

ہم نے آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کے دشمن بنائے تھے اور یہ دشمن انسانوں اور جنوں میں سے اشرار ہوتے تھے۔ ہر نبی کے دشمن تھے لہٰذا آپ ﷺ دشمنوں کی وجہ سے غم نہ کھائیں۔

﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ کا مطلب ہے باطل کو خوش رنگ بنانا، یعنی لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے حق کو ناحق، ناحق کو حق بنا کر پیش کرنا۔

﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ ظاہری آب وتاب (گوبر پر سونے کا ملمع) غور کیا جائے تو ہر معصیت میں پڑنے کی بنیاد یہی نظر آئے گی، دھوکہ یہی ہے کہ زہر کو تریاق اور باطل کو حق سمجھ لیا گیا۔ خوشنما بات کا وسوسہ ڈالتے ہیں مثلاً کفار نے لوگوں کو ورغلانے کے لیے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ مسلمان اللہ کے مارے کو نہیں کھاتے ہیں اور اپنے مارے (ذبیحہ) کو کھاتے ہیں،

انھوں نے غور نہیں کیا کہ پیشاب بندہ خود نکالتا ہے اور چشمہ سے پانی اللہ نکالتا ہے، پہلا ناپاک اور دوسرا پاک ہے، مشرکین کے اس سوال کا جواب صراحتاً مذکور نہیں مگر اشارہ کر دیا گیا۔

موجودہ زمانے میں چکنی چپڑی باتیں نئے انداز سے پیش کی جارہی ہیں مثلاً سب مذہب سچے ہیں یا یہ کہ اللہ تک پہنچنے کی سب راہیں مختلف ہیں، مگر منزل ایک ہے، یا نسلِ انسانی کی تحدید کے لیے یہ نعرہ کہ مذہب کا تعلق پرائیویٹ لائف سے ہے۔ یا شیطان کسی بت یا قبر کے بارے میں انسان کے دل میں یہ ڈال دیتا ہے کہ یہاں مرادیں پوری ہوتی ہیں اس لیے کہ یہاں فلاں کی مراد پوری ہوئی تھی، اسی طرح نعرۂ مساواتِ مرد و زن کہ مرد اور عورت برابر ہیں، حالانکہ اسلام میں مساوات نہیں بلکہ عدل ہے کہ ہر ایک کو اس کا حق دے دیا جائے۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور (وہ ایسے کام) اس لئے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل ان کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔ (۱۱۳)

﴿وَلِتَصْغٰۤى﴾

(۱) گمراہی کے سلسلے میں پہلا درجہ گمراہی کی طرف میلان نفس ہے۔

(۲) دوسرا درجہ، آدمی ان گمراہ عقائد کو قلب سے پسند اور اختیار کرنے لگتا ہے۔

(۳) تیسرا درجہ، معاصی میں مبتلا ہونے کا ہے۔

﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ سرکشی اور نافرمانی کے مقابلے میں اصلی ڈھال یہی خوف آخرت ہے، اس بنیاد کا کمزور ہونا ہی شیطان کی آغوش میں جا پڑنا ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(کہہ دیجئے) کیا میں اللہ کے سوا اور منصف تلاش کروں حالانکہ اُس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ (۱۱۴)

﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾

اہل کتاب خوب جانتے تھے کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے کیونکہ تمام گذشتہ انبیاء نے قرآن کی بشارت دی ہے۔

وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝

اور تمہارے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا اور جانتا ہے۔(۱۱۵)

قرآن کی دو امتیازی صفات کا بیان:

﴿وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ﴾

صدق کا تعلق اخبار (خبر دینا) سے ہے، یعنی قرآن میں جتنے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں سب سچے اور صحیح ہیں اور عدل کا تعلق احکام سے ہے جن میں نہ کسی پر ظلم ہے، نہ ان میں ایسی شدت ہے کہ انسان برداشت نہ کر سکے اور اس پر عمل نہ کر سکے، ہر ملک و قوم اپنے موجودہ حالات کے پیش نظر قانون بناتے ہیں اور ان قوانین میں بھی تجربہ کرنے پر بہت سی چیزیں اعتدال و عدل کے خلاف ہوتی ہیں تو ان کو بدلنا پڑتا ہے۔

﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ بدلنے کی ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی اس میں غلطی ثابت کرے۔ اس لیے اسے بدل دیا جائے یا کوئی دشمن زبردستی اس کو بدل ڈالے، اللہ کا کلام ان دونوں باتوں سے بالاتر ہے۔

کتاب الٰہی کے دو حصے ہوتے ہیں:

(۱) گذشتہ واقعات اور آئندہ حالات۔

(۲) امور غیبیہ (جنت، دوزخ اور اللہ کی ذات و صفات کا بیان) پہلے حصے کی دلیل اصالت (صحیح ہونے کی دلیل) صدق ہے، دوسرے حصے میں احکام جسمانی و روحانی وغیرہ ہوتے ہیں، تو اس کی دلیل عدل یعنی افراط و تفریط سے پرہیز ہوتا ہے، قرآن ان دونوں اوصاف (۱) صدق (۲) عدل سے متصف ہے۔

وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ۝۱۱۶

اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم اُن کا کہا مان لوگے تو وہ تمہیں اللہ کا رستہ بھلا دیں گے یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور محض اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔(۱۱۶)

﴿وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾

حق و باطل کا معیار: صداقت اور حقانیت کے لیے کثرتِ افراد نہیں قوت دلیل ضروری ہے۔ اگر آپ زمین میں اکثر لوگوں کی اطاعت کریں تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے، معلوم ہوا کہ حق و صداقت کی راہ پر چلنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں اور حق و باطل کا معیار دلائل و براہین ہوتے ہیں، لوگوں کی اقلیت اور اکثریت نہیں، اس کی مثال حدیث میں موجود ہے، کہ تہتر فرقوں میں صرف ایک فرقہ ناجی ہے باقی سب جہنمی ہیں۔ (سنن ترمذی، ابواب الایمان: ۲۶۴۱، حسن)

Scanned by CamScanner

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا
تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا
اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ
الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

توجس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اُس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے کھا لیا کرو۔(۱۱۸) اور کیا سبب ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اُسے نہ کھاؤ حالانکہ جو چیزیں اُس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بیشک اُن کو نہیں کھانا چاہئیے) مگر اس صورت میں کہ اُن کے (کھانے کے) لیے ناچار ہو جاؤ اور بہت سے لوگ بغیر سمجھے بوجھے اپنے نفس کی خواہشوں سے لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ایسے لوگ جو (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے باہر نکل جاتے ہیں آپ کا رب خوب جانتا ہے۔(۱۱۹) اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کر دو جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔(۱۲۰)

﴿لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ﴾ کی دو صورتیں ہیں:

(۱) عدم ذبح (۲) ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لینا۔

مشاہدہ ہے کہ ذبح شدہ جانور کے مقابلے میں مرا ہوا جانور جلد سڑ جاتا ہے۔

پس حاصل جواب اس شبہ کا یہ ہوا کہ حلت کا مدار دو امر پر ہے، ایک ذبح جو نجس خون کو نکال کر پاک کر دیتا ہے اور وہی نجاست ہی سبب ممانعت تھی، دوسرے اللہ کا نام جو مفید برکت ہے اور حیوانات دمویہ کے لیے شرطِ حلت ہے، کسی چیز کے وجود کے لیے مانع کا دور کرنا اور شرط کا وجود دونوں ضروری ہیں، اس مجموعہ سے حلت ثابت ہوگئی۔

ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنے سے عقیدۂ توحید کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ مشرکین غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا﴾ کی پانچ صورتیں ہیں:

(۱) جس کے بارے میں معلوم ہو کہ ذبح غیر اسلامی طریقے سے کیا گیا ہے تو اس کو نہیں کھا سکتے۔

(۲) جس کے بارے میں یہ شک ہو کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں لیکن وہ ذبیحہ اہل کتاب یا مسلمانوں کا ہو تو اس پر اللہ کا نام لو اور کھا لو۔

(۳) کسی غیر مسلم (اہل کتاب کے علاوہ) کا ذبیحہ ہو تو نہیں کھا سکتے اگرچہ اس نے اللہ کا نام لیا ہو۔

(۴) جس کے بارے میں یہ شک ہو کہ اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا یا کسی غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا گیا ہے تو اس کو نہیں کھاتے۔

(۵) پانچویں شکل جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو جائز ہے۔

KFC پہلی شکل میں داخل ہے۔

جس جانور کے ذبح کے وقت عمداً اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کا کھانا حلال نہیں۔ البتہ ایسی صورت مستثنیٰ ہے جس میں یہ التباس ہو کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا یا نہیں اس میں حکم یہ ہے کہ بسم اللہ کہہ کر کھالو۔ (بخاری باب ذبیحۃ الاعراب: ۵۵۰۷)

جن جانوروں پر عمداً اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہیں۔ ہاں جس ذبیحے میں التباس ہو کہ ذبح کرنے والے نے بسم اللہ پڑھایا نہیں پڑھا اس پر بسم اللہ پڑھ کر کھا سکتے ہیں۔

عبد العزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ کی صدارت میں ایک دینی جلسہ چل رہا تھا، ایک مولوی نے دوران تقریر حلت وحرمت کی بحث چھیڑ دی تو ایک آریہ کھڑا ہوا اور اعتراض کیا کہ یہ بتاؤ، جانور 'بسم اللہ' پڑھنے سے پہلے حلال تھا یا 'بسم اللہ' کے بعد حلال ہوا۔ اگر پہلے سے حلال تھا تو بسم اللہ پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر بعد میں حلال ہوا تو سور، کتا، بلی وغیرہ بسم اللہ پڑھ کر انہیں حلال کیوں نہیں کر لیتے؟ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے جواب دیا: آپ کے یہاں شادی کے موقع پر دولہا دلہن کو بٹھا کر پنڈت ایک اشلوک پڑھتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ اپنے بننے والے شوہر کے لیے اشلوک سے پہلے حلال تھی یا بعد میں حلال ہوئی؟ اگر پہلے سے حلال تھی تو اشلوک پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر اشلوک پڑھنے کے بعد حلال ہوئی تو ماں، بہن وغیرہ پر بھی اشلوک پڑھ کر انہیں حلال کیوں نہیں کر لیتے؟

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ﴾

کسی چیز کو بے سند، شریعت قرار دینا بدعت ہے ''اَهْوَآءٌ'' کے معنی خواہشات کے ہیں اور بدعتوں کی بنیاد خواہشات ہی ہیں۔

ذوناب جانور، وہ جانور ہے جو اپنے کچلی کے دانتوں سے شکار پکڑتا اور چیرتا ہو مثلاً شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا وغیرہ۔ ذومخلب وہ پرندہ ہے جو اپنے پنجے کے ذریعے اپنے شکار کو پکڑتا ہو جیسے شکرا، باز، شاہین اور عقاب وغیرہ۔

﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ وہ گناہ جو خلق کے سامنے علانیہ کئے جائیں وہ ''ظَاهِرَ الْاِثْمِ'' ہیں اور خلق کی نظر سے چھپا کر کئے جائیں وہ ''بَاطِنَ الْاِثْمِ'' ہیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اُسے مت کھاؤ کہ اُس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ اُن کے کہے پر چلے تو بیشک تم بھی مشرک ہوئے۔ (۱۲۱)

Scanned by CamScanner

﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾

دنیا میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا مال ہے، جانور ہمارے لیے خوراک ہیں، انہیں خوراک بنانے کا ہمیں حق کیسے ملا؟ جانور تو اللہ بناتا ہے، تو ذبح کے وقت ان پر اللہ کا نام لینا اسی کا جواب ہے، یہ وہ قیمت ہے جس کی وجہ سے مالک کی طرف سے ایک جانور ہمارے لیے حلال ہے نہ کہ حرام۔

﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ﴾ وحی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اللہ کی وحی، یہ پیغمبروں پر ہوتی ہے۔ (۲) شیطان کی وحی، یہ شیطان کے دوستوں کی طرف ہوتی ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

بھلا جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا اور اُس کیلئے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو اور اُس سے نکل ہی نہ سکے۔ اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ انہیں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ (۱۲۲)

﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا﴾ توحید انسان کے لیے آبِ حیات ہے، توحید کے بغیر انسان مردہ ہے اور انسان ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری کائنات کے لیے توحید آبِ حیات ہے۔

مؤمن زندہ، کافر مردہ:

پانی پیاس بجھانا چھوڑ دے، آگ جلانا چھوڑ دے اور درخت پھل پھول لانا چھوڑ دے تو یہ سب مردہ ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنا مقصدِ تخلیق فوت کر دیا، اسی طرح انسان کی زندگی کا ایک مقصد ہے، لہٰذا جو شخص مقصد پورا کر رہا ہے وہ زندہ کہلانے کا مستحق ہے اور جو مقصد سے غافل ہے وہ مردہ ہے۔

مؤمن و کافر کا دل:

مؤمن کا دل عمدہ زمین کی طرح ہے اور کافر کا دل ناکارہ، خراب اور بنجر زمین کی طرح ہے اور قرآن بمنزلۂ بارانِ رحمت، جب یہ بارش مومن کے دل پر برستی ہے تو اس پر ایمان کے طرح طرح کے ثمرات کا ظہور ہوتا ہے اور جب کافر کے دل پر برستی ہے تو اس میں سے کفر و الحاد کے کانٹے اور جھاڑ جھنکار نکلتے ہیں، اس پر بارانِ ہدایت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

مسند احمد (۶۶۴۴، صحیح) میں ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اسی دن ان پر اپنا نور ڈالا، جس پر نور پہنچا وہ ہدایت یاب ہوا اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا ﴿كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ﴾

Scanned by CamScanner

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم پیدا کئے کہ اُن میں مکاریاں کرتے رہیں اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں اُن کا نقصان انہیں کو ہے اور (وہ اس سے) بے خبر ہیں۔ (۱۲۳)

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا﴾

ہر بستی میں کافروں اور فاسقوں کے سرغنے ہوتے ہیں، یہ داعیانِ حق کے پیچھے لگ جاتے ہیں، یہ دنیاوی دولت اور خاندانی وجاہت کے اعتبار سے نمایاں ہوتے ہیں اور ان کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں، داعیانِ حق کے پیچھے لگنے کا وبال انہیں پر پڑے گا، وہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ ہم دوسروں کو ڈبو رہے ہیں، حالانکہ وہ خود ڈوب رہے ہیں۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾

تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اُس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے، عذاب بھیجتا ہے۔ (۱۲۵)

﴿اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾

استخارہ صادقہ کے بعد اپنے دل کی طرف دیکھو اور اسباب اختیار کرو، اگر استخارہ کر گزرو اور شرحِ صدر نہ ہو تو وہ کام نہ کرو، آیت پر غور کرو، آخرت کی زندگی پر ایمان کی وجہ سے انسان سمجھتا ہے کہ موت وہاں پہنچنے کے لیے ایک پل ہے تو ایک دوسرے ذوق کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور اسے عملوں سے بھرتا ہے اور اس آدمی کی زندگی کتنی بری ہے، جو سمجھتا ہے کہ موت کی سرحد پر سارا معاملہ ختم ہو جاتا ہے آگے کوئی زندگی نہیں۔

﴿يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا﴾ کیونکہ قانون ہے کہ جو آدمی روشنی سے جتنا ہٹتا جائے گا وہ اتنا ہی روشنی سے دور اور اندھیروں سے گھرتا جائے گا۔

﴿حَرَجًا﴾ عمر رضی اللہ عنہ نے بنو مدلج کے ایک اعرابی سے 'حرج' کا معنی پوچھا تو کہا وہ ایسا جنگلی درخت ہے جس تک جانور نہ پہنچیں۔

﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ﴾ ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا، شیطان کا فائدہ اٹھانا اپنے چیلنج کو صحیح ثابت کرنا، اور اس کا چیلنج تھا ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ اور انسانوں کا شیاطین سے فائدہ اٹھانا ان کے مفادات اور کاروبار کا فروغ ہے۔

Scanned by CamScanner

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہِ جنات! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدے اٹھاتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا اللہ فرمائے گا کہ (اب) تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بیشک آپ کا رب دانا اور خبردار ہے۔ (۱۲۸)

﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾

بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ کا ﴿اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ سے استثناء ہے، جس سے معلوم ہوا کہ کافروں کا عذاب دائمی نہیں۔ یہ استدلال غلط ہے، اس آیت میں ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ کا لفظ، اللہ کی قدرت واختیار اور ارادہ ومشیت بیان کرنے کے لیے بڑھا دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کافروں کا دائمی عذاب اللہ کے ارادہ پر موقوف ہے، جب چاہے اسے ختم کرسکتا ہے، یہ استثنا محض اظہارِ قدرت کے لیے ہے، اخبار کے لیے نہیں کہ نافرمانوں کا عذاب ایک دن ختم ہو جائے گا۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے پر مسلط کردیتے ہیں۔ (۱۲۹)

﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ جب رعایا ظالم ہوتی ہے تو ان پر حاکم بھی ظالم مسلّط کر دیا جاتا ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

کوئی ظالم اپنے ظلم اور اپنی بربریت سے باز نہیں آتا تو اللہ اس سے بڑے ظالم کو اس کے اوپر مسلط کردیتا ہے۔

"وَقَالَ الْاَعْمَشُ فِيْ تَفْسِيْرِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اِذَا فَسَدَ النَّاسُ اَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ شِرَارَهُمْ وَذٰلِكَ اَنَّ الْمُلُوْكَ يَتَصَرَّفُوْنَ فِي الْاُمَمِ الْجَاهِلَةِ تَصَرُّفَ الرُّعَاةِ فِي الْاَغْنَامِ السَّائِمَةِ" (تفسیر الرازی)

امام اعمش رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں کہا کہ جب لوگ خراب ہو جائیں تو اللہ ان کے اوپر انہیں کے شریر لوگوں کو مسلط کردیتا ہے اور یہ ان لوگوں میں اس طرح تصرف کرتے ہیں جس طریقے سے چرواہے چرنے والی بکریوں میں تصرف کرتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے سامنے آموجود ہونے سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ (پروردگار!) ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور (اب) خود اپنے اوپر گواہی دی کہ کفر کرتے تھے۔ (۱۳۰)

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ کوئی کہے اے عرب وعجم کے باشندو! کیا اللہ نے تمہیں میں سے محمد کو نہیں پیدا کیا؟ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک محمد عرب میں پیدا ہوئے دوسرے عجم میں، یہ خطاب مجموعۂ عالم سے ہے، انواع اور اجناس کو علیحدہ علیحدہ خطاب نہیں، مجموعۂ جن وانس سے خطاب ہے، ہر گروہ سے علیحدہ علیحدہ خطاب نہیں، اس کی نظیر ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ (سورہ رحمن:۲۲) ہے، حالانکہ یہ دریائے شور سے نکلتے ہیں۔

﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے قرآن کی متعدد آیتوں سے استدلال کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ جتنے رسول تھے وہ انسان تھے اور مرد تھے مثلاً ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ (سورۂ یوسف:۱۰۹) رسالت ونبوت میں جن، انسان کے تابع ہیں البتہ جنوں تک رسولوں کا پیغام پہنچانے والے منذرین، جنات ہی ہوتے ہیں۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور اپنے خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی منع ہے اسے اُس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے اور (بعض) چوپائے ایسے ہیں کہ ان کی پیٹھ پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔ سب اللہ پر جھوٹ ہے اور وہ عنقریب ان کو ان کے جھوٹ کا بدلہ دے گا۔ (۱۳۸)

﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ﴾ جہلائے عرب اپنے مال سے جو حصہ اللہ کے لیے نکالتے تھے وہ فقیروں اور مسکینوں وغیرہ پر خرچ کیا جاتا تھا اور جو حصہ شریکوں کے لیے نکالتے وہ براہ راست مجاوروں کے پیٹ میں جاتا تھا، اسی لیے ان مجاوروں نے جاہلوں کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اللہ کے حصہ میں کمی ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں مگر اللہ کے پیاروں

کے حصے میں کمی نہیں ہونی چاہئے بلکہ حتی الامکان بیشی ہی رہے تو بہتر ہے، آج کل مسلمانوں میں بزرگوں کی نذر ونیاز کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے پیچھے یہی غلط ذہنیت کام کر رہی ہے۔

بتوں کے مقررہ حصے میں توقع کے مطابق پیداوار نہ ہوتی تو اللہ کے حصے میں سے نکال کر اس میں شامل کر لیتے، اللہ کے حصے میں کمی ہو جاتی تو بتوں کے حصے میں سے نہیں نکالتے یعنی اللہ کے مقابلے میں بتوں کی عظمت ان کے دلوں میں زیادہ تھی۔

حرام وہ چیزیں ہیں جسے رب نے حرام کیا، تم نے بلا دلیلِ "مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ" (کتاب وسنت کی دلیل کے بغیر) محض اوہام باطلہ کی بنیاد پر حرام قرار دے دیا۔

﴿اِفْتِرَاءً﴾ ایسی چیز اللہ کی طرف منسوب کرنا جس کی اللہ نے تعلیم نہیں دی، ان جانوروں کے پیچھے ان کے تحریمی قاعدے جن کی کوئی دلیل نہ تھی سوائے ان کے مشرکانہ رواج کے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾

اور اللہ ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے، چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو (بعض باتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور (بعض باتوں میں) نہیں ملتے جب یہ چیزیں پھلیں تو اُن کے پھل کھاؤ اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو تو اللہ کا حق بھی اُس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اڑانا کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۱۴۱)

﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

زمین کرائے پر دینے کی شکلیں ہیں:

(۱) زمین کا کرایہ جیسے گھر یا ہوٹل وغیرہ کرایہ پر دیتے ہیں یہ جائز ہے، جیسے کسی پروگرام کرنے والے کو زمین کا مالک اپنی زمین کو خاص وقت کے لیے کرائے پر دیتا ہے۔

(۲) کھیتی میں جو پرافٹ (منافع) ہے اس میں شریک بنا لیا جائے اور جو فیصد طے ہو وہ لے لیا جائے یہ جائز ہے۔

(۳) کھیتی پر کوئی رقم متعین کر دے، چاہے کچھ پیدا ہو یا نہ ہو، یہ انگریزوں کا لگان تھا، یہ ظلم ہے۔

(۴) کھیتی کا کوئی خاص حصہ مقرر کر لینا۔ جیسے جس حصے میں زیادہ اُگتا ہے اسی حصے کو مقرر کرنا، یہ ناجائز ہے۔

زمین کی پیداوار پر زکوۃ دسواں حصہ ہے، اگر زمین بارش سے سیراب ہوئی ہو اور بیسواں حصہ ہے اگر زمین کنویں وغیرہ سے سیراب ہو۔

Scanned by CamScanner

قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَیۡتَۃً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ فَاِنَّہٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾

کہہ دیجئے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں اُن میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سور (خنزیر) کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اُس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور اگر کوئی مجبور ہو جائے لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے تو تمہارا رب بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۴۵)

﴿دَمًا مَّسۡفُوۡحًا﴾

دو خون حلال ہیں: ''کَبِدٌ'' (کلیجی) اور ''طِحَالٌ'' (تلی)

دو مردار حلال ہیں: ''جَرَادٌ'' (ٹڈی) اور ''سَمَکٌ'' (مچھلی) اور وہ خون جو ذبح کے بعد نسوں میں رہ جائے اور گوشت سے چپکا رہ جائے، وہ حلال ہے۔

﴿رِجۡسٌ﴾ خَبُثٌ نَجِسٌ مَضَرٌّ رِجۡسٌ کا مطلب ہے نقصاندہ، ناپاک، گندگی۔

﴿اَوۡ فِسۡقًا اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ﴾ یہود پر کُھر اور پنجے والے سارے جانور حرام تھے جیسے اونٹ، گائے، بکری، شتر مرغ اور بطخ اور حلال میں مرغی، گو یا کہ ان کی انگلیاں پھٹی ہوئی ہوتی ہیں اور بطورِ خاص ﴿مِنَ الۡبَقَرِ وَ الۡغَنَمِ﴾ گائے بکری کا گوشت حلال تھا مگر ان کی چربی حرام تھی۔

فسق: رب کی طاعت سے خروج کا نام ہے۔ رب نے حکم دیا کہ صرف اسی کے نام پر جانور ذبح کیا جائے اور صرف اسی کے تقرب و نیاز کے لیے کیا جائے اگر ایسا نہیں ہے تو یہی فسق و شرک ہے۔

فَاِنۡ کَذَّبُوۡکَ فَقُلۡ رَّبُّکُمۡ ذُوۡ رَحۡمَۃٍ وَّاسِعَۃٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاۡسُہٗ عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۴۷﴾

اور اگر یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کریں تو کہہ دیجئے کہ آپ کا رب وسیع رحمت والا ہے، مگر اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے نہیں ٹلے گا۔(۱۴۷)

﴿فَقُلۡ رَّبُّکُمۡ ذُوۡ رَحۡمَۃٍ وَّاسِعَۃٍ﴾ یہاں وسیع رحمت کو عذابِ شدید پر مقدم کیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ امید کا پہلو خوف کے پہلو سے زیادہ قوی ہے۔

سَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکۡنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ شَیۡءٍ ؕ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ حَتّٰی ذَاقُوۡا بَاۡسَنَا ؕ قُلۡ ہَلۡ عِنۡدَکُمۡ

مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک) کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے تکذیب کی تھی جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ کر رہے۔ کہہ دو کہ کیا تمہارے پاس کوئی سند ہے (اگر ہے) تو اُسے ہمارے سامنے نکالو۔ تم محض خیال کے پیچھے چلتے اور اٹکل کے تیر چلاتے ہو۔ (۱۴۸)

﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾

سوال: بندے کا ارادہ کام ہے، مشیت الٰہی چھری ہے، تو چھری کا کیا قصور؟

جواب: اللہ نے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے افعال بجالائے، ان امور میں بندہ کی مشیت اللہ کی مشیت اور ارادہ کے تابع ہوتی ہے، بعض مرتبہ اللہ کی مشیت بندہ کی مشیت کے خلاف ہوتی ہے، ایسی صورت میں بندہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوتا، وہ اپنی حرکات میں ''جماد لا یعقل'' (شجر و حجر) کی طرح ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص اپنے آپ کو چھت سے گرادے تو یہ شخص مجرم ہے کیونکہ اس کا یہ اختیاری فعل ہے، ایک یہ ہے کہ بے اختیار اس کا پیر پھسل جائے اور چھت سے گر پڑے تو یہ معذور ہے کیونکہ گرنے میں اس کے ارادہ کو دخل نہ تھا۔

اہل عقل کے نزدیک دونوں میں فرق ظاہر ہے، اسی طرح حق و باطل کی راہیں الگ الگ کرکے بتادی گئی ہیں کہ ایمان اور کفر، عرق گلاب اور پیشاب کی صورت میں تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں، اب عقل کی آزمائش ہے کہ دونوں میں سے تم کون سی چیز اختیار کرتے ہو۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

کہہ دیجئے کہ (لوگو!) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں (اُن کی نسبت اُس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بد سلوکی نہ کرنا بلکہ) حسن سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تمہیں اور انہیں ہم ہی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اُن کے پاس نہ جانا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں وصیت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (۱۵۱)

Scanned by CamScanner

اللہ کی اپنے بندوں سے وصیتیں:

(۱) ممانعت شرک: آج جدید تہذیب وعلوم کی بنیاد ترک توحید پر ہے۔

(۲) تعظیم والدین: اخلاقیات جدیدہ میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی دفعہ نہیں۔

(۳) اولاد کشی سے ممانعت: آج ضبط تولید اور فیملی پلاننگ تمدنِ جدید کے مفاخر ہیں۔

(۴) انسانی زندگی کا احترام: امریکہ نے ہیروشیما پر بم ڈال دیا۔

(۵) منع فواحش: تمدن جدید کی ساری رونق اور گرم بازاری اسی فواحش سے ہے۔

تین آیتیں ہیں اور ہر آیت کے ختم پر ﴿وَصّٰكُمْ﴾ ہے پہلی آیت کے آخر میں ﴿وَصّٰكُمْ﴾ کے ساتھ ﴿تَعْقِلُوْنَ﴾ ہے، دوسری میں ﴿تَذَكَّرُوْنَ﴾ ہے تیسری آیت کے اخیر میں ﴿تَتَّقُوْنَ﴾ ہے۔

نکتہ: یہ ہے کہ پہلی آیت میں پانچ امور کا ذکر ہے اور بجز احسانِ والدین سب کا تعلق عقل سے ہے، لہٰذا فکری غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے ﴿تَعْقِلُوْنَ﴾ لایا گیا کیونکہ فکر کا تعلق عقل سے ہے۔

دوسری آیت احکامِ عمل کے متعلق ہے۔ سہو اور تغافل عمل میں ہوتا ہے لہٰذا ﴿تَذَكَّرُوْنَ﴾ مناسب ہوا۔

تیسری آیت میں کسی خاص حکم کا بیان نہیں بلکہ عام ہے یعنی صراطِ مستقیم کی اتباع کا حکم ہے وہاں ﴿تَتَّقُوْنَ﴾ ہے کیونکہ تقویٰ عام ہے (جس کا تعلق فکر وعمل دونوں سے ہے)

﴿صِرَاطِي﴾ میں صراط کو نبی ﷺ کی طرف مضاف کیا گیا اور دوسری جگہ ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (الشوریٰ: ۵۳) میں اللہ نے صراط کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ بھی صراط مستقیم پر ہے اور اللہ بھی صراط مستقیم پر چل کر ہی ملے گا جیسا کہ سورۂ ہود میں ہے ﴿اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (سورہ ہود: ۵۲) کہ بے شک میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ﴾ بے حیائی کی تمام صورتیں آگئیں جیسے چہرے پر پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ لگا کر، بن سنور کر، نیم عریاں لباس پہن کر، بے تکلف مردوں کے مجمع میں جانا، ہنسنا، بولنا، سنیما میں جانا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں لگانا، مخرب اخلاق اور حیا سوز فلمیں دیکھنا وغیرہ۔

یہ تین آیات 'دریا بہ کوزہ' کے مصداق ہیں، جن میں اللہ نے بڑی شگفتگی، سلاست اور جامعیت کے ساتھ دس احکام بیان کر دیئے ہیں اور ان کو اپنی وصیت سے تعبیر فرمایا، وصیت کا صحیح مفہوم عربی زبان میں یہ ہے: کہ کوئی شخص کسی پر یہ ذمہ داری ڈالے کہ جب فلاں صورتِ حال پیش آئے تو فلاں طریقہ یا فلاں طرزِ عمل اختیار کرو، اس میں وصیت کرنے والے کی پیش بینی، خیر خواہی اور شفقت کا پہلو بھی مضمر ہوتا ہے۔

پہلی وصیت: قلب کی طہارت کے بارے میں ہے اور قلب کی طہارت یہ ہے کہ اسے شرک کی آلودگی سے بچایا جائے۔

دوسری وصیت: ماں باپ کے ساتھ احسان کی وصیت ہے ظاہر ہے، ماں، باپ خاندان کی بنیاد ہوتے ہیں اور خاندان کی

Scanned by CamScanner

طہارت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔

تیسری وصیت: فکر کی طہارت سے متعلق ہے کہ آدمی اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے قتل نہ کرے۔وہ ذرا یہ سوچے کہ جب اسے کھانے کو مل رہا ہے تو اس کی اولاد کو بھی کھانے کو ملے گا، وہ بھوکے نہیں مر جائیں گے۔

چوتھی وصیت: پورے معاشرے کی طہارت کے تعلق سے ہے کہ ظاہری و باطنی فواحش سے اجتناب کیا جائے، اگر نفس کی خواہش کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو اس کے نتائج بہت بدترین نکلیں گے مثلاً غیرت کا فقدان اور خطرناک بیماریاں وغیرہ۔

پانچویں وصیت: معاشرے کی طہارت کے بارے میں ہے، اس کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ انسان کی نگاہوں میں انسانی جانوں کا احترام ہو۔ اگر یہ احترام ملحوظ نہ رکھا گیا تو معاشرے سے امن وامان ختم ہو کر جنگل راج بن جائے گا، اس کے بعد معاملات خصوصاً لین دین کے بارے میں خصوصی وصیت کی گئی ہے، جس سے ایک طرف تو یہ اشارہ ملتا ہے کہ دین و معاملات دونوں میں گہرا ربط ہے، اس میں معاملاتِ قولیہ، تکافل اجتماعی اور معاملات تجاریہ میں طہارت کی وصیت ہے جو عدل اور ایفائے عہد کے بغیر ممکن نہیں ہیں، اگر ان تین آیات میں موجود احکام پر عمل کر لیا جائے تو معاشرہ روحانی، اخلاقی، معاشی اور تمدنی ہر اعتبار سے ترقی کرتا چلا جائے گا۔

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾

تین آیتوں (۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳) میں دس اہم ترین محرمات کا ذکر آیا ہے:

پہلی آیت (۱۵۱) میں پانچ محرمات کا ذکر آیا ہے:

(۱) اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک کرنا۔ (۲) والدین کی نافرمانی۔

(۳) قتل اولاد: اسی کے ضمن میں ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾ لایا گیا کہ ضبطِ ولادت اور خاندانی منصوبہ بندی دنیا میں زور و شور کے ساتھ جاری ہے، گویا یہ افراد یا حکومتیں سمجھتی ہیں کہ وسائلِ رزق ہمارے پاس ہیں۔

(۴) فواحش کا ارتکاب۔ (۵) کسی بے گناہ کا قتل۔

دوسری آیت (۱۵۲) میں چار وصیتیں کی گئی ہیں:

(۱) یتیم کے مال میں ناجائز تصرف۔

(۲) عہد و پیمان توڑنا خواہ یہ عہد و پیمان اللہ کے ساتھ ہو یا کسی انسان کے ساتھ۔

(۳) قول یا فیصلے میں انصاف۔ (۴) ناپ تول میں کمی۔

﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ اللہ کے عہد کو مقدم لا کر یہ بتایا گیا کہ عہد توڑنے سے پہلے یہ سوچو کہ کس کے عہد کو توڑ رہے ہو۔

تیسری آیت (۱۵۳) صرف ایک وصیت پر مشتمل ہے:

اسلام کے علاوہ دیگر ادیان و مذاہب اور افکار و نظریات کی اتباع نہ کی جائے، صرف ایک راستے (صراط مستقیم) کی اتباع کی جائے، آیت میں اسلام کے لیے لفظ ''سَبِیْل'' مفرد آیا ہے اور دیگر مذاہب اور فرقوں کے لیے لفظِ ''سُبُلْ'' جمع

Scanned by CamScanner

آیا ہے، معلوم یہ ہوا کہ اہلِ ہدایت کا راستہ ایک اور انجام جنت ہے اور اہل ضلالت کے راستے مختلف اور انجام جہنم ہے۔

کعب احبار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہی احکام عشرہ بالتفصیل تورات میں تھے۔

﴿ تَعْقِلُوْنَ ﴾ کہہ کر یہ اشارہ کیا کہ پہلی آیت میں ذکر کی گئی پانچ چیزیں:

(۱) شرک (۲) ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی (۳) قتل اولاد

(۴) ظاہری اور باطنی بے حیائیوں کا ارتکاب (۵) ناحق کسی کا قتل۔

یہ پانچوں چیزیں عقل کے منافی ہیں، یہ چیزیں وہی کرے گا جس کی عقل میں خرابی ہوگی۔

﴿ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ سے اشارہ کیا گیا کہ یہ چار صفات تو پہلے سے تمہارے درمیان معلوم تھیں، اللہ صرف یاد دہانی کرا رہا ہے۔

﴿ تَتَّقُوْنَ ﴾ اس لیے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے تقویٰ ضروری ہے۔

احکام عشرہ میں سے:

(۱) ایک عہد جو انسان اللہ سے کرے۔

(۲) وہ عہد جو انسان اللہ کے بندوں سے کرے، یہ دونوں عہد شعوری اور ارادی ہیں۔

(۳) تیسرا عہد Natural contract (فطری عہد) ہے، اگر چہ اس میں انسان کے ارادے کا دخل نہیں مگر واجب الاحترام ہونے میں پہلے دو عہدوں سے کم نہیں۔ اس عہد کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ کے حکم سے یکسر انحراف نہ کرے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾

کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا اور رب تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا مالک ہے اور جو کوئی (بُرا) کام کرتا ہے تو اُس کا نقصان اُسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا۔ (۱۶۴)

﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ نوکر کو آقا کے رتبہ میں رکھ دینا، جب اللہ ہر شئے کا رب ہے تو اس کو چھوڑ کر جس کو رب بناؤ گے وہ اللہ کا بندہ، مربوب اور آقا کا غلام ہی ہوگا، میں تمہیں توحید کی طرف بلاتا ہوں تو اس میں میرا (اللہ کا) ذاتی فائدہ کیا ہے اور تمہارے نہ ماننے میں میرا کیا نقصان ہے؟

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾

Scanned by CamScanner

اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تمہیں اپنا نائب بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ جو کچھ اُس نے تمہیں بخشا ہے اُس میں تمہاری آزمائش کرے بیشک تمہارا رب جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔(۱۶۵)

ایک شبہ: بعض غریب اور مفلس موحدین کو دیکھ کر کافر کہتے تھے کہ دیکھو انہوں نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا۔ ان کا معبود (اللہ) ہمارے معبودوں کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا، اس لیے یہ تنگدست ہیں۔

ازالہ: مال وجاہ میں مختلف الدرجات ہونا انتظام دنیا کے لیے ہے، اگر سب دولت مند اور سب فقیر ہوں تو دنیا قائم ہی نہ رہے، پھر اس میں تمہاری آزمائش بھی ہے کہ نعمتوں کے وقت ہماری طرف کون جھکتا ہے۔

❁❁❁

سورة الأعراف (مكية)

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③

المٓصٓ (۱) (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ) کتاب (جو) آپ پر نازل ہوئی ہے اس سے آپ کو تنگ دل نہیں ہونا چاہیے (یہ نازل) اس لیے (ہوئی ہے) کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈرائیں۔ اور (یہ) ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ (۲) (لوگو!) جو (کتاب) تم پر تمہارے رب کے یہاں سے نازل ہوئی ہے اُس کی پیروی کرو اور اُس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو (اور) تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ (۳)

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ رسول کو تبلیغ پر اور امت کو قبول پر مامور کرنے کے بعد پہلے رسول کی مخالفت کا دنیاوی نتیجہ ﴿وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآىِٕلُوْنَ﴾ (سورۂ اعراف:۴) فرمایا اس کے بعد ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَىِٕذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۂ اعراف:۸) سے آخرت کا نتیجہ ہے۔ آدمی نعمتوں اور خوف دونوں سے مسخر و مطیع ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾

اور ہمیں نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا اور اس میں تمہارے لئے سامانِ معیشت پیدا کئے (مگر) تم کم ہی شکر کرتے ہو۔(۱۰)

معایش (روزی کے اسباب) سے نعمتوں کا تذکرہ کیا، پھر آدم علیہ السلام کا واقعہ ﴿صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ پھر فرشتوں سے آدم علیہ السلام کا سجدہ کروانا، پھر آدم علیہ السلام کے بہکانے والے کو ذلیل کرنا، اس بیان سے مقصود، یہ تصور دینا ہے کہ تم کیسے بیٹے ہو جو ماں باپ کے کھلے دشمن (شیطان) کی پیروی کرتے ہو اور محسن حقیقی کی نافرمانی کرتے ہو۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾

اور اس روز (اعمال کا) تولنا برحق ہے۔ تو جن لوگوں کے (اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے وہ تو نجات پانے والے ہیں۔(۸)

﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ﴾ (سورۂ اعراف:۸) میزان پر کیا تولا جائے گا؟

تین چیزیں تولی جائیں گی:

(۱) اعمال- اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ: سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ“ (صحیح بخاری، کتاب الدعوات:۶۴۰۶)

دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں مگر میزان میں بھاری ہیں۔

(۲) صحائف اعمال- اس کی دلیل حدیث بطاقہ ہے:

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَعَافِرِيِّ ثُمَّ الْحُبُلِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِنَّ اللهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا؟ أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُونَ؟ فَيَقُولُ: لَا يَا رَبِّ، فَيَقُولُ: أَفَلَكَ عُذْرٌ؟ فَيَقُولُ: لَا يَا رَبِّ، فَيَقُولُ: بَلَى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً، فَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ، فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِيهَا: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَيَقُولُ: احْضُرْ وَزْنَكَ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ مَا هَذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السِّجِلَّاتِ، فَقَالَ: إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ“، قَالَ: ”فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كِفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كِفَّةٍ، فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ، فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللهِ شَيْءٌ“

(سنن ترمذی، ابواب الایمان:۲۶۳۹، صحیح)

(۳) صاحب عمل کو تولا جائے گا، اس کی دو دلیلیں ہیں:

(الف) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ، اقْرَءُوا فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا"
(صحیح بخاری، کتاب التفسیر: ۴۷۲۹)

قیامت کے دن ایک موٹا آدمی آئے گا۔ اللہ کے نزدیک اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔

(ب) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ يَجْتَنِي سِوَاكًا مِنَ الْأَرَاكِ، وَكَانَ دَقِيقَ السَّاقَيْنِ، فَجَعَلَتِ الرِّيحُ تَكْفَؤُهُ، فَضَحِكَ الْقَوْمُ مِنْهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مِمَّ تَضْحَكُونَ؟" قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، مِنْ دِقَّةِ سَاقَيْهِ، فَقَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَهُمَا أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ أُحُدٍ" (مسند احمد: ۳۹۹۱، صحیح لغیرہ)

مسند احمد کی روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پیلو کی مسواک توڑ رہے تھے، ان کی پتلی پنڈلیاں ہوا میں لہرا رہی تھیں، جنہیں دیکھ کر صحابہ ہنسنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "مِمَّ تَضْحَكُونَ" (کیوں ہنس رہے ہو؟) کہنے لگے "مِنْ دِقَّةِ سَاقَيْهِ" (ان کی پنڈلیوں کی باریکی کی وجہ سے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَهُمَا أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ أُحُدٍ"۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ دونوں پنڈلیاں میزان میں اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔

﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٨ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝٩﴾

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ﴾ سے ﴿يَظْلِمُونَ﴾ تک

مُفْلِحُونَ سے متقین کا ذکر فرمایا، أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا سے کافروں کا ذکر فرمایا، گنہگار مسلمانوں کا حال ذکر نہیں فرمایا، اس لیے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے وہ جس پر چاہے رحمت کرے جس کو چاہے عذاب دے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝١٢

(اللہ نے) فرمایا کہ جب میں نے تمہیں حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اُس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ (۱۲)

﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ﴾ اور ﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ﴾ میں فرق:

اس کا مادہ "منع" ہے۔ آپ کہیں "مَنَعْتُ فُلَانًا أَن يَّفْعَلَ" تو اس کا مطلب یہ ہوا "كَأَنَّهُ كَانَ يَهُمُّ أَنْ يَّفْعَلَ فَمَنَعْتُهُ" میں نے فلاں کو کرنے سے منع کیا، گویا وہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، تو میں نے منع کر دیا، تو ﴿مَا مَنَعَكَ

Scanned by CamScanner

﴿أَنْ تَسْجُدَ﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے پاس سجدے کے لیے تیاری تھی مگر اس سے زیادہ قوی طاقت آگئی اور اس نے اس کو روک دیا اور وہ طاقت اس کے اور سجدے کے درمیان حائل ہوگئی اور اگر امتناع سے آئے تو مطلب یہ ہوگا کہ کوئی دوسرا اس کو قائل کرے کہ سجدہ نہ کرے تو وہ قائل ہو جائے اور رک جائے، یہ ممنوع اور ممتنع کا فرق ہے۔تو ﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ﴾ میں ممنوع ہے اور ﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ﴾ میں ممتنع ہے۔

﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ﴾ (سورۂ اعراف:۱۲) ﴿قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ﴾ (الحجر:۳۲) ﴿أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (سورہ ص:۷۵)

حکایت میں عبارتیں مختلف ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ ابلیس لعین نے ایک معصیت میں تین معصیتیں داخل کردیں۔

(۱) حکم کی مخالفت

(۲) مفارقۃ الجماعۃ (جماعت سے الگ ہونا)

(۳) استکبار مع تحقیر آدم (آدم کو چھوٹا سمجھ کر خود کو بڑا سمجھنا)

نص کی موجودگی میں قیاس: ایسے ہے جیسے جب آفتاب روشن ہو اور خانہ کعبہ سامنے ہو تو اس وقت قیاس وتحری سے نماز جائز نہیں۔

﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ﴾ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ مسلمان ہوئے، اُن کی اصل (ابوجہل) کافر تھی، نوح علیہ السلام کا فرزند کافر رہا اس کی اصل (نوح علیہ السلام) پاک تھی، معلوم ہوا کہ اصل مادہ کا اعتبار نہیں، بلکہ معیارِ افضلیت، اطاعت ہے نہ کہ اصل و مادہ، کوئی کہے کہ میں سید کے گھر میں پیدا ہوا ہوں اس لیے افضل ہوں، یہ درست نہیں۔

ابلیس کا قیاس صحیح نہیں تھا، کیونکہ مٹی سے پھل پھول اور غذائیں پیدا ہوتی ہیں، بخلاف آگ کے کہ اس میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔

ابلیس کے دعوے کی منطقی شکل:

(۱) آگ خاک سے افضل ہے، لہٰذا افضل چیز غیر افضل کے سامنے نہیں جھک سکتی، لہٰذا آگ، خاک کے سامنے نہیں جھک سکتی۔

(۲) افضل کی فرع بھی غیر افضل کی فرع کے آگے نہیں جھک سکتی، میں فرع ہوں آگ کی اور آدم فرع ہے خاک کی۔اس لیے میں آدم کے آگے نہیں جھک سکتا۔

﴿قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾

اس آیت میں تین باتیں تنقیح طلب ہیں:

(۱) سجدے کا مطلب کیا ہے؟ سجدے کی تحقیق یہ ہے کہ سجدہ آدم کی عبادت کا نہ تھا۔

(۲) سجدہ کی وجہ، علم

(۳) سجدے کے انکار کی وجہ ﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾

Scanned by CamScanner

شیطان کا یہ عذر ﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ﴾ عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا آئینہ دار ہے، یہ سمجھنا کہ افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جا سکتا، غلط ہے۔ اس لیے کہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کے مقابلے میں افضل مفضول کی بحث ہی اللہ تعالیٰ سے سرتابی ہے، اس نے بہتر ہونے کی دلیل یہ دی کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور آدم مٹی سے، حالانکہ اس نے آدم علیہ السلام کے اس شرف کو نظر انداز کر دیا جو انہیں حاصل ہوا کہ اللہ نے انہیں اپنے ہاتھوں سے بنایا، جیسا کہ سورۂ ص کی اس آیت میں ہے ﴿قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ﴾ اس شرف کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی، تیسرے اس نے نص کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا، علاوہ ازیں اس کا قیاس فاسد تھا کیونکہ آگ میں تیزی اور جلانے کے سوا ہے کیا؟ جب کہ مٹی میں سکون ثبات، اصلاح اور زیادتی کی صلاحیت ہے۔

ابلیس نے ﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ﴾ کہہ کر عنصر کی طرف دیکھا مگر اس عظیم الشان شرف کی طرف نہیں دیکھا کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست سے پیدا کیا۔ ابلیس کو اس کے عنصر نے نقصان پہنچایا کیونکہ آگ اصل چیز کو بھی جلا دیتی ہے اور آدم علیہ السلام کے عنصر مٹی نے جس میں نمو، اضافہ اور اصلاح ہے انہیں فائدہ پہنچایا۔

ابلیس کے اندر پانچ برائیاں:

(۱) اعتراف گناہ نہیں کیا۔ (۲) نادم نہیں ہوا۔

(۳) اپنے نفس کو ملامت نہ کی بلکہ رب پر اعتراض کیا۔ (۴) توبہ نہ کی۔ (۵) رحمت سے مایوس ہو گیا۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾

فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ (۱۵)

﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ کہا ''اَنْظَرْتُكَ'' نہیں کہا۔

نکتہ: ابلیس ان میں سے تھا جن کو علم الٰہی اور تقدیر الٰہی میں وقت معلوم تک مہلت دی جا چکی ہے، مطلب یہ کہ تیری درخواست سے پہلے ہمارے کارخانۂ قضا و قدر میں وقت معلوم تک تیرے لیے مہلت مقدر ہو چکی ہے جس کا علم تجھے نہیں ہے، یہاں ابلیس کی درخواست کی منظوری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے سابق قضا و قدر کا اظہار ہے۔

قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۶﴾

(پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو، تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے راستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کیلئے بیٹھوں گا۔ (۱۶)

﴿قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ﴾ اگر کوئی کسی آدمی کو مارے یا مال چھین لے اور وہ احتجاج بالقدر کرے تو وہ آدمی اس احتجاج کو قبول نہیں کرتا بلکہ سخت غضبناک ہوتا ہے کہ تو کیسے اللہ کی نافرمانی پر تقدیر کو دلیل بناتا ہے؟

﴿قَالَ فَبِمَآ اَغۡوَيۡتَنِىۡ﴾ مسئلہ تقدیر:

اللہ تعالیٰ کا تقدیر لکھنا اس کے کمال علم کا مظہر ہے جیسے ایک استاد تعلیمی سال کے آغاز میں بچے کی صورت حال سے اندازہ لگالیتا ہے کہ یہ بچہ اس امتحان میں فیل ہو جائے گا، پھر سالانہ امتحان کے موقع پر واقعی یہ بچہ فیل قرار پاتا ہے تو استاد کی بات اگرچہ سچ نکلی مگر بچے کے فیل ہونے میں استاد کی پیشین گوئی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ پیشین گوئی کے مطابق نتیجہ برآمد ہونا استاد کی فراست اور تجربے کا آئینہ دار ہے، استاد کی بات تو کبھی غلط بھی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تو محض انسان کے اندازے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے اس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں، جو کچھ دنیا میں رونما ہو رہا ہے وہ اللہ کے ٹھیک ٹھیک علم و تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے۔ بندے کے اختیارات کی آزادی پر علم تقدیر کا کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ جیسا بھی عمل کرنا چاہے اسے اس کی آزادی دی گئی ہے، بہت سے لوگ جو نیکی سے جی چراتے ہیں اور طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں، چور یہ بہانہ بنا کر دل کو تسلی دیتا ہے کہ میں چوری کرتا ہوں کیونکہ اللہ نے میری تقدیر میں چوری ہی لکھی ہے۔ یہ محض بہانے کی بات ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ چور کو کیسے پتہ چلا کہ اس کی تقدیر میں چوری لکھی ہوئی ہے؟ نتائج ہمیشہ اعمال کے تابع ہوتے ہیں نہ کہ اس کے برعکس۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ ﴿۱۷﴾

پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ (۱۷)

﴿شاکرین﴾ شاکرین کی تفسیر موحدین سے کی گئی ہے، شیطان نے یہ گمان سچا کر دکھایا ﴿وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ (سورۂ سبا: ۲۰) شیطان نے کہا کہ میں انسانوں کے پاس چار طرف سے آؤں گا۔

(۱) دنیا کی طرف سے۔ (دنیا کی رغبت دلاؤں گا)

(۲) آخرت کی طرف سے۔ (آخرت کے بارے میں شک میں ڈالوں گا)

(۳) نیکیوں کی طرف سے۔ (نیکیوں سے نفرت دلاؤں گا یا نیکیوں پر مغرور بنادوں گا)

(۴) برائیوں کی طرف سے۔ (برائیوں کی لذت بتاؤں گا)

یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر ہے۔

سوال: ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ.....الخ﴾ اوپر سے اور نیچے سے حملہ کیوں نہیں؟

جواب: تفسیر طبری میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ شیطان نے یہ نہیں کہا کہ میں ان کے اوپر سے آؤں گا اس لیے کہ اوپر سے تو اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور نیچے فتنے کی جگہ نہیں ہے، اسی وجہ سے مومنوں کو حکم دیا گیا کہ وہ

Scanned by CamScanner

اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اوپر دیکھ کر چلے گا تو گر جائے گا۔

قصہ آدم وابلیس: کسی کی فضیلت کا اعتراف اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے برحق ہونے کا اعتراف ہے۔شیطان کے غرور نے اسے اس اعتراف سے روک دیا۔

شیطان کا خاص حربہ: حلال کے پھیلے ہوئے میدان کو آدمی کی نظر میں کمتر دکھا کر چند خوبصورت حرام چیزوں کو مزین کر کے اس میں مبتلا کر دیتا ہے، اچھی غذاؤں کو اس کے لیے بے رغبت بنا کر شراب نوشی میں مبتلا کر دیتا ہے، اسی طرح اتفاقات کے وسیع میدان کو چھوڑ کر چند اختلافات کو بنیاد بنا کر لوگوں کا ذہن خراب کر دیتا ہے۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

غرض (مردود نے) دھوکا دے کر اُن کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا جب اُنہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو اُن کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ جنت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔تب اُن کے رب نے اُن کو پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت کے (پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔(۲۲)

اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ Nudism ایک باطل نظریہ ہے جس کے ماننے والے بالکل برہنہ رہتے ہیں، کیونکہ ان کا یہ نظریہ وعمل شریعت ،فطرت اور عقل عام کے خلاف ہے اور برائی وہ ہے جو شریعت ،فطرت اور عقل عام سے ثابت نہ ہو، اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ معصیت سے نعمتیں چھن جاتی ہیں۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔(۲۳)

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کو اپنی طرف منسوب کیا، ابلیس نے ﴿فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ کہہ کر اپنا جرم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا، آدم علیہ السلام کو خوب علم تھا کہ ہر چیز کا خالق یہاں تک کہ بندے کے افعال کا بھی خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور بندہ کاسب افعال ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ''فَالْمَغْفِرَةُ إِزَالَةُ السَّيِّئَاتِ وَالرَّحْمَةُ إِنْزَالُ الْخَيْرَاتِ'' ''مغفرت

Scanned by CamScanner

برائیوں کے ختم کرنے اور ''رحمت'' بھلائیوں کے نازل کرنے کو کہتے ہیں۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

(یعنی) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔(۲۵)

﴿قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا بظاہر اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ اگر کوئی چاند پر مرجائے تو؟ جواب یہاں محض عام حالت اور عمومی دستور کا بیان ہے۔

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَٰرِي سَوْءَٰتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ ءَايَٰتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٢٦﴾

اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں۔(۲۶)

لباس کے تین اغراض ہیں:

(۱) قابل شرم اعضاء کو ڈھانکنا۔ ﴿يُوَارِي سَوْءَاتِكُمْ﴾

(۲) زینت کا لباس اسے ﴿رِيشًا﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿رِيشًا﴾ "أُسْتُعِيرَ مِنْ رِيشِ الطَّيْرِ لِأَنَّهُ لِبَاسُهُ وَزِيْنَتُهُ"۔ ریش پرندے کے پر سے استعارہ ہے کیونکہ پر پرندے کا لباس اور زینت ہے۔ لباس انسان کے جسمانی نقائص وعیوب کو چھپا کر سلیم البدن ظاہر کرتا ہے، جیسے کسی کے جسم پر داغ دھبے ہوں، لاغر ونحیف ہو، موٹا ہو، یا توند نکلی ہوئی ہو تو لباس ان عیوب کو چھپالیتا ہے۔

(۳) لباس گرمی سے بچاتے ہیں۔(سورۂ نحل:۸۱) کچھ دوسرے لباس جو جنگ میں تمہیں بچاتے ہیں یعنی لباس کا ایک مقصد موسمی اثرات سے بچاؤ کے علاوہ دوران جنگ دشمن کے وار سے بچاؤ کا کام دیتا ہے۔

(۴) ﴿لِبَاسُ التَّقْوَىٰ﴾ ہے، ظاہری لباس انسان کے جسم کو چھپاتا ہے اور زینت بخشتا ہے، اسی طرح تقویٰ کا لباس، باطنی نفس کے عیوب کو چھپاتا اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رکھتا ہے، لباس ظاہری اگر نہیں ہے تو زیادہ سے زیادہ انسان کا ستر منکشف ہوجائے گا مگر تقویٰ کا لباس باطنی نہ ہو تو اس کی آخرت تباہ ہوجائے گی، اس لیے لباس تقویٰ زیادہ بہتر ہے۔

عن ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عنهُ ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ قَالَ: لِبَاسُ التَّقْوَى: اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ. (طبری)

Scanned by CamScanner

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر ہے کہ ﴿لِبَاسُ التَّقْوٰی﴾ سے مراد عمل صالح ہے۔ ﴿لِبَاسُ التَّقْوٰی﴾ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وسائل کی فراوانی اور شریعت کی اجازت کے باوصف سادگی والا لباس پہنے۔

لباس کی قسمیں:

(۱) کفار کے مخصوص لباس (۲) چست وباریک لباس۔

(۳) شہرت کا لباس، یعنی عام لوگوں کے لباس سے کچھ ہٹ کر ایسا لباس ہو جسے لوگ تعجب سے دیکھیں۔

(۴) تکبر کا لباس، جسے لوگوں کو حقیر ظاہر کرنے کی غرض سے پہنا جائے۔

(۵) لباس میں اسراف یا بخیلی۔ (۶) باتصاویر لباس۔ (۷) درندوں کے چمڑوں کا لباس۔

(۸) مردوں کے لیے ریشمی لباس۔ (۹) ٹخنوں سے نیچے لباس۔ (۱۰) مردوں کے لیے زعفرانی لباس۔

(۱۱) مردوں وعورتوں کا باہمی مشابہت کا لباس۔

بالوں کی کیفیت: نبی ﷺ کے بالوں کی کیفیت کے بارے میں احادیث میں تین طرح کے الفاظ ملتے ہیں۔ نبی ﷺ کے بال عام طور پر کانوں کی لَو تک پہنچتے تھے، اس کو ''وَفْرَة'' کہتے ہیں، کچھ اور بڑھ جاتے تو ''لِمَّة'' ہو جاتے اور بعض اوقات کندھوں تک پہنچتے، اس کو ''جُمَّة'' کہتے ہیں، آخری کیفیت (جُمَّة) سے زیادہ لمبے بال رکھنے سے اجتناب کرے کیونکہ ایک تو یہ مسنون نہیں دوسرے اس میں عورتوں کی مشابہت ہے۔

(۱) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: ''كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوْقَ الْوَفْرَةِ، وَدُونَ الْجُمَّةِ''

(سنن ابی داؤد، کتاب الترجل: ۴۱۸۷، صحیح)

(۲) عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: ''كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ شَعْرٌ يَبْلُغُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ، وَرَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ، لَمْ أَرَ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ'' (سنن ابوداؤد، کتاب اللباس: ۴۰۷۲، صحیح)

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ''

(سنن ابوداؤد، کتاب الترجل: ۴۱۶۳، صحیح)

بالوں کی تکریم کرے یعنی انہیں سنوارے، اہل کتاب مانگ نکالنے کی بجائے اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف چھوڑ دیا کرتے تھے، نبی ﷺ نے پہلے ان کی موافقت کی بعد میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مانگ نکالنی شروع کر دی۔

(۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: ''كُنْتُ إِذَا أَرَدْتُ أَنْ أَفْرُقَ رَأْسَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، صَدَعْتُ الْفَرْقَ مِنْ يَافُوخِهِ، وَأُرْسِلُ نَاصِيَتَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ'' (سنن ابوداؤد، کتاب الترجل: ۴۱۸۹، حسن)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں آپ ﷺ کے سر کے درمیانی حصے سے مانگ نکالتی تھی۔

(۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''الْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ، وَإِنَّ خَيْرَ أَكْحَالِكُمُ الْإِثْمِدُ: يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ'' (سنن ابوداؤد، کتاب اللباس: ۴۰۶۱، صحیح)

Scanned by CamScanner

تم سفید کپڑے پہنو کیونکہ یہ تمہارے بہترین کپڑے ہیں اوران میں اپنے مُردوں کوکفن دواور تمہارا بہترین سرمہ اثمد ہے، جونگاہ کوروشنی بخشاہے اور بالوں کو اُگا تا ہے۔

(۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَلْبَسُ الْقُمُصَ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ، وَلَا الْبَرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ، فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ أَوْ وَرْسٌ" (صحیح بخاری، کتاب الحج:۱۵۴۲)

ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ احرام باندھنے والا کیسا لباس پہنے؟ آپ نے فرمایا: قمیص، پگڑی پاجامہ، ٹوپی اور موزے نہ پہنے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا عام معمول تھا کہ یہی کپڑے پہنتے تھے۔ تاہم علماء اس عمل کو ضروری اس لیے نہیں سمجھتے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم ثابت نہیں اور یہ اصول ہے کہ محض آپ کے فعل یا عمل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو مزین کیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۳۱)

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾

جن چیزوں کو اللہ نے حرام کر دیا اس کا استعمال بھی اسراف ہے۔ ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ ان چند کلمات میں پورے فن طب کو جمع کر دیا گیا ہے کیونکہ معدہ ہی بیماری کا گھر ہے اور مضر چیزوں سے پرہیز دوا کی اصل ہے۔

﴿لَا تُسْرِفُوْا﴾ عَنْ مِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ. بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ" (سنن ترمذی، ابواب الزہد:۲۳۸۰، صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا اور کوئی برتن نہیں بھرتا۔ اس کے پیٹ کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی ہوا کے لیے ہونا چاہئے۔

ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نصرانی طبیب تھا اس نے علی بن الحسین (زین العابدین رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی کتاب قرآن میں ڈاکٹری (طب) کی کوئی بات نہیں ہے؟ حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں، علم الادیان اور علم الابدان۔ زین العابدین نے کہا اللہ تعالیٰ نے پورے طب کو ایک آیت میں سمیٹ دیا ہے کہا وہ کون سی آیت ہے؟ کہا ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ

Scanned by CamScanner

وَاَنۡ تُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴿۳۳﴾

کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ (۳۳)

اس آیت میں محرمات کے چار مراتب بتائے گئے ہیں:

(۱) آغاز سب سے ہلکے قسم کے حرام سے کیا اور وہ فواحش ہیں۔

(۲) اثم وبغی ہیں جو حرمت میں اس پر بڑھے ہوئے ہیں۔

(۳) شرک ہے۔

(۴) ان میں سب سے عظیم حرمت والا ''قَوۡلٌ عَلَى اللّٰهِ بِلَا عِلۡمٍ'' (بلا علم، شریعت میں کچھ کہنا) ہے۔

''اِثۡمٌ'' فواحش سے عام ہے، ''اِثۡمٌ'' کا ایک معنی شراب بھی ہوتا ہے، جیسے شاعر نے کہا

شَرِبۡتُ الۡاِثۡمَ حَتّٰى ضَلَّ عَقۡلِيۡ

كَذَاكَ الۡاِثۡمُ تَذۡهَبُ بِالۡعُقُوۡلِ

(میں نے اثم (شراب) پیا یہاں تک کہ میری عقل چلی گئی، شراب اسی طرح لوگوں کی عقلیں لی جاتی ہے)

﴿اَلۡبَغۡيَ﴾ ''اَلۡاِسۡتِطَالَةُ عَلَى النَّاسِ اَوِ الۡاِعۡتِدَاءُ عَلٰى حَقِّ الۡغَيۡرِ بِسَلۡبِ اَمۡوَالِهِمۡ اَوۡ بِاَذَاهُمۡ'' غیر کے حق پر زیادتی جیسے اس کا مال چھین لینا یا اسے تکلیف پہنچانا ''بغی'' کہلاتا ہے۔

﴿اَلۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ﴾ طوائفوں کے اڈوں پر جا کر بدکاری کرنا اور گرل فرینڈ سے خصوصی تعلق قائم کرنا اور ٹی وی وغیرہ پر فحش پروگرام دیکھنا، سب فواحش کے دائرے میں آتے ہیں۔

﴿وَاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾

(۱) ''اَلۡقَوۡلُ عَلَى اللّٰهِ'' - ''اِفۡتِرَاءُ عَلَى اللّٰهِ'' ''اَلۡقَوۡلُ عَلَى اللّٰهِ'' کا مطلب اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔

(۲) غلو فی الدین اور بدعت کا نقصان دوہرا ہے، ایک تو غلو و بدعت میں مبتلا ہونا گناہ ہے، دوسرے اس کے مقابل سنت سے محروم ہونا ہے۔

''اَلۡقَوۡلُ عَلَى اللّٰهِ'' کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کہے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے۔

(۲) ایسی بات کہے جس کے بارے میں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف بات کہی ہے۔

(۳) ایسی بات کہے کہ اسے معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے وہ بات کہی ہے۔

Scanned by CamScanner

گناہ کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) جس کا اثر نسب پر پڑتا ہے (زنا) اس کو فواحش سے تعبیر فرمایا۔
(۲) جس کا اثر عزت وعقل پر پڑتا ہے (شراب) اس کو اثم سے تعبیر فرمایا۔
(۳) جس کا اثر مال پر پڑے (ظلم کرنا) اس کو بغی سے تعبیر کیا گیا۔
(۴) جس کا اثر عقیدے پر پڑے اس کو شرک سے تعبیر کیا۔
(۵) جس کا اثر عمل پر پڑے، اس کو قول علی اللہ سے تعبیر فرمایا۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَاؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًاۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ۳۸

تو اللہ فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں انہی کے ساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ جب ایک جماعت (وہاں) داخل ہو گی تو اپنی (مذہبی) بہن (یعنی اپنے جیسی دوسری جماعت) پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی کی نسبت کہے گی کہ اے اللہ! انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو ان کو آتشِ جہنم کا دگنا عذاب دے، اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے۔ (۳۸)

﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ اُمت سے مراد گمراہ قائدین اور لیڈر ہیں اور اُخت سے مراد ان کے پیروکار ہیں۔ قائدین ان کے خیر خواہ بنے ہوئے تھے اور عوام نے ان کو اپنا ہیرو بنا رکھا تھا، قائدین کہیں گے ہم نے اپنی خواہشوں سے قیادتیں کھڑی کی تھیں اور تم نے بھی اپنی خواہشات کے لیے ہمارا ساتھ دیا، تو مفاد پرست رہنما اور مفاد پرست پیروکار۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۴۳

اور جو کینے اُن کے دلوں میں ہوں گے ہم سب نکال ڈالیں گے، اُن کے (محلوں کے) نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں کا رستہ دکھایا اور اگر اللہ ہم کو رستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پا سکتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔

Scanned by CamScanner

اور (اس روز) منادی کردی جائے گی کہ تم اُن اعمال کے صلے میں جو (دنیا میں) کرتے تھے اس جنت کے وارث بنادیئے گئے ہو۔ (۴۳)

دخول جنت کا سبب:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِىْ صُدُوْرِهِمْ الخ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ دخول جنت کا ظاہری سبب بندہ کا عمل ہے اور سببِ حقیقی اللہ کا فضل ہے، قرآن میں سبب ظاہری کا ذکر ہے اور حدیث میں سبب حقیقی کا۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾

ان دونوں یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان (اعراف نام) ایک دیوار ہوگی اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے جو سب کو ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے تو اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو یہ لوگ (ابھی) جنت میں داخل تو نہیں ہوئے ہوں گے مگر امید رکھتے ہوں گے۔ (۴۶)

﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ﴾

اَعْرَاف: ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعراف ایک حجاب ہے جو جنت و دوزخ کو الگ کرنے کے لیے ہوگا وہ حجاب جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہوگی، اسی کا نام اعراف ہے۔

قیامت میں تین قسم کے لوگ ہوں گے:

(۱) جن کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں گی۔

(۲) جن کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی۔

(۳) جن کی برائیاں اور نیکیاں برابر ہوں گی، پہلی قسم کے لوگ جنت میں، اور دوسری قسم کے لوگ جہنم میں ہوں گے اور تیسری قسم کے لوگ جب تک اللہ کو منظور ہوگا، اعراف میں رہیں گے، پھر ان کی خطائیں معاف کر کے جنت میں ڈالے گا۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اصحاب اعراف کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جن کی حسنات اور سیئات برابر ہیں۔ (تفسیر ابن قیم رحمہ اللہ)

اعراف: ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ﴾ وہ حصار جو اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان حائل کیا جائے گا اس حصار کا بالائی حصہ اعراف ہے کیونکہ اعراف، عرف کی جمع ہے اور عرف ہر چیز کے بالائی حصے کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دور سے ممتاز ہوتا ہے، اسی سے مرغ کی کلغی کو بھی عرف کہا جاتا ہے، ان لوگوں کو یہاں روکا جائے گا جن کے حسنات اور سیئات کے پلّے میزان عمل میں برابر ہوں گے، اپنی حسنات کے سبب وہ جہنم سے نجات پالیں گے مگر سیئات کے سبب ابھی جنت میں ان کا داخلہ رکا ہوا ہوگا اور بالآخر رحمت الٰہی سے یہ لوگ بھی جنت میں داخل ہوں گے۔

Scanned by CamScanner

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰىهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

(پھر مومنوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے) کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے ان کی دستگیری نہیں کرے گا (تو مومنو!) تم جنت میں داخل ہو جاؤ تمہیں کچھ خوف نہیں اور نہ تمہیں کچھ رنج و غم ہوگا۔ (۴۸)

جنت اور جہنم کے درمیان حد درجہ فاصلہ ہونے کے باوجود جنتی لوگ جہنمیوں سے اور جہنمی لوگ جنتیوں سے گفتگو کریں گے، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے دور میں اس کا سمجھنا آسان ہے۔

الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۚ فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۵۱﴾

جنہوں نے اپنے دین کو تماشہ اور کھیل بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا، تو جس طرح یہ لوگ اُس دن کے آنے کو بھولے ہوئے اور ہماری آیتوں سے منکر ہو رہے تھے اسی طرح آج ہم بھی انہیں بھلا دیں گے۔ (۵۱)

دنیا میں آدمی اللہ تعالیٰ کو کیوں بھلا دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اور وہ نشانیاں صرف بصیرت کی پکڑ میں آتی ہیں جب کہ دنیا کی رونقیں بصارت کے دائرے میں ہوتی ہیں، آدمی ظاہری چیزوں کی طرف جھک جاتا ہے اور اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ۚ يُغۡشِى الَّيۡلَ النَّهَارَ يَطۡلُبُهٗ حَثِيۡثًا ۙ وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمۡرِهٖ ؕ اَلَا لَـهُ الۡخَـلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۵۴﴾

کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر جا ٹھہرا، وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اُس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا، سب اُسی کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی (اُسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔ (۵۴)

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ اللہ تعالیٰ چاہتا تو صرف لفظ کُن سے

پیدا کرسکتا تھا مگر تدریج کا سبق دینا تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي فَقَالَ: "خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ، وَخَلَقَ فِيهَا الْجِبَالَ يَوْمَ الْأَحَدِ، وَخَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، وَخَلَقَ الْمَكْرُوهَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ، وَخَلَقَ النُّورَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ، وَبَثَّ فِيهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيسِ، وَخَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، فِي آخِرِ الْخَلْقِ، فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِ الْجُمُعَةِ، فِيمَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى اللَّيْلِ"

(صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة: ۲۷۸۹)

اللہ نے سنیچر کے دن مٹی کو پیدا کیا اور اتوار کو پہاڑ پیدا کیا اور پیر کو درخت پیدا کئے اور منگل کے دن کام کاج کی چیزیں (لوہا وغیرہ) پیدا کیا اور بدھ کے دن نور کو پیدا کیا اور جمعرات کے دن زمین میں چوپایوں کو پھیلا دیا اور جمعہ کے دن عصر کے بعد آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، مخلوقات میں سب سے آخر میں جمعہ کے دن عصر سے لے کر رات تک۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۵۵ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۵۶

(لوگو) اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۵۵) اور ملک میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا کچھ شک نہیں کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔ (۵۶)

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾

دعا کے لیے دو اہم آداب کا ذکر ہے، قبولیت دعا کے لیے پہلی چیز جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سامنے عجز وتذلل کا اظہار کرے، دوسرے دعا آہستہ مانگے، کیونکہ بآواز بلند دعا مانگنے میں تضرع (گڑگڑانا) باقی رہنا مشکل ہے ثانیاً اس میں ریا وشہرت کا خطرہ ہے۔

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾

عَنْ أَبِي نَعَامَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مُغَفَّلٍ، سَمِعَ ابْنَهُ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَبْيَضَ، عَنْ يَمِينِ الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلْتُهَا، فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ، سَلِ اللّٰهَ الْجَنَّةَ، وَتَعَوَّذْ بِهِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الطَّهُورِ وَالدُّعَاءِ" (سنن ابوداود، کتاب الطہارۃ: ۹۶، صحیح)

بعض لوگ وضو میں بار بار اعضاء کو دھلتے ہیں اس کے بعد بھی انہیں طہارت کا یقین نہیں ہوتا اس راہ سے وہ وہم کے مریض ہو جاتے ہیں۔ دعا میں غلو کے دو معنی ہیں:

(۱) قانون فطرت کے خلاف دعا مانگنا جیسے اے اللہ! ساری دنیا کو ہدایت دے زمین پر کوئی کافر نہ رہے کیونکہ کشمکش حق

Scanned by CamScanner

وباطل قیامت تک جاری رہے گی۔

(۲) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دعا کے طریقے، اس کی شکل اور اس کے مقامات کے تعین میں غلو کیا جائے جیسے بعد نماز فرض اجتماعی دعا، تبلیغی اجتماعات میں آخری دن دعا میں لوگوں کا جوق در جوق جانا، دعا میں افراط و تفریط بھی اعتداء کے دائرے میں آتے ہیں کہ ایک طرف دعا رسم بن چکی ہے یہ افراط ہے، دوسری طرف مدتوں دعا مانگنے کی توفیق نہیں ہوتی یہ تفریط ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۵۷

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (یعنی مینہ) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری (بنا کر) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو (زمین سے) زندہ کر کے باہر نکالیں گے (یہ آیات اس لئے بیان کی جاتی ہیں) تا کہ تم نصیحت پکڑو۔ (۵۷)

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ بارش کا پانی قبول کرنے کے لیے زمین، نہ بنجر ہو نہ چٹیل ہو، یا پانی سے بھری نہ ہو ورنہ پانی اوپر سے گزر جائے گا، اسی طرح ہدایت صرف اس آدمی کے پاس آتی ہے جو اس کا حقیقی طالب ہو۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵۹ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۰ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۱ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۲

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے (ان سے) کہا کہ اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔ (۵۹) تو جو اُن کی قوم میں سردار تھے وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔ (۶۰) انہوں نے کہا کہ اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ (۶۱) تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔ (۶۲)

Scanned by CamScanner

﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ شرک انسانی عقل کو اس طرح ماؤف کر دیتا ہے کہ گمراہی ہدایت اور ہدایت گمراہی نظر آتی ہے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۚ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور (اسی طرح) قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا کہ بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟ (۶۵)

﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ قوم عاد نے تعمیرات اور ثمود نے زراعت میں ترقیاں کیں، ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی قطورا سے مدیان پیدا ہوئے، اہل مدین انہیں کی نسل سے ہیں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾

میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں۔ (۶۸)

﴿اُبَلِّغُكُمْ﴾ تبلیغ کا حکم ﴿رِسٰلٰتِ رَبِّیْ﴾ تبلیغ رب کے پیغامات کی، رَبّ یعنی پرورش کرنے والے ہی کو معلوم ہے کہ کون سی چیز اس کی روحانی ترقی کے لیے نافع ہے کون سی چیز غیر نافع ہے۔

﴿نَاصِحٌ﴾ خالص، یعنی اس میں کوئی ملاوٹ نہ ہو۔

﴿اَمِیْنٌ﴾ امانت جیسی رہی ہے ویسی لوٹائی جائے کچھ اس میں ملایا نہ جائے جیسے شہد، جب تک خالص نہ ہو بدن کے لیے نافع نہیں۔ اسی طرح جب تک تبلیغ خالص نہ ہو روح کے لیے نافع نہیں۔ آج تبلیغی ایک تو حکیم ناصح کا نسخہ خود استعمال نہیں کر رہے ہیں، اور دوسروں کو روک بھی رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ اس کے خلاف پروپیگنڈہ بھی کر رہے ہیں۔ اس کے لیے سورۃ احزاب آیت ۶۶، ۶۷ اور ۶۸ کی تفصیل دیکھی جائے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۷۰﴾

وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کرے اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں؟ تو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لے آؤ۔ (۷۰)

﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ آباء و اجداد کی تقلید ہمیشہ ہر دور میں

گمراہی کی بنیاد رہی ہے،قوم عاد نے یہی دلیل پیش کی اور شرک چھوڑ کر توحید اختیار کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی بڑوں کی تقلید کی بیماری عام ہے،وہ کہتے ہیں کہ کیا ہمارے بڑے گمراہ تھے؟اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے لیے کجیاں (ٹیڑھ پن اور خامیاں) تلاش کرنا ہر دور میں نافرمانوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

ہود نے کہا کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لیے ہیں جن کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی تو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔(۷۱)

﴿اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ﴾

ناموں کی شریعت: انسان ناموں کے ذریعہ کس چیز کا تصور قائم کرتا ہے؟کسی کے ساتھ اچھا نام لگ جائے تو اچھا، برا لگ جائے تو برا دکھائی دینے لگتا ہے،کسی کو غوث پاک،گنج بخش،غریب نواز اور مشکل کشا۔جن کے حق میں کوئی دلیلِ شرعی موجود نہیں۔یہ ان پڑھوں کے لیے ہے،پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان کچھ غیر معمولی الفاظ لگا دیئے جاتے ہیں،قدسی صفات،فلاں کے نذرِ عقیدت،محبوبِ الٰہی،ستونِ اسلام،نجات دہندہ وغیرہ۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

اور یاد تو کرو جب اُس نے تمہیں قومِ عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے (مٹی لے لے کر) محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔(۷۳)

﴿نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ اس اونٹنی کو ناقۃ اللہ اس وجہ سے کہا گیا کیونکہ یہ صالح علیہ السلام کی قوم کے مطالبے پر بطور معجزہ پہاڑ سے پیدا ہوئی،اللہ تعالیٰ کی قدرت انڈے میں سے چوزے کو نکال سکتی ہے تو پتھر سے اونٹنی کیوں نہیں نکال سکتی۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

تو مغرور (سردار) کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اُس کو نہیں مانتے۔(۷۶)

Scanned by CamScanner

تکبر کرنا خصلت کفار ہے اور غریبوں کو ضعیف وحقیر سمجھنا بھی خصلت کفار ہے، حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام پر ایمان لانے والے زیادہ تر غریب ہی لوگ تھے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾

اور (اسی طرح جب ہم نے) لوط کو (پیغمبر بنا کر بھیجا تو) اس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہلِ عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا۔ (۸۰)

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ جہالت، ظلم اور اسراف یہ سب قوم لوط کے نمایاں برے اوصاف تھے۔

﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ (سورہ نمل ۵۴) فعل لواطت کرتے ہوئے دیکھتے بھی تھے۔

﴿اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ (سورہ نمل:۵۵) ان کے پاس حسن و قبح کے درمیان تمیز کی صلاحیت نہیں رہ گئی تھی اور بے مقصد کام جاہل ہی کر سکتا ہے۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾

یعنی خواہِ نفسانی پورا کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو۔ (۸۱)

﴿شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾

''شهوة'' عاقل ناپسند کرتا ہے کہ اولاد کی خواہش کے بغیر مباشرت کرے کیونکہ آدمی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہوت کے غرائز بقائے نسل کے رکھے گئے ہیں۔

﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ ''سَرَفُ الْمَاءِ'' (بیکار میں ضائع ہو جانے والا پانی) سے ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے ''ذَهَبَ هٰذَا الْمَاءُ سَرَفًا'' یہ پانی بیکار گیا، چونکہ وہ ایک بامقصد چیز (شہوت) کو ضائع کر دیتے تھے، اسی وجہ سے انہیں مسرف کہا گیا کیونکہ وہ لواطت کرتے تھے اور اس فعل کو کرتے ہوئے دیکھتے بھی تھے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨٥﴾

اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی آ چکی ہے تو

تم ماپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔(۸۵)

﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا﴾ قرآن میں کئی جگہ شعیب علیہ السلام کا اہل مدین کی طرف مبعوث ہونا آیا ہے تو کسی جگہ اصحاب ایکہ کی طرف۔ اور ایک جگہ ہے کہ انہیں اصحاب الرس کی طرف بھیجا گیا، ایکہ، مدین کے قریب گنجان درختوں سے گھری ہوئی ایک آبادی تھی، مدین اور ایکہ کی قومیں مشرک تھیں اور ناپ تول کی کمی کی بیماری میں مبتلا تھیں، پہلے شعیب علیہ السلام مدین کی طرف مبعوث ہوئے، ان کی ہلاکت کے بعد ایکہ کی طرف پھر اصحاب الرس کی طرف بھیجے گئے، اسی لیے قوم شعیب کے لیے تین عذابوں کا ذکر آیا ہے۔(۱) رَجْفَةٌ (زلزلہ) (۲) صَیْحَةٌ (چنگھاڑ) (۳) ظُلَّةٌ (آگ کی بدلی) تین قسم کے عذابات تین بستیوں پر نازل ہوئے، شرک و بت پرستی کے ساتھ بدمعاملگی کا مرض تینوں میں مشترک تھا۔

قوم شعیب کی خرابیاں

(۱) شرک ﴿اعْبُدُوا اللهَ﴾

(۲) ناپ تول میں کمی ﴿فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ﴾

(۳) معاملات میں دغابازی ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ﴾

(۴) زمین میں فساد ﴿لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ﴾

(۵) رہزنی (ڈاکہ) ﴿لَا تَقْعُدُوْا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا اور اللہ تعالیٰ اور رسول کی باتوں میں کجیاں تلاش کرنا۔

(۶) ﴿وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللهِ﴾ دین حق سے روکنا تاکہ شعیب علیہ السلام کے پاس لوگ نہ آئیں۔

ایک محلے میں شراب خانہ تھا، ایک شخص شراب پینے لگا یہ فساد ہے، دوسرے اس محلے میں شراب خانہ نہیں تھا کوئی شراب خانہ قائم کردے اور لوگ اسے پینے لگ جائیں یہ اِفساد ہے، ظاہر ہے دوسرا پہلے کے مقابلے میں اعظم جرم ہے۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۹

سورۃ الأعراف

(آیت: ۸۸ تا ۲۰۶)

سورۃ الأنفال

(آیت: ۱ تا ۴۰)

مُجمّع بلقیس للبُحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد، الہند

Scanned by CamScanner

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝

(تو) اُن کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب! (یا تو) ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ اُنہوں نے کہا خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تو بھی؟) (۸۸)

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا﴾

دولت، جاہ اور اقتدار انسان میں بڑائی اور گھمنڈ کی نفسیات پیدا کر دیتے ہیں، پھر حق کو بے وقعت سمجھنے لگتا ہے۔ ... استکبار کا ہی ایک مظہر ہے۔

کوئی شخص اپنی قوم کے مذہب کو باطل سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ وابستہ نہ رہنا چاہتا ہے تو کیا اسے اس دھرم میں رہنے کے لیے مجبور کیا جائے گا؟ اگر ایسا کیا جائے تو ضمیر کی آزادی کہاں باقی رہے گی جو انسان کا فطری حق ہے اور اعتقاد کے معاملے میں جبر، عقل کے ترازو میں کیا وزن رکھتا ہے؟

قوم شعیب نے کہا: دو باتوں میں سے ایک بات تو ناگزیر ہے یا تو تمہیں وطن سے نکلنا پڑے گا یا پھر ہماری ملت یعنی کفر و شرک کو اپنانا پڑے گا، اب سوچ لو کون سی چیز پسند کرتے ہو؟

شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے جواب دیا کہ ہمارا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ دین توحید نہیں چھوڑیں گے لیکن اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کی بنا پر نہیں چھوڑیں گے، اللہ تعالیٰ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے اس کی آزمائشوں میں کامیاب اترنا اسی کی بخشی ہوئی توفیق پر منحصر ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

اور اُن کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو!) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بیشک تم خسارے میں پڑ گئے۔ (۹۰)

﴿لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾

ہر زمانے میں دنیا پرستوں نے اخلاق و دیانت کے اصولوں کی پابندی سے یہی خطرہ محسوس کیا ہے، ان کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ تجارت اور دیگر دنیاوی معاملات بد دیانتی اور دغا بازی کے بغیر نہیں چل سکتے اور سمجھتے رہے کہ راستبازی سے کاروبار تباہ ہو جاتے ہیں، اگر ناپ تول میں ہیر پھیر چھوڑ دیں تو سارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا، ان کا خیال ہے کہ تجارت اور سیاست بغیر جھوٹ اور بے ایمانی کے نہیں چل سکتے۔

Scanned by CamScanner

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ﴿٩١﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ يَضَّرَّعُوۡنَ ﴿٩٤﴾

تو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (۹۱) اور ہم نے کسی شہر میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو (جو ایمان نہ لائے) دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا تا کہ وہ عاجزی اور انکساری کریں۔ (۹۴)

ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا قانون یا سنت جاریہ بیان کی گئی ہے کہ جب کوئی قوم مجموعی طور پر نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم پر ہلکا پھلکا عذاب بھیجا جاتا ہے، جیسے قحط سالی، مہنگائی، وبا اور بیماری وغیرہ، یہ عذابات تنبیہ کا درجہ رکھتے ہیں اور جب قوم اس کا اثر قبول نہیں کرتی تو پھر خوشحالی سے قوم کی آزمائش ہوتی ہے۔ یعنی ان کے رزق اور افرادی قوت میں خوب اضافہ ہوتا ہے پھر وہ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ تو انقلابات ہیں زمانے کے۔ ایسے اچھے اور برے دن تو ہمارے باپ دادا پر بھی آیا کرتے تھے اور پھر اس میں اتنے مگن ہو جاتے ہیں کہ اچانک عذاب الٰہی انہیں آ پکڑتا ہے۔

آزمائش دو طرح سے ہوتی ہے:

(۱) آفت آئی تو کہتے ہیں ہونی تھی، ہوئی۔

(۲) پھر انہیں خوشحالی عطا کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ زمانے کے انقلابات ہیں، سرکشی کے بعد ترقی ملنا بے حد خطرناک ہے یہ اس بات کی علامت ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت پکڑنے کا فیصلہ کیا ہے جب وہ اپنے پکڑے جانے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ بے خوف ہوں۔

﴿لَعَلَّهُمۡ يَضَّرَّعُوۡنَ﴾ زلزلہ آیا، اس نے مندر اور مسجد دونوں کو ڈھا دیا، قحط آیا اس کی زد میں نمازی، بے نمازی، کافر اور مومن سب آئے، شیطان یہ فلسفہ پڑھاتا ہے کہ اس قسم کے سرد وگرم کے دن قوموں پر آتے ہی رہتے ہیں، اس جیسی مغالطے سے محفوظ رہنے کے لیے اس حقیقت کو ہمیشہ مستحضر رکھنا چاہئے کہ آفتوں میں ظاہر کے اعتبار سے نیک و بد میں کوئی تمیز نہیں، اس لیے کہ ان کا مقصود سزا دینا نہیں بلکہ لوگوں میں تضرع پیدا کرنا ہے، لیکن نتائج کے اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق ہوتا ہے، مومن پر ایسی مصیبت آئی تو اس کے تضرع میں اضافہ ہوا اور اس کی کوتاہیوں کی تلافی ہوئی اور جن لوگوں کے دلوں میں تضرع نہیں پیدا ہوتا، ان پر اللہ کی حجت تمام ہوتی ہے پھر ایک فیصلہ کن عذاب آتا ہے جس کی زد سے وہی لوگ بچتے ہیں جو نیک ہوتے ہیں اور نیکی کی دعوت دیتے ہیں۔

ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الۡحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوۡا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿٩٥﴾

پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا یہاں تک کہ (مال و اولاد میں) زیادہ ہو گئے تو کہنے لگے

Scanned by CamScanner

کہ اسی طرح کا رنج وراحت ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتا رہا ہے تو ہم نے اُن کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ (اپنے حال میں) بے خبر تھے۔(۹۵)

﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً﴾ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ السُّلَمِيِّ، رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ مَرَّةً: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ مَرَّةً: عَنْ عُبَيْدٍ، قَالَ: "مَوْتُ الْفَجْأَةِ أَخْذَةُ أَسَفٍ" (سنن ابوداود، کتاب الجنائز: ۳۱۱۰، صحیح) ناگہانی موت (اللہ کے) غصے کی پکڑ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیز گار ہو جاتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے مگر اُنہوں نے تو تکذیب کی سو اُن کے اعمال کی سزا میں ہم نے اُن کو پکڑ لیا۔(۹۶)

﴿بَرَكٰتٍ﴾ برکت کے معنی بڑھوتری اور ہمیشگی کے ہیں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کو تبریک کہتے ہیں پس الصلاۃ علی النبی (درود) اللّٰھم بارك میں دعا اس بات کو شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھلائیاں آل ابراہیم کو عطا کیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا کرے، انہیں بڑھا کر کئی گنا کر دے اور انہیں قائم ودائم رکھے، کم مادی وسائل سے بھی خوش اسلوبی سے گزارا ہو جانا اور قلبی اطمینان کی کیفیت حاصل ہونا برکت کہلاتا ہے، ایمان اور تقویٰ، برکت کے دو بڑے اسباب ہیں۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

کیا یہ لوگ اللہ کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے (سن لو کہ) اللہ کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔(۹۹)

﴿فَلَا يَاْمَنُ﴾ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مؤمن نیک کام کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہے اور فاجر گناہ کر کے سکون میں ہوتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم تمہیں سناتے ہیں اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایسے نہیں تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں اُسے مان لیں اسی طرح اللہ کافروں کے

Scanned by CamScanner

دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ (۱۰۱)

﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ جو تاریخ اور عبرتناک آثار کے مشاہدے سے سبق نہیں لیتے اور اپنے آپ کو بھلاوے میں ڈالے رہتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں سوچنے سمجھنے اور کسی ناصح کی بات سننے کی توفیق نہیں ہوتی۔

طبع (مہر لگانا): اللہ کا قانون فطرت ہے کہ جو شخص اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اس کی بینائی تک آفتاب روشن کی کوئی کرن نہیں پہنچ سکتی، جو سننا نہیں چاہتا اسے کوئی کچھ نہیں سنا سکتا۔

انسان کو جو صلاحیتیں عقل، کان، آنکھ اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں کہ وہ سبق لے اور اگر ان کو بیکار چھوڑ دے تو وہ صلاحیتیں کند چھری کی طرح ہو جاتی ہیں، اسی کو طبع سے تعبیر کیا ہے۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

(چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے اور کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں صلہ عطا کیا جائے گا۔ (۱۱۳)

ایمان سے پہلے ساحروں (جادوگروں) کی اخلاقی پستی:

﴿ اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا ﴾ ایمان سے پہلے وہ موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لیے فرعون سے اجر کا مطالبہ کر رہے تھے لیکن جب ایمان کی دولت نصیب ہوئی تو ان کو دنیوی مال و زر کی طمع تو درکنار اپنی جان کی پروا نہ رہی، فرعون کی دھمکی کے جواب میں صاف سنا دیا کہ تجھے جو کرنا ہے کر گزر، ہمیں کوئی پرواہ نہیں، معلوم ہوا کہ انسان کا دل ایمان سے خالی ہو تو اس سے حقیر شئے کوئی نہیں، اور اگر ایمان سے بہرہ مند ہے تو اس سے بلند کوئی چیز نہیں۔

﴿ لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ (سورہ شعراء: ۵۰) ایمان لاتے ہی جادوگروں کو اپنے رب کی ملاقات کا اتنا شوق ہوا کہ فرعون کی دھمکیوں اور اس کی طرف سے خوفناک تعذیبات کے اعلان کے باوجود وہ پکار اٹھے ﴿ لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ کوئی پرواہ نہیں، ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

﴿ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ﴾ کہا "اَنْزِلْ عَلَيْنَا صَبْرًا" نہیں کہا، کیونکہ اِفْرَاغٌ (خالی کرنا) بہ نسبت اِنْزَالٌ (نازل کرنا) کے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ اِنْزَالٌ معنی اتارنا اور اِفْرَاغٌ معنی برتن سے پانی اس طرح بہا دینا کہ برتن میں کچھ نہ رہے اور لفظ علیٰ، استعلاء کے ساتھ احاطہ کا مفہوم رکھتا ہے جیسے ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (سورہ طٰہٰ: ۵) یعنی صبر اس طرح ہمارے اوپر انڈیل دے کہ ہم سر سے پیر تک صبر میں نہا لیں جس سے بے صبری کی ساری کدورت اور میل بدن میں نہ رہ جائے، حق کے لیے جان قربان کرنا حق کے حق ہونے کی آخری گواہی دینا ہے، اسی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں انہیں شہید کہا جاتا ہے اور شہید کے معنی گواہ کے ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طاقتی اور بے طاقتی دونوں آزمائشیں ہیں۔

Scanned by CamScanner

جادو کی حقیقت:

جادو میں کہیں ہاتھ کی صفائی ہوتی ہے، دیکھنے والے کو مغالطہ ہو جاتا ہے، کہیں ﴿يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ﴾ (سورۂ طٰہٰ:٦٦) یعنی خیال ونظر بندی ہوتی ہے۔ جیسے ہپناٹزم ومسمریزم وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جادو سے حقیقت نہیں بدلتی۔ صرف دیکھنے میں وہ کچھ کا کچھ نظر آتی ہے، جادو سے قلب ماہیت نہیں ہوتا، جادوگروں کا جادو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کی قوت متخیلہ متاثر ہوئی لیکن حقیقت میں نہ سانپ بنا، نہ حرکت ہوئی۔

جادو دائرہ اسباب طبیعیہ کے اندر ہوتا ہے اگرچہ وہ سبب، خفی (پوشیدہ) ہو، بخلاف معجزہ کہ وہ بلا واسطہ فعل حق ہوتا ہے، انبیاء جادو سے متاثر بھی ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ اسباب طبیعیہ کے اثرات ہوتے ہیں۔

جادو اور معجزے میں فرق:

جادو سیکھا اور سکھایا جاتا ہے اور معجزہ براہ راست رب العالمین کی جانب سے ہوتا ہے۔ نبی خود اپنی مرضی سے معجزہ نہیں دکھلا سکتا، جادو میں آنکھوں کو سحر زدہ کیا جاتا ہے ورنہ حقیقت میں وہ چیز اسی طرح رہتی ہے لیکن معجزے میں فی الحقیقت وہ چیز ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔

﴿يُخَيَّلُ إِلَيْهِ﴾ اس سے معلوم ہوا جادو سے چیز کی حقیقت نہیں بدلتی صرف دیکھنے میں وہ دوسری نظر آتی ہے۔

جادو کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، جادو کی ایک قسم مبنی بر حقیقت ہوتی ہے، اس جادو کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ دو آدمیوں میں دشمنی پیدا ہو جائے یعنی اس میں خطرناک اور مضر اثرات ہوتے ہیں جس کا اثر انسانی طبیعتوں پر اسی طرح ہوتا ہے۔

(۱) جادو سے بدن پر بُرا اثر پڑتا ہے، آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

(۲) جادو سے دل پر اثر پڑتا ہے ﴿يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ﴾ (سورہ بقرہ:۱۰۲)

(۳) جادو سے آنکھیں متاثر ہوتی ہیں ﴿سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ﴾ (سورہ اعراف:۱۱۶)

جادوگر کی سزا قتل ہے، جادو بغیر کفر کے حاصل نہیں ہوتا، جادوگر کو شیطان کے پاس اپنا دل اور ایمان گروی رکھنا پڑتا ہے، جادو میں اثر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، مسلمانوں کو کچھ شرائط کے ساتھ شرعی رقیہ کرنے کی اجازت ہے۔

سوال: نبی ﷺ پر جادو کس طرح کیا گیا؟

جواب: ایک یہودی لڑکا تھا جو نبی کریم ﷺ کی خدمت کرتا تھا، یہودی اس کے پاس آتے تھے، اسی نے نبی ﷺ کی کنگھی سے نکلے ہوئے بال انہیں دیئے جس پر جادو کیا گیا۔

جادو کس طرح کیا گیا؟ نبی کے بال اور نر کھجور کے کھوکھلے خوشے پر۔

جادو ختم کس طرح ہو؟

(۱) اس چیز کو تلاش کر لیا جائے۔ (۲) مادہ سحر کو نکال دیا جائے۔

Scanned by CamScanner

جادو کا علاج:

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً“
(صحیح بخاری، کتاب الطب:۵۶۷۸)

جو بھی بیماری اللہ تعالیٰ نے نازل کی اس کی شفا بھی نازل کی۔

(۲) ”عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ لَمَّا اسْتَعْمَلَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الطَّائِفِ جَعَلَ يَعْرِضُ لِي شَيْءٌ فِي صَلَاتِي حَتَّى مَا أَدْرِي مَا أُصَلِّي فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ رَحَلْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ”ابْنُ أَبِي الْعَاصِ“؟ قُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: ”مَا جَاءَ بِكَ“ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ عَرَضَ لِي شَيْءٌ فِي صَلَوَاتِي حَتَّى مَا أَدْرِي مَا أُصَلِّي قَالَ: ”ذَاكَ الشَّيْطَانُ ادْنُهْ“ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَجَلَسْتُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيَّ قَالَ: فَضَرَبَ صَدْرِي بِيَدِهِ وَتَفَلَ فِي فَمِي وَقَالَ: ”اخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰهِ“ فَفَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ: ”الْحَقْ بِعَمَلِكَ“ قَالَ: فَقَالَ عُثْمَانُ: فَلَعَمْرِي مَا أَحْسِبُهُ خَالَطَنِي بَعْدُ“ (سنن ابن ماجہ، کتاب الطب:۳۵۴۸، صحیح)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طائف کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا تو مجھے نماز پڑھتے ہوئے ذہول (ذہن سے بات نکل جانا) ہو جاتا میں نے یہ حالت دیکھی تو سفر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن ابی العاص؟ میں نے عرض کیا جی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نماز میں کچھ خیال آنے لگا یہاں تک کہ یہ بھی دھیان نہیں رہتا کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہوں، فرمایا: یہ شیطان (کا اثر) ہے، قریب ہو جاؤ، میں آپ کے قریب ہوا اور پنجوں کے بل (مودب) بیٹھ گیا، آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میرے منہ میں تھتکارا اور فرمایا اے اللہ کے دشمن! نکل جا، تین بار ایسا ہی کیا پھر فرمایا (جاؤ) اپنے فرائض سرانجام دو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم ہے کہ اس کے بعد شیطان نے مجھے وسوسہ نہ ڈالا۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بے شمار تجربہ کرنے والوں نے تجربہ کیا ہے کہ آیت الکرسی میں شیطان کو بھگانے کی خصوصی تاثیر موجود ہے، رقیہ شرعیہ (شرعی جھاڑ پھونک) جائز ہے مگر جھاڑ پھونک کو پیشہ نہ بنایا جائے۔

وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾

(یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے۔(۱۲۰)

جادوگروں کا قصہ: باطل، باطل ہے اس پر کتنے ہی حسین غلاف چڑھا لیے جائیں اور حق، حق ہے اس کا ڈنکا بج کر رہتا ہے، جادوگروں کو معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو پیش کیا وہ جادو نہیں ہے تو یہ واقعی اللہ کا نمائندہ ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ

قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬
يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

اور قوم فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیجیے گا کہ ملک میں خرابی کریں اور آپ سے اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں وہ بولا کہ ہم اُن کے لڑکوں کو تو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بلا شبہ ہم اُن پر غالب ہیں۔ (۱۲۷) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو زمین تو اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔ (۱۲۸)

﴿وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ﴾ فرعون کی قوم کے بڑے لوگوں نے فرعون سے کہا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کو ایسے ہی چھوڑ دو گے کہ زمین میں فساد کریں، (توحید ان کے نزدیک سب سے بڑا فساد فی الارض تھا) تو کہنے لگا ﴿اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ ہم غالب ہیں، حکومت ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم ان کے لڑکوں کو قتل کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو باقی رکھیں گے۔ تو کوئی دعوت کا کام کرنے والا ہی نہ رہے گا، پریشان ہو کر بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ ہم کیا کریں؟ ﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ اللہ سے مدد حاصل کرو اور صبر کرو۔ ملک مصر نہ فرعون کا ہے نہ اس کے باپ کا، اللہ وہ ملک تمہیں عطا کر دے گا۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

وہ بولے کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچتی رہیں اور آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اُس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر دیکھو کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (۱۲۹)

استخلاف فی الارض کا اصل مقصد:

اللہ کسی قوم کو مٹاتا ہے اور دوسری کو عروج و اقبال عطا کرتا ہے تو صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ اقتدار کی وراثت پا کر یہ قوم کیا رویہ اختیار کرتی ہے؟ پچھلی قوم کی طرح بدمست ہو کر زمین میں فساد مچاتی ہے، اگر پچھلی قوم کی روش پر چل نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک مدت کے بعد اس کو بھی فنا کر کے دوسری قوم لاتا ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۚ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ۚ

Scanned by CamScanner

وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور جولوگ کمزور سمجھے جاتے تھے اُن کو زمین (شام) کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث کر دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں اُن کے صبر کی وجہ سے تمہارے رب کا نیک وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور قومِ فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔ (۱۳۷)

بنی اسرائیل کو سیادت دی، مصر و شام کے علاقے ان کے زیر تصرف آگئے، یہ وہی لوگ تھے جنہیں فرعون نے اپنا غلام بنا رکھا تھا، جن کے بچوں کو قتل کروا دیتا تھا، جب یہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور مصائب و آلام پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی زمینوں کا مالک بنا دیا اور فرعونیوں کے محلوں، عیش گاہوں اور باغات کو تاراج کر دیا۔

﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ انبیاء کی مخاطب قوموں پر جو عذاب آتا ہے وہ تکذیب آیات کی بنا پر، اور انبیاء کے ساتھیوں پر جو خصوصی نصرت اترتی ہے، وہ صبر کی بنا پر۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کیلئے بیٹھے رہتے تھے۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰ! جیسے اُن لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو۔ موسیٰ نے کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ (۱۳۸)

بعض کہتے ہیں کہ یہ قبیلہ لخم کے لوگ تھے جو ''رقہ'' میں آباد تھے اور گائے کے مجسموں کی پوجا کرتے تھے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کوہِ طور پر) پہنچے اور اُن کے رب نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے اللہ! مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) کروں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ

سکو گے جب اُن کا رب پہاڑ پر نمودار ہوا تو (تجلی انوار ربانی نے) اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں اُن میں سب سے اوّل ہوں۔ (۱۴۳)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "النَّاسُ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُوزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ" (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۳۹۸)

ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا انہیں طور کی بیہوشی کا معاوضہ دیا جائے گا (کہ وہ یہاں بیہوش نہیں ہوں گے)۔

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَیِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾

جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں اُن کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنا لیں یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے۔ (۱۴۶)

﴿وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَیِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا﴾

غَیٌّ کی لطیف تفسیر: "اَلْغَيُّ- جَهْلٌ مِنْ اِعْتِقَادٍ فَاسِدٍ" انسان جھوٹے عقائد اور غلط روایات اللہ تعالیٰ کی طرف یا اس کے دین کی طرف منسوب کرے تو اس کے نتیجے میں جو جہالت پیدا ہوتی ہے اس کو "غَیٌّ" کہتے ہیں۔

وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلا ملے گا۔ (۱۴۷)

Scanned by CamScanner

ان کے اعمال ضائع ہو گئے بارآور نہ ہوئے۔انسانی عمل کے بارآور ہونے کا انحصار دو امور پر ہے:

(۱) وہ عمل اللہ تعالیٰ کے قانون شرعی کی پابندی میں ہو۔

(۲) اس عمل میں دنیا کے بجائے آخرت کی کامیابی پیش نظر ہو۔ یہ دو شرطیں اگر پوری نہ ہوں گی وہاں لازماً حبط عمل ہوگا۔

جس نے اللہ کی ہدایت لیے بغیر عمل کیا۔ وہ اللہ سے اجر کی توقع کیوں رکھے۔ عمل دنیا کے لیے کیا، آخرت کے لیے نہیں کیا۔ کھلی بات ہے جب آخرت کے لیے نہیں کیا تو آخرت میں ثمرہ پانے کی امید اسے نہ رکھنی چاہئے۔

وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰی مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِیِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّهٗ لَا یُکَلِّمُهُمۡ وَلَا یَهۡدِیۡهِمۡ سَبِیۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡهُ وَکَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۸﴾

اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنالیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی، ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کرسکتا ہے اور نہ اُن کو رستہ دکھا سکتا ہے اُس کو اُنہوں نے (معبود) بنالیا اور (اپنے حق میں) ظلم کیا۔(۱۴۸)

﴿عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ﴾ بہت سے لوگ ہیں جو تماشے پر لوگوں کی بھیڑ جمع کر لیتے ہیں، یہاں بچھڑے کو معبود بنانے والوں کو مفتری اور بچھڑے کو معبود بنانے کو افترا کہا گیا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَیَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَذِلَّةٌ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ؕ وَکَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُفۡتَرِیۡنَ﴾ (سورہ اعراف: ۱۵۲) سامری نے یہ کام دین اور اللہ کے نام پر کیا تھا۔ جیسے آج کے مشرکین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان مورتیوں میں حلول کر گیا ہے، اس لیے مورتیوں کی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے، سامری نے بچھڑے کے حق میں کشف وکرامات کی دلیل بھی تلاش کر لی، اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جبرئیل آئے ہیں، میں نے ان کے گھوڑے کے نقش قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور بچھڑا بنا کر وہ مٹی اس بچھڑے میں ڈال دی، اس مقدس مٹی سے وہ بچھڑا بولنے لگا گویا وہ اور اس کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتائی۔

﴿لَا یُکَلِّمُهُمۡ وَلَا یَهۡدِیۡهِمۡ سَبِیۡلًا﴾ یہ نہ سوچا کہ جو نہ بات کرتا ہو نہ رہنمائی کر سکتا ہو آخر کس مرض کی دوا ہے کہ اس کو معبود مان کر اس کی پرستش کی جائے، معبود کوئی کھلونا نہیں بلکہ زندگی کی سب سے بڑی ضرورت اس سے وابستہ ہے کہ وہ رہنمائی کرے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰۤی اِلٰی قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّکُمۡ ۚ وَاَلۡقَی الۡاَلۡوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِیۡهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ وَکَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ ۫ۖ فَلَا تُشۡمِتۡ بِیَ الۡاَعۡدَآءَ وَلَا تَجۡعَلۡنِیۡ مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۵۰﴾

Scanned by CamScanner

اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بداطواری کی کیا تم نے اپنے رب کا حکم (یعنی میرا اپنے پاس آنا) جلد چاہا (یہ کہا) اور (شدتِ غضب سے تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے انہوں نے کہا کہ بھائی جان لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں تو ایسا کام نہ کریں کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملایئے۔ (۱۵۰)

﴿وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَخْبَرَ مُوسَى بِمَا صَنَعَ قَوْمُهُ فِي الْعِجْلِ، فَلَمْ يُلْقِ الْأَلْوَاحَ فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوا أَلْقَى الْأَلْوَاحَ فَانْكَسَرَتْ" (مسند احمد: ۲۴۴۷، صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شنیدہ کے بود مانند دیدہ، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ آپ کی قوم فتنے میں مبتلا ہوگئی ہے تو تختیاں نہ ڈالیں اور جب انہوں نے قوم کو دیکھ لیا تو تختیاں ڈال دیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾

(اللہ نے فرمایا کہ) جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنا لیا تھا ان پر اللہ کا غضب واقع ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افتراء پردازوں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ (۱۵۲)

امام مالک اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ نے کہا کہ مفترین کے معنی مبتدعین کے ہیں اور ہر بدعتی قیامت تک ذلیل وخوار ہوتا رہے گا۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع ہو چکے (اللہ نے) فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اُسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے، میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۱۵۶)

Scanned by CamScanner

احکام الٰہی جو بندے کی سعادت کا ذریعہ ہیں دو قسم پر ہیں:

(۱) ترک کرنا- جیسے زنا، چوری، تکبر، حسد، خیانت وغیرہ اس کی طرف ﴿یَتَّقُوْنَ﴾ سے اشارہ کردیا۔

(۲) کرنا- اچھا کام کرنا اس کی دو نوع ہیں:

(۱) جو مال سے متعلق ہے جیسے زکوٰۃ وصدقہ وخیرات اس کی طرف ﴿یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ﴾ سے اشارہ کیا۔

(۲) وہ عمل جو اس کی ذات سے متعلق ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) علم سے متعلق (۲) عمل سے متعلق۔ پہلے کی طرف ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ سے اشارہ کیا اور ایمان کا مقتضی اعمال صالحہ ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

وہ جو (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسول (اللہ) کی، جو نبی اُمی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کیلئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نُور ان کیساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔ (۱۵۷)

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو صفات کا تذکرہ کیا:

(۱) رسول (۲) نبی (۳) اُمی (نوشت وخواند رسمیہ نہ ہوگی) (۴) تورات وانجیل میں مکتوب ہوگا۔

(۵) امر بالمعروف کریں گے۔ (۶) بری باتوں سے روکیں گے۔

(۷) لوگوں کے لیے پاک وصاف چیزیں حلال کریں گے۔

(۸) ناپاک اور گندی چیزیں حرام کریں گے۔ (۹) شریعت موسویہ کے بارگراں کو اتار دیں گے۔

﴿اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ نبوت عامہ ہے، اس میں یہود ونصاریٰ کا رد کیا گیا ہے، جو کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے نبی ہیں، یہ نبوت عامہ، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے۔

Scanned by CamScanner

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !) کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (یعنی اُس کا رسول) ہوں (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے تو اللہ پر اور اُس کے رسول پیغمبر اُمّی پر، جو اللہ پر اور اُس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور اُن کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔ (۱۵۸)

﴿اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ نبی کی بعثت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک براہ راست (عرب کے لیے) (۲) دوسری بالواسطہ (تمام عالم کے لیے)

فلسفی اور پیغمبر میں فرق:

﴿اَلْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ﴾

فلسفی کا اللہ ایک مجرد قوت (شکتی) ہے، اس کا ماننا ایسا ہی ہے جیسے کائنات میں قوت کشش کو ماننا، یہ نہ بولتی ہے، نہ حکم دیتی ہے، جبکہ پیغمبر کا اللہ زندہ ہے، وہ انسانوں سے ہم کلام ہوتا ہے، اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے اور ماننے نہ ماننے پر جزا و سزا دیتا ہے۔

﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا﴾ (سورہ اعراف: ۱۶۰)

تقطیع: یعنی ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کر کے منتشر کر دینا یہ قانون مسلمانوں کے لیے بھی ہے جو اسی منصب پر ان کے بعد فائز کیے گئے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور (یاد کرو) جب اُن سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کر لو اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھانا (پینا) اور (ہاں شہر میں جانا تو) حِطَّةٌ (توبہ) کہنا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ (۱۶۱)

﴿اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ باقاعدہ سکونت کے لیے ایک شہر ''اریحا'' ان کو دیا گیا۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ

Scanned by CamScanner

تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۳﴾

اور ان سے اُس گاؤں کا حال تو پوچھ لیجئے جو لبِ دریا واقع تھا جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں، اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے۔ (۱۶۳)

﴿وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ﴾ بستی سے شہر ''ایلہ'' مراد ہے جو بحر قلزم کے کنارے ''مدین'' اور طور کے درمیان واقع تھا، دریا کا پانی کاٹ انہوں نے اپنے بنائے ہوئے گڑھوں سے ملا دیا اور سنیچر کو مچھلیوں کے جانے کی راہ بند کر دیتے، تین فرقے ہوگئے (۱) نافرمان (۲) مانعین (روکنے والے) (۳) تھک کر منع کرنا چھوڑ بیٹھنے والے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

جب انہوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی اُن کو نصیحت کی گئی تھی تو جو لوگ بُرائی سے منع کرتے تھے اُن کو ہم نے نجات دی اور جو ظلم کرتے تھے اُن کو بُرے عذاب میں پکڑ لیا کہ نافرمانی کیے جاتے تھے۔

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾

کسی قوم پر جب اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرتا ہے تو اس عذاب سے صرف وہی لوگ بچ سکتے ہیں جو نہی عن المنکر کرتے ہوں جن لوگوں کی پرہیزگاری اور عبادت اپنی ذات تک محدود ہو اور وہ برائی کو دیکھنے کے بعد منع نہ کرتے ہوں وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے، ان کے گناہوں اور نیکیوں کا وزن تو آخرت میں ہوگا، جب عذابوں کی زد میں بظاہر کچھ پابند صوم وصلوٰۃ بھی آجاتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے لیکن آیت مندرجہ بالا کو سامنے رکھیں تو حیرت واستعجاب کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

تین گروہ:

(۱) حیلہ سازی کرنے والے (۲) منع کرنے والے (۳) خاموش رہنے والے

تفسیر ابن کثیر اور تفسیر طبری میں ہے کہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس موضوع پر میں ہمیشہ بات کرتا رہا حتی کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو قائل کر لیا کہ وہ نجات پا گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے حُلّہ پہنایا، تیسرے گروہ کے انجام سے سکوت فرمایا کیونکہ انہوں نے روکا نہیں کہ تعریف کی جاتی نہ ارتکاب کیا کہ مذمت کی جاتی۔

Scanned by CamScanner

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا﴾ ایک کام جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہو اس کو کرنا گناہ ہے اور حیلہ کر کے اس ناجائز کو جائز بنانا سرکشی میں اضافہ ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اُن پر قیامت تک ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو بُری بُری تکلیفیں دیتا رہے گا بیشک آپ کے رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔ (۱۶۷)

اس آیت سے دو حقیقتیں منکشف ہوئیں:

(۱) بنی اسرائیل کبھی بالادست طاقت نہیں بنیں گے۔

(۲) دوسری قومیں ان پر اثر و تسلط قائم رکھیں گی۔

اسرائیل، امریکہ کی ایک ریاست کی حیثیت رکھتا ہے جہاں ڈالر ہی اصل کرنسی ہے، اگر اسے امریکہ و یوروپ کی سرپرستی حاصل نہ ہو تو اسرائیل کا وجود ایک دن بھی برقرار نہیں رہ سکتا، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ درگزر سے کام لیتا ہے اور جب ان کی بدمعاشیاں حد سے بڑھ جائیں گی تو عذاب کا وقتی طور پر معطل سلسلہ پھر شروع ہو جائے گا۔

﴿لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ یہود کی دو سزاؤں کا ذکر ہے

(۱) قوموں کا تسلط (۲) ان کا ظلم

اس وقت ارض مقدس میں ان کا اجتماع بظاہر اس بات کی علامت ہے کہ ان کی پوری قوت شاید مجموعی طور پر ہلاک ہونے والی ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے یہ (بے تامل) اس دنیائے ادنیٰ کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بخش دیئے جائیں گے اور (لوگ ایسوں پر طعن کرتے ہیں) اگر ان کے سامنے بھی ویسا ہی مال آ جاتا ہے تو وہ بھی اُسے لے لیتے ہیں، کیا ان

Scanned by CamScanner

سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اُس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے، اور آخرت کا گھر پرہیزگاروں کیلئے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟ (۱۶۹)

﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ﴾ ان میں نیک و بد دونوں تھے مگر ان کے بعد جو نسل آئی جن میں حلال وحرام کی تمیز نہ تھی۔ ﴿يَأۡخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا ٱلۡأَدۡنَىٰ﴾ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ اس دنیائے فانی کا مال لے لیتے خواہ حلال ہو یا حرام سے۔ اس کے باوجود وہ مغفرت کی تمنا رکھتے تھے۔

وَإِذۡ نَتَقۡنَا ٱلۡجَبَلَ فَوۡقَهُمۡ كَأَنَّهُۥ ظُلَّةٞ وَظَنُّوٓاْ أَنَّهُۥ وَاقِعُۢ بِهِمۡ خُذُواْ مَآ ءَاتَيۡنَٰكُم بِقُوَّةٖ وَٱذۡكُرُواْ مَا فِيهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ﴿١٧١﴾

اور جب ہم نے اُن (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اُن پر گرتا ہے تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اُس پر عمل کرو تاکہ بچ جاؤ۔ (۱۷۱)

﴿وَإِذۡ نَتَقۡنَا ٱلۡجَبَلَ فَوۡقَهُمۡ﴾

شق جبل: پہاڑ کو کسی کے سر پر معلق کر دینا عقلاً محال نہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ موسم برسات میں بادل جو سر پر مسلط رہتا ہے، ایک بادل میں لاکھوں ٹن پانی ہوتا ہے اور وہ اپنے اندر لاکھوں ٹن پانی لیے ہوئے خلاء میں معلق میلوں پھیلا رہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اپنی حالت پر رہتا ہے، کیا یہ طویل وعریض بادل کسی پہاڑ سے کم ہے؟

وَإِذۡ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِيٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَأَشۡهَدَهُمۡ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمۡ أَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡۖ قَالُواْ بَلَىٰ شَهِدۡنَآۚ أَن تَقُولُواْ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنۡ هَٰذَا غَٰفِلِينَ ﴿١٧٢﴾

اور جب آپ کے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرالیا (یعنی اُن سے پوچھ لیا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا رب ہے یہ اقرار اس لئے کرایا تھا) کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ (۱۷۲)

عہد ﴿أَلَسۡتُ﴾:

یہ ازلی عہد و پیمان کتنا ہی یقینی ہو کسی کو یاد نہیں، انسان کو یاد نہیں کہ یہ عہد و پیمان کب لیا گیا تھا، اگر یاد رہتا تو امتحان کا

Scanned by CamScanner

مقصد فوت ہو جاتا، اسے شعور سے محو کر دیا گیا، لیکن اسے انسان کی فطرت میں پیوست کر دیا چنانچہ ہر شخص اپنے خالق کو فطرۃً پہچانتا ہے، اس کی فطرت میں یہ بات اچھی طرح پیوست کر دی گئی کہ وہ خود پیدا نہیں ہوا، وہ بولتا ہے مگر بولنا کس نے سکھایا اسے یاد نہیں، لیکن بولنا بجائے خود دلیل ہے کہ کسی نے سکھایا ضرور ہے۔

Semen (منی) کے ایک ML (ملی لیٹر) میں ساڑھے چار سے پانچ ملین Sperms ہوتے ہیں اور ایک مرتبہ میں 5ML (5 ملی لیٹر) منی کا اخراج ہوتا ہے اس طرح مائکرومیٹر بتاتا ہے کہ 5ML میں 25 ملین Sperms نکلتے ہیں، لہٰذا عہد الست میں آدم کی پیٹھ سے ان کی تمام ذریت کا ایک ساتھ نکالنا مستبعد نہیں۔

عہد ﴿اَلَسْتُ﴾:

علم حیاتیات نے انسان کی تولید کے سلسلے میں اس اہم حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ انسان کے جسم سے ایک وقت میں جو مادّہ تولید خارج ہوتا ہے، اس میں کروڑہا Spermatozoa (جرثومۂ حیات) ہوتے ہیں، ہر جرثومہ (خلیہ) میں ۲۳ جوڑی کروموزومس ہوتے ہیں۔ یہ کروموزومس اپنے اندر موروثی خصوصیات لیے ہوئے ہوتے ہیں یعنی باپ کی خصوصیات بچہ کی طرف ان کے ذریعے ہی منتقل ہوتی ہیں۔

اب اگر ایک قطرۂ آب میں ایک انسانی دنیا چھپی ہوئی ہو تو یہ کیونکر ناممکن ہے کہ پوری نسل انسانی کو وجود میں لانے والے جراثیم حیات آدم علیہ السلام کی پشت میں ودیعت کر دئے گئے ہوں اور ان میں شعور کی خصوصیت بھی بنیادی طور پر موجود ہو اور اس میں خلاف عقل بات کیا ہے کہ ان جراثیم حیات (نفوس) کو ان کے خالق نے آدم کی پشت سے نکال کر ان کے دبے ہوئے شعور کو ابھارا ہو اور ان سے عہد لینے کے بعد ان کو پھر آدم کی پشت میں لوٹا دیا ہو تاکہ اس ذخیرہ سے نسل انسانی کا سلسلہ اپنی بنیادی خصوصیات کے ساتھ جاری رہے۔

سوال: عہد ''اَلَسْتُ'' اور روز ''اَلَسْتُ'' یاد کیوں نہیں؟

جواب: نکتہ- بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسے یاد نہیں رہتا کہ ماں کے پیٹ میں تھا۔ لوگوں کے بتانے سے معلوم ہوتا ہے اور وہ پیٹ کے احوال سے مکمل ناواقف ہوتا ہے۔

﴿مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ ''مِنْ ظَهْرِ آدَمَ'' نہیں کہا، قیامت تک پیدا ہونے والی ذریت نکالی، مثلاً زید کو عمرو سے اور عمرو کو خالد سے علی ہذا القیاس لامحالہ اوپر کی طرف یہ سلسلہ آدم علیہ السلام پر منتہی ہوگا مگر جب کہ سب کا مبدا آدم علیہ السلام ہیں تو گو صراحتہً آدم کی پشت سے نکلنا نہ کہا مگر جب کہ اس طرح سے ایک دوسرے سے نکلنا کہا تو گویا سب کا آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلنا کہا اس لیے ﴿مِنْ ظَهْرِ آدَمَ﴾ نہ کہہ کر ﴿مِنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ فرمایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ، فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيصًا مِنْ نُورٍ، ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ فَقَالَ: أَيْ رَبِّ، مَنْ هَؤُلَاءِ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ، فَرَأَى رَجُلًا مِنْهُمْ

Scanned by CamScanner

فَأَعْجَبَهُ وَبِيصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ: أَيْ رَبِّ مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: هٰذَا رَجُلٌ مِنْ آخِرِ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ يُقَالُ لَهُ دَاوُدُ فَقَالَ: رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهُ؟ قَالَ: سِتِّينَ سَنَةً، قَالَ: أَيْ رَبِّ، زِدْهُ مِنْ عُمْرِي أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَلَمَّا قُضِيَ عُمْرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَقَالَ: أَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِي أَرْبَعُونَ سَنَةً؟ قَالَ: أَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاوُدَ قَالَ: فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَنَسِيَ آدَمُ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَخَطِئَ آدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ"

(سنن ترمذی، ابواب تفسیر القرآن:۳۰۷۶، صحیح)

جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پیٹھ سے قیامت تک پیدا ہونے والی تمام ذریت نکل آئی اور ہر آدمی کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک چمک پیدا کی پھر آدم پر پیش کیا۔ ایک کی چمک بھلی معلوم ہوئی تو پوچھا کون ہیں؟ کہا داؤد، کہا ان کی عمر کتنی ہے؟ کہا ساٹھ سال، کہا میں نے اپنی عمر سے چالیس سال اسے دے دیئے۔ جب ملک الموت آدم علیہ السلام کی روح نکالنے کے لیے آئے تو انہوں نے کہا ابھی چالیس سال باقی ہیں۔ کہا کیا تم نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دے دیئے تھے؟ تو آدم علیہ السلام نے انکار کیا تو ان کی ذریت نے بھی انکار کیا اور آدم بھول گئے تو ان کی ذریت بھی بھول گئی، آدم علیہ السلام سے چوک ہوئی تو ان کی ذریت سے بھی چوک ہوئی۔

شعور رب انسان کی فطرت میں پیوست ہے، ماحول کی وجہ سے دب جاتا ہے مگر فنا نہیں ہوتا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب بھی کوئی بات سامنے آتی ہے تو اس کا ضمیر اندر سے اشارہ کرتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ اس کے باوجود انسان کو اختیار دیا گیا کہ وہ چاہے تو اس اندرونی آواز کی پیروی کرے اور چاہے تو اسے نظر انداز کر دے اور اپنی من مانی کرے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں (اور ہفت پارچہ علم شرائع سے مزین کیا) تو اُس نے اُن کو اتار دیا پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ (۱۷۵) اور اگر ہم چاہتے تو اُن آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اُس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تاکہ وہ فکر کریں۔ (۱۷۶)

﴿وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ ''اِخْلَادٌ فِي الشَّيْءِ'' کسی چیز میں اخلاد کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اسی چیز کا ہو کر

رہ جائے۔ ﴿اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور آسمانی برکات سے منہ موڑ کر زمینی لذات وشہوات کی طرف جھک پڑا۔

یہود کی مثال: ان کی حالت کی تمثیل کتے سے دی گئی ہے۔ کتے کو آپ نے دیکھا ہوگا وہ کبھی گردن کو بخط مستقیم اٹھا کر نہیں چلتا بلکہ ہمیشہ زمین کو سونگھتا اور ہر پاک وناپاک چیز کا اپنی ناک سے جائزہ لیتا ہوا چلتا ہے کہ شاید کوئی چیز کھانے کو مل جائے اس کی رہنما، اس کی آنکھ نہیں بلکہ اس کی ناک ہوتی ہے جو اس کی خواہشوں کی سراغ رساں ہے، کتے کی دوسری خصلت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ زبان نکالے رہتا ہے، دھتکاریئے، جھڑکئے یا پیار کیجئے، وہ بھوکا رہے یا پیٹ بھرا، اس کا یہی انداز رہے گا، اسی طرح یہود اپنی خواہشوں کے غلام ہیں، شکلیں آدمیوں کی ہیں لیکن ان کی فطرت کتوں کے سانچے میں ڈھل چکی ہے۔

تمثیل: اللہ تعالیٰ جس کو اپنی آیات سے نوازتا ہے اگر وہ اس کی قدر کرتا ہے تو وہ اس کے ذریعے اس کو دین ودنیا کی سرفرازی عطا فرماتا ہے، لیکن جو ان آیات کو پالینے کے بعد بھی اپنی خواہشوں کے پیچھے کتے کی طرح زمین کو سونگھتے ہوئے چلتا ہے ایسے کو اللہ اس کی خواہشوں کے حوالے کر دیتا ہے اور وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، اس کی حالت کتے کی سی ہو جاتی ہے، اس کے اوپر سختی کرو تو ہانپتا اور زبان نکالے رہتا ہے اور نہ کرو تو بھی ہانپتا اور زبان نکالے رہتا ہے، یہ اس انسان کی مثال ہے جسے ایمان کی دعوت دی جائے یا نہ دی جائے اس کے لیے دونوں حالتیں برابر ہیں۔

تشبیہ کا مدعا یہ ہے کہ آدمی جب ایمان کی رسّی تڑا کر بھاگتا ہے اور اپنی باگیں نفس کی اندھی خواہشات کے ہاتھ میں دے دیتا ہے تو وہ کتے کی حالت کو پہنچے بغیر نہیں رہتا، ہمہ تن پیٹ ہمہ تن شرمگاہ۔

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا﴾ امیہ بن الصلت نامی ایک شخص تھا جو انسانی اوصاف کے ساتھ حکیمانہ کلام میں بھی ممتاز تھا، اسے معلوم ہوا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک نبی آنے والا ہے وہ سمجھا شاید وہ نبی میں ہی ہوں، مگر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور اس نے آکر آپ کا کلام سنا تو بہت مایوس ہوا اور نبی کا مخالف بن گیا، اس کی صلاحیت کا صحیح استعمال یہ تھا کہ وہ نبی کا ساتھ دیتا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ ماننے میں اسے دنیوی فائدہ نظر آتا تھا، اس نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دی۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اُس کو اُس کے ناموں سے پکارا کرو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کجی (اختیار) کرتے ہیں اُن کو چھوڑ دو، وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اُس کی سزا پائیں گے۔ (۱۸۰)

﴿وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ﴾

"اِلْحَادٌ فِي الْاَسْمَاءِ" (اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کجروی) کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا غیر اللہ پر اطلاق کرنا جیسے انہیں دستگیر، داتا، غوث اور مشکل کشا وغیرہ کہنا۔

Scanned by CamScanner

(۲) اللہ تعالیٰ کو غیر مناسب اسماء کے ساتھ موسوم کیا جائے جیسے نصاریٰ کا اللہ کو ''أَبٌ'' (باپ) کہنا۔

(۳) ایسے نام اور وصف سے پکارا جائے جو خلاف ادب ہو جیسے اے بندروں کے پیدا کرنے والے۔

الحاد نہ کیا جائے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اسے بدلا نہ جائے جیسے مشرکین نے اللہ سے لات بنالیا، عزیز سے عزیٰ بنالیا اور منان سے منات بنالیا۔ نیز قرآن وحدیث کی دلیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کے نئے نام نہ رکھے جائیں، جیسے اہل فارس نے اللہ تعالیٰ کو خدا، یزداں اور اہرمن کہا، اور ہندوؤں نے بھگوان اور انگریزوں نے GOD نام ایجاد کرلیا۔

(۴) اسماء کا انکار کردینا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے اسماء توقیفی ہیں۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکتے رہیں۔ (۱۸۶)

﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ﴾ پہلا جملہ یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور دوسرا جملہ یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی سرکشی اور اندھاپن کی وجہ سے گمراہ کیا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

(یہ لوگ) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے؟ کہہ دیجئے کہ اُس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے وہی اُسے اُس کے وقت پر ظاہر کردے گا، وہ آسمان اور زمین میں ایک بھاری بات ہوگی اور ناگہاں تم پر آجائے گی۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُس سے بخوبی واقف ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر یہ لوگ نہیں جانتے۔ (۱۸۷)

﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ قیامت کے اخفا (پوشیدگی) میں مصلحت یہ ہے کہ بندہ ہر وقت مستعد رہے۔

بائیں پسلی سے حوّا کا پیدا ہونا:

عورت کے تابع اور زیردست ہونے کی علامت ہے کیونکہ دایاں بائیں سے افضل ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا

Scanned by CamScanner

تَغَشّٰىهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ‌ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنۡ
اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ
فِيۡمَاۤ اٰتٰٮهُمَا‌ ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۹۰﴾

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کا جوڑا بنایا تا کہ اُس سے راحت حاصل کرے۔ سو جب وہ اُس کے پاس جاتا ہے تو اُسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اُس کیساتھ چلتی پھرتی ہے۔ پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی ہے (یعنی بچہ پیٹ میں بڑا ہوتا ہے) تو دونوں (میاں بیوی) اپنے رب سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ (۱۸۹) جب وہ اُن کو صحیح وسالم (بچہ) دیتا ہے تو اُس (بچے) میں جو وہ اُن کو دیتا ہے اُس کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ جو وہ شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ (کا رتبہ) اُس سے بلند ہے۔ (۱۹۰)

﴿لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا﴾ عورت کی پیدائش کی غرض وغایت یہ ہے کہ مرد کو عورت سے سکون ملے، سکون کے معنی راحت قلبی کے بھی ہیں، تو عورت سے مرد کو راحت قلبی حاصل ہوتی ہے وہ اس کے تمام ہموم وغموم کی مونس وغم خوار ہوتی ہے اگر اس سے سکون کے بجائے بے سکونی ملے تو اس کا مقصد فوت ہو گیا۔

﴿فَلَمَّا تَغَشّٰهَا﴾ انسان کس طرح پیدا ہوا؟ کس نے پیدا کیا؟ انسان کا فطری توالد وتناسل بتایا تا کہ انسان اپنی ابتدائی حالت سے باخبر ہو اور یہ بھی بتایا کہ اس کو کس نے پیدا کیا، اللہ نے، یا معبودان باطلہ نے؟

﴿حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ﴾ حمل معنی بوجھ کے ہیں۔

حَمْلٌ اور حِمْلٌ میں فرق: حَمْلٌ جو پیٹ میں ہو اور حِمْلٌ جو پیٹھ پر ہو۔

اللہ کی اس صنعت عجیبہ، کا تقاضا یہ تھا کہ تمام اولاد آدم ہمیشہ اس کی شکر گزار ہوتی اور کسی مخلوق کو اس کی صفات کاملہ میں شریک نہ ٹھہراتی مگر غفلت شعار انسان نے معاملہ اس کے خلاف کیا، غفلت اور ناشکری سے اس معاملہ میں عمل یہ کیا کہ جب حمل قرار پایا تو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے لگا کہ اے اللہ! مجھے صحیح سالم بچہ عنایت کر، تو میں تیرا شکر گزار رہوں گا، لیکن جب بچہ صحیح سالم عطا کر دیا تو شکر گزاری کے بجائے شرک میں مبتلا ہو گیا۔

آدم علیہ السلام سے حوا علیہا السلام کی پیدائش کسی تاویل کی محتاج نہیں Biology کے انکشافات کے پیش نظر بعض جاندار ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو واحد خلیہ والے ''Single celled'' ہوتے ہیں اور خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جیسے Amoeba کہ اس کا ہر ایک حصہ ایک مکمل جاندار ہوتا ہے، پھر بدنی ارتقاء کے اگلے مراحل پر ایک حصہ مادہ کے فرائض اور دوسرا حصہ نر کے فرائض کے لیے موزوں ہو جاتا ہے۔

یہاں مشرکین کی جاہلانہ گمراہیوں پر تنقید کی گئی ہے، تقریر کا مدعا یہ ہے کہ نوع انسانی کو ابتدائی وجود بخشنے والا اللہ تعالیٰ

ہے اور خود مشرکین کو بھی اس سے انکار نہیں ہے، رحم مادر میں نطفے کو ٹھہرانا، صحیح سالم انسان پیدا کرنا وغیرہ اسے مشرکین بھی مانتے تھے لیکن جب امید بر آتی تو شکریہ کے طور پر نذر و نیاز کے لیے کسی دیوی دیوتا یا ولی کی طرف رخ کرتے، پھر بچہ کا نام بھی مشرکانہ رکھا جاتا۔ جیسے رام داس، عبدالرسول، حسین بخش، غلام غوث، گویا وہ اللہ کے سوا، ان سب کی عنایات کا نتیجہ ہے۔

﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ﴾ شریک قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ بچے کا نام امام بخش، پیراں دتہ اور عبدالنبی وغیرہ ان کے اس عقیدے کا اظہار ہے کہ ان سب کے دربار میں جانے کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا۔

یہاں پہلے جملے میں آدم وحوا کا ذکر ہے، دوسرے میں اولاد آدم کا، یعنی سلسلۂ کلام، فرد سے جنس کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿١٩١﴾

کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ (۱۹۱)

اس آیت میں توحید اور شرک کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے بڑا سنہری اصول بتایا گیا ہے:

جو پیدا نہیں کر سکتا وہ معبود نہیں ہو سکتا اور جو خود مخلوق ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

یاد رہے آج تک کسی انسان و جن نے نہ ہی کوئی جاندار پیدا کیا ہے اور نہ ہی کوئی بے جان مادہ پیدا کیا ہے، دنیا بھر کے سائنسدان مل کر ایک ذرہ نہیں بنا سکتے، ان کی ساری کاریگری مادے کو تبدیل کرنے کی حد تک ہے۔

بت پرستی کی تردید:

بت پرستی دو جزوں سے مرکب ہوتی ہے، ایک وہ ذوات (ہستیاں) جنہیں مشرکین اپنے زعم کے مطابق الوہیت میں شریک مانتے تھے، دوسرے وہ پتھر کی مورتیاں جن کے بارے میں وہ گمان رکھتے تھے کہ ان کے مزعومہ دیوتا ان میں حلول کرتے ہیں اور ان مظاہر (پتھر کی مورتیاں) کی پرستش ان دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا ذریعہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾

(مشرکو!) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہی ہیں (اچھا) تم اُن کو پکارو اگر سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تمہیں جواب بھی دیں۔ (۱۹۴) بھلا اُن کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں یا کان ہیں جن سے سنیں؟ کہہ دیجئے کہ اپنے شریکوں کو بلا لو اور میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی ہو) کر لو اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو۔ (۱۹۵)

Scanned by CamScanner

اس آیت میں مظاہر کو پیش نظر رکھ کر تردید کی گئی ہے کہ وہ چل نہیں سکتے، اپنے چڑھاوؤں کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ﴾ اس آیت میں ﴿عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ﴾ کہہ کر ذوات (ہستیاں) کا ردّ کیا ہے، یعنی انبیاء، اولیاء، جنات سب اللہ کے بندے ہیں اور سورج، چاند، ستارے وغیرہ سب اللہ کے مخلوق ہیں۔ ان میں سے کسی کے اندر اُلوہی صفات نہیں، جو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ پیدا کئے گئے ہیں تو وہ اللہ یا معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟

معبودان باطلہ کی ایک اور حالت: مانا کہ تم پتھر کے ان بتوں کو نہیں پوجتے بلکہ ان کو پوجتے ہو جن کے یہ فرضی مجسمے اور تصاویر ہیں مگر وہ بھی تو تمہاری طرح اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اس لیے وہ بھی قابل پرستش نہیں ہو سکتے۔

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾

(پھر دیکھو کہ وہ میرا کیا کر سکتے ہیں) میرا مددگار تو اللہ ہی ہے جس نے کتاب (برحق) نازل کی اور نیک لوگوں کا وہی دوست ہے۔ (۱۹۶)

﴿اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ﴾

ایک حل: مشرکین کے خیالات میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ اگر ہم ان کی پوجا نہ کریں تو ہمیں مضرت پہنچا دیں گے ﴿اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ﴾ سے اس خیال کا رد کیا گیا، یعنی اللہ تعالیٰ صرف میرا ہی کارساز نہیں بلکہ تمام نیکوں کا کارساز ہے، کسی پر تمہارے معبودوں کا اثر نہیں چل سکتا، جب وہ اپنی مدد نہیں کر سکتے تو تمہاری مدد کیا کریں گے؟ ﴿وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَكُمۡ وَلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ﴾ میں یہی بات کہی گئی ہے۔

خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾

(اے محمد ﷺ!) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔ (۱۹۹)

﴿خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ﴾

اخلاق قرآنی کا جامع ہدایت نامہ:

(۱) برائی سے پیش آنے والے سے انتقام نہ لیں بلکہ معاف کر دیں۔

(۲) نیک کام کی ہدایت کرتے رہیں یعنی بدی کا بدلہ نیکی سے دیں۔

(۳) نرمی سے حق بتائیں ﴿وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِیۡنَ﴾ کا مفہوم یہی ہے۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ ایک عجیب بات لکھی ہے کہ پورے قرآن میں تین آیتیں اخلاق فاضلہ کی تعلیم کے لیے آئی ہیں اور تینوں کے آخر میں شیطان سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو انسانی جھگڑوں سے خاص

Scanned by CamScanner

دلچسپی ہے اس لیے غصہ کو قابو میں نہ آتا دیکھیں تو سمجھ جائیں کہ شیطان غالب آرہا ہے، برائی کا جواب برائی سے نہ دینا طبع انسانی پر گراں ہے، خصوصاً ایسے موقع پر شیطان آکر اُکساتا ہے اور اچھے بھلے انسان کو مشتعل کر کے اسے جھگڑے پر آمادہ کر دیتا ہے، اس لیے ﴿وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ﴾ میں اس کا علاج بتایا گیا۔

شیاطین جن وانس سے نجات کا طریقہ:

انسان کو جو پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں اس کے دو اسباب ہیں (۱) شیاطین انس (۲) شیاطین جن۔ کبھی شیطان انس دشمنی وعداوت پر ابھارتا ہے اور کبھی شیطان جن، شیطان انس سے بچنے کا طریقہ قرآن نے ﴿اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ﴾ (سورۂ فصلت: ۳۴) کہہ کر بتایا یعنی جو اس کے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اور شیطان جن سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ چاہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ، ثُمَّ يَقُولُ: "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرَكَ"، ثُمَّ يَقُولُ: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ" ثَلَاثًا، ثُمَّ يَقُولُ: "اللهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا" ثَلَاثًا "أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ، وَنَفْخِهِ، وَنَفْثِهِ" (سنن ابوداود، کتاب الصلاۃ: ۷۷۵، صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ، وَنَفْخِهِ، وَنَفْثِهِ"

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾

جو لوگ پرہیز گار ہیں جب اُن کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔ (۲۰۱)

﴿طٰٓئِفٌ﴾ اس کی ایک قرأت "طَیۡفٌ" بروزن "ضَیۡفٌ" ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں انہیں جب کوئی شیطانی خیال آچھوتا ہے تو وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں پس اسی وقت سوجھ بوجھ والے ہوجاتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں چند فوائد ہیں:

(۱) ﴿مَسَّہُمۡ﴾ سے معلوم ہوا کہ اصل حالت تو ان کی یہی ہے کہ ایسے وساوس سے محفوظ رہتے ہیں، اگر کبھی مس (چھونا) ہوتا ہے تو اتفاقاً ہوتا ہے اس میں ان کے ایمان کو بتلانا منظور ہے جو ان کے قلب میں ودیعت کیا گیا ہے، اگر وہ ہمیشہ وساوس میں گرفتار رہتے تو یوں نہ فرمایا جاتا کہ "جب ان کو خیال چھوتا ہے" اس فرمان سے معلوم ہوا کہ پہلے نہ تھا پھر آچھوا۔

(۲) ﴿اِذَا مَسَّہُمۡ﴾ فرمایا جس میں مس کے معنی ہیں چھونا، "اَمۡسَکَہُمۡ" یا "اَخَذَہُمۡ" نہیں فرمایا جس کے معنی ہیں

پکڑنا کیونکہ مس کہتے ہیں چھو لینے کو، جس میں ثبات و امتداد نہیں ہوتا ہے، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خیال شیطانی ان کے دل میں جمنے نہیں پاتا بلکہ یوں ہی ذرا سا چھو جاتا ہے، کافروں کی طرح ان کو پکڑ نہیں سکتا، وجہ یہ کہ شیطان، کفار پر تو غالب ہے اور اہل ایمان کے قلوب سے استغفار و ذلت و احتیاج الی اللہ کے لشکر اٹھتے ہیں تو شیطان جو اہل ایمان کے قلوب سے لے کر بھاگا تھا، جس وقت عقل جو قلب کی پہرہ دار ہے ذرا سو جاتی ہے، سب اس سے واپس چھین لیتے ہیں۔

(۳) ﴿طٰٓئِفٌ﴾ لفظ فرمانے میں اشارہ ہے کہ جو قلوب ہمیشہ بیدار رہتے ہیں شیطان ان میں نہیں آ سکتا کیونکہ طیف سونے میں ہوتا ہے جو کبھی قلوب میں غفلت طاری ہونے سے ہو جاتا ہے اور جو سوتا نہیں اس کے پاس طیف بھی نہیں آتا۔

(۴) ﴿طٰٓئِفٌ﴾ فرمایا اور مَسَّهُمْ وَارِدٌ نہیں فرمایا یا اس کا کوئی ہم معنی لفظ نہیں فرمایا کیونکہ طیف کو ثبات اور وجود واقعی نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف ایک بے حقیقت صورت مثالیہ ہوتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بتلایا کہ اس سے اہل تقویٰ کو ضرر نہیں ہوتا کیونکہ شیطان نے جس چیز کو وارد کیا ہے وہ مثالِ طیف یعنی صورت خیالی کی سی ہے جسے وہ خواب میں دیکھتے ہیں، جب جاگ اٹھے تو اس کا وجود نہیں ہوتا۔

(۵) ﴿تَذَكَّرُوْا﴾ فرمایا ﴿ذَكَرُوْا﴾ نہیں فرمایا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ غفلت کو خالی ذکر دفع نہیں کرتا جب تک کہ دل متوجہ نہ ہو، البتہ تذکر (نصیحت کو قبول کرنا) اور اعتبار (عبرت پکڑنا) اس غفلت کو دفع کرتا ہے خواہ ذکر بھی نہ ہو، وجہ یہ ہے کہ ذکر کا محل تو زبان ہے اور تذکر کا محل قلب ہے اور طیف کا ورود قلب پر ہوا نہ کہ زبان پر، تو اس کو دفع کرنے والی چیز قلب میں ہونی چاہئے کہ اس کے اثر کو مٹا دے اور وہ تذکر ہے۔

(۶) ﴿تَذَكَّرُوْا﴾ کا معمول حذف کر دیا، یوں نہیں فرمایا "تَذَكَّرُوا الْجَنَّةَ أَوْ تَذَكَّرُوا النَّارَ وَالْعُقُوْبَةَ" یا اس کے مثل کوئی اور چیز، اس حذف میں بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ تذکر جو طیف کو اہل تقویٰ کے قلوب سے مٹاتا ہے وہ یقین کے مراتب کے اعتبار سے ہے، مرتبہ تقویٰ میں انبیاء، مرسلین، اولیاء، صدیقین، صالحین اور مسلمین سب داخل ہیں، مگر ہر ایک کا تقویٰ اس کے حال و مقام کے لائق ہے، ایسے ہی ہر ایک کا تذکر اس کے مقام کے مناسب ہے، اگر تذکر کی کسی خاص قسم کا ذکر فرماتے تو صرف اسی قسم والے اس میں داخل ہوتے مثلاً اگر یوں فرماتے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ تو جو لوگ ثواب سے تذکر حاصل کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے اور اگر فرماتے تَذَكَّرُوْا سَابِقَ الْاِحْسَانِ، تو جو لوگ پہلے کے احسان کو یاد کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے "وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ"۔ پس اللہ تعالیٰ نے "تَذَكَّرُوْا" کا کوئی معمول ذکر نہیں فرمایا تاکہ تمام مراتب کو شامل ہو جائے۔

(۷) ﴿تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ فرمایا۔ یوں نہیں کہا "تَذَكَّرُوْا فَاَبْصَرُوْا" یا "تَذَكَّرُوْا ثُمَّ اَبْصَرُوْا" یا "تَذَكَّرُوْا وَاَبْصَرُوْا" پس واؤ سے تو اس لیے تعبیر نہیں فرمایا کہ اس سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ یہ ابصار (بصیرت) تذکر کے سبب سے ہوا، حالانکہ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ تذکر کے سبب سے ابصار ہوا تاکہ لوگوں کو اس کی رغبت ہو، اور ثُمَّ اس لیے نہیں لائے کیونکہ اس میں ایک تو وہی بات ہے جو واؤ میں مذکور ہوئی کہ سببیت معلوم نہ ہوتی، دوسرے اس سے مقصود

Scanned by CamScanner

الٹ جاتا کیونکہ ثُمَّ کے مفہوم میں مہلت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ان کا ابصار، تذکر سے تاخیر نہیں کرتا، بلکہ تذکر کے ساتھ فوراً ابصار ہے، اور صرف فاء اس وجہ سے نہیں لائے کہ وہ تعقیب کو مقتضی ہے، یعنی فاء میں ترتیب کے ساتھ کسی چیز کے فوراً ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے، یہ بھی خلاف مقصود ہے۔ بلکہ فاء کے ساتھ اذا لایا گیا اور یوں فرمایا گیا ﴿فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ گویا متقی لوگ ہمیشہ سے صفت ابصار (بصیرت کی صفت) پر رہے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا ہے اور ان پر اپنے کثرتِ احسان کو ظاہر فرماتا ہے، مثلاً عربی میں یوں کہو تَذَكَّرَ زَيْدٌ الْمَسْئَلَةَ فَإِذَا هِيَ صَحِيْحَةٌ یعنی زید کو مسئلہ یاد آیا تو وہ صحیح نکلا، مراد یہ ہے کہ پہلے ہی سے صحیح تھا اور اب بھی، جب وہ معلوم ہوا تو صحیح تھا، ایسے ہی اہل تقویٰ پہلے ہی سے اہل ابصار (بصیرت والے) ہیں مگر طیفِ ہویٰ (خواہش نفسانی کا وسوسہ) کے وارد ہونے نے ان کی بصیرت کو جس کا نور ان کے دل میں جاگزیں (موجود) ہے، چھپا ڈالا تھا، پس وہ ابر غفلت (غفلت کا بادل) ہٹ گیا اور آفتاب بصیرت چمک اٹھا۔

(۸) اس آیت میں اور ایسے مضمون کی جتنی آیتیں قرآن میں ہیں ان میں اہل تقویٰ پر بڑی وسعت ہے اور اہل ایمان کے ساتھ بڑا لطف (مہربانی) ہے کیونکہ اگر یوں فرمایا جاتا ''اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا لَا يَمَسُّهُمْ طَيْفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ'' تو مطلب یہ ہوتا کہ اہل تقویٰ کو کبھی شیطانی خیال لگتا ہی نہیں، تو سوائے معصوموں (انبیاء اور ملائکہ) کے سب خارج ہو جاتے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے دائرۂ رحمت کو وسیع کرے اس لیے یوں فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ تا کہ معلوم ہو جائے کہ متقین کے دلوں پر طیف کا آنا انہیں متقین کے دائرے سے خارج نہیں کرتا، جبکہ وہ جلدی سے تذکر (یاد کرنا) کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف تبصّر (بصیرت) کے ساتھ رجوع کریں اور وسعت ورجاء میں اسی آیت کے مماثل دوسری آیت یہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ:۲۲۲) یوں نہیں فرمایا ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ لَا يُذْنِبُوْنَ'' کہ اللہ گناہ نہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے کیونکہ اگر ایسا فرمایا جاتا تو تھوڑے سے لوگ داخل ہوتے، اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ بندوں کی ترکیب میں غفلت رکھی گئی ہے اور خلاف ورزی، مادۂ انسانی کا مقتضی ہے، اور خود اللہ فرماتا ہے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (سورۂ نساء:۲۸)

بعض اہل علم نے اس کی یوں تفسیر کی ہے کہ غلبۂ شہوت کے وقت انسان کو اپنے اوپر اختیار نہیں رہتا اور یہ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾ (سورۂ نجم:۳۲) یعنی اللہ تعالیٰ تم کو خوب جانتا ہے جس وقت اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا۔ اور جب کہ تم ماں کے پیٹ میں بچے تھے۔ چونکہ اسے معلوم تھا کہ انسان پر خطا غالب ہے اس لیے بابِ توبہ (توبہ کا دروازہ) کو کشادہ فرمایا اور لوگوں کو اس کی راہ بتلائی اور وعدہ فرمایا کہ وہ توبہ کریں گے تو قبول کرے گا اور رجوع ہوں گے تو وہ متوجہ ہوگا۔ ''عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ'' (سنن ابن ماجہ، کتاب

الزہد:۴۲۵۱، حسن) نبی کریم ﷺ نے یہ بات بتلادی کہ خطا تیرے وجود کو لازم ہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۝﴾ (آل عمران:۱۳۵) ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ کہا یعنی وہ لوگ جو کوئی گناہ کریں، یوں نہیں فرمایا ''وَالَّذِیْنَ لَایَعْمَلُوْنَ الْفَاحِشَةَ'' یعنی وہ بالکل گناہ نہیں کرتے اور فرمایا ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ﴾ (سورۂ شوریٰ:۳۷) یعنی جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں، یوں نہیں فرمایا ''وَالَّذِیْنَ لَاغَیْظَ لَهُمْ'' یعنی جن کو غصہ نہیں آتا، یہ کھلے اسرار ہیں اور یقینی امور ہیں۔

(۹) **متذکرین کے مراتب کا بیان**: تذکر ایک مفہوم عام ہے جب اس کو کسی معمول کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو وہ اپنی تمام جزئیات کو شامل ہوگیا۔ جاننا چاہئے کہ اہل تقویٰ کو جب کوئی شیطانی خیال آلپٹتا ہے تو تقویٰ ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اصرار نہیں کرنے دیتا، بلکہ ان کا تذکر یعنی یادداشت ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر لاتا ہے اور ان کے تذکر کی کئی قسمیں ہیں، بعض لوگ ثواب کو یاد کر لیتے ہیں، بعض لوگ عتاب کو، بعض لوگ حساب کو، بعض لوگ ترک معصیت (گناہ کا چھوڑنا) کے بڑے ثواب کو، بعض لوگ گزشتہ احسان کو یاد کر کے نافرمانی سے شرما جاتے ہیں، بعض لوگ مابعد کے احسان کو یاد کر کے اس کے عوض کفران (ناشکری) کرتے ہوئے شرما جاتے ہیں، بعض لوگ اللہ کا قرب یاد کرتے ہیں، بعض لوگ اللہ کے محیط ہونے کو یاد کرتے ہیں، بعض لوگ اللہ کے دیکھنے کو یاد کر لیتے ہیں، بعض لوگ اللہ کے عہد کو یاد کر لیتے ہیں، بعض لوگ لذت گناہ کے فانی ہوجانے اور اس کے مواخذے کے باقی رہ جانے کو یاد کر لیتے ہیں، بعض لوگ نافرمانی کے وبال و رسوائی کو یاد کر کے اسے ترک کر دیتے ہیں، بعض لوگ فرمانبرداری کے فوائد وعزت کو یاد کر کے اس راہ پر چلتے ہیں، بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی قیومیت کو یاد کرتے ہیں، بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت وسلطنت کو یاد کر لیتے ہیں، علی ھذا القیاس جن جن چیزوں سے تذکر متعلق ہوسکتا ہے اور ان کا حصر نہیں ہے، ہم نے اتنا بھی اس واسطے کہہ دیا کہ اہل تقویٰ کے احوال سے تجھ کو کچھ مناسبت ہو اور اہل بصیرت کے مقامات پر کچھ آگاہی ہو۔

(۱۰) ہوسکتا ہے کہ آیت میں طیف سے مراد وسوسہ وخطرۂ نفسانی ہو جو شیطان کے القاء سے آجاتا ہے اور تقریر گزشتہ میں طیف سے مراد صورتِ خیالیہ تھی جو خواب میں نمودار ہوتی ہے، اس خطرے کو طیف اس وجہ سے کہا گیا کیونکہ وہ قلب کے اردگرد طواف کرتا ہے، دوسری قرأت ﴿اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ﴾ میں طائف بروزن خائف سے اس کی تائید ہوتی ہے، پس ایک قرأت دوسرے کی مفسر بن جائے گی، یہ طائف (وسوسہ) قلب کے گرد گھومتا ہے۔ اور اگر دیوارِ یقین کے کسی رخنہ سے اس کو راستہ مل گیا تو اندر گھس جاتا ہے ورنہ واپس چل دیتا ہے اور مقامات یقین اور نورِ یقین کی مثال ایسی ہے جیسے شہر پناہ کی دیواریں جو شہر وقلعہ کو گھیرے ہوئے ہوتی ہیں اور جس نے مقامات یقین کو جو قلعہ کے اردگرد نوری احاطے کی طرح ہیں، درست کر لیا۔ اس شخص تک شیطان کی رسائی نہیں ہوتی اور اس کے گھر میں کہیں شیطان کا ٹھکانہ نہیں، کیا تم نے اللہ کا فرمان ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ (سورۃ اسراء:۶۵) نہیں سنا۔

Scanned by CamScanner

وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنالی؟ کہہ دیجئے کہ میں تو اُسی حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی جانب سے دانش وبصیرت اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ (۲۰۳)

﴿وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا﴾

مذکورہ دو آیتوں میں سے ایک میں ایک اصولی جواب دیا گیا ہے کہ پیغمبر کا معجزہ اس کی رسالت کی ایک شہادت اور ثبوت ہوتا ہے اور جب مدعی کا دعویٰ کسی معتبر شہادت سے ثابت ہو جائے اور فریق مخالف نے اس پر جرح نہیں کی تو اس کو دنیا کی کسی عدالت میں یہ حق نہیں دیا جاتا کہ وہ مدعی سے مطالبہ کرے کہ وہ فلاں فلاں مخصوص لوگوں کی شہادت پیش کرے تو ہم مانیں گے، اس لیے واضح معجزات دیکھنے کے بعد مخالفین کا یہ کہنا کہ فلاں معجزہ دکھاؤ تو ہم آپ کو رسول مانیں گے ایک معاندانہ مطالبہ ہے جسے کوئی عدالت تسلیم نہیں کرتی۔

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ﴾ قرآن بصائر (بینائی) ہے، گویا قرآن، توحید، نبوت، آخرت، انبیائے گزشتہ، فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے احوال کا آئینہ ہے، قرآن کو بصائر کہنا "تَسۡمِيَةُ السَّبَبِ بِاسۡمِ الۡمُسَبَّبِ" (سبب کو مسبب کا نام دینا) کی قبیل سے ہے۔

قرآن صاحب عین الیقین کے لیے بصائر، صاحب علم الیقین کے لیے ہدایت اور عامۃ المسلمین کے لیے رحمت ہے۔ چونکہ تینوں فریق مومن تھے لہٰذا سب کے لیے ﴿لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ﴾ کہا۔

وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۲۰۴)

﴿تُرۡحَمُوۡنَ﴾ کیوں اس سے پہلے والی آیت میں یہ کہا ہے کہ قرآن سب مومنوں کے لیے رحمت ہے، لہٰذا سنو۔

سوال: کیا نماز تراویح میں کوئی شخص امام کے پیچھے قرآن دیکھ سکتا ہے؟

جواب: یہ مناسب نہیں، کیونکہ یہ ﴿فَاسۡتَمِعُوۡا﴾ کے خلاف ہے۔

اب اللہ کو یاد کرنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے، اس کے بارے میں تین باتیں ارشاد ہوئیں:

وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ فِىۡ نَفۡسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيۡفَةً وَّدُوۡنَ الۡجَـهۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ وَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ﴿۲۰۵﴾

Scanned by CamScanner

اور اپنے رب کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے، پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور (دیکھنا) غافل نہ ہونا۔(۲۰۵)

صبح و شام کے اوقات میں خصوصی ذکر بڑی اہمیت رکھتا ہے، ان اوقات میں رحمت الٰہی انسان کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس آیت کے مطابق ذکر کے کچھ آداب ہیں مثلاً محض رٹا لگایا جانا بے سود مشق ہے، زبان ہلے اسی وقت دل میں تضرع اور خوف کی کیفیت رہے، زبان ہلے تھوڑی آواز بھی ہو، ذکر (لسان) کے ساتھ تضرع (قلب)، خفیہ (آہستہ) ''دون الجھر'' (ہونٹ ہلیں بند نہ رہیں) بھی ہو۔

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا﴾-﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا﴾ ذکر اور دعا دونوں کے ساتھ تضرع تذلل اور انکسار، اللہ کے سامنے گڑگڑانا) کو جوڑ دیا گیا ہے۔ یہ اشارہ ہے کہ ذکر اور دعا کی روح، تضرع ہے۔

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا ذریعہ اللہ کو یاد کرنا ہے، اس کے تین طریقے ہیں:

(۱) فروتنی اور خوف

(۲) اگر قول یعنی زبان سے ذکر ہو تو ﴿دُوْنَ الْجَهْرِ﴾ ہو یعنی آواز بہت اونچی نہ ہو کیونکہ اس میں ریاکاری کا امکان رہتا ہے۔ ذکر کے لیے تسبیح کے دانے گھمانے کا طریقہ غیر اقوام سے لیا گیا ہے۔ تسبیح گھمانے سے ذکر کم، ذکر کی نمائش زیادہ ہوتی ہے۔

(۳) اللہ کی یاد سے غفلت نہ ہو ﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾

﴿خِيْفَةً﴾ ڈر ہو، کہیں اپنی تقصیر عبادت کا، کہیں اللہ کی بے نیازی کا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب کے پاس ہیں وہ اُس کی عبادت سے رُوگردانی نہیں کرتے اور اس پاک ذات کو یاد کرتے اور اس کے آگے سجدے کرتے رہتے ہیں۔(۲۰۶)

فرشتے معصوم ہیں پھر بھی وہ تکبر نہیں کرتے۔ تسبیح و سجدہ میں مشغول رہتے ہیں تو تمہیں تو بدرجۂ اولیٰ اس میں مشغول ہونا چاہیے۔

﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ صبح و شام، ان دو اوقات میں کائنات میں ایک تغیر ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

سورۃ الأنفال (مدنیة)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) مجاہد لوگ آپ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے) کہہ دیجئے کہ غنیمت اللہ اور اُس کے رسول کا مال ہے تو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو۔(۱)

اتفاق واتحاد کی بنیاد

باہمی تعلقات کی خوشگواری کے لیے تدبیر بتائی گئی ہے، تجربہ شاہد ہے کہ تقویٰ (خوف الٰہی) ہو تو بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

ایمان کا تقاضا ہے اطاعت، اور اطاعت نتیجہ ہے تقویٰ کا، اور جب یہ چیزیں لوگوں کو حاصل ہو جائیں تو آپس کے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے (یعنی تقویٰ ہوگا تبھی آدمی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ②

مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیتیں

Scanned by CamScanner

پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔(۲)

پانچ صفات کے حاملین پکے مومن:

(۱) اللہ کے ذکر پر دل کا دھڑکنا۔ (۲) تلاوتِ قرآن پر ایمان کا بڑھنا۔

(۳) اپنے رب پر توکل۔ (۴) نماز قائم کرنا۔ (۵) صدقہ وخیرات کرنا۔

ایمان کا تعلق قلب سے ہے، نماز کا تعلق بدن سے ہے اور انفاق کا تعلق مال سے ہے۔ ان صفات پر تین انعامات کا وعدہ ہے۔(۱) درجات کی بلندی (۲) مغفرت (۳) عزت کی روٹی۔

﴿وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا﴾ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے کتاب الایمان میں ایک باب باندھا ہے "بَابُ قَوۡلِ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الۡاِسۡلَامُ عَلٰی خَمۡسٍ وَھُوَ قَوۡلٌ وَفِعۡلٌ وَیَزِیۡدُ وَیَنۡقُصُ "منعقد کر کے قرآن کی آٹھ آیات سے ثابت کیا ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔

اِذۡ يُغَشِّيۡكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ وَيُذۡهِبَ عَنۡكُمۡ رِجۡزَ الشَّيۡطٰنِ وَلِيَرۡبِطَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ وَيُثَبِّتَ بِهِ الۡاَقۡدَامَ ؕ﴿۱۱﴾

جب اُس نے (تمہاری) تسکین کے لیے اپنی طرف سے تمہیں نیند (کی چادر) اُڑھادی اور تم پر آسمان سے پانی برسادیا تاکہ تمہیں اُس سے (نہلا کر) پاک کردے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کردے اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔(۱۱)

اصحابِ بدر پر انعاماتِ الٰہی:

﴿اِذۡ يُغَشِّيۡكُمُ النُّعَاسَ﴾

(۱) پہلی رات گہری نیند طاری کردی جس سے انہیں سکون مل گیا۔

(۲) اللہ نے بارش بھیج دی جس سے ریتیلی زمین دب گئی۔

(۳) شیطان کا وسوسہ جاتا رہا کہ مسلمان ریتیلی زمین پر جنگ کیسے کریں گے۔ پوشیدہ انعام یہ تھا کہ اللہ نے فرشتوں کو بتایا کہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہوں اس لیے تم انہیں ثابت قدم رکھنے کی کوشش میں لگے رہو۔

وَمَنۡ يُّوَلِّهِمۡ يَوۡمَٮِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاۡوٰٮهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۶﴾

اے اہلِ ایمان! جب میدانِ جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو اُن سے پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص

Scanned by CamScanner

جنگ کے روز اس صورت کے سوا کہ لڑائی کے لیے کنارے کنارے چلے (یعنی حکمتِ عملی سے دشمن کو مارے) یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہے اُن سے پیٹھ پھیرے گا تو (سمجھو کہ) وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ (۱۶)

﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ﴾ حق داؤ پر لگا ہو تو بھاگنا حرام ہے: اسلام اور غیر اسلام کا تصادم میدان جنگ تک پہنچ جائے یہ آخری فیصلہ کا وقت ہوتا ہے اگر ایسے موقع پر کوئی بھاگے تو گویا حق کے مقابلے میں اس نے اپنی ذات کو اہم سمجھا۔ نیز ایک کے بھاگنے سے بھگدڑ مچ جاتی ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

(کافرو) اگر تم (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) فتح چاہتے ہو تو تمہارے پاس فتح آ چکی (دیکھو) اگر تم (اپنے افعال سے) باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر پھر (نافرمانی) کرو گے تو ہم بھی پھر (تمہیں عذاب) کریں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور اللہ تو مومنوں کیساتھ ہے۔ (۱۹) اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو اور اُس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو۔ (۲۰)

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اللہ کا تمہارے ساتھ ہونا تمہارے نام کے مسلمان ہونے اور کہلانے سے نہیں بلکہ ان شرائط کے ساتھ ہے:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾

(۱) اللہ کی اطاعت (۲) رسول کی اطاعت (۳) رسول کا حکم سن کر روگردانی نہ کرو۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق بخشتا اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت کے) سماعت دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے۔ (۲۳)

﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ﴾ جن کے پاس طلب حق نہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں۔ اگر ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ضرور اللہ کے علم میں ہوتی۔ تو ایسوں کو اللہ سماع وقبول کی توفیق نہیں دیتا۔

Scanned by CamScanner

﴿لَاَسْمَعَهُمْ﴾ سننے کے چار درجے:

(۱) کانوں سے سنا مگر اس کو سمجھنے کی کوشش کی، نہ اعتقاد کیا، نہ عمل کیا۔

(۲) کانوں سے سنا اور سمجھا مگر اعتقاد و عمل نہ کیا۔

(۳) سنا، سمجھا، اعتقاد بھی کیا، مگر عمل نہ کیا۔

(۴) سنا سمجھا، اعتقاد کیا اور عمل بھی کیا۔ ظاہر ہے سننے کا مقصد چوتھے درجے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

مومنو! اللہ اور اُس کے رسول کا حکم قبول کرو جب کہ رسول اللہ تمہیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو تمہیں (جاوداں) زندگی بخشتا ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اُس کے رُوبرو جمع کیے جاؤ گے۔ (۲۴)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلائیں تو نماز توڑ کر حاضر ہونا چاہیے، والدین کے بلانے پر بھی یہی حکم ہے، جریج اور اُمّ جریج کا واقعہ اس پر دال ہے۔ مگر یہ حکم نفلی نمازوں کا ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾

ایک طرف انسان ہے دوسری طرف اس کا دل ہے، دونوں کے درمیان اللہ حائل ہے، معلوم ہوا کہ دل محض انسانی جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہی نہیں بلکہ ایک الگ وجود ہے۔ اب آہستہ آہستہ بعض سائنسداں یہ ماننے لگے ہیں کہ دل انسان کے اندر ایک ایسا وجود ہے جو دماغ کی طرح فیصلے کرتا ہے اور اس کا اپنا ایک شعور بھی ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور اُس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کیساتھ اُنہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں گنہگار ہیں اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (۲۵)

اس آیت میں ایسے گناہ سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے جس کا عذاب صرف گناہ کرنے والوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ ناکردہ گناہ لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، وہ گناہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جدوجہد ترک کردینا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾
وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

Scanned by CamScanner

اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔ (۲۷) اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے۔ (۲۸)

خیانت کا سبب:

اولاد یا مال کی محبت ہوتی ہے اس لیے اس کو فتنہ قرار دیا۔

اسلامی جد وجہد کا نشانہ معاشی مفاد نہیں ہوتا بلکہ اس کا نشانہ باطل کی قوت توڑنا ہوتا ہے۔

فتنہ تین معنوں میں آیا ہے:

(۱) امتحان (۲) عذاب (۳) ایسی چیز جو عذاب کا سبب بنے:

(۱) امتحان مال (نعمت) پاکر شکر گذار بنا یا ناشکرا۔

(۲) مال و اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ سے غافل ہوا تو سبب عذاب بنا۔

(۳) اولاد و مال کی وجہ سے راتوں کی نیند اُڑ جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی تمہیں ممتاز کر دے گا) اور تمہارے گناہ مٹا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (۲۹)

﴿فُرْقَانْ﴾ ایک خاص نعمت و صلاحیت ہے جس کی وجہ سے ہر چیز کے مثبت و منفی پہلو جاننے کی صلاحیت مل جاتی ہے، یہ ایک کسوٹی ہے جو کھرے اور کھوٹے کو انسان کے سامنے عیاں کر دیتی ہے، ایسے لوگوں کو شیطان کے لیے دھوکا دینا مشکل ہو جاتا ہے خواہ شیطان کا دام کیسا ہی ہمرنگ زمین ہو۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔ (۳۲)

﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ﴾

نکتہ: کفار خود کو حق پر سمجھ کر لڑنے آئے تھے وہ پورے اخلاص کے ساتھ باطل کی حمایت کیا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ نرا اخلاص کافی نہیں جب تک عمل کا رخ درست نہ ہو۔

Scanned by CamScanner

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک تم اُن میں تھے اُنہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور اُنہیں عذاب دے۔ (۳۳)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ إِبْلِيسَ قَالَ لِرَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ: وَعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ لَا أَبْرَحُ أُغْوِي بَنِي آدَمَ مَا دَامَتِ الْأَرْوَاحُ فِيهِمْ، فَقَالَ لَهُ رَبُّهُ عَزَّ وَجَلَّ: فَبِعِزَّتِي وَجَلَالِي لَا أَبْرَحُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُونِي" (مسند احمد: ۱۱۲۴۴، حسن)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابلیس نے اپنے رب سے کہا تیری عزت وجلال کی قسم میں بنی آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں جان ہے، تو اس کے رب نے فرمایا میری عزت اور جلال کی قسم میں انہیں بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اس سے نبی کی فضیلت معلوم ہوئی کہ جب تک نبی موجود ہیں عذاب نہیں آتا ہے، کافروں پر بھی۔ اس طرح آپ ان کے لیے بھی رحمت ہوئے اور نبی جب دنیا سے چلے گئے تو اب عذاب سے بچنے کا راستہ، استغفار ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں او[ر] تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی تو تم جو کفر کرتے تھے اس ک[ے] بدلے عذاب (کا مزہ) چکھو۔ (۳۵)

﴿مُكَآءً﴾ [سی]ٹی بجانا ﴿تَصْدِيَةً﴾ تالی بجانا۔ ان دونوں لفظوں کے مفہوم کو وسعت دی جائے تو ان میں ہر قسم کے رقص و سرود (گانا [بجانا]) آجاتے ہیں۔

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً﴾ تالیاں بجانا، ناچنا جیسا کہ آج کل جاہل صوفیا آستانوں میں رقص [ک]رنا عبادت سمجھتے ہیں۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

تاکہ ال[لہ تع]الیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر ایک ڈھیر بنا دے پھر اُس کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔ (۳۷)

دنیا میں مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، کہربا گھاس کو کھینچتا ہے۔ سائنسی تجربات کے مطابق دنیا کا نظام ہی باہمی کشش پر قائم ہے اسی طرح اعمال واخلاق میں بھی کشش ہے ایک برا عمل دوسرے برے عمل کو کھینچتا ہے اور ایک اچھا عمل دوسرے

Scanned by CamScanner

اچھے عمل کو کھینچتا ہے اسی طرح مال خبیث مال خبیث کو کھینچتا ہے پھر مال خبیث آثار خبیثہ پیدا کرتا ہے۔ تو قیامت کے دن یہ مال والے بڑے خسارے میں پڑ جائیں گے، شیطان کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال شیطان خبیث کے ساتھ ہوگا، اللہ گندگی کو پاکیزگی سے چھانٹ دے اور ہر قسم کی گندگی کو ملا کر اکٹھا کر دے پھر اس پلندے کو جہنم میں ڈال دے۔

اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اہل کفر اس دنیا میں تائید کفر میں ایک دوسرے کے پشت پناہ ہیں اسی طرح جہنم میں بھی ایک دوسرے کو جلانے کے لیے ایندھن کا کام دیں گے، کوڑے کرکٹ کو جلانا ہو تو یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ سب کو جمع کر کے تہ بہ تہ رکھا جاتا ہے پھر اس میں آگ لگا دی جاتی ہے اور جمع شدہ انبار کا ہر حصہ دوسرے حصے کو جلانے میں مددگار بن جاتا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾

(اے پیغمبر!) کفار سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ اُنہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر (وہی حرکات) کرنے لگیں گے تو اگلے لوگوں کا (جو) طریق جاری ہو چکا ہے (وہی اُن کے حق میں برتا جائے گا) (۳۸)

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ﴾ قبولِ اسلام اور سود وغیرہ سے توبہ پر معافی کا اعلان۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣٩﴾

اور اُن لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے اور اگر باز آ جائیں تو اللہ اُن کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ (۳۹)

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ اسلام ابھی زیادہ پھیلا ہی نہیں تھا اور مسلمانوں کو دین کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا کر کے قتل کر دیا جاتا تھا یا گرفتار کر لیا جاتا تھا، اب اسلام پھیل گیا ہے تو اب یہ فتنہ باقی نہیں رہا۔ امام زھری رحمہ اللہ علیہ کے حوالے سے ہے کہ کسی مومن کو اس کے دین سے برگشتہ نہ کیا جائے۔

قتال کا مقصد ہے کہ اہل اسلام مطمئن ہو کر اللہ کی عبادت کر سکیں اُنہیں زبردستی مرتد نہ بنایا جائے یہاں فتنہ سے مراد Persecution یعنی مسلمانوں کو بالجبر اسلام سے روکنا ہے۔ ﴿كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ یہ حکم اصلاً سرزمین حرم کے لیے ہے۔ ایک مقصد قتال کا یہ ہے کہ فتنہ ختم ہو جائے دوسرا یہ کہ دین تمام تر (سرزمین حرم پر) اللہ کا ہو جائے۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٤٠﴾

اور اگر رُوگردانی کریں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے (اور) وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔ (۴۰)

﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ مَوْلٰی - عربی زبان میں ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی تعلق کی بنا پر دوسرے شخص کی حمایت کرے، قطع نظر اس سے کہ وہ رشتہ داری کا تعلق ہو یا دوستی کا۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۱۰

سورۃ الأنفال

(آیت: ۴۱ تا ۷۵)

سورۃ التوبۃ

(آیت: ۱ تا ۹۳)

مُجمّع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد الہند

Scanned by CamScanner

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی
وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی
عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۱﴾

جان لو کہ تم جس قوم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو اسی میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے۔ اور اس کے رسول کا اور اہلِ قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے، اگر تم اللہ پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ بدر میں)، جس دن دونوں فوجوں میں مدبھیڑ ہوگئی، اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴۱)

مال غنیمت کی تقسیم:

پانچواں حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا، پھر پانچویں حصے کو پانچ حصوں میں بانٹا گیا ہے:
(۱) نبی کے اوپر (۲) رشتہ داروں پر (۳) یتیموں پر (۴) مسکینوں پر (۵) مسافروں پر
مال غنیمت کے بقیہ چار حصے لشکر پر تقسیم کر دیئے جائیں گے، سوار کو دو حصہ پیدل کو ایک حصہ۔
موانع ارث چار ہیں: (۱) قتل (۲) اختلاف دین (۳) ناجائز بچہ صرف ماں کا وارث ہوگا (۴) غلامی۔
تقسیم ترکہ: (۱) کفن دفن (۲) ادائے قرض (۳) اجراء وصیت - ان تینوں کے بعد ترکہ تقسیم ہوگا۔
اسباب وراثت: (۱) نسبی رشتہ (۲) نکاح (۳) ولاء - آزاد کردہ غلام کا کوئی وارث نہ ہو تو آزاد کنندہ وارث ہوگا۔

اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الدُّنۡیَا وَهُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الۡقُصۡوٰی وَالرَّکۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ ؕ وَلَوۡ
تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِی الۡمِیۡعٰدِ ۙ وَلٰکِنۡ لِّیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ۬ۙ لِّیَهۡلِکَ
مَنۡ هَلَکَ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ وَّیَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۴۲﴾

جس وقت تم (مدینے سے) قریب کے ناکے پر تھے اور کافر بعید کے ناکے پر اور قافلہ تم سے نیچے (اتر گیا) تھا اور اگر تم (جنگ کیلئے) آپس میں وعدہ کر لیتے تو وقت معین (پر جمع ہونے) میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی لیکن اللہ کو منظور تھا کہ جو کام ہو کر رہنے والا تھا اسے کر ہی ڈالے تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ (۴۲)

﴿لِّیَهۡلِکَ مَنۡ هَلَکَ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ وَّیَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ﴾

بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کے باوجود فتح ہوئی تاکہ جو ایمان پر زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے کہ اسلام

Scanned by CamScanner

ہی حق ہے۔ کیونکہ بدر میں اس کی حقانیت کا مشاہدہ ہو چکا اور جو کفر کے ساتھ ہلاک ہو وہ بھی دلیل کے ساتھ، کیونکہ واضح ہو چکا کہ مشرکین کا راستہ گمراہی کا ہے۔

جس کو جو فیصلہ کرنا ہو (حق کی حمایت کا یا باطل کی حمایت کا) وہ باقاعدہ دلیل کی بنیاد پر کرے۔ یعنی اتمام حجت ہو اور کسی کے لیے عذر کا موقع نہ رہے اس کے بعد اگر کوئی کافر رہے تو دلیل دیکھ کر کافر رہے اور ہلاکت میں پڑے۔ اور جو کوئی مسلمان ہو تو وہ بھی دلیل دیکھ کر مسلمان ہو۔ اور جو اسلام لانا چاہے وہ اس یقین کے ساتھ ایمان لائے کہ یہی دین برحق ہے۔ ناسماعد حالات کے باوجود اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی تاکہ اب اسلام کو نہ قبول کرنے کی کوئی حجت کسی کے پاس نہ رہے جو کفر پر ہلاک ہوا سے پہلے سے معلوم رہے کہ وہ جان بوجھ کر استکبار کی راہ اختیار کر رہا ہے اور کفر پر مر رہا ہے۔

وَاِذۡ يُرِيۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَيۡتُمۡ فِىۡۤ اَعۡيُنِكُمۡ قَلِيۡلًا وَّيُقَلِّلُكُمۡ فِىۡۤ اَعۡيُنِهِمۡ لِيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴۴﴾

اور اس وقت جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو اُن کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا تاکہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا اُسے کر ڈالے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ (۴۴)

﴿وَاِذۡ يُرِيۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَيۡتُمۡ﴾

اور جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو اللہ نے مسلمانوں کی نگاہوں میں دشمن کی تعداد کم کر دی تاکہ انہیں مزید تقویت حاصل ہو اور کافروں کی نگاہوں میں مسلمانوں کو کم دکھایا تاکہ ان کی جنگ پر آمادگی میں اضافہ ہو جائے اور جنگ چھڑ گئی تو اللہ نے اچانک مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نگاہوں میں دوگنی کر دی تاکہ ان پر ہیبت طاری ہو جائے۔

بوقت مقابلہ مسلمانوں کی نظر میں کفار کو کم کر کے دکھانے کے مقاصد:

(۱) تاکہ نبی ﷺ کا خواب اور آپ ﷺ کا فرمودہ غلط نہ نکلے۔ (۲) تاکہ مسلمانوں کو جرأت ہو، مرعوب نہ ہوں۔

کافروں کی نگاہ میں مسلمانوں کی تعداد کم کر کے دکھانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر ان کو مسلمان زیادہ دکھائی دیتے تو وہ بھاگ جاتے اور مقابلہ ہی نہ ہوتا، مگر ﴿لِيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا﴾ کہ ایک بات مقدر ہو چکی تھی۔ رات دن دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ کسی کو اللہ کوئی چیز اچھی کر کے دکھاتا ہے اور اُسی چیز کو دوسرے کی نظر میں مکروہ بنا دیتا ہے۔ جس قوم کا خاتمہ چاہتا ہے ان کی نظر میں مخالف کو کمزور دکھاتا ہے۔ پھر مخالف کو ان پر جرأت ہوتی ہے۔ اس طرح ان کے درمیان مقابلہ کرا دیتا ہے اور ان کا کام تمام ہو جاتا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ کو خواب میں دکھایا کہ کافروں کی تعداد تھوڑی ہے آپ ﷺ نے صحابہ کو اطلاع دی تو ان کی ہمت بڑھ گئی اور یک گونہ اطمینان حاصل ہوا۔ اگر دشمن کی تعداد زیادہ نظر آتی تو ان کی ہمت پست ہو جاتی اور آپس میں اختلاف کر

Scanned by CamScanner

بیٹھتے۔کوئی کہتا جنگ کرنی چاہئے۔کوئی کہتا اتنی بڑی فوج کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔اللہ نے اپنی تائید وحکمت سے پست ہمتی اور اختلاف دونوں سے انہیں محفوظ رکھا۔

فائدہ: بعض اوقات معجزہ کے طور پر یہ ہوسکتا ہے کہ آنکھوں کا مشاہدہ غلط ہو جائے۔جب اللہ احول (بھینگا) کو ایک کے دو دکھا سکتا ہے تو اس کے لیے دشوار نہیں کہ کسی قوم کو کسی قوم کی نگاہ میں کم کر کے دکھادے یا زیادہ کر کے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ مراد حاصل کرو۔(۴۵) اور اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ اللہ صبر کرنے والے کا مددگار ہے۔(۴۶) اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو اِتراتے ہوئے (یعنی حق کا مقابلہ کرنے کیلئے) اور لوگوں کو دکھانے کیلئے گھروں سے نکل آئے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو یہ اعمال کرتے ہیں اللہ اُن پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔(۴۷)

یہاں ثبات سے مراد ثبات قدم اور ثبات قلب دونوں ہے۔ثبات سے مراد بے جگری سے لڑنا۔ثباتِ قلب ذکر اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور ثباتِ قلب کی وجہ سے ثبات قدم حاصل ہوتا ہے، اور اطاعت سے مراد کمانڈر کی اطاعت ہے تا کہ ڈسپلن قائم رہے۔

جنگ میں پہلا مضر پہلو نزاع ہے۔جس کے دو نتیجے بیان کئے گئے۔اول تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہو جاؤ گے۔دوسرا تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔اس کے بعد صبر کی تلقین کی گئی تا کہ نزاع سے بچنا آسان ہو جائے۔

دوسرا مضر پہلو: اپنی قوت وکثرت پر ناز یا اخلاص کے بجائے کوئی اور غرض مضمر ہونا۔

﴿تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ ریح کے معنی قوت کے ہیں جیسا کہ عربی کا ایک شعر ہے

اِذَا هَبَّتْ رِيَاحُكَ فَاغْتَنِمْهَا
فَاِنَّ لِكُلِّ خَافِقَةٍ سُكُوْنَا

(الإبانة في اللغة العربية: ۱/۴۹)

جب تجھ کو قوت وغلبہ حاصل ہو جائے تو غنیمت سمجھ، کیونکہ ہر متحرک چیز سکون پذیر بھی ہوتی ہے۔مثال کے ذریعے اس کو اس طرح سمجھیں کہ کوئی شخص موٹروں اور گاڑیوں کے راستے کے کنارے کھڑا ہو جائے اور کوئی تیز رفتار گاڑی اس کے پاس

Scanned by CamScanner

سے گزرے تو ہوا اس کو ایسی قوت سے دھکا دے گی اور اسے پیچھے ڈھکیل دے گی اور وہ پسپا ہو جائے گا۔

دشمن کے مقابلے کے لیے قرآنی ہدایت نامے کی دفعات:

(۱) ثبات (جمنا) ثبات قلب اور ثبات قدم دونوں داخل ہیں۔ جس کا دل ثابت نہ ہو اس کا قدم ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

(۲) ذکر اللہ۔انسان کے قلب کو ثابت رکھتا ہے۔ یہ روحانی ہتھیار ہے۔

(۳) اللہ ورسول کی اطاعت۔ کیونکہ اللہ کی نصرت اس کی اطاعت ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے اس کے بعد مضر پہلوؤں پر تنبیہ کر کے ان سے بچنے کی ہدایت کی گئی۔

(۱) نزاع واختلاف: نزاع کے دو نتیجے بیان کئے گئے (۱) ذاتی طور پر کمزور ہو جاؤ گے (۲) ہوا اُکھڑ جائے گی، دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ ذاتی کمزوری کا مطلب اتحاد کی صورت میں ہر ایک فوجی کے ساتھ پوری جماعت کی طاقت لگی ہوتی ہے جب اتحاد نہ رہا تو اس کی اکیلی قوت رہ گئی۔

(۲) صبر: نزاع سے بچنے کا کامیاب نسخہ بتایا گیا۔ نزاع وہاں ہوتا ہے جہاں اختلاف رائے کے ساتھ اپنی بات منوانے کا جذبہ کارفرما ہو (ایک ہے اپنی رائے دینا اور دوسرا اپنی رائے دوسروں پر تھوپنا) اس کے بعد صبر کا عظیم فائدہ بتایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (سورۃ البقرہ:) یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ پھر یہ کہا گیا کہ اپنی قوت پر ناز نہ ہو یا کام میں اخلاص کے بجائے کوئی اور غرض مضمر ہو۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

اور جب شیطانوں نے اُن کے اعمال اُن کو آراستہ کر دکھائے اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آراء) ہوئیں تو پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے، مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ (۴۸)

شیطان:

عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ﴾ (سورہ انفال:۴۸)، قَالَ الْكَلْبِيُّ: "إِنَّ سُرَاقَةَ بْنَ مَالِكٍ تَمَثَّلَ بِهِ الشَّيْطَانُ، وَقَالَ: لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ، وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ فَاثْبُتُوا فَلَمَّا رَأَى الْمَلَائِكَةَ ﴿نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ

Scanned by CamScanner

﴿بَرِيٓءٌ مِّنكُمْ إِنِّيٓ أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ﴾ (تفسیر عبد الرزاق: ۲/۱۲۴) کلبی نے کہا کہ شیطان سراقہ بن مالک کنانی کی شکل میں کافروں کے روبرو آ کر انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "جَاءَ إِبْلِيسُ يَوْمَ بَدْرٍ فِي جُنْدٍ مِنَ الشَّيَاطِينِ مَعَهُ رَأْيَتُهُ فِي صُورَةِ رَجُلٍ مِنْ بَنِي مُدْلِجٍ فِي صُورَةِ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ، فَقَالَ الشَّيْطَانُ لِلْمُشْرِكِينَ: لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ، فَلَمَّا اصْطَفَّ النَّاسُ، أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْضَةً مِنَ التُّرَابِ، فَرَمَى بِهَا فِي وُجُوهِ الْمُشْرِكِينَ، فَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ. وَأَقْبَلَ جِبْرِيلُ إِلَى إِبْلِيسَ، فَلَمَّا رَآهُ، وَكَانَتْ يَدُهُ فِي يَدِ رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، انْتَزَعَ إِبْلِيسُ يَدَهُ، فَوَلَّى مُدْبِرًا هُوَ وَشِيعَتُهُ، فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا سُرَاقَةُ تَزْعُمُ أَنَّكَ لَنَا جَارٌ؟ قَالَ: ﴿إِنِّيٓ أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ وَٱللَّهُ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ﴾ (الانفال: ۴۸) "وَذَلِكَ حِينَ رَأَى الْمَلَائِكَةَ" (تفسیر طبری: ۱۳/۷)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیطان بدر کے دن بنو مدلج کے ایک شخص سراقہ ابن مالک کی شکل میں آیا اور مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا۔لیکن جب فرشتوں کو اترتے دیکھا تو میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ کہتے ہوئے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

فائدہ: شیطان انسان کا دشمن ہے۔ انسان کو نقصان پہنچانے کے لیے وہ طرح طرح کے حیلے اختیار کرتا اور بہروپ بدلتا رہتا ہے۔بعض اوقات دل میں وسوسہ ڈال کر اور بعض اوقات سامنے آ کر دھوکہ دیتا ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ نے شیطان کو قدرت دی ہے کہ وہ مختلف شکلیں بدل سکتا ہے۔

عمیر بن حُمام رضی اللہ عنہ کا واقعہ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ"، قَالَ: - يَقُولُ عُمَيْرُ بْنُ الْحُمَامِ الْأَنْصَارِيُّ: - يَا رَسُولَ اللَّهِ، جَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ؟ قَالَ: "نَعَمْ"، قَالَ: بَخٍ بَخٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا يَحْمِلُكَ عَلَى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ؟" قَالَ: لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِلَّا رَجَاءَةَ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا، قَالَ: "فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا"، فَأَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قَرَنِهِ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُنَّ، ثُمَّ قَالَ: لَئِنْ أَنَا حَيِيتُ حَتَّى آكُلَ تَمَرَاتِي هَذِهِ إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ، قَالَ: فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمْرِ، ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ: ۱۹۰۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کی چوڑائی زمین اور آسمان کے برابر ہے۔عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا اس کی چوڑائی اتنی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، کہا بخ بخ (واہ واہ) اور امید ظاہر کی کہ میں جنت والوں میں ہوں آپ نے فرمایا ہو گے۔تلوار کی میان توڑ ڈالی، کھجوریں کھا رہے تھے پھینک دیں، کہا اس کے کھانے تک زندگی طویل ہوگی، آگے بڑھے اور عروس شہادت سے ہمکنار ہوئے۔

فدیہ: جب قیدی فدیہ لے کر چھوڑے جانے لگے تو جعفر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے نوفل اور عقیل کا فدیہ دے کر چھڑا لو۔تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اتنا نقد کہاں سے لاؤں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سونا

Scanned by CamScanner

جو گھر میں مدفون کر کے آئے ہو نکالو! یہ سن کر عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے کیونکہ یہ بات سوائے ان کے اور ان کی بیوی کے کسی کو معلوم نہ تھی۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾

اور کاش تم اُس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے (ہیں اور کہتے ہیں) کہ (اب) عذابِ آتش (کا مزہ) چکھو۔ (۵۰)

﴿یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ﴾ ایک نکتہ امام رازی رضی اللہ عنہ نے یہ نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹنے کا اسے صدمہ ہوتا ہے ادھر آخرت پر جب نظر کرتا ہے تو ادھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ اس طرح اس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف گویا دوہری مار پڑتی ہے۔ (تفسیر الرازی جزء:۱۵، صفحہ:۴۰۴)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾

یہ اس لئے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں اللہ اُسے نہیں بدلا کرتا اور اس لئے کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ (۵۳)

عروج وزوال کا قانون:

یہ قوموں کے عروج و زوال کا قانون ہے جب کسی قوم کو اللہ نعمت عطا کرتا ہے تو اسی صورت میں اس نعمت کو چھینتا ہے جب وہ اس کی ناقدری کرتی ہے۔ امن و امان، خوشحالی، عزت و اقتدار سب اللہ کی نعمتیں ہیں مگر جب کوئی قوم سرکشی کرتی ہے تو امن کی جگہ خوف و ہراس، خوشحالی کی جگہ معاشی تنگی، اور رہا عزت و اقتدار کا معاملہ تو وہ بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

کوئی قوم جب تک اپنے احوال و اخلاق کو نہیں بدلتی تب تک اللہ اس پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ گناہوں پر نعمتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ انعامات کا مستحق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ گویا تبدیلی کا مطلب ہے کہ قوم گناہوں کو چھوڑ کر اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کرے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ (۵۵)

Scanned by CamScanner

انسان کی قدر و قیمت اسی وقت تک ہے جب تک اس کے اندر سوچنے سمجھنے کی رمق باقی ہے جس دن یہ رمق ختم ہوگئی وہ گندگی کا ڈھیر ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾

اور جہاں تک ہو سکے قوت (نشانہ بازی) سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے اُن کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا۔ (۶۰) اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اُس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا (اور) جانتا ہے۔ (۶۱)

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ کے بعد آیت ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ سے بتانا یہ ہے کہ طاقت کے استعمال کا مقصد زمین میں خونریزی نہیں بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ (حق کی سربلندی) اور کفر و شرک کا قلع قمع کرنا ہے۔ اگر یہ مقصد صلح کی صورت میں حاصل ہوتا ہو تو قبول کر لینا چاہیے۔

﴿قُوَّةٍ﴾ کی تفسیر نبی ﷺ نے تیر اندازی سے فرمائی ہے۔ آج اس آیت کے منشاء کو پورا کرنے کے لیے جنگی ٹینک، آبدوز، میزائل، راکٹ وغیرہ چیزوں کو مہیا کرنا ہوگا۔

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾

مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ دشمنوں سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں کو ہمیشہ جنگی تیاری کرنی چاہیے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ بدر میں مسلمانوں نے تیاری نہیں کی تھی۔ پھر بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی تو وہ اللہ کا انعام تھا۔ ورنہ ہر حال میں ایسا نہیں ہوتا۔ فتح ونصرت کے حصول کے لیے اللہ کی تائید کے ساتھ زمانے کے تقاضے کے مطابق اسباب جنگ کی فراہمی بھی ضروری ہے۔

لڑائی کب لڑی جائے؟

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ﴾ تین ہی حالتوں میں لڑائی کی اجازت ہے:

(۱) ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ:۱۹۰)

Scanned by CamScanner

(۲) ظلم وزیادتی کے موقع پر۔ ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ (سورۃ النساء:۷۵)

(۳) دعوت وتبلیغ کی راہ میں رکاوٹ ہو جیسے کوئی مسلمان ہوا تو اس کو ستایا جائے۔ اور کسی کو اسلام لانے سے روک دیا جائے اس کے بعد بھی لڑائی یکبارگی شروع نہیں کی جائے گی۔ پہلے گفت وشنید کی جائے گی، اگر مخالفین صلح پر آمادہ ہوں تو صلح کر لی جائے گی۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

اور اگر یہ چاہیں کہ تمہیں فریب دیں تو اللہ تمہیں کفایت کرے گا وہی تو ہے جس نے تمہیں اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی۔ (۶۲)

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اللہ نے نبی اور مومنین پر جو احسانات فرمائے ان میں سے ایک بڑے احسان کا ذکر فرمایا:

(۱) مومنین کے ذریعے نبی کی مدد فرمائی۔ وہ آپ کے معاون بنے۔

(۲) مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان جو عداوت تھی اسے محبت میں تبدیل کر دیا۔ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے اب آپس میں رحیم بن گئے۔ صدیوں سے چلی آ رہی پرانی دشمنی کو ختم کر دیا۔ یہ اللہ کی مہربانی تھی۔ ورنہ دنیا بھر کے خزانے دے کر بھی یہ گوہر مقصود حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور اُن کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو اُن کی

Scanned by CamScanner

رفاقت سے کچھ سروکار نہیں اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں تو تم کو مدد کرنی لازم ہے مگر اُن لوگوں کے مقابلے میں کہ تم میں اور اُن میں (صلح کا) عہد ہو (مدد نہیں کرنی چاہیئے) اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ (۷۲)

﴿مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ مواخات سے وراثت ہوئی تھی جو منسوخ ہوگئی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور اُن کی مدد کی یہی سچے مسلمان ہیں، ان کے لیے (اللہ کے ہاں) بخشش اور عزت کی روزی ہے۔ (۷۴)

مسلمانوں کی چار قسمیں:

(۱) ابتداء میں ایمان لائے اور ہجرت کی (مہاجرین)

(۲) جنہوں نے انہیں پناہ دی (انصار)

(۳) ایمان لائے مگر ہجرت کر کے مدینہ نہ آئے۔

(۴) بعد میں ایمان لائے پھر ہجرت کی اور بعد کے جہادوں میں شریک رہے۔

﴿هَاجَرُوْا﴾ ﴿اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ پہلے نے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ دوسرے نے ان کی خاطر لٹنے کے لیے اپنے بازو کھول دیئے۔

انسان کے لیے تین چیزیں ہیں:

(۱) روح (۲) بدن

(۳) مال۔ جب تک انسان ان تینوں کو مہذب نہیں کرے گا سعادت کا منہ نہ دیکھے گا۔

روح کی تہذیب، یہ ایمان بالجمیع (نبی کی لائی ہوئی ساری چیزوں پر ایمان) سے حاصل ہوتی ہے۔

ہجرت کرنا، بدن کو بچانا۔

مال کو بچانا، جہاد کرنا۔ ﴿اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

سچا ایمان کسی کو یا تو مہاجر بننے پر ملتا ہے یا انصار بننے پر۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورة التوبة (مدنية)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١

(اے اہل اسلام! اب) اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا بیزاری (اور جنگ کی تیاری) ہے۔(١)

سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں؟

اہل عرب جب اپنے معاہدوں کو منسوخ کرتے تھے تو اس منسوخی کی تحریروں پر بسم اللہ نہیں لکھتے تھے۔ سورۂ براۃ بھی چونکہ معاہدہ کی منسوخی کا اعلان ہے اس لیے اس میں عرب کے ذوق کی رعایت رکھی گئی۔ حج کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا تو شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا بسم اللہ امان ہے اور اس میں کفار کا امان ختم کر دیا گیا ہے۔

اس سورت کے ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی اس لیے مصحف میں نہیں لکھا گیا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن جس طرح نازل ہوا اسی طرح محفوظ ہے۔ یعنی یہ سورت جب نازل ہوئی تو بسم اللہ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی اس لیے اس کو مصحف میں نہیں لکھا گیا۔ یہ قرآن کی صحت کا ایک ثبوت ہے کہ قرآن جوں کا توں ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ شمشیر بے نیام ہے ان لوگوں کے لیے جو قرآن کے سارے مضامین سن لینے کے بعد اس کا اثر نہیں لیتے۔

ایک قول یہ ہے کہ سورۂ انفال اور برأت کے مضامین میں بہت یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہ سورت، گویا سورۂ انفال کا نتیجہ ہے اسی وجہ سے اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی ہے۔

سورۂ توبہ (سورۂ برأت)

اس میں تین مومنوں کی توبہ کا ذکر ہے، اس میں کفار سے برأت کا اعلان ہے۔ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد ہی وہ معاہدہ توڑ دیا گیا۔ صلح کے وقت بنوبکر، قریش کے حلیف بن گئے اور بنوخزاعہ، مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ صلح کی ایک دفعہ یہ تھی کہ دس سال تک کفار اور مسلمانوں میں جنگ نہیں ہوگی۔ بدعہدی کفار نے کی۔ بنوبکر نے صلح کے دو ہی سال بعد بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اور قریش مکہ نے اپنے حلیف بنوبکر کی مدد کی۔ حرم میں بھی انہیں قتل کیا۔ بمشکل یہ چالیس آدمی بچ سکے یہ چالیس آدمی مدینہ پہنچے اور اپنے قبیلے کا حال زار بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ دس ہزار مسلمانوں کو لے کر نکلے اس طرح مکہ فتح ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں اس سورت کی ابتدائی تیس یا چالیس آیات نازل ہوئیں۔ سورت کا بقیہ حصہ غزوۂ تبوک کے اثنا میں نازل ہوا۔ ان آیات کو مشتہر کرنے کے لیے علی رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

جب عزت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ پر اُن کی تاک میں بیٹھے رہو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو اُن کی راہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۵)

چار مہینے حرام کیوں؟

ذی القعدہ، حرام ہے کیونکہ جنگ وجدال سے باز رہیں اور مناسک حج کی تیاری کر کے آئیں۔ ذی الحجہ حرام ہے کہ مناسک حج امن سے ادا کریں۔ محرم، حرام ہے کہ امن سے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ دور دراز سے عمرہ کے لیے لوگ آئیں تو امن ہو۔

مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو کا مطلب:

یہ الٹی میٹم خاص طور پر مشرکین عرب کو دیا گیا تھا۔ جو لوگ اس آیت کے پس منظر کو سامنے نہیں رکھتے وہ یہ نتیجہ اخذ کرنے لگتے ہیں کہ قرآن مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ دنیا کے جس ملک میں مشرکین رہتے ہوں ان کو جہاں پاؤ وہاں قتل کرو، خواہ ان پر اللہ کی حجت قائم ہوئی ہو یا نہ قائم ہوئی ہو۔ خواہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے، جو خاص طور سے ہندوستان کے غیر مسلمین میں پائی جاتی ہے۔ یہ حکم خاص جگہ، خاص وقت، خاص لوگوں، خاص سبب، خاص حالت (جنگ) کے لیے تھا۔

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ اللہ سے متعلق اعمال میں سب سے اشرف نماز ہے اور مخلوقِ الٰہی سے متعلق افعال میں سب سے اشرف زکوٰۃ ہے۔

Scanned by CamScanner

اللہ سے تعلق کی دو قسمیں:

پہلا تعلق: رسمی عقیدہ کی حد تک ہوتا ہے جس میں آدمی دکھاوے کے لیے اعمال کرتا ہے مگر خود کو اور مال کو اللہ کی راہ میں نہیں دیتا۔

دوسرا تعلق: اپنے ایمان میں اتنا سنجیدہ ہو کہ اس راہ میں جو چھوڑنا ہے چھوڑ دے جو دینا ہے دیدے۔

نکتہ: مسلمانوں اور کافروں میں تفریقی معاملہ ''اسلامیت'' کی بنیاد پر ہے اگر مسلمان اسلامیت کھودیں تو تفریق کی کیا بنیاد ہو گی؟ کہ ایک کے لیے انعام ہو دوسرے کے لیے انتقام۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اُس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلامِ الٰہی سننے لگے پھر اُس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو اس لیے کہ یہ بے خبر لوگ ہیں۔(۶)

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ﴾ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خوستان ایک شہر تھا۔ مسلمانوں نے حملہ کیا تو انہوں نے اپنے آپ کو قلعے میں محصور کر لیا۔ پھر اچانک انہوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے کہا ہم نے اس لیے کھولا کہ تم نے ہمیں امان دیدی ہے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کمانڈر تھے۔ لوگوں نے کہا کس نے امان دی ہے۔ کہا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے غلام نے۔ لوگوں نے کہا ایک غلام کی امان کوئی معنی نہیں رکھتی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا۔ آپ نے جواب لکھا مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور اس کی امان سب کی امان ہے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸﴾

یہ اللہ کی آیتوں کے عوض تھوڑا سا فائدہ حاصل کرتے اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکتے ہیں کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں بُرے ہیں۔(۸)

﴿كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾

معاشرتی زندگی کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔

(۱) رشتہ دار (۲) قول و قرار

رشتہ داروں کے حقوق کا پاس اور جن سے قول و قرار ہو چکا ہے، اس قول و قرار کا لحاظ۔

﴿اِلًّا﴾ قرابت داری، رشتہ داری ﴿ذِمَّةً﴾ قول و قرار، عہد و پیمان

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، یہی لوگ امید ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں میں (داخل) ہوں۔ (۱۸)

---

(۱) مسجدوں کی تولیت مسلمانوں کی ہونی چاہیے۔

(۲) مسجدوں کی تعمیر اور اس کے انتظامات کافروں کے لیے ہرگز موزوں نہیں۔

(۳) کسی مسجد کا متولی ایسے شخص کو نہیں بنانا چاہیے جس نے شرک سے دوستی کر لی ہو اور وہ نماز و زکوٰۃ سے بے پرواہ ہو۔

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ مسجد کے متولی نماز کی پابندی کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خشیت الٰہی کی ہمہ تن تصویر بنے رہتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اے اہل ایمان! اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو اُن سے دوستی نہ رکھو اور جو اُن سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں۔ (۲۳)

اصل رشتہ اسلام و ایمان کا رشتہ ہے۔ نسبی اور وطنی تعلقات سب اس پر قربان کئے جائیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ اور اُس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (۲۴)

﴿اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ اور رسول کے سب سے زیادہ محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی

Scanned by CamScanner

کے سامنے دو متضاد دعوے اور مطالبے آجائیں۔ایک طرف اللہ ورسول کا مطالبہ، دوسری طرف کسی چیز کا مطالبہ، اور آدمی اللہ ورسول کے مطالبے کو نظر انداز کر کے دوسری چیز کے مطالبے کو ترجیح دے۔اللہ اور اس کے رسول سے محبت تمام فرائض سے بڑھ کر ہے۔

تین چیزیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ" (صحیح بخاری، کتاب الایمان:۱۶)

(۱) اللہ اور اس کا رسول دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو۔

(۲) کسی سے محبت رکھے تو اللہ کے لیے۔

(۳) اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کی طرف پلٹنا اتنا برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔

تالیف: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں بعض مؤلفۃ قلوب کے درمیان مال غنیمت کو تقسیم کر دیا اور انصار کو کچھ نہ دیا۔انصار کو کافی ملال ہوا کہ قربانیاں ہم دیں اور پھل کوئی اور لے جائے۔دبے لفظوں میں بعض انصار نے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا کہ ہماری تلواریں ابھی انہیں کے خون سے سرخ ہیں اور انہیں کو دیا جا رہا ہے جیسے ابوسفیان رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو صرف انصار کی ایک میٹنگ بلائی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثنا کے بعد فرمایا "يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ، أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِي وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا، قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ..." (صحیح بخاری، کتاب المغازی:۴۳۳۰)

اس کے آگے مسند احمد کے الفاظ ہیں: "فَبَكَى الْقَوْمُ، حَتَّى أَخْضَلُوا لِحَاهُمْ، وَقَالُوا: رَضِينَا بِرَسُولِ اللّٰهِ قِسْمًا وَحَظًّا، ثُمَّ انْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقْنَا" (مسند احمد:۱۱۷۳۰،حسن)

نکتہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب وفضائل پر بہت سی آیتیں ہیں مگر وہ انسان تھے لیکن پھر بھی ان سے کوئی چوک ہوئی تو قرآن میں ان کی ان غلطیوں کو ذکر کر کے انہیں تنبیہ بھی کی گئی۔اس میں امت کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اگر اس مقدس گروہ سے ذراسی بھی کوتاہی ہوئی جو رسول کے رفقاء خاص تھے تو انہیں اللہ کی طرف سے نہ صرف تنبیہ کی گئی بلکہ ذراسی چوک کے سبب انہیں مختلف آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا تو امت مسلمہ کے عام افراد انہیں غلطیوں کو دوہرا کر دنیا اور آخرت میں کیسے کامیاب ہوسکتے ہیں؟

غور کیجیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے سے جب بھی کسی چوک کا ذکر ہے تو فوراً یہ بھی وضاحت ہے کہ اللہ نے ان کی وہ ساری کوتاہیاں معاف کر دیں، لہٰذا ان سے ان کے مقام ومرتبہ پر کوئی حرف آنے والا نہیں۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ

مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾

اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہیں مدد دی ہے اور (جنگِ) حنین کے دن جب کہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ (۲۵) پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے مہربانی سے توجہ فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۶)

﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ تو فوراً ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾

یہ اسلوب اختیار کر کے اللہ نے ان لوگوں کو سخت قسم کی تنبیہہ کی ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو بنیاد بنا کر ان پر سب وشتم کرتے اور ان کی نیتوں پر حملے کرتے ہیں۔ جن کے لیے اللہ نے اپنی معافی کا اعلان کر دیا اور رضا کا پروانہ دیدیا، تو ہم کون ہوتے ہیں انہیں مورد طعن بنانے والے، اور جو ایسا کرے وہ درحقیقت اللہ پر اعتراض کر رہا ہے۔

﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾

فتح مکہ کے ۱۸-۱۹ دن بعد شوال میں حنین کا معرکہ ہوا۔ مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار تھا۔ اللہ کی مدد کے بجائے انہیں اپنی کثرت پر اعتماد ہو گیا اور عُجب (خود پسندی) میں مبتلا ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو کے قریب مسلمان رہ گئے باقی سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ نے ان پر سکینت نازل فرمائی، جس سے ان کا خوف دور ہوا۔ فرشتوں کا نزول ہوا۔ چھ ہزار آدمی قیدی بنائے گئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾

مومنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا بیشک اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔ (۲۸)

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ یہاں اعتقادی گندگی مراد ہے اسی نجاست کی وجہ سے حدود حرم میں مشرک کا داخلہ ممنوع ہے مگر اور مساجد میں ان کا داخل ہونا ممنوع نہیں۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں آنے کی دعوت دی تھی۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ

Scanned by CamScanner

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نُور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں۔ اگر چہ کافروں کو بُرا ہی لگے۔ (۳۲)

ان کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص سورج کی شعاعوں کو یا چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرے جس طرح یہ ناممکن ہے اسی طرح دین حق کا مٹانا ناممکن ہے۔ کافر کے معنی چھپانے والا، گویا کافر اللہ کے نور کو چھپانا چاہتا ہے نیز کافر کو کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف بغض وعناد چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾

جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا پھر اُس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔ (۳۴)

﴿كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ..... الخ﴾ اہل کتاب علماء ومشائخ دینداری کی آڑ لے کر دوکانداری کرنے لگے تھے۔

آج مسلمانوں میں کتنے مولوی ملا اور پیر ہیں جنہوں نے لوگوں کو پیری مریدی کے چکر میں پھانس رکھا ہے اور انہوں نے بزرگوں کی نذر ونیاز کا ڈھونگ رچا رکھا ہے تاکہ ان کے حلوے مانڈے کا سامان ہوتا رہے۔ نیز انہوں نے تعویذ گنڈے ایجاد کر رکھے ہیں تاکہ ان کے پیٹ کا کاروبار چلتا رہے۔ غور کیجئے، درگاہوں کی سرپرستی ومجاوری کا اصل سبب چراغاں اور چڑھاوے ہیں۔ ان بدعات کی تہ میں جو چیز نظر آئے گی وہ معاش ہے نہ کہ معاد۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ساری دینداری ڈھکوسلہ بن گئی۔

امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب ہونا ہے:

(۱) علماء (۲) مشائخ (۳) اغنیاء۔

یعنی رہنماؤں کی تین قسمیں:

(۱) اصحاب ثروت (۲) علماء (۳) مشائخ

یہ تینوں طبقے خراب ہو جائیں تو سارے ہی لوگ خراب ہو جاتے ہیں۔

﴿اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ باطل طریقے سے مال کھانا، موجودہ زمانے میں اس کو استغلال Exploitation کہتے ہیں۔ یہ مذہب کے نام پر ہو تو اس کی قباحت وشناعت دوچند ہو جاتی ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ اقتصادی دردناک عذاب یہ ہے کہ سرمایہ دار سرمایہ مدفون کر کے ملک کی دولت تباہ کر دیتے ہیں۔ اس سے افزائش کا کام لینے کے بجائے اس کو بیکار کر کے ملک کو فقر و محتاجی کے عذاب الیم میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۳۵

جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا پھر اُس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔ (۳۵)

ان تین چیزوں (پیشانی، پہلو، پیٹھ) کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ بخیل آدمی جو اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنا نہیں چاہتا اور جب کوئی سائل اس کے سامنے آتا ہے تو اس کو دیکھ کر سب سے پہلے اس کی پیشانی پر بل آتے ہیں۔ پھر اس سے نظر بچانے کے لیے دائیں بائیں مڑتا ہے اور اس سے بھی سائل اسے نہ چھوڑے تو اس کی طرف پشت کر لیتا ہے۔ اس لیے پیشانی، پہلو اور پُشت، اس عذاب کے لیے مخصوص کیئے گئے۔

﴿هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ﴾

وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ: "لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ: أُنْزِلَتْ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، لَوْ عَلِمْنَا أَيُّ الْمَالِ خَيْرٌ فَنَتَّخِذَهُ، فَقَالَ: "أَفْضَلُهُ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَقَلْبٌ شَاكِرٌ وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِيْنُهُ عَلٰى إِيْمَانِهِ"

(ترمذی، ابواب تفسیر القرآن: ۳۰۹۴، صحیح)

جب آیت ﴿وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ نازل ہوئی تو بعض صحابہ نے پوچھا: کہ سب سے بہترین مال کون سا ہے؟ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ذکر کرنے والی زبان، شکر گذار دل اور ایمان پر مدد کرنے والی مومنہ بیوی۔

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۵۱

کہہ دو کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہو، وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ (۵۱)

مسئلہ تقدیر و مسئلہ توکل:

اس آیت نے مسئلہ تقدیر اور مسئلہ توکل کی اصل حقیقت واضح کر دی۔ تقدیر و توکل پر یقین رکھنے کا حاصل یہ نہ ہونا چاہئے

Scanned by CamScanner

کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ جو کچھ قسمت میں ہوگا وہ ہو جائے گا بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ اسباب اختیار یہ کے لیے اپنی پوری توانائی صرف کر دے بحدّ قدرت اسباب جمع کرنے کے بعد معاملہ کو تقدیر وتوکل کے حوالے کر دے۔ کچھ لوگوں نے تقدیر کا انکار کر دیا اور انہوں نے مادی اسباب کو معبود بنالیا اور کچھ ناواقفوں نے تقدیر وتوکل کو اپنی بے کاری وکم ہمتی کا بہانہ بنالیا۔ اس آیت نے اس افراط وتفریط کو ختم کر دیا۔ ہمیں جو پیش آتا ہے وہ وہی ہے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے ہماری گردنیں اس کے فیصلے کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلْ ﴾ اللہ پرست اور دنیا پرست میں فرق: دنیا پرست جو کچھ کرتا ہے اپنے نفس کی رضا کے لیے کرتا ہے اس کے نفس کی خوشی دنیوی مقاصد کے حصول پر منحصر ہوتی ہے۔ مقصد حاصل ہو جائے تو پھول جاتا ہے حاصل نہ ہو تو مُردنی چھا جاتی ہے۔ اس کا سہارا تمام تر مادی اسباب پر ہوتا ہے وہ سازگار ہوں تو اس کا دل بڑھنے لگتا ہے۔ ناسازگار ہوں تو اس کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔

اللہ پرست جو کچھ کرتا ہے اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے اس کا بھروسہ مادی اسباب پر نہیں بلکہ اللہ کی ذات پر ہوتا ہے۔ مصائب کا نزول ہو یا کامرانیوں کا حصول۔ وہ سمجھتا ہے جو کچھ ہے اللہ کی مرضی ہے وہ پوری ہو رہی ہے۔ مصائب اس کا دل نہیں توڑتے اور کامیابیاں اسے اتراہٹ میں مبتلا نہیں کرتیں۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ (یا تو) اپنے پاس سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے (عذاب دلوائے) تو تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔ (۵۲)

مسلمانوں کی مصیبت پر منافقین کی خوشی کا یہ دوسرا جواب ہے کہ ہم ہر حال میں اچھے ہیں۔ بچے تو غازی مرے تو شہید۔ دنیا میں فتح ہوئی تو ایک بھلائی ہے، شہید ہوئے تو جنت کی نعمتوں سے متمتع ہوں گے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

کہہ دو کہ تم (مال) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، تم نافرمان لوگ ہو۔ (۵۳)

﴿ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ﴾ منافقین کے صدقات کے عدم قبول کی تین دلیلیں بیان کی گئیں:

(۱) ان کا فسق (۲) نماز پر ثواب کی امید نہیں رکھتے، نہ اس کے ترک پر اس کی سزا کا خوف ہے۔

Scanned by CamScanner

(۳) کراہت سے خرچ کرنا۔ جس کام میں دل کی رضا نہ ہو وہ قبول کس طرح ہو سکتا ہے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

تم ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔ (۵۴)

اور ان کے چندے قبول کیے جانے میں رکاوٹ کی کوئی اور وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا ہے، اور (کسی نیکی میں) خرچ کرتے ہیں تو برا مانتے ہوئے خرچ کرتے ہیں۔ ﴿وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى﴾ اور یہ نماز میں آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں۔ اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مسجد سے باہر جن کی زندگی حقیقی دین سے خالی ہو تو مسجد کے اندر بھی اس کی زندگی حقیقی دین سے خالی ہوگی۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

آپ ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کیجئے اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔ (۵۵)

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ﴾

بسا اوقات اولاد دنیا میں مصیبت کا سبب اور وبال جان ہوتی ہے، نازوں سے پالا، پرورش کی، بڑے ہو کر بدچلن، شرابی، جواری اور بدکار ہو گئے۔ طوطا چشم ہو گئے۔ ایسی اولادیں ماں باپ کے دلوں کا ناسور ہیں۔ جن کی وجہ سے ماں باپ کی آنکھوں سے دن ورات آنسو جاری ہیں۔ یا اگر یہ نہیں تو اولاد اور مال کی محبت میں دل چور ہے مرتے وقت انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ مولیٰ سے غافل ہو کر مرتا ہے اور داغ مفارقت دنیا سے لے کر جاتا ہے۔

مستحقین زکوٰۃ:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

صدقات (یعنی زکوٰۃ وخیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنانِ صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں

کا جن کی تالیفِ قلب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے یہ حقوق) اللہ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔(۶۰)

زکوٰۃ: سونے کی زکوۃ کیسے نکالے؟: ایک آدمی کے پاس پاؤ بھر سونا ہے وہ اس کی زکوۃ نکالنا چاہتا ہے تو قیمت فروخت کے لحاظ سے نکالے گا یا قیمت خرید کے لحاظ سے؟

جواب: قیمت فروخت کے لحاظ سے نکالے گا۔ دلیل: ﴿فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴾ (معارج:۲۴) ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ (توبہ:۱۰۳) یعنی اس کے پاس موجود سونا جتنی قیمت کا ہے اسی اعتبار سے نکالے گا۔

سونے کا نصاب بیس دینار ہے، جس کا وزن موجودہ پیمانے کے لحاظ سے 85 گرام ہے۔ کیونکہ ایک دینار کا وزن 4.25 گرام ہوتا ہے اور چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور ایک درہم کا وزن 2.975 گرام ہے۔ اس طرح 200 درہم کا 595 گرام چاندی ہوتا ہے۔

کسی کے پاس اتنا روپیہ ہے جن کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب تک پہنچ جاتی ہے تو سال گذرنے کے بعد اڑھائی فیصد کے حساب سے اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔

غلہ میں پانچ وسق جو تین سو صاع کے برابر ہوتا ہے۔ تین سو صاع کی مقدار 750 کلوگرام ہوئی۔ ایسے شخص پر جو قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہے ایسی صورت میں قرض میں ہر سال زکوٰۃ واجب نہیں اگر قرض کی رقم کسی بھی وقت حاصل کی جاسکتی ہے تو اس میں ہر سال زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مدینہ منورہ میں ۲ ہجری میں آیا۔ غیر مسلموں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح والدین کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی مد سے کسی غریب کا گھر بنا دینا، شادی میں جائز ضروریات کے لیے دینا، بیمار کا علاج کرانا اور معاشی تنگی میں مبتلا شخص کو باہر جا کر کمانے کے لیے ویزا خرید کر دینا وغیرہ۔

زکوٰۃ کی رقم سے مسجد تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے اس آیت کریمہ میں زکوۃ کے جو آٹھ مصارف بتائے ہیں اس میں یہ داخل نہیں ہے۔ اسی طرح سڑکیں، بیت الخلاء وغیرہ بنانا بھی جائز نہیں نیز ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے، ٹیکس عبادت نہیں۔

زکوٰۃ کی مزید تفصیل: سونے چاندی کے زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے، اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ... الخ﴾ (سورۂ توبہ:۳۴) ہے یہ آیت عموم پر دلالت ہے۔ سونا چاندی چاہے سل کی شکل میں ہو یا زیورات کی شکل میں ذَهَب اور فِضَّة ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا، وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهَا: "أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هَذَا؟"، قَالَتْ: لَا، قَالَ: "أَيَسُرُّكِ

Scanned by CamScanner

أَنْ يُسَوِّرَكِ اللَّهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟"، قَالَ "فَخَلَعَتْهُمَا، فَأَلْقَتْهُمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَتْ: هُمَا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ" (ابوداؤد، کتاب الزکاۃ: ۱۵۶۳، حسن)

ایک عورت اپنی بیٹی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس کی زکوۃ نکالتی ہو؟

زکوۃ ان عبادات میں سے ہے جو تمام آسمانی صحیفوں میں فرض بتائی گئی ہے لیکن ان کے پیروؤں نے اس فرض کو اس طرح بھلا دیا تھا کہ ان کے مذہبی احکام کی فہرست میں کہیں اس کا نام نظر نہیں آتا تھا۔ جس طرح نماز ہر مذہب کا جزو لاینفک تھی اسی طرح زکوۃ بھی تمام مذاہب کا ہمیشہ ضروری جزو رہی ہے۔ دلیل یہ آیت کریمہ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ﴾ (سورۂ مریم: ۵۴) ﴿وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾ (سورۂ مریم: ۳۱) ہے۔

اسلام نے دولت کے تین سرچشمے قرار دیئے: (۱) سونا چاندی (۲) جانور (۳) پیداوار

نماز حقوق الٰہی میں سے ہے اور زکوۃ حقوق العباد میں سے ہے۔ یہ دونوں فریضے باہم لازم وملزوم ہیں۔ نماز اور زکوۃ کے باہم ارتباط کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ اسلام کی تنظیمی زندگی دو بنیادوں پر قائم ہے ایک روحانی دوسرے مادی۔ اسلام کا نظام روحانی نماز سے، اور نظام مادی زکوۃ سے مرتب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بعض قبیلوں نے کہا کہ وہ زکوۃ بیت المال میں داخل نہیں کریں گے بلکہ بطور خود اس کو صرف کریں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس تجویز کو قبول نہیں کیا اور بزور زکوۃ کو بیت المال میں داخل کرنے پر مجبور کیا۔ زکوۃ کے مصارف کی تعیین نہ کی جاتی اور مستحقین کے اوصاف نہ بیان کئے جاتے تو یہ سرمایہ بادشاہوں کی عیش وعشرت کی نذر ہو جاتا، گویا جو مستحق نہیں اس کا زکوۃ لینا حرام ہے۔ دو برابر حاجت مند ہوں تو اقرباء کو ترجیح دی جائے۔

زکوۃ کا مفہوم، تزکیہ ہے۔ جو صفائی اور نمو دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ (سورۃ الشمس: ۸) تزکیہ ہر صفائی کو نہیں کہتے۔ بلکہ گندگی کو صاف کر کے خوبیوں کو نشوونما دینے کا نام ہے۔ جس طرح آم کے پھولوں پر دوا چھڑکنا تاکہ کیڑے مر جائیں یہ صفائی ہے اور باکورہ (ٹکورا) کو نمو (ترقی) ملے۔ انسان کی روحانی بیماری اللہ کا خوف یا محبت کا نہ ہونا ہے۔ نماز سے اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ دوسری بیماری ماسوا اللہ سے محبت ہے۔ اس بیماری کا علاج زکوۃ ہے۔

سود اور صدقہ:

سود میں نقصان اور صدقہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مشاہدے کے برعکس ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ سود خور گو شخصی دولت میں اضافہ کرتا ہے مگر جماعتی دولت کو برباد کر دیتا ہے۔ جس سے پوری قوم مفلس ہو جاتی ہے اور آخر وہ شخص بھی تباہ ہو جاتا ہے۔ صدقہ دینے سے کبھی اتفاقی خطرہ میں پڑ جائے تو اس کی امداد کے لیے پوری قوم کھڑی ہو جاتی ہے مگر سود خور کے لیے انگلی نہیں ہلاتی۔

دولت کو سینت کر رکھنے والے کے لیے تباہی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۔ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ (سورہ ہمزہ: ۱-۲) اور زکوۃ ان چیزوں میں واجب ہوتی ہے جن میں دو صفتیں ہوں (۱) بقا (۲) نمو۔

Scanned by CamScanner

ایک مدت تک اپنی حالت پر رہ سکیں۔
اس میں افزائش کی صلاحیت ہو۔
جب ہر شخص کو لازمی طور پر ہر سال ایک خاص رقم ادا کرنا ہے تو وہ کوشش کرے گا کہ جہاں تک ہو یہ رقم منافع سے ادا کرے اور اصل سرمایہ محفوظ رکھے۔
مالدار اور غریب دو طبقے: دونوں طبقوں کو اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے اخلاقی معیار کی ترقی کا موقع مل گیا۔ اگر غرباء کو دریوزہ گری اور گداگری کی اجازت دی جائے تو انسانوں کی ایک وسیع آبادی کی اخلاقی زندگی تباہ ہو جائے گی اور امراء کا طبقہ معائب کی کثرت کی وجہ سے ہلاک اور اخلاقی محاسن سے تہی دامن ہو جائے گا۔ دونوں طبقوں کی اپنی کمزوریوں کی اصلاح کی صورت ہاتھ آ گئی۔ دولت مندوں کو خطاب کیا ﴿وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ (سورۂ ضحیٰ:۱۰) اور غریبوں کے بارے میں فرمایا ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۷۳) بھیک مانگنے کو خلاف تقویٰ کہا۔
﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ (بقرہ:۱۹۷) امیر سے کہا جو تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اس کو خالی نہ لوٹاؤ۔ غریب سے کہا تمہاری خودداری یہ ہو کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ "اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى"
(بخاری، کتاب الزکوۃ:۱۴۲۷)
یورپ نے بڑی تحقیق کے بعد اشیاء کے تجارتی وتمدنی تنزل کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہاں مال کا اکثر حصہ زمین میں مدفون رکھا جاتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے زکوٰۃ کی فرضیت بتا کر یہ نکتہ بتا دیا تھا۔
صدقہ فطر ایک صاع یعنی دو کلو چھ سو گرام ہوتا ہے اور پانچ وسق ۷۵۰ کلوگرام یا ۶۵۳ کلوگرام ہوتا ہے۔ بارانی زمین ہے تو دسواں یعنی ۶۵ کلو تین سو گرام، اور سنچائی والی زمین ہے تو بیسواں یعنی ۳۵ کلو ۶۵۰ گرام زکوٰۃ ہوگی۔ ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (سورہ انعام:۱۴۱) یعنی غلّے پر زکوۃ اس کی کٹائی کے وقت ہے۔ سونا ۸۵ گرام یعنی ساڑھے سات تولہ، چاندی ۵۹۵ گرام یعنی ساڑھے باون تولہ۔

پلاٹ کی زکوٰۃ

موجودہ وقت میں بہت سارے لوگ اپنے پیسے کو زمین میں انویسٹ کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کی قیمت میں بہت تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انویسٹ کرنے کے مقصد سے پلاٹ وغیرہ خریدتا ہے یا اس غرض سے خریدتا ہے کہ جب زمین کی قیمت میں اچھا خاصا اضافہ ہو جائے گا تو اسے بیچ کر اپنے بچوں کی شادی کرے گا یا کوئی اور کام کر لے گا تو کیا اس زمین اور پلاٹ کی زکاۃ نکالنی ہوگی۔ اس سلسلے میں سعودی عرب کی دائمی فتوی کمیٹی نے اپنے ایک فتوے میں کہا:
"هذه الأرض التي اشتريتها وفي نيتك أن تبيعها إذا عزمت على الزواج هي من عروض التجارة؛ لعزمك على بيعها متى تيسرت لك أمور الزواج، وعلى ذلك يجب عليك أن تقومها إذا تم لها حول من شرائك لها ونيتك بيعها، فما بلغت وقت التقويم أخرج ربع عشر قيمتها الحاضرة، وكلما تم لها حول

Scanned by CamScanner

آخر ولم يتم بيعها قومت عند تمام الحول وأخرج ربع عشر قيمتها المقدرة التي تبلغها وقت التقويم، سواء كانت قيمتها أقل مما اشتريتها به أو أكثر، فتخرج زكاتها نقدًا من جنس ما قومت به من الدراهم المعروفة الآن أو الذهب أو الفضة، وذلك أبرأ للذمة وأحوط وأدق في تقدير قيمتها" (رقم الفتویٰ، ۱۶۹۷۹۳)

یہ زمین جسے آپ نے اس نیت سے خریدا کہ جب شادی کرنے کا ارادہ ہوگا اسے آپ بیچ دیں گے، یہ زمین مالِ تجارت ہے کیونکہ آپ کا ارادہ یہ ہے کہ جیسے ہی شادی کی صورت بنے گی آپ اسے بیچ دیں گے۔ لہٰذا آپ کے لیے ضروری ہے کہ جس دن سے آپ نے وہ زمین خریدی تھی اور نیت کی تھی کہ آئندہ اسے بیچ دیں گے۔ اس دن سے ایک سال گزرنے کے بعد آپ اس زمین کی قیمت کا اندازہ کریں، اور جو اس وقت کی قیمت ہو اس کا چالیسواں حصہ (ڈھائی فیصد) بطور زکاۃ نکالیں گے۔ اور جب دوسرا سال پورا ہو اور زمین ابھی بکی نہ ہو تب بھی آپ سال پورا ہونے پر قیمت کا اندازہ لگائیں گے اور اس وقت کی قیمت کے اعتبار سے چالیسواں حصہ نکالیں گے خواہ اس وقت زمین کی قیمت آپ کی خرید کی قیمت سے کم ہو یا زیادہ ہو۔ اس کی زکاۃ نقد نکالی جائے گی خواہ رائج الوقت کرنسی کی صورت میں ہو یا سونے چاندی کی شکل میں ہو۔ اس طرح انسان اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا اور قیمت کے اندازے کے سلسلے میں بھی یہی صورت زیادہ محتاط اور بہتر ہے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: زمین وغیرہ کی زکاۃ کیسے نکالی جائے گی؟ کیا اسے بیچنے کے وقت اگر ایک بار زکاۃ دے دی جائے تو وہ پہلے کے سالوں کے لیے بھی کافی ہو جائے گی؟ شیخ نے جواب دیا:

"إذا كانت الأرض ونحوها كالبيت والسيارة ونحو ذلك معدة للتجارة وجب أن تزكى كل سنة بحسب قيمتها عند تمام الحول، ولا يجوز تأخير ذلك إلا لمن عجز عن إخراج زكاتها لعدم وجود مال عنده سواها، فهذا يمهل حتى يبيعها ويؤدي زكاتها عن جميع السنوات، كلَّ سنة بحسب قيمتها عند تمام الحول، سواء كانت القيمة أكثر من الثمن أو أقل، أعني الذي اشترى به الأرض أو السيارة أو البيت"

"هذا هو الذي عليه جمهور أهل العلم، لما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أمر بإخراج الصدقة مما يعد للبيع، ولأن أموال التجارة تقلب لطلب الربح بين أنواع العروض، فوجب على المسلم أن يخرج زكاتها كل عام، كما لو بقيت في يده نقوداً" (مجموع الفتویٰ: ۱۴/ ۱۶۱)

"جب زمین اور دوسری چیزیں جیسے گھر اور گاڑی وغیرہ تجارت کے لیے تیار کیے گئے ہوں تو واجب ہے کہ سال پورا ہونے کے وقت اس کی قیمت کے اعتبار سے ہر سال ان کی زکاۃ نکالی جائے، اس سلسلے میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے سوائے اس کے جو، زکاۃ نکالنے سے قاصر ہو۔ اس وجہ سے کہ اس کے پاس دوسرا کوئی مال ہی نہ ہو، تو یہ شخص اسے بیچنے تک انتظار کرے گا۔ پھر جب بیچے گا تو تمام سالوں کی زکاۃ نکالے گا، ہر سال کی زکاۃ کا حساب یوں کرے گا کہ سال پورا ہونے کے وقت جو قیمت رہی ہوگی اس کا اعتبار کرے گا، خواہ وہ قیمت اس گھر یا گاڑی کی اصل قیمت سے کم ہو یا زیادہ ہو۔ یہی جمہور اہل علم کا موقف ہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات وارد ہے کہ آپ نے ہر اس چیز کی زکاۃ نکالنے کا حکم دیا جسے تجارت

کے لیے تیار کیا جائے، اور اس لیے بھی کہ مختلف قسم کے اموال تجارت کا تبادلہ منافع کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے۔ تو مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ہر سال اس کی زکاۃ نکالے جیسے اس وقت نکالتا جب وہ چیز اس کے پاس نقد کی شکل میں ہوتی۔ (مجموعہ فتاوی ابن باز)

ان دونوں فتووں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انویسٹ کرنے کے مقصد سے لیے گئے پلاٹ وغیرہ کی حیثیت بھی مال تجارت کی ہے اور ہر سال ان کی زکاۃ موجودہ وقت کی قیمت کے اعتبار سے نکالنی ضروری ہے"۔

علامہ البانی کے نزدیک "عُرُوْضُ التِّجَارَةِ" (تجارت کے سامان جیسے پلاٹ وغیرہ) کی زکوۃ:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: قَالَ لِي عَطَاءٌ: "لَا صَدَقَةَ فِي اللُّؤْلُؤِ، وَلَا زَبَرْجَدٍ، وَلَا يَاقُوتٍ، وَلَا فُصُوصٍ، وَلَا عَرْضٍ، وَلَا شَيْءٍ لَا يُدَارُ، وَإِنْ كَانَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ يُدَارُ فَفِيهِ الصَّدَقَةُ فِي ثَمَنِهِ حِينَ يُبَاعُ" (مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/ ۶۷۹۲)

علامہ البانی اپنی کتاب تَمَامُ الْمِنَّةِ میں لکھتے ہیں "سنده صحيح جدًا" یعنی مذکورہ روایت کی سند بہت صحیح ہے۔

"وَلَا شَيْءٍ لَا يُدَارُ اى لَا يُتَاجَرُ بِهِ- وَإِنْ كَانَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ يُدَارُ فَفِيهِ الصَّدَقَةُ فِي ثَمَنِهِ حِينَ يُبَاعُ" کسی ایسی چیز میں جو تجارت کے لیے نہ ہو مثلاً کسی نے کوئی چیز استعمال کے لیے خریدی ہے تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ اور اگر تجارت کے لیے خریدی ہے مثلاً کوئی پلاٹ تجارت کے ارادے سے خریدا ہے تو حِينَ يُبَاعُ (جس وقت وہ بیچا جائے گا) اس وقت اس کی قیمت میں زکوۃ نکالی جائے گی لیکن چونکہ روایت میں سال گذرنے یا نصاب کا بیان نہیں ہے اور نہ یہ ذکر ہے کہ کتنا نکالا جائے تو اس کو زکوۃ مطلقہ پر محمول کیا جائے گا جو کسی زمانے یا مقدار و کمیت پر دلالت نہیں کرتا۔ اب بیچنے کے بعد جتنا اس کا دل چاہے اتنا نکال دے اور یہ اس آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ (سورہ بقرہ: ۲۶۷) (اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے خرچ کرو) کے عموم میں بھی داخل ہے۔ اور جو لوگ "عروض التجارة" (تجارت کے سامان) جیسے پلاٹ وغیرہ میں زکوۃ کے قائل ہیں ان کا جواب علامہ البانی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ پلاٹ وغیرہ کی زکوۃ کے بارے میں جو احادیث صحیح ہیں وہ صریح نہیں اور جو احادیث صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ کے مذکورہ فتویٰ پر ان کے زمانے میں کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی۔ رہا عروض التجارۃ (تجارت کے سامان) پر زکوۃ کے اجماع کا دعویٰ سو وہ باطل ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (۷۱)

Scanned by CamScanner

اخلاص اور اغراض

﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ منافقین اور مومنین کے حالات کا تقابل ذکر کیا گیا۔منافقین کے بارے میں فرمایا گیا ﴿بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ﴾ (سورۃ التوبہ:۶۷) اور اس کے مقابل مومنین کا ذکر آیا تو فرمایا ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (سورۃ التوبۃ:۷۱)اس میں اشارہ ہے کہ منافقین کے باہمی تعلقات اغراض دنیوی پر مبنی ہوتے ہیں نہ ان کی عمر زیادہ ہوتی ہے نہ ان پر وہ ثمرات مرتب ہوتے ہیں جو دلی دوستی پر مرتب ہوتے ہیں بخلاف مومنین کے وہ ایک دوسرے کے مخلص دوست اور ہمدرد ہوتے ہیں اور یہ دوستی چونکہ خالص اللہ کے لیے ہوتی ہے لہٰذا پائیدار رہتی ہے۔

﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ (سورۃ التوبہ:۲۹) جزیہ اس آزادی کی قیمت ہے جو انہیں اسلامی اقتدار کے تحت اپنی گمراہیوں پر قائم رہنے کے لیے دی جاتی ہے۔آزادی کے استعمال کی اجازت دیتا ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔

﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اہل کفر ونفاق ایک دوسرے کا اتباع محض تقلید جامد اور مناسبت طبعی کی راہ سے کرتے ہیں بخلاف اس کے اہل ایمان میں جو اشتراک پایا جاتا ہے وہ استدلال عقلی اور توفیق الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ﴿بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ﴾ یعنی ایک دوسرے کی جنس سے ہیں صفت نفاق میں سب متحد اور مومنین کے دائرے سے خارج۔

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ﴾

مومنین کے اوصاف

(۱) ایک دوسرے کے غمخوار،معاون ہیں۔ ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾

(۲) بھلائی کا حکم دینا۔ ﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

(۳) برائی سے روکنا۔

﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ برائی پر روک ٹوک سے چار قسم کے اثرات:

(۱) برائی کی جگہ بھلائی آجائے۔

(۲) برائی ختم نہ ہو مگر کم ہو جائے۔

(۳) ایک برائی کی جگہ دوسری برائی آجائے۔

(۴) برائی کی جگہ اس سے بڑی برائی آجائے۔

پہلی دو صورتوں میں نہی عن المنکر کی اجازت ہے۔دوسری صورت میں اجتہاد کی گنجائش ہے،مگر تیسری صورت حرام ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

Scanned by CamScanner

اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی اُس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اُس کی قبر پر (جا کر) کھڑے ہونا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کیساتھ کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو نافرمان (ہی مرے)۔ (۸۴)

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ان کی نماز جنازہ مت پڑھیے۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: "اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ" (ابوداود، کتاب الجنائز، :۳۲۲۱، صحیح)

قبر پر اجتماعی دعا کا ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ میں رفع الیدین بھی نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ نماز عیدین اور نماز جنازہ میں رفع الیدین کی جو روایت ہے وہ ضعیف ہے:

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ أَبِيهِ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا دُعِيَ لِجِنَازَةٍ سَأَلَ عَنْهَا، فَإِنْ أُثْنِيَ عَلَيْهَا خَيْرٌ قَامَ فَصَلَّى عَلَيْهَا، وَإِنْ أُثْنِيَ عَلَيْهَا غَيْرُ ذَلِكَ" قَالَ لِأَهْلِهَا: "شَأْنُكُمْ بِهَا، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهَا" (مسند احمد: ۲۲۵۵۵، صحیح)

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو جب کسی جنازہ کی اطلاع دی جاتی تو آپ ﷺ اس کے بارے میں دریافت کرتے۔ اگر لوگ اس کی تعریف کرتے یعنی اس کے سچے مسلمان ہونے کی گواہی دیتے تو آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ اس کے گھر والوں سے کہہ دیتے اسے جیسے چاہو دفن کردو۔ (آپ نماز نہ پڑھاتے)

﴿وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ بعد دفن قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا مسنون ہے۔ مگر ان کی قبر پر آپ نہ کھڑے ہوں۔

حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: "أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ بَعْدَمَا دُفِنَ فَأَخْرَجَهُ، فَنَفَثَ فِيهِ مِنْ رِيقِهِ وَأَلْبَسَهُ قَمِيصَهُ" (بخاری، کتاب الجنائز: ۱۲۷۰)

رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول ﷺ کے پاس آئے اور کہا آپ ﷺ بطور تبرک اپنی قمیص عنایت فرما دیں کہ میں اُسے اس میں کفنا دوں اور آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ آپ ﷺ نے یہ دونوں چیزیں کر دیں۔ اس کے بعد اس کے منہ میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا۔ اس کے باوجود عبداللہ ابن اُبی جہنمی ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ جو ایمان سے محروم ہوا سے دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کی دعائے مغفرت اور اس کی سفارش کوئی فائدہ نہ پہونچا سکے گی اور جب آپ ﷺ کی قمیص سے عبداللہ ابن ابی کو کوئی فائدہ نہ ہوا تو عدم ایمان کے ساتھ موئے مبارک، نعلِ مبارک جیسے تبرکات کیا فائدہ دے سکتے ہیں؟

یہود جب بدعمل ہوئے تو عمالقہ ان سے تابوت سکینہ چھین کر لے گئے جس میں تبرکات تھے۔

Scanned by CamScanner

شانِ نزول: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبداللہ ابن ابی کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ جو صحابی تھے باپ کی تدفین کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرتا مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرتا دے دیا۔ پھر آئے اور نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کرتا پکڑ لیا اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ نے منافقین کے لیے دعا کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ ستر سے زائد مرتبہ بخشش مانگنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر سے زائد مرتبہ بخشش مانگنے کے لیے تیار ہوں۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ﴾

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ: ۲۴۰۰)

﴿وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ یہ نماز جنازہ اور دعائے مغفرت نہ کرنے کی علت ہے جس کا مطلب یہ کہ جس کا خاتمہ کفر وفسق پر ہوا ہو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ بطور خاص اہل علم کو فاسق اور بدکار قسم کے لوگوں کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ پتہ یہ چلا کہ جو ایمان سے محروم ہوں اسے نبی کی دعائے مغفرت اور شفاعت بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرتہ برکت نہیں پہنچا سکتا۔

عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جس شخص کا حال معلوم نہ ہوتا اس کی نماز جنازہ اس وقت تک نہ پڑھتے جب تک حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھتے۔

﴿وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ﴾ اس سے ثابت ہوا کہ کسی کافر کی قبر یا اسٹیچو کے سامنے اکراماً کھڑا ہونا جائز نہیں۔ بعض نام نہاد مسلمان مشرک لیڈروں کے مرنے کے وقت ان کے سرہانے قرآن تلاوت کرتے ہیں جب کہ وہ زندگی بھر قرآن کا انکار کرتے رہے۔

سوال: ایک بچہ پیدائش کے بعد مر گیا۔ کتنے کپڑے دیئے جائیں؟

جواب: (۱) ایک کپڑا بھی جائز ہے جیسا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔

(۲) دو کپڑے بھی جائز ہیں جیسا کہ اس مُحرم (احرام باندھنے والا) کو دیا گیا جسے اونٹنی نے پٹک کر مار دیا تھا۔

(۳) تین کپڑے افضل ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین کپڑے دیئے گئے۔

﴿فٰسِقُوْنَ﴾ گنہگار اور بے اعتقاد میں فرق:

آدمی سے بدی ہو مثلاً نماز اور روزہ سے غافل ہے مگر وہ شرمندہ ہے تو گنہ گار ہے۔ اور بدی پر شرمندہ نہ ہو اور اللہ کے عائد کردہ فرض کرنے نہ کرنے کو برابر سمجھے اور کرنے والوں پر طعن کرے وہ بے اعتقاد ہے۔

Scanned by CamScanner

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا
وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

اور ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا ان چیزوں سے اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو دنیا میں عذاب کرے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) یہ کافر ہی ہوں۔(۸۵)

﴿وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ﴾ عبدالعزیز بن مروان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو کہا میرے پاس وہ کفن لاؤ جو مجھے پہنایا جائے گا تاکہ میں اسے دیکھ لوں۔ جب کفن سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے دنیا کی چیزوں میں سے صرف یہی اتنا کپڑا ملے گا؟ پھر رخ پھیر کر رونے لگے، کہنے لگے اے دنیا تجھ پر افسوس۔ تیرا زیادہ بھی تھوڑا ہے اور جو تھوڑا ہے وہ تو بہت ہی تھوڑا ہے۔ مگر افسوس ہم تیرے ہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔(ابن کثیر)

منافق: دنیاوی مفاد ہو تو آگے آگے رہے۔ مفاد پر ضرب پڑے تو پیچھے ہٹ جائے۔ دنیا کے معاملے میں بے دریغ خرچ کرے۔ دین کے معاملے میں پھوٹی کوڑی نہ دے۔

﴿اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ﴾ کفار کے عیش و عشرت کے سامان کوئی فخر کی چیز نہیں، یہ عذاب کی ایک قسط ہے۔ آخرت میں اتنا عذاب بڑھا دیا جائے گا جتنا دنیا میں عیش کیا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ کافروں کے عذاب میں کمی بیشی کے درجات ہیں۔

وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِيُؤۡذَنَ لَهُمۡ وَقَعَدَ الَّذِيۡنَ كَذَبُوا اللّٰهَ
وَرَسُوۡلَهٗ ؕ سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۹۰﴾

اور صحرانشینوں میں سے بھی کچھ لوگ عذر کرتے ہوئے (تمہارے پاس) آئے کہ اُن کو بھی اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے سو جو لوگ اُن میں سے کافر ہوئے ہیں ان کو دردناک عذاب پہنچے گا۔(۹۰)

اور دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ بہانہ کرنے والے آئے تاکہ ان کو اجازت دے دی جائے، اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہ گئے، جو لوگ ان میں سے کفر ہی پر رہیں گے انہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔

﴿مُعَذِّرُوۡنَ﴾ عذر کرنے والے۔

﴿قَعَدَ الَّذِيۡنَ﴾ عذر کرنے بھی نہ آئے۔

﴿اَلۡمَرۡضٰى﴾ عذر صحیح کرنے والے: مریض: بیمار

﴿ضُعَفَآءِ﴾ جسمانی حالت کے معذور۔(ضعیف، اپاہج)

Scanned by CamScanner

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریکِ جہاد نہ ہوں یعنی) جبکہ اللہ اور اُس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے اُن کیساتھ) ہوں نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۹۱) اور نہ ان (بے سرو سامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ تمہارے پاس آئے کہ اُن کو سواری دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا، اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔(۹۲)

﴿اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ مالی حالت کے معذور: (بے سروسامان)

﴿لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ آپ کے پاس آئے کہ ہمیں سواری دے دیں۔ اور رسول کا یہ قول کہ میں تمہارے لیے سواری کا انتظام نہیں کر سکتا رسول کی بے بسی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں واضح دلیل کے باوجود مسلمانوں کا ایک جاہل طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ رسول کے پاس غیب کے خزانے ہیں اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی آپ سے مانگو تو نوازتے ہیں۔ رسول ﷺ کے اس قول "لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ" میں کہ میں سواری کا انتظام نہیں کر سکتا رسول ﷺ کے مختارِ کل ہونے کا رد ہے۔

منافقین آ کر عذر کرنے لگے۔ قسمیں کھانے لگے، آپ ﷺ خوش ہو گئے، مگر اللہ ان بدکار لوگوں سے خوش نہ ہو گا۔

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

گلشن بیگ آکوٹ
9021729835
ایڈمین
محمدیہ کتب لائبریری آکوٹ

Scanned by CamScanner

جامع مسجد اہل حدیث
آکوٹ

Scanned by CamScanner